چاند نگر گروپ آف پبلیکیشنز

کرن

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپر ایڈیٹرز

بانی ــــــ محمود بابر فیصل

نگران ــــــ محمود ریاض

مدیرہ ــــــ نادرہ خاتون

مدیر اعلیٰ ــــــ عامر محمود

نائب مدیرہ ــــــ شعاع عمیر

مدیرہ خصوصی ــــــ امت الصبور

اشتہارات ــــــ خالدہ جیلانی

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) ---- 700 روپے

ایشیا، افریقہ، یورپ ---- 6000 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا ---- 7000 روپے

جولائی 2017

جلد 40 شمارہ 4

قیمت 60 روپے

خط وکتابت کا پتہ

کرن

37- اردو بازار کراچی

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اُردو بازار، کراچی۔

پبلشر آزر ریاض نے ابنِ حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872

Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

بارش اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ دھرتی پر انسانی حیات کا دارومدار بارش پر ہی ہے۔ چرند، پرند، پیڑ پودے بھی بارش کے لیے دعا کرتے ہیں۔ کسان بیج بو کر آس بھری نظروں سے آسمان کو دیکھتے ہیں اور اللہ کی رحمت برس کر ان کی محنت کو سونے میں تبدیل کر دیتی ہے۔

کراچی میں پچھلے کئی سالوں سے بارش ہوتی ہی نہیں اور ہوتی بھی ہے تو برائے نام، جس کی بنا پر یہاں فضائی آلودگی میں بے پناہ اضافہ ہو چکا ہے۔ بارش نہ ہونے کے باعث پانی کی کمیابی بھی مسئلہ بن چکی ہے۔

لاکھوں لوگوں کی دعاؤں اور نمازوں کے بعد کراچی میں بارش کے چند چھینٹے پڑے تو موسم کی حدت میں کمی آئی اور شہریوں نے سکون کا سانس لیا لیکن شہری اداروں کی نااہلی اور عدم کارکردگی کے باعث یہ بارش رحمت کے بجائے زحمت بن گئی۔ بارش کا پہلا چھینٹا پڑتے ہی بجلی غائب۔ شہر کی گلیاں، سڑکیں سیلاب کا منظر پیش کرنے لگیں۔ شہر میں کوڑا کرکٹ کے ڈھیر تو پہلے ہی لگے تھے، بارش نے گندگی میں مزید اضافہ کر دیا۔ شہری انتظامیہ کی نااہلی اور ناقص کارکردگی کھل کر سامنے آگئی۔ حالانکہ یہ بارش غیر متوقع نہیں تھی۔ محکمہ موسمیات کی پیش گوئی سامنے آچکی تھی اس کے باوجود پانی کی نکاسی کے لیے کوئی انتظامات نہیں کیے گئے۔

میئر کراچی نے شہر کی اس حالت کا ذمہ دار "غیر معمولی" بارش کو قرار دیا ہے حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ کراچی کے شہری جانتے ہیں اس سے زیادہ بارشیں ہوتی رہی ہیں لیکن شہر کا یہ حال کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔

بارش معمولی ہو یا غیر معمولی، شہر کی صفائی اور پانی کی نکاسی کے لیے انتظامات کرنا شہری انتظامیہ کا فرض ہے۔ عوام لاکھوں روپیہ ٹیکس کی مد میں ادا کرتے ہیں تو ان کو سہولیات بھی مہیا ہونا چاہئیں۔

اس شمارے میں،

- اداکار طلعت حسین سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں رضوان زیدی،
- اداکار آفان وحید قریشی "کہتے ہیں میری بھی سنیے"،
- اس ماہ معمولہ نشار کے مقابل ہے آئینہ،
- سلسلے وار ناول "راپنزل" اختتام کی طرف،
- "مہجور نشین" مصباح علی سید کا مکمل ناول،
- فرح بخاری کا مکمل ناول "گلاب دل"،
- "چوڑیاں تیرے نام کی" دیسحانہ آفتاب کا مکمل ناول،
- منشا محسن علی کا ناولٹ "بیلا"،
- "رات پہلو کی منتظر تیری" نما حسنین کا ناولٹ،
- راشدہ رفعت، طیبہ مرتضیٰ، صائمہ قریشی، عائشہ تنویر، مریم مرتضیٰ اور ثمینہ مشتاق کے افسانے اور مستقل سلسلے،

مفت،

• کرن کا دسترخوان، کرن کے ہر شمارے کے ساتھ علیحدہ سے مفت پیش خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

قرباں میری ناقص، میں عصیاں شعار
تری حمد کیسے ہو پروردگار

فقط "کُن" سے تُو نے بنایا جہاں
عجب تری قدرت، عجب کاروبار

تُو جبار و قہار بھی ہے مگر
ہے رحم و کرم بھی ترا بے شمار

تُو چاہے تو خشکی سے طوفاں اُٹھے
ترے دم سے طوفاں میں ہو بیڑا پار

بنا اپنے انجمؔ کو رشکِ قمرؔ
دُعا ہے الٰہی یہی بار بار

حامد الانصاری انجم

نور ہیں، نورِ مجسم ہیں رسولِ عربیؐ
وجہِ تخلیقِ دو عالم ہیں رسولِ عربیؐ

اقدس و اطہر و اکرم ہیں رسولِ عربیؐ
اشرف و افضل و اعظم ہیں رسولِ عربیؐ

مجھ پہ رحمت کا اک ادنیٰ سا اشارہ ہو جائے
خود ہی مٹ جائیں گے جو غم ہیں رسولِ عربیؐ

آپؐ ہیں دل کے ہر اک درد کا درماں آقا
آپؐ ہر زخم کا مرہم ہیں رسولِ عربیؐ

کہہ رہی ہے یہی قرآن کی تفسیر نفیس
آپؐ کونین کے محرم ہیں رسولِ عربیؐ

نفیس فرید

طلعت حسین سے ملاقات

شاہین رشید

طلعت حسین ایک جیتا جاگتا نام، ہمارے ملک کا سرمایا ہمارے ملک کی اکیڈمی جس کو ان کی صحبت ملی اس نے بہت کچھ سیکھا۔ ایک اچھا فنکار ہمیشہ زندہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ طلعت حسین صاحب کی لمبی زندگی کرے، ان کے بغیر ہمارے ڈرامے کچھ بھی نہیں۔ کم کم نظر آتے ہیں کیونکہ بقول ان کے اداکاری میرا شوق ہے، میرا پروفیشن نہیں۔

* "کیا حال ہیں؟"

☆ "جی اللہ کا شکر ہے۔"

* "آپ نے ساری زندگی اس فیلڈ کو پروفیشن نہیں بنایا... مگر آج کل تو لوگ آتے ہی اس فیلڈ میں اس لیے کہ یہ ایک "پروفیشن ہے"؟"

☆ "میری والدہ بھی ریڈیو کی بہت خوب صورت آواز تھیں۔ براڈ کاسٹر تھیں۔ ان کی عزت دتوقیر دیکھ کر میرا بھی دل چاہتا تھا اس فیلڈ میں آنے کا... مگر میری والدہ قطعی نہیں چاہتی تھیں کہ میں اس فیلڈ میں آؤں۔"

* "کیوں؟"

☆ "بس ان کی خواہش تھی کہ میں سول سروس میں جاؤں۔ مگر میں سول سروس میں نہیں جانا چاہتا تھا... میری خواہش کو دیکھتے ہوئے پھر ایک دن مجھے میری امی ریڈیو اسٹیشن لے گئیں آڈیشن کے لیے اور میں آڈیشن میں کامیاب ہوا... اس زمانے میں "اسکول براڈ کاسٹ" ہوا کرتا تھا اور مجھے یہ پروگرام بہت پسند تھا... میں نے والدہ کو بتایا کہ یہ پروگرام طالب علموں کے لیے کتنا کار آمد ہے... تب امی نے اجازت دے دی اور یوں آہستہ آہستہ ریڈیو پہ میری جگہ بنتی چلی گئی۔"

* "اور وہ تعلیم کا خواب جو آپ کی امی نے دیکھا تھا؟"

☆ "یہاں پاکستان میں انگریزی ادب میں گریجویشن کیا اور مزید تعلیم کے لیے ملک سے باہر یعنی 'یو کے' چلا گیا اور تھیٹر آرٹس میں "لندن اکیڈمی آف میوزک

اینڈ ڈرامیٹک آرٹ سے ٹریننگ لی اور گولڈ میڈل بھی لیا ... اور پڑھائی کے دوران مجھے بی بی سی پہ کام کرنے کا

بھی موقعہ ملا اور وہاں کام کر کے میں نے بہت کچھ سیکھا اور جب پاکستان واپس آیا تو جو سیکھ کر آیا تھا اسے استعمال میں لایا۔"

* "آپ نے گولڈ میڈل لیا' ٹریننگ لی... دل نہیں چاہا کہ اس ملک میں رہ جاؤں اور اپنا فیوچر بناؤں؟"

☆ "بہت مواقع تھے وہاں رہ کر اپنا فیوچر سیٹ کرنے کے... لیکن میرا دل نہیں لگتا تھا... میری خواہش تھی کہ جو کچھ سیکھا ہے جو کچھ پڑھا ہے اپنے ملک میں اپلائی کروں اور اپنا مقام بناؤں۔"

* "آپ جیسے سینئرز کا خیال ہے کہ ہمارا ڈرامہ زوال کا شکار ہوا ہے۔ آپ کیا کہیں گے؟"

☆ "ایک وقت تھا جب ہمارا ڈرامہ انڈیا کی درس گاہوں میں دکھایا اور پڑھایا جاتا تھا "پونا" اور "دہلی" اکیڈمیز میں ہمارے ڈراموں کے ذریعے سے ٹریننگ دی جاتی تھی اداکاری کی... مگر اب ایسا نہیں ہے۔ اب ہم ان کی نقل کرنے لگ گئے ہیں جس کی وجہ سے ہمارے ڈراموں کا معیار پہلے جیسا نہیں رہا ہے۔"

* "کیا زیادہ چینلز کھلنے سے معیار کم ہوا ہے؟"

☆ "بالکل... کیونکہ چینلز کو منصوبہ بندی کے تحت نہیں کھولا جاتا پھر ان کے پیٹ بھرنے کے لیے باہر سے مواد منگوانا پڑتا ہے۔ جس زمانے میں اسٹار ورلڈ اور زی ٹی وی (انڈیا کے) چینلز کا اجرا ہوا تھا تو انڈیا نے تقریباً" 3 ہزار لوگوں کو یورپ کے مختلف ممالک اور امریکہ میں ٹریننگ کے لیے بھیجا تھا تاکہ ہنر مند لوگ کام کر سکیں۔ آج جس رفتار سے چینل کھل رہے ہیں اور جس رفتار سے ڈرامے بن رہے ہیں مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں کہ اچھے لکھنے والوں اور اچھے ڈائریکٹرز کی بہت کمی ہے۔"

* "مگر اب تو بولڈ موضوعات پہ بھی لکھا جا رہا ہے؟"

☆ "ہاں... یہ اچھی بات ہے کہ ہر موضوع پر ڈرامے بن رہے ہیں... اور بیچ کا دور ایسا تھا کہ کچھ اچھا

نہیں بن رہا تھا اب حالات پہلے سے بہتر ہو گئے ہیں اور اچھے اور بولڈ موضوعات پر اچھے ڈرامے بن رہے ہیں۔"

* "کیا زیادہ چینلز کھلنا ترقی کی ضمانت ہے؟"

☆ "میرے خیال میں بہت زیادہ چینلز کی ضرورت نہیں بلکہ پانچ یا چھ چینلز ہونے چاہئیں اور چوبیس گھنٹے کی نشریات کا بھی میں قائل نہیں ہوں... ہمارے نیوز چینلز میں ہوتا ہی کیا ہے۔ ساری خبریں نگیٹو ہوتی ہیں اور اس سے دیگر ممالک میں ہمارا امیج خراب ہوتا ہے۔"

* "پھر تو ٹاک شو بھی آپ کو پسند نہیں ہوں گے؟"

☆ "نہیں... اس لیے کہ میرے نزدیک ان ٹاک شوز کا کوئی فائدہ نہیں ہے... آج تک یہ شوز ملک کو سدھارنے میں معاون ثابت نہیں ہوئے جس کا کام اچھا ہو... اور میں کسی سے متاثر ہو کر اس فیلڈ میں نہیں آیا... مجھے میرا شوق اور کام کی لگن اور کچھ کر دکھانے کا شوق اس فیلڈ میں لے کر آیا... ویسے ذاتی طور پر دلیپ کمار اور رچندر موہن اچھے لگتے تھے۔"

* "چینلز کی بھرمار نے نئی نسل کو بگاڑا ہے یا سنوارا

ہے؟"

☆ "بگاڑنے اور سنوارنے کی ساری ذمہ داری والدین یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت کس انداز میں کرتے ہیں۔ مگر پھر بھی نئی نسل کو بگاڑنے یا سنوارنے میں ہمارے میڈیا کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔۔۔ جب تک پی ٹی وی تھا تب تک سب کچھ ٹھیک تھا اس دور میں دوپٹے کو سر پر لینا عزت سمجھا جاتا تھا۔ مگر اب سر پر اوڑھنا تو دور کی بات رہی ہے دوپٹا لینا پسند نہیں کرتیں اور یہ سارا بگاڑ پرائیویٹ چینلز کا ہے۔ ان چینلز کو صرف پیسہ کمانے اور ریٹنگ کی فکر ہے۔"

* "تھیٹر زوال کا شکار ہوا یا اس نے ترقی کی؟"

☆ "اب تو تھیٹر کی حالت پر بھی افسوس ہوتا ہے۔ مگر اب پھر اس کی بہتری کے لیے کام ہو رہا ہے اور امید ہے کہ تھیٹر اپنی اصل شکل میں ضرور واپس آئے گا۔ ہمارے زمانے میں تھیٹر نے بہت ترقی کی کیونکہ اس زمانے میں اصلاحی ڈرامے پیش کیے جاتے تھے۔"

* "آپ نے ماشاء اللہ زندگی میں بہت عزت کمائی ہے اور ایوارڈ بھی حاصل کیے۔۔۔ کچھ بتائیے ان کے بارے میں؟"

☆ "بی بی۔۔۔ مجھے ماشاء اللہ زندگی میں اتنی ایوارڈز ملے کہ ان کی صرف لڑائیاں ہو رہی ہوتی ہیں یا سب ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہوتے ہیں اور دیگر لوگ یعنی دیکھنے والے انجوائے کر رہے ہوتے ہیں۔"

* "آپ ایک انسٹیٹیوٹ میں اداکاری کی ٹریننگ دیتے ہیں جبکہ کہا جاتا ہے کہ فنکار تو پیدائشی ہوتا ہے؟"

☆ ہنستے ہوئے "بالکل ٹھیک کہتے ہیں لوگ کہ فنکار پیدائشی ہوتا ہے۔۔۔ مگر جس طرح ہیرے کو جب تک تراشیں نہیں اس کی اصل شکل باہر نہیں آتی۔۔۔ تو پیدائشی فنکار کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے مزید اچھا بننے کے لیے کچھ بنیادی باتوں کا سیکھنا بہت ضروری ہے اور وہ بنیادی باتیں ہم انہیں سکھاتے ہیں۔"

* "اداکاری کے شعبے میں اور ڈائریکشن کے شعبے میں کچھ ترقی ہوئی ہے آپ کے خیال میں؟"

☆ "بہت ترقی ہوئی ہے۔ بہت اچھے اور بہت باصلاحیت فنکار سامنے آئے ہیں اور اس فیلڈ کو اچھے ڈائریکٹرز بھی ملے ہیں اور ضرورت ہے "ناپا" جیسی مزید اکیڈمیز کی تاکہ زیادہ سے زیادہ اچھے فنکار سامنے آ سکیں۔"

* "پروفیشنل باتیں تو بہت ہو گئیں۔۔۔ کچھ پرسنل بھی ہو جائیں۔ بچے اس فیلڈ میں نہیں ہیں آپ کے۔۔۔ کیوں؟"

☆ "ان کی مرضی ہے۔۔۔ میری ماشاء اللہ دو بیٹیاں ہیں اور میری بڑی بیٹی نے تو اس فیلڈ میں کام بھی کیا ہے۔ مگر وہ شادی کے بعد چونکہ اپنے گھر کو ہی اپنی ذمہ داری سمجھتی تھی للہذا اس نے اس فیلڈ کو خیرباد کہہ دیا۔ بیٹے نے ایم بی اے کیا اور ایک کمپنی میں منیجر کی جاب کر رہا ہے۔۔۔ جبکہ چھوٹی بیٹی نے ڈبل ماسٹرز کیا ہے اور وہ کینیڈا میں رہتی ہے۔ میرے تینوں بچے شادی شدہ ہیں۔"

* "شادی آپ کی ارینج تھی؟"

☆ "پسند میری تھی۔۔۔ باقی سب کچھ والدہ صاحبہ نے کیا۔ جس زمانے میں میں یونیورسٹی میں پڑھتا تھا اس زمانے میں بیگم بھی سائیکلوجی میں ماسٹرز کر رہی تھیں۔۔۔ مجھے پسند آ گئیں تو شادی کا پیغام بھیج دیا اور یوں شادی ہو گئی۔"

* "آپ کی مصروفیات اور بیگم کی جاب۔۔۔ گھر ڈسٹرب ہوا؟"

☆ "نہیں۔۔۔ اللہ کا شکر ہے۔۔۔ کیونکہ ہم دونوں اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے تھے اور ہمیں یہ بھی احساس تھا کہ ہماری ذرا سی لاپروائی ہمارے بچوں کی تربیت پر اثر انداز ہوگی۔۔۔ اور شکر ہے رب کا کہ اس نے بچوں کی تعلیم و تربیت میں بھی ہمیں سرخرو کیا ہے۔"

* "آپ اپنے دور کی معروف شخصیت تھے اور آج

بھی ہیں۔ نوجوانی میں آپ کی بیگم کبھی خوف یا شک کا شکار ہوئیں؟"

☆ "مزے کی بات تو یہ کہ جب ہمارا رشتہ پکا ہوا تو میری والدہ نے میری بیگم سے کہا کہ میں تمہیں اس بات کی گارنٹی دیتی ہوں کہ میرا بیٹا دوسری شادی نہیں کرے گا۔ لیکن ایک بات کی نصیحت ضرور کروں گی کہ اسے کبھی کتاب پڑھنے سے مت روکنا ٹوکنا کیونکہ اسے مطالعہ کا بے حد شوق ہے اور اس کے آگے اس کو کسی کی کوئی بات پسند نہیں ہے۔"

* "جدوجہد کا دور کون سا تھا؟"

☆ "جب شادی ہوئی اور پھر بچے.... میں شادی کر کے پڑھنے گیا بیگم یہاں پروفیسر تھیں اچھی جاب کر رہی تھیں اور میں پڑھائی کر رہا تھا مگر اچھی جاب نہیں تھی میرے پاس تو بہت محنت کی اور مسلسل کئی کئی گھنٹے کام کیا۔"

* "خواتین میں کیا بات متاثر کرتی ہے؟"

☆ "خواتین ہوں یا حضرات.... دونوں میں ہی مجھے خودداری پسند ہے۔"

* "آپ کی اردو بہت صاف شستہ اور خوب صورت ہے جبکہ آپ پنجابی کشمیری ہیں؟"

☆ "یہ زیادہ مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ انگریزی اور اردو ادب خوب پڑھا ہے۔ ویسے میری بیگم پنجابی ہیں اور پنڈی سے تعلق ہے اور میرے والد پنجابی کشمیری ہیں۔"

* "کن باتوں سے بہت متاثر ہوتے ہیں؟"

☆ "دوسروں کی کہی ہوئی ہر اچھی بات مجھے اچھی لگتی ہے اور اسے ضرور ذہن میں جگہ دیتا ہوں۔"

* "عموماً غصہ کن باتوں پر آتا ہے؟"

☆ "جب کوئی مجھ سے بدتمیزی کرتا ہے تو مجھے بہت غصہ آتا ہے۔ ورنہ نہیں آتا۔"

* "کوئی ادھوری خواہش؟"

☆ "جی بالکل.... ایک خواہش ابھی تک ادھوری

ہے کہ میں جس طرح مطالعہ کا شوقین ہوں اس طرح میں لکھنے کا بھی شوقین ہوں۔ میری کچھ تحریریں ٹی وی پہ نشر بھی ہوئی ہیں.... لیکن ٹائم کی کمی اور جدوجہد زندگی نے لکھنے نہیں دیا.... لیکن اب سوچا ہے کہ ان شاءاللہ ضرور لکھوں گا اور کتاب لکھوں گا ان شاءاللہ بہت جلدی۔"

"اور آخری سوال.... کیا کھویا اور کیا پایا زندگی میں؟"

☆ "الحمدللہ.... کچھ نہیں کھویا.... بہت محنت کی اور بہت کچھ پایا ہے.... یہ عزت' یہ شہرت اور پیسہ آج سب کچھ ہے میرے پاس اور میں بہت اچھی اور خوش گوار زندگی گزار رہا ہوں۔"

اور اس کے ساتھ ہی ہم نے اجازت چاہی۔

☆ ☆

میری بھی سنیئے

آفان وحید قریشی

شاہین رشید

1 "میرا پورا نام؟"

"آفان وحید قریشی۔"

2 "پیار کا نام؟"

"آفان ہی ہے۔۔۔ گھر میں کبھی کبھار کوئی "عفی" کہہ کر بلا لیتا ہے تو بچپن کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔۔۔ کیونکہ بچپن میں تو کافی نام ہوتے ہیں پیار کے۔"

3 "جنم دن؟"

"دن تو نہیں معلوم کون سا تھا۔ کیونکہ کسی نے بتایا نہیں البتہ تاریخ 29 ستمبر تھی۔"

4 "شہر؟"

"اپنا کراچی۔"

5 "بنیادی تعلق؟"

"پنجاب سے اور مادری زبان بھی پنجابی ہی ہے۔"

6 "بہن بھائی؟"

"دو بھائی دو بہنیں۔۔۔ میرا نمبر تیسرا ہے۔"

7 "ہائیٹ؟"

"اونچے قد کا انسان ہوں۔ 5 فٹ 11 انچ ہائیٹ ہے۔"

8 "ستاروں پہ یقین ہے؟"

"یقین ہوتا تو وہ ہی کچھ کر رہا ہوتا جو ستارے کہتے ہیں مگر ایسا نہیں ہے... پڑھ لیتا ہوں یقین نہیں کرتا ویسے میرا ستارہ میزان ہے۔"

9 "تعلیمی ڈگریاں؟"

"ایک ہی گریجویشن کی... این سی اے لاہور سے گریجویشن کی میں نے۔"

10 "میرا ریکارڈ ہے کہ؟"

"کہ میں کبھی پڑھائی میں سیکنڈ نہیں آیا ہمیشہ فرسٹ آیا۔ اساتذہ بہت خوش رہتے تھے مجھ سے۔"

11 "فنی زندگی کا پہلا سفر؟"

"ریڈیو سے شروع کیا... پھر پی ٹی وی پہ آیا اور ٹی وی پہ بھی اتفاقی طور پر آیا... اداکاری کا کچھ زیادہ شوق نہیں تھا مجھے... مگر لوگ کہتے تھے کہ تم میں صلاحیت ہے تم اداکاری کرو۔"

12 "پہلی پرفارمنس؟"

"سوپ "تیرے پہلو میں" بہت مشہور ہوا تھا یہ سوپ اور کئی سال چلا تھا... بس اس کے بعد سلسلہ شروع ہوا اداکاری کا۔"

13 "شوبز کی کوئی خاص بات؟"

"اچھی فیلڈ ہے... اور ماحول بھی ہر فیلڈ جیسا ہے کہ اچھے لوگ بھی ہیں اور برے لوگ بھی ہیں۔"

14 "شوبز نے بگاڑا یا سنوارا؟"

"ویسے تو شوبز نے کچھ نہیں بگاڑا... لیکن نیند کے معاملے میں عادت بگڑ گئی ہے۔ پہلے صبح جلدی اٹھ جاتا تھا مگر اب نو بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی۔"

15 "زندگی تب بدلی جب؟"

"جب میں نے باقاعدگی سے نماز پڑھنا شروع کی تو میری زندگی میں بہت چینج آیا۔"

16 "اپنی فٹنس کے لیے کیا کرتا ہوں؟"

"آپ یقین مانئے کچھ بھی نہیں کرتا... اللہ کا بڑا کرم ہے کہ کھانے پینے سے موٹا نہیں ہوتا۔ ورنہ تو لوگ ہوا کھا کر بھی موٹے ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کچھ نہیں کرتا اپنی فٹنس کے لیے۔"

17 "مجھے انتظار رہتا ہے؟"

"ڈرامہ آن ایئر ہونے کا... اور پھر لوگوں کی آراء کا

کہ انہیں پسند آرہا ہے یا نہیں۔"

18 "سوشل ہوں؟"

"کوئی خاص نہیں.... کام کے بعد میرا دل چاہتا ہے کہ زیادہ وقت گھر پر گزاروں.... اور جس نے مجھ سے ملنا ہے وہ گھر پر آجائے۔"

19 "اپنی کسی عادت سے خوف آتا ہے؟"

"اپنی ضدی طبیعت سے کیونکہ میں بہت زیادہ ضدی انسان ہوں۔"

20 "رہنے کے لیے بہترین ملک؟"

"صرف اور صرف اپنا ملک.... گھومنے پھرنے کے لیے ساری دنیا بہت خوب صورت ہے، مگر رہنے کے لیے اپنے ملک سے زیادہ خوب صورت ملک کوئی نہیں۔"

21 "حسن پرست ہوں؟"

"میزان (ستارہ) لوگ بہت حسن پرست ہوتے ہیں اور میں بھی ہوں.... اور کسی لڑکی یا عورت کا حسن تب اور بھی نکھر آتا ہے جب وہ ذہین ہو۔"

22 "میں شوقین ہوں؟"

"مطالعہ کرنے کا.... اس لیے جہاں اچھی کتاب ملتی ہے خرید لیتا ہوں۔ کیونکہ کتاب کے بغیر مطالعہ کے بغیر زندگی ادھوری ہے۔"

23 "عورت کے بارے میں میری رائے؟"

"عورت خدا کی حسین تخلیق ہے.... لیکن میں نے اکثر خواتین کو بہت سخت دل دیکھا ہے.... مگر پھر بھی مردوں کے مقابلے میں ذرا کم سخت دل ہوتی ہیں۔"

24 "تحفہ دینا اچھا لگتا ہے یا لینا؟"

"مجھے تحفہ دینا اور لینا دونوں ہی اچھا لگتا ہے۔ یہ ایک طرح سے محبت کے اظہار کا طریقہ ہے اور یہ طریقہ سب کو آنا چاہیے۔"

25 "بہترین تحفہ؟"

"مجھے پرفیومز بہت پسند ہیں۔"

26 "مجھے یقین ہے کہ؟"

"انسان کو وقت سے پہلے کچھ نہیں ملتا۔ جس کام کے لیے وقت مقرر ہے اسی پہ سب کچھ ملتا ہے۔"

27 "موڈ خراب ہو تو؟"

"اگر میرا موڈ خراب ہو تو پھر چھوٹی چھوٹی بات پر مجھے غصہ آتا ہے۔ اور دماغ ماؤف ہو جاتا ہے۔"

28 "دل گھبرا جاتا ہے؟"
"مسلسل شاپنگ سے ... جبکہ شاپنگ کرنا مجھے قطعی پسند نہیں ہے مگر میری فیلڈ ایسی ہے کہ شاپنگ میرے لیے بہت ضروری ہے۔"

29 "صبح اٹھ کر پہلا کام؟"
"فجر کی نماز پڑھتا ہوں۔ اگر لیٹ اٹھوں تو پھر فجر کی قضا نماز پڑھتا ہوں مگر نماز پڑھتا ضرور ہوں۔"

30 "لڑکیوں میں کیا خوبی ہونی چاہیے؟"
"پروقار ہوں.... شخصیت میں گریس ہو اور بولنے میں مہارت ہو یعنی زبان و بیان عمدہ ہو۔"

31 "کوئی ٹکٹکی باندھ کر دیکھے تو؟"
"بڑا عجیب سا لگتا ہے ... بلکہ لگتا تھا۔ مگر اب عادت بھی ہو گئی ہے اور سمجھ بھی آ گئی ہے کہ لوگ پہچاننے کی کوشش میں بھی ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہوتے ہیں۔"

32 "ہمیشہ سوچتا ہوں کہ؟"
"پرائز بانڈ لے لوں.... مگر پھر بھول جاتا ہوں۔"

33 "پاکستان کے بارے میں سوچتا ہوں؟"
"بہت کچھ سوچتا ہوں.... دل چاہتا ہے کہ پاکستان بہت ترقی کرے۔ یہاں کے لوگوں کو بنیادی سہولتیں ملیں اور تعلیم عام ہو جائے اور جو والدین بچوں کو پڑھانے سے دور بھاگیں ان پر جرمانہ عائد کریں۔"

34 "محبت کے بارے میں میری سوچ؟"
"کہ محبت کے لیے کہا جاتا ہے کہ یہ اندھی ہوتی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اندھی نہیں ہوتی۔ بلکہ گونگی بہری سب کچھ ہوتی ہے۔ انسان کے اوسان خطا کر دیتی ہے۔"

35 "شادی کی کون سی رسم انجوائے کرتا ہوں؟"
"مہندی کی.... کیونکہ ذرا گانے شانے ہوتے ہیں ڈانس اور ہلا گلا ہوتا ہے۔"

36 "کہاں اپنے آپ کو مختلف سمجھتا ہوں؟"
"جب میں لوگوں کے درمیان ہوتا ہوں.... کیونکہ ایک خاص طرح کی عزت' پذیرائی اور پروٹوکول مل رہا ہوتا ہے۔ تو بہت اچھا لگتا ہے۔ ہاں گھر میں میں گھر والوں جیسا ہی ہوتا ہوں۔"

37 "سکون ملتا ہے؟"
"مجھے تو اپنے گھر کے ہر کونے میں سکون ملتا ہے۔ کبھی اپنا کمرہ بہت اچھا لگ رہا ہوتا ہے اور کبھی امی ابو کے ساتھ اور کبھی گھر کے لاؤنج میں.... موڈ پر منحصر ہے۔"

38 "کس کے ایس ایم ایس کا انتظار رہتا ہے؟"
"نہیں کسی کے نہیں۔ ضروری ایس ایم ایس ہو تو فوراً" جواب دے دیتا ہوں.... ورنہ فارغ ہو کر جواب دیتا ہوں۔"

39 "شاپنگ مالز میں خریدنا اچھا لگتا ہے یا دیکھنا؟"
"جیسا کہ بتایا کہ مجھے شاپنگ کرنا پسند نہیں... لیکن دوستوں کے ساتھ مالز میں آتا ہوں۔ یہاں آکر دوستوں کے ساتھ ونڈو شاپنگ کرنا اور گھومنا پھرنا اور کھانا پینا اچھا لگتا ہے۔"

40 "بچت؟"
"اف.... مشکل سوال ہے.... بچت تو بالکل بھی نہیں ہوتی۔"

41 "خوش ہو جاتا ہوں؟"
"جب کوئی میری پرفارمنس کی تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آپ بہت اچھے اور خوب صورت فنکار ہیں۔"

42 "مجھ میں تبدیلی یہ آئی ہے کہ؟"
"کہ چند برسوں پہل غیر ملکی کھانے بالکل پسند نہیں تھے مجھے "مگر اب اپنے کھانوں سے زیادہ غیر ملکی کانٹی نینٹل کھانے پسند ہیں۔"

43 "پکانے سے دلچسپی؟"
"جی کافی دلچسپی ہے.... اور بہت اچھا پکاتا ہوں۔

اس لیے میرے ہاتھ کا کھانا کھانے کے بعد لوگ بے ساختہ کہتے ہیں تمہیں توشیف ہونا چاہیے تھا۔"

44 "دل کے ہاتھوں پریشان ہوتے ہیں یا دماغ کے ہاتھوں؟"

"دل کے ہاتھوں... میرا دل چاہتا ہے کہ مجھے ہر فیصلہ دماغ سے کرنا چاہیے... مگر کبھی کبھی مجبور ہو جاتا ہوں۔"

45 "مجھے یاد ہے؟"

"جب میڈیا میں قدم رکھا تو سب نے کہا کہ سوچ سمجھ کر کام کرنا... زیادہ ڈرامے نہیں کرنا... پتا نہیں کیا کیا باتیں سننے کو ملی تھیں۔"

46 "کون سا دور بہت یاد آتا ہے؟"

"انسان کی زندگی کے تین ہی دور ہوتے ہیں۔ ہر گزرنے والا دور اچھا لگتا ہے چاہے وہ کیسا ہی کیوں نہ گزرا ہو۔ مجھے اپنا بچپن بہت یاد آتا ہے۔"

47 "ایک مہنگی چیز جو میں نے خریدی؟"

"اپنے لیے زندگی میں پہلی بار ایک ہی قیمتی چیز خریدی اور وہ "کار" تھی۔ بندہ کماتا کس لیے ہے۔"

48 "کھانے کے معاملے میں اسلامی ہیں یا انگریز؟"

"بہت اسلامی ہوں... ہاتھ سے کھانا کھاتا ہوں۔ پیزا بھی ہاتھ سے کھاتا ہوں... اور ڈائننگ ٹیبل سے زیادہ اپنے بیڈ پہ کھانا کھانے کا مزا آتا ہے۔"

49 "نیند کا رسیا ہوں؟"

"رسیا تو نہیں ہوں... لیکن جب نیند آتی ہے تو پھر بستر پر لیٹتے ہی خواب خرگوش میں گم ہو جاتا ہوں۔"

50 "گھر میں بہترین کک؟"

"میری بہن بہت اچھی کک ہیں اور مجھے انہی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا پسند ہے۔"

☆ ☆

آواز کی دنیا سے

رضوان زیدی

شاہین رشید

آواز کی دنیا سے ہم آپ کی ملاقات کروا رہے ہیں "رضوان زیدی" صاحب سے جو نہ صرف ایک اچھی آواز کے مالک ہیں بلکہ خوش گفتار اور ذہین بھی ہیں آج کل ایف ایم 105 سے وابستہ ہیں۔

★ "کیا حال ہیں؟"

✻ "الحمدللہ۔"

★ "آپ ایف ایم 105 سے وابستہ ہیں۔ کب سے اور کیسے یہ بھی پوچھیں گے، لیکن پہلے آپ اپنا فیملی بیک گراونڈ بتایئے؟"

✻ "قیام پاکستان کے وقت بہت سے لوگ ہجرت کر کے پاکستان آئے، انہی میں میرا گھرانہ بھی تھا... میرے والد کا تعلق لکھنؤ سے تھا اور والدہ کا یوپی کے ایک علاقے "نگینہ" سے تھا ہم ماشاء اللہ سے آٹھ بہن بھائی ہیں اور میرا نمبر "چھٹا" ہے اور "چھٹا" کو کس طرح ہم اردو میں استعمال کرتے ہیں سب کو معلوم ہے۔ میرے والدین حیات نہیں ہیں۔ والد صاحب کا انتقال 1995ء میں ہوا جبکہ والدہ کا 2000ء ہوا۔ میری تعلیمی قابلیت اردو ایم اے ہے 16 دسمبر میری تاریخ پیدائش ہے اور مجھ جیسا آدمی کسی ایسی ہی تاریخ کو (16 دسمبر سقوط ڈھاکہ) پیدا ہونا چاہیے تھا... میرے والد درس و تدریس سے وابستہ رہے ہیں اور ساتھ ہی ہمارا پرنٹنگ پریس بھی تھا... ابو حبیب پبلک اسکول اور گلستان اسکول سے وابستہ رہے۔ ابو جب ہجرت کر کے آئے تو پی آئی بی کالونی میں رہے اور وہاں بھی ان کے کافی شاگرد تھے۔ جن میں "احمد مقصود حمیدی" والد کے شاگرد تھے اور یہ بتاتا

یاد نہیں رہا کہ میری پیدائش کراچی ناظم آباد کی ہے.... اور آپ کو یہ بتاؤں کہ ہم گزشتہ 25 سال سے ایک ادارہ چلا رہے ہیں جسے لوگ "پاکستان ڈیبیٹ کونسل" کے نام سے جانتے ہیں اور یہی میری بنیادی شناخت ہے اور میں اس ادارے کا وائس چیئرمین ہوں اور اس ادارے سے بہت سے نامور لوگ فیض یاب ہوئے اور آج وہ میڈیا میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں.... اور میں بھی درس کے شعبے سے وابستہ ہوں اور

میں آج کل بحریہ یونیورسٹی میں پڑھاتا بھی ہوں اور اس کے علاوہ میں "اے آر وائی ڈیجیٹل" میں سینئر کونٹینٹ منیجر ہوں اور ایف ایم 105 سے وابستہ ہوئے مجھے دس سال ہو گئے ہیں اور اس ادارے میں آڈیشن دیا اور کامیاب ہوا.... کسی ادارے سے اگر اتنا طویل عرصہ وابستہ رہو تو پھر آپ کی بات کی ویلیو بھی ہوتی ہے اور عزت بھی ہوتی ہے جو کہ میری ہے۔ اس ادارے کا بہت ہی دوستانہ ماحول ہے اور یہی ادارہ میری پہلی شناخت ہے۔ میری پہچان ہے۔ میرا ایک پروگرام ہے "تم ہو پاسبان اس کے" یہ رات 10 بجے سے بارہ بجے تک ہوتا ہے اور تمام ایف ایم کے پروگراموں کا اگر آپ جائزہ لیں تو یہ شاید واحد (محب وطن) Patriotic پروگرام ہے اور یہ کوئی احسان نہیں ہے۔ بس ایک چھوٹی سی کوشش ہے۔"

★ "آواز کی دنیا سے جن کا تعلق ہوتا ہے۔ وہ میری نظر میں ہر فن مولا ہوتے ہیں کیونکہ وہ بیک وقت کئی کام کر رہے ہوتے ہیں.... آپ بھی ان میں شمار ہوتے ہیں؟"

✳ "ہر فن مولا!.... الحمدللہ میں ایک مکمل کارپینٹر بھی ہوں۔ جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ ہمارے گھر میں کوئی کارپینٹر نہیں آیا.... ووڈ ورکنگ بہترین کر لیتا ہوں۔ گھر کا فرنیچر بہت اچھا پالش کر لیتا ہوں دیواروں پہ ٹائلز لگا لیتا ہوں۔ گاڑی پہ پینٹ بھی کر لیتا ہوں اس کی فٹنگ بھی کر لیتا ہوں۔ تو کوئی بھی ٹیکنیکل کام ہو اسے کرنے میں بڑا مزا آتا ہے۔ مستری کا کام بھی کر لیتا ہوں.... ویسے رائٹر ہوں کئی ٹیلی فلمز لکھ چکا ہوں.... اور آواز کی دنیا سے بھی وابستہ ہوں۔ مجھے لوگ کتنا پسند کرتے ہیں یہ تو آپ بھی اور مجھے سننے والے ہی بتا سکتے ہیں تو اس لحاظ سے دیکھا جائے تو میں واقعی ایک ہر فن مولا انسان ہوں۔"

★ ”ریڈیو کا ہی انتخاب کیوں؟ اور ڈبنگ اور وائس اوور بھی ہیں آپ؟“

⁕ ”جہاں تک ڈبنگ اور کمرشلز کے لیے ”وائس اوور“ کی بات ہے تو ابھی تک کسی نے اس آواز کو اس قابل ہی نہیں سمجھا ہے کہ کسی کمرشل کے لیے منتخب کریں۔۔۔ اور اس کی ایک وجہ اور بھی ہے کہ میرا سارا دن اتنا مصروف گزرتا ہے کہ میں نے اس جانب توجہ بھی نہیں دی اور نہ ہی کسی سے بات کی اور میں ضیاء محی الدین تو ہوں نہیں کہ وقت کو اپنے مطابق چلا سکوں۔۔۔ اور ریڈیو کا انتخاب کیوں کا جواب یہ ہے کہ ریڈیو میرا جنون ہے۔ میرا شوق ہے اور ریڈیو ایک ایسا میڈیا ہے جس کے ذریعے آپ بہت ہی اچھا مواد لوگوں کے کانوں تک پہنچا سکتے ہیں۔۔۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر ریڈیو نہ ہوتا تو میری شریانیں میرا ساتھ چھوڑ چکی ہوتیں' کیونکہ میں ریڈیو کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔۔۔ اور یہ میرا شکوہ نہیں ہے' لیکن یہ حقیقت ہے کہ ریڈیو پہ زیادہ معاوضہ نہیں ملتا۔۔۔ جبکہ ٹی وی پہ کافی ملتا ہے۔۔۔ مگر جتنا سکون ریڈیو پہ ملتا ہے اتنا ٹی وی پہ نہیں ملتا۔“

★ ”آپ کے پروگرام کب کب ہوتے ہیں۔ ان کے فارمیٹ کیا ہوتے ہیں؟“

⁕ ”پیر اور منگل رات 12 بجے سے 2 بجے تک اور بدھ اور جمعرات کو رات 10 سے 12 بجے تک میرا پروگرام ہوتا ہے مختلف قسم کے پروگرام ہوتے ہیں۔ گیت غزل بھی ہوتے ہیں۔ لائٹ موڈ کا پروگرام بھی ہوتا ہے۔ جمعرات کو ”تم ہو پاسبان اس کے“ ہوتا ہے۔۔۔ ہر ذائقے کا پروگرام آپ کو میری میزبانی میں ملے گا اور اب تو چونکہ 10 سال ہو گئے ہیں آواز کی دنیا سے وابستہ ہوئے۔۔۔ تو اسکرپٹ لکھنا نہیں پڑتا بلکہ سب کچھ فی البدیہہ ہوتا ہے۔

اور میں یہ بات بھی بڑے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اس پوری انڈسٹری میں جتنے در اسٹائل پروگرام کلاسیکل میں نے کیے ہیں کسی نے نہیں کیے ہوں گے اور جتنے بھی معروف مرحومین شاعر ہیں ان سب پہ میں نے ”دسیر حاصل“ پروگرام کیے اور کچھ نہیں لکھ کر لاتا بلکہ بات سے بات نکلتی رہتی ہے اور پروگرام چلتا رہتا ہے۔

★ ”لائیو کالز لیتے ہیں؟ اور کسی نے کچھ غلط رویہ اختیار کیا؟“

⁕ ”لائیو کالز ہم لیتے ہیں اور اچھے برے تجربات سے گزرتے رہتے ہیں۔ لوگوں نے بدتمیزی بھی کی ہے۔ گالیاں بھی دی ہیں' جان سے مارنے کی دھمکیاں بھی دی ہیں۔۔۔ یہ ان کا ظرف ہے اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ہر دم' ہر وقت آپ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھتے ہیں دراصل ہماری سوسائٹی' ہمارا معاشرہ عدم برداشت کا شکار ہو گئی ہے۔ ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ میری مرضی کی بات ہو' میری ہاں میں ہاں ملائے جائے۔۔۔ تو اس فیلڈ میں بہت اچھے لوگ بھی ملے اور بہت برے لوگ بھی ملے۔۔۔ تو مجھے تو کسی سے کوئی شکوہ کوئی گلہ نہیں ہے۔ نہ ہمیشہ اچھے لوگ ملیں گے نہ ہمیشہ برے لوگ۔“

★ ”کس ایج گروپ کے لوگ آپ کا پروگرام زیادہ سنتے ہیں اور ریڈیو کے سننے والے تو آپ کو فوراً ”پہچان جاتے ہوں گے؟“

⁕ ”تقریباً“ ہر گروپ آف ایج کے لوگ میرا پروگرام سنتے ہیں اور ان کی تعداد بہت اطمینان بخش ہے۔۔۔ اور جس طرح کا سوفٹ ویئر میرے پاس ہے وہ اتنا ارزاں نہیں ہے۔ کچھ چیزیں مخصوص لوگوں کے لیے ہوتی ہیں اور جہاں تک پہچان کی بات ہے تو کئی بار ایسا ہوا کہ میں کچھ خریدنے کھڑا ہوا ہوں اور سامنے والے سے گفتگو کر رہا ہوتا ہوں تو میرے برابر میں کھڑے صاحب یا صاحبہ بے ساختہ جب کہتے ہیں کہ آپ ریڈیو کے ”رضوان زیدی“ ہیں تو مجھے بہت حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح وہ آواز سے مجھے پہچان گئے۔۔۔ اور یقین جانیے کہ بہت اچھا بھی لگتا ہے اور خوشی بھی ہوتی ہے۔“

★ ”اپنی آواز سے متاثر کرنے کے لیے کیا حکمت

عملی اختیار کرتے ہیں کہ لوگ آپ پر متوجہ ہوں؟"

✻ "اللہ تعالیٰ نے سب کو اچھی آواز دی ہے اب اس آواز کا استعمال کیسے کریں تو یہ آپ پر منحصر ہے۔ یہی آواز بہت تیز بھی ہو سکتی ہے۔ بہت دھیمی بھی اور بہت نرم لہجے والی بھی اور یہ انسان خود مینٹین کر رہا ہوتا ہے اور میں ہمیشہ تصنع - اور بناوٹ سے عاری پروگرام کرتا ہوں۔ جیسے میں عام گفتگو کرتا ہوں ویسے ہی پروگرام میں بھی کرتا ہوں۔ ہاں ریڈیو کے مائیک کے آگے بیٹھ کے الفاظ کے چناؤ کا ایسا کرنا پڑتا ہے کہ کم سے کم دوسروں سے جدا تو نظر آئیں۔ ورنہ اب تے تو ہمیں بھی آتا ہے۔ تو ریڈیو پہ بیٹھ کر اس کے نشیب و فراز ۔۔۔ کے طریقوں کو بھی دیکھنا پڑتا ہے اور یہ ساری باتیں جڑی ہوتی ہیں نیچر آف پروگرام سے ... ہر پروگرام ہلا گلا نہیں مانگتا اور ہر پروگرام سنجیدہ نوعیت کا نہیں ہوتا ... لوگوں کو آواز کے ذریعے اپنی طرف راغب کرنے کے لیے میں کوئی بہانے بازی یا بناوٹ نہیں کرتا۔"

★ "ٹی وی چینلز کی طرح ایف ایم بھی بہت ہو گئے ہیں تو کچھ اچھا بھی ہو رہا ہے ریڈیو پہ یا محض خانہ پوری ہے؟"

✻ "ہر ریڈیو چینل اپنے حساب سے کام کر رہا ہے اور اپنی ذمہ داریوں کو نبھا رہا ہے۔ سب کے اپنے سامعین ہیں جو اپنی پسند کے ایف ایم سنتے ہیں۔ ہم کسی کو باور نہیں کرا سکتے کہ تم غلط کر رہے ہو تم چھوڑ دو تو سب ہی اپنی ذمہ داریاں نبھا رہے ہیں احسن طریقے سے۔"

★ "ریڈیو کے ذریعے ہم کچھ تبدیلی لا سکتے ہیں معاشرے میں؟"

✻ "وہ ایک شعر ہے کہ

آواز دے کے دیکھ لو شاید وہ مل ہی جائے
ورنہ یہ عمر بھر کا سفر رائیگاں تو ہے

تو آواز تو لگانی ہے ... اور ریڈیو ایک پاور فل میڈیا

ہے جو آپ دیکھتے ہیں اس کا امیج آپ کے اندر اترتا ہے اور جب آپ سنتے ہیں اس کا بھی ایک ویژول ذہن میں آجاتا ہے اور ریڈیو کی اہمیت ہے آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے ہے اور لوگ صرف گانے سننے کے لیے ریڈیو نہیں لگاتے بلکہ بہت کچھ سیکھنے، سمجھنے اور انجوائے کرنے کے لیے لگاتے ہیں۔"

★ "ریڈیو کی ایک بڑی اچھی بات ہے کہ وقت کی پابندی بہت ہوتی ہے ... آپ کرتے ہیں پابندی؟"

✻ "کوشش کرتے ہیں ... مگر ٹریفک میں پھنسنے کے بعد پھر ہمیں بھی وہ راستہ اختیار کرنا پڑتا ہے جو قانونی اعتبار سے تو ٹھیک نہیں ہے ایک دو بار ایسا ہوا کہ میں پروگرام کے لیے آرہا ہوں اور ٹریفک میں پھنس گیا ہوں۔ وقت پر پہنچنے کے لیے بائیک کو فٹ پاتھ کے اوپر سے بھی گزارنا پڑا ... مگر کیا کرتا کہ یہ مجبوری تھی اور یہ عمل کوئی بھی کرے غلط ہے ہمیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔"

★ "ہمارے شہر کراچی میں گندگی بہت ہے۔ اسٹریٹ

کرائم بہت ہیں۔۔۔ تو کیا ان باتوں کو اپنے سامعین کے ساتھ شیئر کرتے ہیں آپ؟"

❋ "جی بالکل شیئر کرتا ہوں اور جب پروگرام کرنے آرہا ہوتا ہوں تو راستے میں کہیں کچرا جلتے ہوئے نظر آ رہے ہوتے ہیں یا کوئی بھی پرابلم دیکھتا ہوں تو اپنے پروگرام میں ضرور شیئر کرتا ہوں اور نہ صرف شیئر کرتا ہوں بلکہ اپیل بھی کرتا ہوں کہ ان مشکلات کو دور کیا جائے۔ جو واقعات میرے ساتھ پیش آتے ہیں یا جو واقعات میں دیکھتا ہوں اگر وہ قابل گوش گزار ہو تو ضرور اس کا ذکر کرتا ہوں۔"

★ "ریڈیو کے علاوہ آپ کی کیا مصروفیات ہیں؟"

❋ "جیسا کہ میں نے آپ کو بتایا کہ اے آر وائی ڈیجیٹل میں کوٹینٹ منیجر ہوں اور میری میجر جاب تو یہی ہے۔۔۔ شام سات ساڑھے سات بجے تک گھر آتا ہوں۔ تھوڑا آرام کرتا ہوں۔ پھر ایف ایم کے لیے چلا جاتا ہوں۔ ایک روٹین لائف ہے۔ جو نبھا رہا ہوں گھر واپسی پہ راستے میں دوستوں کے ساتھ چائے شائے پی لی۔ یونیورسٹی میں پڑھانے کی بھی ذمہ داری ہے۔۔۔ تو بس لائف اسی طرح چل رہی ہے۔"

★ "مزاجاً" کیسے ہیں؟ گھر والوں کو کتنا ٹائم دیتے ہیں؟"

❋ "اکثر لوگ تو مجھے بہت (اکھڑ) Rude سمجھتے ہیں۔۔۔ یا جیسے میں کوئی فرعون طبیعت کا مالک ہوں۔ لیکن جو لوگ میرے بہت قریب ہیں وہ صحیح بتا سکیں گے کہ میں کس قسم کا اور کس مزاج کا انسان ہوں، جن سے میری بات چیت ہے ان کے لیے تو میں ہر وقت دستیاب ہوں۔ مگر جن سے میری زیادہ بات چیت نہیں ہے اس کو اپنا وقت میں کیسے دے سکتا ہوں۔۔۔ اب فرینڈز ہیں فیس بک پہ حال چال پوچھا جواب دے دیا کھل کر بات نہ کرو تو ہو۔ نخرے دکھا رہے ہیں۔۔۔ ویسے جن سے میرا تعلق جڑ جائے ان کے لیے بہت فرینڈلی ہوں۔۔۔ اور اپنے اور دوسروں کے لیے بہت نرم دل ہوں۔ اپنوں کے لیے خاص طور پر۔"

★ "سیاست سے کوئی دلچسپی؟ ووٹ دیتے ہیں؟"

❋ "سیاست سے لگاؤ ہے مگر ایسا نہیں کہ آپ دیوانگی کی حد کہہ سکیں کیونکہ جس طرز کی سیاست ہمارے یہاں ہو رہی ہے وہ تو سراسر عوام کو دھوکا دیا جا رہا ہے۔ ووٹ میں ضرور دیتا ہوں۔ تاکہ سسٹم کو بدل سکوں اور جو ووٹ نہیں دیتے وہ بولنے کا حق بھی نہیں رکھتے۔"

★ "کھانے پینے سے لگاؤ ہے؟"

❋ "کھانے پینے سے لگاؤ ہے۔۔۔ اور الحمدللہ ہمارے یہاں بہت اچھا کھانا بنتا ہے۔۔۔ اور ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ گھر کا کھانا کھاؤں۔۔۔ چاہے دال ہی کیوں نہ بنی ہوئی ہو اور اللہ سلامت رکھے میری بہنوں کو کہ جو ہر وقت خدمت کے لیے تیار رہتی ہیں۔ رات تین بجے گھر جاتا ہوں تو کھانا تیار ہوتا ہے۔ چائے کی فرمائش کر دوں تو چائے حاضر ہو جاتی ہے۔ میری بھتیجی بہت اچھی چائے بناتی ہے۔"

★ "کھیلوں سے لگاؤ ہے؟"

❋ "بہت زیادہ لگاؤ ہے اور کرکٹ، ہاکی، فٹ بال سب بہت پسند ہیں اور تقریباً" سارے ہی کھیل کھیلے بھی ہیں۔ اسکواش، ٹیبل ٹینس، اسنوکر، بیڈمنٹن۔۔۔ اور "ڈبو" ڈبو کا تو بہت ہی خطرناک کھلاڑی تھا اور دوستوں کو گفٹ دینا ہو تو اپنے ہاتھوں سے بنا کر دیتا ہوں۔ جو کہ میرے دوستوں میں بہت مقبول ہیں۔"

★ "اور شادی کی؟"

❋ "نہیں۔۔۔"

اور کیوں نہیں کی۔۔۔ اس کا کوئی جواب نہیں ملا۔۔۔ اور اس کے ساتھ ہی ہم نے رضوان زیدی صاحب سے اجازت چاہی۔

✡ ✡

عہدِ وفا

ایمان پریشے کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا مُنفرد ناول، مُحبت کی داستان جو معاشرے کے رواجوں تلے دب گئی، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

بُجھ نہ جائے دِل دیا

سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، مُحبت، نفرت، عداوت کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

قفس کے پنچھی
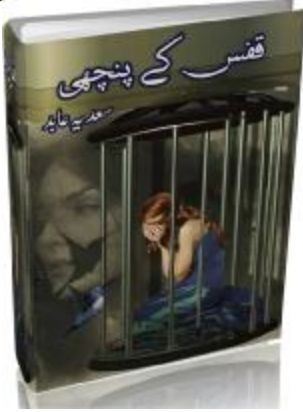
سعدیہ عابد کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا شاہکار ناول، علم و عرفان پبلشرز لاہور کے تعاون سے پاکستان انٹرنیشنل بُک فیئر میں (3 تا 7 اگست 2017)، **کتابی شکل** میں جلوہ افروز ہو رہا ہے، خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔ آن لائن پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

جہنم کے سوداگر

مُحمد جبران (ایم فِل) کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ایکشن ناول، پاکستان کی پہچان، دُنیا کی نمبر 1 ایجنسی آئی ایس آئی کے اسپیشل کمانڈو کی داستان، پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

شہیدِ وفا

مُسکان احزم کا پاک سوسائٹی کے لیے لکھا گیا ناول، پاک فوج سے مُحبت کی داستان، دہشت گردوں کی بُزدلانہ کاروائیاں، آرمی کے شب و روز کی داستان پڑھنے کے لئے یہاں کلک کریں۔

آپ بھی لکھیے:

کیا آپ رائٹر ہیں؟؟؟۔ آپ اپنی تحاریر پاک سوسائٹی ویب سائٹ پر پبلش کروانا چاہتے ہیں؟؟؟
اگر آپکی تحریر ہمارے معیار پر پُورا اُتری تو ہم اُسکو عوام تک پہنچائیں گے۔ مزید تفصیل کے لئے یہاں کلک کریں۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام، پاکستان کی سب سے زیادہ وزٹ کی جانے والی کتابوں کی ویب سائٹ، پاکستان کی ٹاپ 800 ویب سائٹس میں شُمار ہوتی ہے۔

مقابل ہے آئینہ

عمارہ نثار

شاہین رشید

س "اصلی نام کیا ہے؟ گھر والے پیار سے کیا کہتے ہیں؟"

ج "عمارہ نثار۔ پیار سے بابا جانی (چینو' چائنیز)۔ امی بھائی مارو' موٹو جی۔"

س "آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟"

ج "آئینہ مجھے تو یہ ہی کہتا ہے کہ معصوم گڑیا لیکن بقول خالدہ آپی موٹی مجھ تیرا اوڈا منہ دیکھ کے شیشہ وی ٹوٹ جائے گا۔"

س "حسین صورتیں دیکھ کے کیا خیال آتا ہے؟"

ج "تصویر کا یہ عالم ہے تو مصور کا کیا عالم ہو گا۔"

س "اگر آپ کے پرس کی تلاشی لی جائے تو....؟"

ج "چاکلیٹ' سپاری' کڑک نوٹ ڈھیر سارے سکے' لپ اسٹک۔"

س "بھوتوں سے ڈرتی ہیں؟"

ج "بھوت مجھ سے ڈرتے ہیں جناب والا۔"

س "مہمان کیسے اچھے لگتے ہیں؟"

ج "یہ مہمانوں پر منحصر ہے اور موڈ پر بھی۔"

س "کھانے میں کیا پسند ہے؟"

ج "ہر وہ چیز اچھی لگتی ہے جو مجھے نہ بنانی پڑے۔"

س "اگر آپ کو حکومت مل جائے تو کیا کریں گی؟"

ج "اسلامی قانون نافذ کروں گی' اسلام کے مطابق ملک کے تمام امور رائج کروں گی نماز کے اوقات میں کھلی دکانوں پہ 404 کا کیس دائر کروں گی۔"

س "پسندیدہ شاعر؟"

ج "پروین شاکر' وصی شاہ' فرحت عباس شاہ۔"

س "مزاجاً "لڑاکا" ہیں؟"

ج "نہیں میرا مزاج بہت کول ہے' نرم خو ہوں لیکن اگر سامنے کوئی غلط بات ہو رہی ہو تو غصہ حاوی ہو جاتا ہے میری نرمی پہ...."

س "کس مزاج کے لوگ پسند ہیں؟"

ج "کم بولنے والے' لیکن اچھا بولنے والے خوش اخلاق پسند ہیں۔"

س "اگر لوڈ شیڈنگ نہ ہوتی تو؟"

ج "تو بے چارے معصوم بھائیوں (واپڈا والے) کو کون یاد کرتا۔"

س "اللہ کو یاد کرنے کا بہترین وقت؟"

ج "رات کا پچھلا پہر اور فجر کے بعد جب ٹھنڈی ٹھنڈی صبح ہو۔"

س "آپ کفایت شعار ہیں یا فضول خرچ؟"

ج "کفایت شعار۔"

س "کیا نام شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے؟"

ج "جی بالکل نام کے معنی کا اچھا خاصا اثر شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔"

س "وہ کون سے کام ہیں جن کو کرتے ہوئے سوچ آتی ہے دنیا کیا کہے گی؟"

ج "دنیا ہے کون؟ میں اور آپ یہ ہی دنیا ہے سو مجھے دنیا کی کم فکر اللہ کیا کہے گا یہ فکر زیادہ ہوتی ہے۔"

س "آپ سنسان راستے سے گزر رہی ہوں اور کتا پیچھے لگ جائے تو؟"

ج "ارے میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے ایک دفعہ

میں اور راشدہ آپی چاچو کے گھر جارہے تھے کتے کا چھوٹا سا بچہ ہمارے پیچھے اور ہم آگے اس بات سے بے خبر کہ اردگرد کے لوگ کیا سوچیں گے۔"

س "آپ کی نظر میں محبت کیا ہے؟"
ج "اگر محبت پاکیزہ' اور جائز ہو تو میرا خیال کچھ یوں ہے۔"

عشق کے بعد ملتا ہے اک بار سکوں
جب کہا جاتا ہے اناللہ وانا الیہ راجعون

س "کن لوگوں کی احسان مند ہیں؟"
ج "اپنے والدین کے بعد اپنے اساتذہ کی جنہوں نے شعور کی منزلوں پر کھڑا کیا۔"
س "اپنی تعریف سن کر خوش ہوتی ہیں کیا؟"
ج "کچھ خاص نہیں تعریف سننے کے فوراً بعد خیال آتا ہے کہ پتا نہیں تعریف ہے یا خوشامد۔"
س "ڈرامے دیکھتی ہیں؟"
ج "جی بہت زیادہ۔"
س "اگر دوست ناراض ہو جائے تو کیسے مناتی ہیں؟"
ج "اگر غلطی میری ہو تو سوری کر لیتی ہوں اگر دوست کی ہو تو منانے لی جائے خود ہی ناراض ہو جاتی ہوں۔"
س "حقیقی خوشی کس وقت حاصل ہوتی ہے؟"
ج "جس وقت آدمی سویا ہوا ہو دنیا کی کوئی خبر نہ ہو۔"
س "زندگی سے کیا سبق سیکھا؟"
ج "زندگی ایک نعمت بھی ہے اور غم کا دریا بھی جس کو نہایت ہاند وصلے سے عبور کر کے خاک تلے جانا پڑے گا۔"
س "ستاروں پر یقین رکھتی ہیں؟"
ج "جی ستاروں پر یقین ہے ستارے آسمان پر ہر روز شام کو آتے ہیں (ستاروں پر یقین ایمان کی کمزوری ہے)۔"
س "کوئی آخری بات؟"
ج "قاری بہنوں کے لیے آخری بات۔

جل جاؤ خموشی سے کڑی دھوپ میں لیکن
اپنوں سے کبھی سایہ دیوار نہ مانگو

اور اپنے لیے آخری بات

ہم وہ ہیں جن کے آنے سے محفلیں سج جاتی ہیں
ہم آئے ہیں کرن کی محفل کو سجانے۔

س "کوئی ایسی بات جو ذہن میں ہمیشہ رہتی ہے؟"
ج "موت کا وقت' نزاع کی تکلیف اور قبر میں پیش آنے والے تمام لمحات کسی پل سکون نہیں لینے دیتے جب سے میرے ابو جان (نثار احمد) اور اماں جان دار فانی سے کوچ کر گئے ہیں تب سے 'اللہ انہیں جنت الفردوس میں بلند مقامات سے نوازے' میری اپنی تمام قاری بہنوں سے عاجزانہ التجا ہے کہ میرے ابو اور میری اماں کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا پلیز۔۔۔۔"

✡ ✡

تنزیلہ ریاض

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کررہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراضی کی وجہ سے اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔ نینا کی سلیم سے بہت دوستی ہے۔ سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ ایک ایکسیڈنٹ کی وجہ سے وہ ایک ٹانگ سے معذور ہوجاتا ہے۔ سلیم نے پرائیویٹ انٹر کیا ہے اور اس کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوتی ہے۔

سمیع اور شہرین نے ضد کرکے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جاکر شادی کی ہے' لیکن شہرین اپنے والدین کی ناراضی کی وجہ سے ڈپریشن کا شکار ہوجاتی ہے۔ سمیع اور شہرین دونوں اپنی بیٹی ایمن کی طرف سے بہت لاپروا ہیں اور انہوں نے گھر کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا ہے۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا' صوفیہ کی شادی کاشف نثار سے ہوتی ہے' جو وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ شادی کے بعد صوفیہ کو کاشف کا غیر عورتوں سے بے تکلفی سے ملنا پسند نہیں آتا اور وہ شک کا اظہار کرتی ہے' لیکن کاشف کاروبار کا تقاضا ہے کہہ کر اس کو مطمئن کردیتا ہے۔ صوفیہ کو کاشف کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی ہے کیونکہ

وہ کاشف سے بہت بے تکلف ہے۔ صوفیہ کی ایک بیٹی پیدا ہوتی ہے۔ زرمین۔
حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے وہ اپنا سارا پیسا کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کردیتی ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے' کاشف کے انکار پر ان کا جھگڑا ہو جاتا ہے اور وہ دبئی چلی جاتی ہے۔
کاشف کے تعلقات ایک ناکام اداکارہ رخشی سے بڑھنے لگتے ہیں اور وہ کاشف کو فلم بنانے کے لیے آمادہ کرلیتی ہے اور اس چکر میں کاشف اپنا سارا پیسا لٹا دیتا ہے۔ صوفیہ ایک مردہ بچے کو جنم دیتی ہے۔ کاشف کی ماں بی بی جان کا انتقال ہو جاتا ہے۔
سلیم کی بہن رخشی کا انتقال ہو جاتا ہے اور نینا اس کی بیٹی مہر کے لیے پریشان ہوتی ہے۔ نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس اپ پر تنگ کررہا ہے۔ "آئی لو یو رانیہ" لکھ کر۔
شہرین کو برین ٹیومر ہو جاتا ہے اور سمیع اس کا آپریشن کرواتا ہے اور اس کی ماں کو منا کر اسپتال لے آتا ہے۔
زری جس لڑکے سے بات کرتی تھی وہ شادی کے لیے کہتا ہے' زری نینا سے ذکر کرتی ہے۔ نینا اس کی تصویر دیکھ کر چونک جاتی ہے' بعد میں اس کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ وہی لڑکا ہے جو رانیہ کو میسج کرتا تھا وہ زری کو منع کرتی ہے اور سلیم کے کہنے پر زری کو سمجھانے کے لیے رات کو سلیم کو گھر بلاتی ہے۔ زری اس پر سلیم سے محبت کرنے کا الزام لگاتی ہے۔ شور ہونے پر ابا جاگ جاتے ہیں اور سلیم کو تھپڑ مارتے ہیں۔ سلیم صدمے اور شرمندگی کی وجہ سے خودکشی کرلیتا ہے۔

بائیسویں قسط

اس نے کھڑکی کے سامنے سے سارے پردے ہٹا دیے تھے۔ رات گہری تاریک تھی اور اس کا دل اس سے کہیں زیادہ گہری تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ سمیع کا رویہ اسے کبھی کبھی بے حد تنک آمیز لگتا تھا۔ وہ ہمیشہ آنسو بہانے کے لیے تو اس کے قریب آتا تھا' لیکن جب غم اور درد کا سایہ کم پڑنے لگتا تھا تو وہ اس کے وجود سے انکاری ہو جاتا تھا۔ نینا کا دل چاہتا تھا اس شخص کی کبھی شکل بھی نہ دیکھے' لیکن اس فیز کی مدت زیادہ طویل نا ہوتی تھی۔ ایک آدھ گھنٹے میں وہ اس کے درد کو سمجھتے ہوئے خود بھی خوب رولینے کے بعد اسے معاف کردیا کرتی تھی۔
"اس نے تمہیں کبھی اپنانے کی بات نہیں کی تھی کو نین بی بی... یہ تو تم ہی تھیں جس نے اتنی بڑی ذمہ داری لینے کی بات کی تھی... اور یہ کب طے ہوا تھا کہ وہ تمہاری فیلنگز کو ہرٹ نہیں کرے گا... (تمہارے احساسات کو ٹھیس نہیں پہنچائے گا) تمہیں ڈس اون (رد) نہیں کرے گا۔" کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے سوچا تھا پھر وہ کھڑکی سے ہٹ کر ایزی چیئر پر جا بیٹھی۔
"تو پھر طے ہوا کیا تھا... آخر کیا چاہتی تھی تم... یہ سوال اس نے اپنے آپ سے کیا تھا' لیکن اس سے پہلے کہ وہ کتھارسس کے اس عمل میں کہیں دور نکل جاتی۔ ایک ننھی معصوم آواز نے اسے پکارا تھا' نا صرف پکارا تھا بلکہ فرمائش بھی کرڈالی تھی۔
"میری ایک بات مانیں گی آپ...؟" اس نے مڑ کر دیکھا پھر سامنے لگے وال کلاک کو دیکھا پھر گہری سانس بھر کر اثبات میں سر ہلایا تھا اسے کتنی محبت اور استحقاق بھرے انداز میں درخواست کی جارہی تھی حالانکہ پکارنے والے کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی مگر پھر بھی اس نے فوراً" سنا تھا اور عمل کرنے کا بھی عندیہ دے ڈالا تھا۔
"مجھے ٹرائفل بنادیں گی... مجھے ٹرائفل کھانا ہے... وہ جو میٹھا سا ہوتا ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور اس ننھی بچی جیسے وجود کو سہارا دے کر اٹھایا تھا۔
"یہ ہے وہ پہلی وجہ... سمیع! یہ ہے وہ محرک جس نے مجھے آپ کی زندگی کا شریک بنایا!" اس نے سوچا تھا۔

☆ ☆ ☆

"سمیع بیٹے نے کہا ہے کہ آپ کو بتادوں کہ اب مزید آپ کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ آپ کل سے مت آیئے گا۔" اماں رضیہ کا انداز بے حد بجھا ہوا تھا۔ نینا نے انہیں اتنا افسردہ ابھی تک نا دیکھا تھا۔ وہ کافی پریشان بھی نظر آتی تھیں' لیکن ان کی بات سن کر اس کا اپنا مزاج بگڑ گیا تھا۔ اس کے گھر میں حالات کافی کشیدہ چل رہے تھے اور جب ایسا ہوتا تھا تو اسے بس اپنی ذات ہی مظلوم نظر آتی تھی۔ اسے کیا پروا تھی کہ کوئی کتنا رنجیدہ یا افسردہ ہو رہا تھا۔ ابا سے ہونے والے جھگڑے نے اسے باور کروایا تھا کہ وہ زندگی کے کسی معاملے میں کبھی امی یا زری کی حمایت حاصل نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے اعتراض کے باوجود قطر والے' مہمان آئے تھے۔ زری اور امی کی ان سب کے ساتھ ہنس ہنس کر کی گئی باتیں لحاف منہ تک لپیٹ لپیٹ کر لیٹے رہنے کے باوجود اسے سنائی دیتی رہی تھیں۔ پھر جب رات کو اظفر زری کو لینے آیا تو بھی سب خوش گپیوں میں مصروف تھے' کسی کو اس کی پروا تھی نا ضرورت۔۔۔ وہ سب اس کے بغیر بھی خوش تھے جب کہ ابا کے دیئے گئے طعنے رات بھر اس کی سماعتوں میں گونجتے رہے تھے۔ وہ ایک دو گھنٹے سے زیادہ سو بھی نہیں پائی تھی۔

جب وہ صبح گھر سے نکلی تو ابا دیوان پر بیٹھے اپنی پشاوری چپل کے اسٹریپ بند کر رہے تھے۔ نہائے دھوئے تروتازہ سے حلیے میں' نفاست سے آئرن کیے گئے لباس میں' پرفیوم کی خوشبو سے معطر وہ کتنے مکمل لگتے تھے۔ ان کی سب تیاری امی کی مرہون منت تھی۔ پرفیوم اسپرے سے لے کر جوتوں کو پالش کرنے تک سب کام امی کرتی تھیں۔ اسے ان سب پر مزید غصہ آیا۔ وہ کیوں ابا کو اس طرح فلمی ہیروز کی طرح سجا بنا کر گھر سے بھیجتی تھیں۔ وہ کیوں ابا کی اتنی خدمت کرتی تھیں۔ ایسا شخص ایسی عزت و تکریم کے قابل کب تھا جب کہ امی کو ان کے سوا کوئی نظر ہی نا آتا تھا۔ ابا سے تو ویسے بھی نینا کی ازلی دشمنی تھی۔ وہ جب بھی ایسے تیار ہو کر نکلتے تھے اسے ان پر غصہ آنے لگتا تھا۔ اسے ہمیشہ یہ وہم رہتا تھا کہ ابا جب بھی گھر سے اس طرح نکلتے ہیں تو اس کی وجہ کوئی خفیہ ملاقات ہوتی ہے حالانکہ ہوش سنبھالنے سے لے کر اس نے انہیں ہمیشہ ایسے ہی گھر سے نکلتے دیکھا تھا' لیکن پھر بھی جانے کیا بات تھی کہ ابا کی زندگی میں جب بھی کوئی دوسری عورت آتی تھی' اسے امی سے بھی پہلے خبر ہو جایا کرتی تھی۔ اس کی نظر میں اس کی ماں ایک بے وقوف عورت تھی۔ ابا کو اس طرح دیکھ کر اس کا دل جل گیا تھا۔ رات کتنا کچھ ہوا تھا اور ابا پھر بانکے سجیلے بنے گھر سے باہر جانے کی تیاری میں تھے۔ اسی لیے وہ پہلے ہی کافی جلا دل لیے ایمن کے گھر آئی تھی اور اب اماں رضیہ نے یہ نئی اطلاع دے دی تھی۔ اس نے تیکھے چتوں کے ساتھ انہیں گھورا۔

"ایسے کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کے سمیع بیٹے۔۔۔ کہ انہیں میری خدمات کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔ میں کوئی کام والی ماسی نہیں ہوں کہ یک دم تنخواہ پکڑا کر فارغ کر دی جاؤں۔۔۔ نہیں چاہئیں مجھے یہ پیسے۔۔۔ میں ایڈوانس سیلری لیتی ہوں جو کہ میں پہلے ہی لے چکی ہوں۔۔۔ اب مجھ پر لازم ہے کہ میں پورا مہینہ ایمن کو پڑھاؤں گی۔۔۔ کوئی مجھے روک کر تو دکھائے۔۔۔ آپ ایمن کو بھیجیں اور جا کر اپنے سمیع بیٹے کو بھی میرا یہ مسیج دے دیں۔۔۔ کہ میں وہ بلا نہیں ہوں جو آسانی سے ٹل جاؤں۔۔۔" وہ چبا چبا کر بول رہی تھی۔ اماں رضیہ نے پہلے کچھ حیران اور پھر پریشان ہو کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"اب آپ کیوں مجھے گھور گھور کر دیکھ رہی ہیں۔۔۔ جائیں جائیں۔۔۔ ایمن کو بھیجیں۔" وہ اسی انداز میں بولی تھی۔ اماں رضیہ اس کے انداز سے خائف ہو کر واپس جانے کو مڑیں اور پھر کچھ سوچ کر واپس پلٹ آئیں۔

"آپ کی بات درست ہو گی بیٹا' لیکن سمیع صاحب نہیں مانیں گے۔۔۔ وہ ایمن کو ہوسٹل بھجوا رہے ہیں۔۔۔ وہاں کہیں اسلام آباد مری میں۔۔۔ انہوں نے رات ہی مجھے بتایا ہے۔" ان کا انداز پہلے سے بھی زیادہ بجھا ہوا تھا۔ نینا نے اکتا کر انہیں دیکھا۔

"یہ بات تو مجھے ایمن پہلے ہی بتا چکی ہے کہ اس کے سیانے والد محترم اسے ہوسٹل بھجوا رہے ہیں۔۔۔" وہ مزید ناراض ہوئی تھی۔ ایمن کا رویا رویا سا بھیگا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ اس نے اپنا رخ بالکل اماں کی جانب کیا۔

"اماں رضیہ آپ پتا نہیں ان لوگوں کے ساتھ کیسے کام کر رہی ہیں۔۔۔ خدا کی قسم ذرا بھی قابل اعتبار نہیں ہیں یہ مسٹر اور مسز سمیع۔۔۔ پہلے بے چین پھر رہے تھے کہ لاہور گرامر میں ایڈمیشن ہو جائے۔۔۔ اب یک دم بورڈنگ میں بھجوانے کا شوق اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ مسئلہ کیا ہے ان کا کوئی دماغی خلل ہو گا یقیناً" اولاد سنبھالی نہیں جا سکتی تو پیدا کیوں کر لیتے ہیں لوگ۔" وہ چڑ کر جیسے خود سے باتیں کرنے لگی تھی۔ اماں رضیہ چپ رہیں، لیکن ان کی لمبی ٹھنڈی گہری سانس نے نمینا کو مزید اکتا دیا تھا۔

"کوئی تو وجہ بتائی ہو گی آپ کے سمیع بیٹے نے اس احمقانہ خود غرضانہ اور جذباتی فیصلے کی۔۔۔؟" وہ اپنی اکتاہٹ چھپانے کی کوشش بھی نہیں کر رہی تھی۔ اماں رضیہ نے اس کا انداز بغور دیکھا پھر وہ تھکے تھکے قدم اٹھاتیں اس کے سامنے صوفے پر جا بیٹھی تھیں۔ وہ انہیں صاف گو، لیکن ایمن کی ہمدرد نظر آتی تھی۔ اسے اصل بات بتا دینے میں حرج ہی کیا تھا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں صاف کی تھیں، جو بلا وجہ ابل پڑی تھیں۔

"اس کی وجہ ایک ہی ہے۔۔۔ شیرین سمیع۔۔۔ ایمن کی بد قسمت ماں۔۔۔ وہ چھوڑ کر جا رہی ہیں ہم سب کو۔" انہوں نے جملہ ادا نہیں کیا تھا بلکہ اگل دیا تھا۔

✻ ✻ ✻

"کہاں جا رہی ہو۔۔۔؟" صوفیہ نے چائے کا کپ میز پر رکھ کر واپسی کی راہ لی تھی جب کاشف نے پکارا۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

"آپ کو پتا تو ہے میں اس وقت قرآن پڑھتی ہوں۔۔۔" انہوں نے سادہ سے انداز میں جواب دیا۔

"یہاں بیٹھ کر پڑھ لو نا قرآن۔۔۔" کاشف صاحب کی دلی خواہش تھی کہ وہ ان کے پاس بیٹھتیں۔

"یہاں ٹی وی چل رہا ہے۔۔۔ اسی لیے باہر جا رہی تھی۔" انہوں نے وضاحت کی۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ ان کے گھر میں ٹی وی سر شام جو چلنا شروع ہوتا تو رات گئے بند ہوتا تھا۔ کاشف کی موجودگی میں نیوز چینلز چلتے رہتے تھے اور صوفیہ اکیلی گھر میں ہوتیں تو دوسرے چینل کی آوازوں سے گھر گونجتا رہتا تھا۔ دونوں بیٹیوں کی شادیوں کے بعد سے ان دونوں کے درمیان جیسے کرنے کے لیے باتیں ہی ختم ہو گئی تھیں۔ وہ دونوں ٹی وی سے ہی دل بہلاتے رہتے تھے۔

"میں ٹی وی کی آواز بند کر دیتا ہوں۔ یہیں بیٹھ جاؤ نا۔" انہوں نے لجاجت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ صوفیہ کے لیے اب اس انداز میں کوئی دلچسپی باقی نا رہی تھی۔

ایک وقت تھا ان کی خواہش ہوتی تھی کہ ان کے شریک حیات ان کے پاس بیٹھیں، انہیں وقت دیں، ان کی چھوٹی چھوٹی بے سروپا باتوں کو سنیں لیکن وہ مصروف رہتے تھے، ان کی دلچسپیاں اور ترجیحات مختلف تھیں۔ وہ ساتھ بیٹھتے تھے، کھانا، چائے اکٹھے ہوتی تھی، لیکن ان کا دھیان ٹی وی یا موبائل یا کاروباری مصروفیات کی جانب رہتا اور اب جب سنہرا وقت گزر گیا، بچے بیاہے گئے تھے، کاشف کو بڑھاپے اور جگر کی بیماری نے گھر تک محدود کر دیا تھا تو صوفیہ کو بھی ان میں وہ دلچسپی نا رہی تھی۔ ان کا دھیان اب عبادت میں زیادہ لگنے لگا تھا۔ گھر کے کام کاج سے جو وقت بچ جاتا تھا وہ عبادت کی نذر ہو جاتا۔ انہیں شوہر سے زیادہ اب ان چھوٹی چھوٹی چیزوں میں دلچسپی محسوس ہوتی تھی، جو وہ زری اور اس کے آنے والے بچے کے لیے جمع کر رہی تھیں۔

"جی اچھا... میں یہیں بیٹھ جاتی ہوں۔" وہ سہلاتے ہوئے وہیں بستر پر بیٹھ گئیں اور گود میں قرآن رکھ کر دھیمی آواز میں ہل ہل کر قرآن پڑھنا شروع کر دیا۔

"زری کیسی ہے...؟ بہت دن ہو گئے... آئی نہیں وہ...؟" پانچ منٹ بھی نا گزرے تھے جب کاشف نے دوبارہ انہیں ٹوک کر سوال کیا تھا۔

"ابھی چار دن پہلے تو رات بھر رہ کر گئی ہے... روز روز تو نہیں آسکتی نا... اظفر ویسے بھی زیادہ دن رہنے نہیں دیتا اسے۔" انہوں نے لمحہ بھر کے لیے قرآن پاک سے نظریں ہٹائی تھیں۔

"اظفر شوہر ہے اس کا... مالک نہیں ہے کہ اس سے اجازت لی جائے... اسے کہہ دینا کہ میری بیٹی کو زیادہ روک ٹوک کی عادت نہیں ہے۔" کاشف نے ناک چڑھا کر کہا تھا۔

"اوہو... بات کو کہاں سے کہاں لے جاتے ہیں آپ... اظفر کا کیا قصور ہے... آپ کی اپنی بیٹی کا دل بھی نہیں لگتا اب اس گھر میں اور پھر اس کی غیر موجودگی میں اظفر کو کھانے پینے کا بہت مسئلہ ہو جاتا ہے۔" صوفیہ نے وضاحت کی تھی اور پھر دوبارہ سے قرآن پڑھنے لگی تھیں۔ زری کی شادی کو دو سال ہونے والے تھے لیکن کاشف کے دھونس بھرے شکوے ختم ہی نا ہوتے تھے۔

"یہ تو نرے چونچلے ہیں... کھانے پینے کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا کسی کو بھی... لاہور ہے یہ... کا مونکی نہیں ہے... ہر چیز مل جاتی ہے باہر سے... وہ بھی تو ہے تمہاری چہیتی لخت جگر... ہر دو دن بعد یہاں موجود ہوتی ہے... اس کے شوہر کو کھانے پینے کا مسئلہ نہیں ہوتا...." کاشف کے لہجے میں طنز تھا اور اشارہ نیناں کی جانب تھا۔ صوفیہ نے ایک بار پھر قرآن پر سے نظریں ہٹائی تھیں اور ان کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ نیناں کے بارے میں بات کرتے ہوئے وہ ہمیشہ اسی طرح طنزیہ انداز اپنا لیتے تھے۔

"وہ شروع سے من موجی سی ہے... آپ کو پتا تو ہے... وہ نہیں خاطر میں لاتی شوہر کو... اور پھر اس کے گھر میں ملازم ہیں نا... چولہا چوکی تو ایک دن بھی نہیں کی اس نے۔ اس کی ساری توجہ بچی پر رہتی ہے... اس کے لیے ہی کرتی ہے سب۔" صوفیہ نے جتایا نہیں تھا۔ بات برائے بات کی تھی لیکن کاشف کو اپنی ناراضی ظاہر کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"اسے سکھایا ہی کب ہے تم نے یہ سب... اچھا ہوا جو نہیں کرنی پڑتی چولہا چوکی... ورنہ ناک کٹ جاتی تمہاری... یہ تو زری ہی ہے جس نے ماشاء اللہ سب بہت طریقے سے سنبھال رکھا ہے... نیناں سے تو کسی چیز کی امید ہی نہیں ہے مجھے...." کاشف کا لہجہ کافی تلخ تھا۔ صوفیہ نے قرآن کو چوما، بند کیا اور پھر بے حد تحمل بھرے انداز میں بولیں۔

"نیناں زبان کی تیز ہے لیکن زری سے زیادہ سمجھ دار ہے... زری سے زیادہ بہتر طریقے سے گھر بار سنبھال رہی ہے... سوتیلی اولاد کو ساتھ ساتھ لے کر چل رہی ہے... اور کتنی سمجھ داری چاہیے آپ کو" کاشف نے ان کے چہرے کی جانب دیکھا۔

"مجھے کچھ نہیں چاہیے اس سے... تمہاری چہیتی بیٹی ہے... میں کچھ کہوں گا تو تمہیں برا لگے گا۔" انہوں نے ٹی وی کی جانب دیکھتے ہوئے طعنہ سا دیا تھا۔ صوفیہ کو نیناں سے جتنی بھی شکایتیں رہی ہوں، یہ بھی سچ تھا کہ وہ شوہر کے سامنے اس کی ہمیشہ حمایت کرتی تھیں۔ انہوں نے ایک دم برا مان کر شوہر کا چہرہ دیکھا۔

انسانی رشتے بھی عجیب ہوتے ہیں، آپ پچھتا بھی رہے ہوں تب بھی منہ سے اس کا اظہار کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ صوفیہ کے ساتھ بس یہی ہو رہا تھا۔ وہ فقط اتنا چاہتی تھیں کاشف اب نیناں سے خار کھانا بند کر دیں جبکہ کاشف کو اس رویے کی توقع نا تھی۔ ان کے چہرے کے تاثرات بھی کرخت ہوئے تھے۔

"وہ تمہیں شروع سے ہی بہت عزیز رہی ہے صوفیہ..... تمہیں اس کی کوئی غلطی کبھی غلطی لگی ہی نہیں..... اس کی وجہ پتا کیا ہے..... وہ بالکل تمہارے جیسی ہے....." صوفیہ نے ان کی جانب دیکھا اور پھر ہاتھ سے انہیں مزید بولنے سے روک دیا۔

"نہیں کاشف صاحب..... آج مجھے کہہ لینے دیں کہ آپ ساری زندگی غلط تجزیہ کرتے رہے ہیں۔" صوفیہ کا انداز بالکل دوٹوک تھا۔ ان کے ہاتھ میں قرآن تھا۔ ان کا دل چاہا آج سب کچھ سچ سچ کہہ ڈالیں۔

"اصل میں نینا بالکل آپ جیسی ہے..... اس نے نقوش' اور رنگ روپ ہی لیا ہے بس مجھ سے..... باقی سب تو آپ کا پرتو ہے وہ..... عادات' رویے..... سلیقہ..... سب آپ جیسا ہے..... اس کی طبیعت میں ضد آپ جیسی' نخرا آپ جیسا' بے صبری آپ کے جیسی..... برداشت آپ کے جیسی..... جلد بازی آپ کے جیسی..... اور بس آپ کو وہ کبھی اسی لیے اچھی نا لگی کہ وہ آپ کو اس گھر میں اپنا سب سے بڑا حریف لگنے لگی تھی..... اسی لیے بچپن سے لے کر اب تک آپ نے ہمیشہ اس سے مقابلہ کیا ہے..... اسے کبھی محبت نہیں دی لیکن..... اب معاف کردیں اسے..... وہ پہلے ہی بڑی مشکل میں ہے....." انہوں نے گہری سانس بھرتے ہوئے کہا تھا۔ لہجہ گلوگیر ہو گیا تھا۔ وہ مزید بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں الفاظ جیسے حلق میں پھنسنے لگے تھے۔

نینا کا چہرہ نظروں کے سامنے گھومنے لگا تھا۔ اس بار جب وہ ویک اینڈ پر رہنے آئی تھی تو اس کے انداز بہت مختلف محسوس ہوئے تھے انہیں..... وہ منہ پھٹ اور بدتمیز تھی۔ اپنے دکھوں کو رو کر نہیں' چیخ چلا کر ظاہر کرنے کی عادی تھی لیکن کبھی شکست خوردہ نہیں لگی تھی وہ انہیں..... اب تو وہ ہاری ہوئی لگتی تھی۔ وہ ماں تھیں' اس کی بجھی ہوئی آنکھیں ان سے مخفی نہیں تھیں لیکن ان کے درمیان اس قدر جذباتی فاصلے تھے کہ وہ چاہ کر بھی اس کا دکھ پوچھ نا پاتی تھیں اور وہ تو کبھی ان پر اپنے دل کی بات نا ظاہر کرتی۔ اسے عادت ہی نا تھی۔ ماں ہونے کے ناطے وہ اس کے کرچی کرچی ہوتے وجود کو دیکھتی تھیں لیکن کچھ پوچھنے کی ہمت نا کرپاتی تھیں اور اگر کبھی پوچھنے کی ابتدا کر ہی لیتی تھیں تو وہ ایسا تڑختا ہوا جواب دیتی تھی کہ وہ بے بس ہو کر غصہ کرنے لگتی تھیں لیکن انہیں دکھ ضرور ہوتا تھا اور ان کی خواہش تھی کہ کاشف بھی اس دکھ کو محسوس کریں..... بے شک منہ سے کچھ نا کہیں..... اپنی غلطیوں کا کوئی ازالہ کوئی کفارہ ادا نا کریں لیکن اب "اسے" کوسنا بند کردیں لیکن چاہ کر بھی یہ بات شوہر کو سمجھا نا پاتی تھیں جبکہ وہ ان کے الزامات کو سن کر ناراض سے نظر آنے لگے تھے۔

"صوفیہ تم مجھے ہی الزام دیتی رہنا..... ساری زندگی یہی کیا ہے تم نے..... اسی وجہ سے نینا نے کبھی میری عزت نہیں کی..... کبھی مجھے باپ والا مان ہی نہیں دیا..... طعنے دینے کے بجائے گر تم نے چار اچھی باتیں کبھی اس کو سکھا دی ہوتیں تو شاید حالات آج مختلف ہوتے..... لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم نے ہمیشہ نینا کی غلطیوں پر پردے ڈال کر اسے شہہ دی ہے..... یہی وجہ ہے کہ وہ آج اپنے غلط فیصلوں کی وجہ سے مشکلات کا شکار ہے..... زری بھی تو ہے..... ہمیشہ میری عزت کرتی ہے..... ہمیشہ میرے فیصلوں کا احترام کرتی ہے..... لیکن یہ محترمہ..... دوبدو مقابلہ کرنے کو ہمیشہ تیار..... لیکن ایک بات تم بھی یاد رکھنا..... وہ زیادہ دن اس فیصلے پر قائم نا رہ پائے گی..... روتی دھوتی اسی گھر میں واپس آئے گی..... اور یہ بہت جلدی ہوگا..... دیکھ لینا تم..... اور پھر اسے احساس ہوگا کہ باپ کی اہمیت کیا ہوتی ہے..... باپ کا گھر کیا ہوتا ہے۔" وہ تلخ لہجے میں کہہ رہے تھے۔ صوفیہ کے طعنوں نے انہیں زیادہ غصہ دلا دیا تھا۔ صوفیہ چند لمحے ان کی شکل دیکھتی رہیں۔ ان کی آنکھیں بالکل ڈبڈبا سی گئی تھیں..... بدقت بول پائی تھیں وہ.....

"جب بیٹیاں بیاہی جاتی ہیں تو ان کو کوسنے نہیں دیتے..... طعنے نہیں دیتے انہیں..... بلکہ ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں..... ان کی بھلائی کا سوچتے ہیں..... ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں پر پردہ ڈالتے ہیں....." انہوں نے گہری

سانس بھرتے ہوئے بمشکل کہا تھا اور بوجھل دل لیے اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھیں..... آنکھیں چھلکنے لگی تھیں۔

✡ ✡ ✡

"ٹک ٹک..... ٹک ٹک....." گھڑی کی سوئیاں رات کے پہر کافی بلند آواز میں اپنا سفر طے کرنے میں مگن تھیں، سمیع کی آنکھ جانے کس احساس کے ساتھ کھلی تھی۔ اس نے کروٹ بدلی تھی اور پھر خود ہی چونک سا گیا۔ وہ اکیلا سویا ہوا تھا۔ اسے ایک لمحے میں ہی وہ سب یاد آگیا جو رات اس پر بیتا تھا۔ وہ کونین کی گود میں سر رکھ کر خوب رویا تھا اور پھر جب درد کا غلبہ کم ہوا تھا تو اس نے اسے کمرے سے نکل جانے کے لیے کہا تھا۔ وہ اس ہتک پر چپ چاپ اس کی شکل دیکھتی رہی تھی اور پھر بنا کچھ کہے باہر نکل گئی تھی۔ خیال اسے کونین کا آیا تھا لیکن یاد شہرین کی ہی آئی تھی۔ وہ شہرین کے لیے بے چین ہوا تھا۔ وہ جھٹکے سے اپنی جگہ سے اٹھا تھا پھر بنا چپل پہنے دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔ ساتھ والا کمرہ ایمن کا تھا۔ اس نے دھیرے سے دروازہ کھولا تو سامنے بیڈ پر ایمن لیٹی نظر آئی۔ کوئی دوسرا وجود دکھائی نا دیتا تھا۔

"کونین..... کونین....." اس نے آواز دی اور کمرے کے اندر داخل ہو گیا لیکن کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ اس نے باتھ روم کے دروازے کی جانب دیکھا، وہاں بھی تاریکی نظر آرہی تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ وہاں بھی کوئی نہیں تھا۔ اس کا دل یک دم گھبرانے لگا تھا۔ ایمن کے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ کر وہ تیز تیز سیڑھیاں اترتا ہوا نیچے آیا تھا۔ لاؤنج میں اندھیرا تھا لیکن باہر پورچ سے روشنی کی ہلکی سی لکیر میں بھی اندازہ ہو رہا تھا کہ لاؤنج کا مرکزی دروازہ بند تھا۔ اس نے ذرا سکھ کا سانس لیا۔ اس دروازے کے بند ہونے کا مطلب یہ تھا وہاں سے کوئی باہر نہیں گیا تھا۔

اس نے مڑ کر کچن کی راہ لی۔ ذرا نزدیک ہونے پر اسے وہاں روشنی نظر آئی تھی۔

"کونین....." اس نے پھر آواز دی تھی۔ ایک ہی لمحہ لگا تھا جب غنودگی کے باعث تھکی تھکی سی آنکھیں لیے کونین نمودار ہوئی تھی۔

"شہرین کہاں ہے..... وہ اوپر کمرے میں نہیں ہے..... میں نے ایمن کا کمرہ بھی چیک کر لیا ہے..... وہ وہاں بھی نہیں ہے۔" اس نے بے چینی سے سوال کیا تھا۔ کونین نے آنکھیں پٹپٹا کر اسے گھورا تھا۔

"بھوک لگ رہی تھی انہیں..... ان کا ٹرائفل کھانے کا دل چاہ رہا تھا۔ وہی بنا کر دیا ہے۔" نیند کے باعث اس کی آواز کافی بوجھل ہو رہی تھی۔

"اچھا۔" اس نے کونین کے عقب سے شہرین کو ڈھونڈنے کی کوشش کی اور پھر کچھ سوچ کر وہیں رک گیا۔ شام کو جو کچھ ہو چکا تھا۔ اس کی وجہ سے اسے براہ راست کچن تک جانے میں جھجک محسوس ہو رہی تھی۔

"وہ..... میرا مطلب ہے..... سب ٹھیک ہے نا.....؟" کونین اس کی شریک حیات تھی لیکن ان کے درمیان ایک حیا کا رشتہ تھا۔ اسی لیے وہ اپنی بات مکمل نہیں کر پایا تھا۔

"آجائیں..... سب ٹھیک ہے..... ٹرائفل سے کھیل رہی ہیں....." اس نے اکتا کر کہا تھا۔ سمیع تھکے تھکے سے قدم اٹھاتا کچن میں داخل ہوا تھا۔

"بھائی..... یہ تو بہت میٹھا ہے..... پھپھو نے بنایا ہے میرے لیے..... میٹھا میٹھا....." شہرین نے اسے دیکھ کر بچگانہ سے انداز میں کہا تھا وہ تڑپ کر اس کے قریب آیا تھا۔

✡ ✡ ✡

"تم نے ٹیوٹر کو تو بتا دیا تھا نا کہ آج وہ چھٹی کر لے؟" سمیع نے اسپتال کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے شہرین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

سے پوچھا تھا۔ وہ ایمن کی ویکسی نیشن کے لیے وہاں آئے تھے۔

"ہاں... اس کو دو دن پہلے ہی انفارم کر دیا تھا میں نے" شیرین نے اثبات میں سر ہلایا تھا پھر ایمن کے بالوں میں لگی پن کو اتار کر دوبارہ سے درست کر کے لگاتے ہوئے بولی۔

"اس کو انفارم کرنا انتہائی ضروری ہے ورنہ وہ بلاوجہ ناراض ہوتی کہ میں تو آ گئی تھی لیکن ایمن موجود نہیں تھی... اتنی اچھی ٹیوٹر کی ناراضی نہیں مول لے سکتی میں" شیرین کا انداز ٹیوٹر کے معاملے میں ہمیشہ ہی پرجوش ہو جایا کرتا تھا۔ سمیع نے ناگواری سے سر جھٹکا تھا۔

"اب اتنا بھی مت سر چڑھاؤ ایک ٹیوٹر کو... خواہ مخواہ میں ناراض ہوتیں وہ محترمہ... ان کو تو خوش ہونا چاہیے کہ ان کو پڑھانا نہیں پڑے گا... چھٹی کریں گی محترمہ اور ہم کوئی فیس تھوڑی نا کاٹ رہے ہیں... فیس تو پوری ادا کرتے ہیں ان کو۔" اس نے شیرین کو چڑانے کے لیے تکبر بھرے انداز میں کہا تھا۔ وہ جانتا تھا شیرین ایمن کی ٹیوٹر کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتی تھی۔ شیرین نے اس کی بات کی تردید کے لیے فوراً" گردن نفی میں ہلائی تھی۔

"ارے نہیں بھئی... کہا نا میں اس کی ناراضی کا رسک نہیں لے سکتی... وہ جتنے پیار سے میری ایمن کو پڑھاتی ہے نا... ایسے کوئی دوسرا نہیں پڑھا سکتا تھا۔ اس کی ایک ایک چیز پر سخت توجہ دیتی ہے... ورڈ ہو یا موٹر سکل کی پریکٹس... ہر چیز پر محنت کرتی ہے... ایمن کو پنسل بھی نہیں پکڑنی آتی تھی لیکن اب ویکھو لیٹر فارمیشن سے لے کر کلرنگ تک ہر چیز میں امپروو کیا ہے اس نے۔" وہ تفصیل سے سن رہی تھی۔ یہ شیرین کی عادت تھی اسے جب کوئی بھا جاتا تھا تو اس کی تعریف میں وہ زمین آسمان کے قلابے ملانے کو تیار رہتی تھی۔ سمیع بے دلی سے سنتا رہا۔ ان کی اپائنٹمنٹ فکس تھی لیکن پھر بھی رش ہونے کے باعث تاخیر ہو رہی تھی اور اس لیے سمیع کی اکتاہٹ بھی بڑھ رہی تھی۔ اسی دوران ایمن نے اپنی پانی والی بوتل شیرین کی جانب بڑھائی تھی۔ سمیع کی توجہ ان دونوں کی ہی جانب تھی۔ شیرین نے ہاتھ آگے بڑھا کر بوتل کو پکڑنا چاہا تھا لیکن بوتل نیچے گر گئی تھی۔

"اوہو... دھیان سے ایمن... میرے ہاتھ میں دینے کے بجائے آپ نے بوتل نیچے گرا دی۔" وہ سر کو جھٹکتے ہوئے ناراض سے لہجے میں بولی تھی۔ سمیع نے حیرت سے اس کے انداز کو دیکھا کیونکہ وہ غور کر رہا تھا شیرین نے جان بوجھ کر اپنا ہاتھ اس زاویے میں نہیں بڑھایا تھا جس زاویے سے ایمن اسے بوتل پکڑا رہی تھی۔ سمیع نے جھک کر بوتل اٹھائی تھی اور کچھ کہے بنا اس نے وہ بوتل شیرین کو دینی چاہی تھی۔ شیرین نے ہاتھ بڑھایا تھا اور ایک بار پھر سمیع نے بغور دیکھا کہ وہ ہاتھ کو بالکل الگ سمت میں آگے کر رہی تھی۔

"اس طرف دیکھو نا... ایسے تو یہ پھر گر جائے گی۔" سمیع چڑ کر بولا۔ شیرین نے سر جھٹکا تھا۔

"اچھا... سوری... مجھے نظر نہیں آیا تھا۔" وہ کچھ الجھی ہوئی لگتی تھی۔

"مجھے لگتا ہے میری آئی سائٹ کچھ کمزور ہو رہی ہے... بعض اوقات مجھ سے چیزوں پر فوکس نہیں ہوتا۔" وہ سیدھے ہاتھ کی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے سے آنکھوں کو مسلتے ہوئے بولی تھی۔ سرجری کے بعد سے ہی اس کی آئی سائٹ پر فرق پڑ گیا تھا لیکن وہ عینک نہیں لگاتی تھی۔ ایمن کا نام پکارا گیا تو وہ دونوں ایمن کے ہمراہ مطلوبہ ڈاکٹر کے کمرے میں چلے آئے تھے۔ ایمن کی صحت بالکل ٹھیک تھی' اس کا قد کاٹھ بھی اپنی عمر کے بچوں کے حساب سے ٹھیک بڑھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے اس کا وزن' قد اور دانت وغیرہ چیک کرنے کے بعد انہیں ڈسپنسری میں جانے کے لیے کہا تھا جہاں نرس ایمن کو انجکشن لگانے والی تھی۔

"اب نیکسٹ اپائنٹمنٹ نیکسٹ (اگلی) برتھ ڈے پر ہو گی جب ایمن سات سال کی ہو جائے گی۔" ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے نسخہ شیرین کی جانب بڑھایا تھا۔

"سات نہیں پانچ۔۔۔" شہرین نے تصحیح کی اور ساتھ ہی نسخہ پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے کیا۔ اس کے انداز اور الفاظ دونوں پر ہی نا صرف ڈاکٹر بلکہ سمیع نے بھی چونک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"ایمن چھ سال کی نہیں ہے کیا۔۔۔؟" ڈاکٹر چونکہ ان کو ایک سال سے جانتی تھی۔ ایمن نا صرف ویکسی نیشن کے لیے بلکہ ہر قسم کے وائرل انفیکشن وغیرہ کے لیے بھی ان کے پاس ہی آتی تھی۔ اسی لیے وہ اس فیملی سے اچھی طرح سے واقف تھیں۔ انہوں نے شہرین کی بات پر حیرانی کا اظہار بھی اسی لیے کیا کہ ان کے پاس تو ایمن کا سارا ریکارڈ موجود تھا تو مسز سمیع کس بنیاد پر ان کی بات کو رد کر رہی تھیں۔

"جی ڈاکٹر آپ درست کہہ رہی ہیں۔۔۔ ایمن چھ سال ہی کی ہے۔۔۔ شہرین کو تو آج کل کوئی بات ٹھیک سے یاد ہی نہیں رہتی۔۔۔ یہ آج کل خیبر پختونخواہ کے قریب قریب گھومتی رہتی ہیں۔" سمیع نے بظاہر مسکرا کر مگر طنزیہ انداز میں کہا تھا۔ ڈاکٹر نے مسکرا کر سمیع کی جانب دیکھا پھر دوبارہ شہرین کی جانب دیکھنے لگیں۔

"اچھا۔۔۔ واقعی۔۔۔ لیکن ایسا کیوں۔۔۔ اس کی وجہ کوئی سیاسی وابستگی تو نہیں نا؟" وہ بھی مذاق کرنے والے انداز میں پوچھنے لگی تھیں۔ ان کے اس فیملی کے ساتھ فیملی ٹرمز تو نہیں تھے لیکن پھر بھی فرینڈلی ٹرمز ضرور تھے۔

"نہیں نہیں۔۔۔ وہ وجہ نہیں ہے دراصل ان کی ادھر رہتیں ہیں نا وہاں۔ پشاور میں۔۔۔ اس لیے ان کا دھیان گمان سب وہیں رہتا ہے آج کل" سمیع اب کی بار ہنسا تھا۔ ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے سرہلایا اور ساتھ ہی دوبارہ نسخہ شہرین کی جانب بڑھایا تھا اور تب ہی سمیع نے انہیں کسی قدر چونکتے ہوئے دیکھا۔ اس نے یکدم ہی شہرین کو دیکھا تھا۔ شہرین نے ڈاکٹر کے نسخہ والے ہاتھ کے زاویے سے بالکل الگ سمت میں اپنا ہاتھ بڑھا کر نسخہ پکڑنا چاہا تھا۔ سمیع نے دیکھا اس نے نسخہ ہاتھ میں نا آنے پر سر جھٹکا تھا اور دوبارہ سے نسخہ پکڑنے کی کوشش کی تھی۔ اب کی بار ڈاکٹر نے وہ کاغذ کا ٹکڑا بالکل اس کے ہاتھ میں تھمادیا تھا۔ سمیع نے ڈاکٹر کی جانب دیکھا۔ وہ اسے ہی استفہامیہ انداز میں دیکھ رہی تھیں۔

"ڈاکٹر ہمیں آپ سے ایک اور بھی بات کرنی تھی۔۔۔ کیا آپ شہرین کے لیے کوئی اچھا اوپتھمولوجسٹ (آئی اسپیشلسٹ) ریفر کر سکتی ہیں۔۔۔" وہ ان سے پوچھ رہا تھا۔ ڈاکٹر نے دوبارہ شہرین کا چہرہ دیکھا اور پھر سمیع کی جانب دیکھا۔ ان کے انداز یکدم ہی کچھ مضحکہ خیز سے لگنے لگے تھے جیسے کچھ سمجھ نا پا رہی ہوں۔

"اچھا۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔ کوئی مسئلہ ہے کیا۔۔۔" انہوں نے چند منٹ کے توقف کے بعد سوال کیا تھا۔ وہ دونوں اپنی جگہ سے اٹھے تھے۔

"شہرین کو ملنا ہے آپتھمولوجسٹ سے۔۔۔ اس کی آئی سائٹ کچھ کمزور ہو رہی ہے۔۔۔" سمیع نے جواب دیا تھا۔ اس دوران ڈاکٹر مسلسل شہرین کی جانب دیکھتی رہی تھیں۔

"شہرین آپ بچی کو انجیکشن لگوائیں۔۔۔ میں تب تک آپ کے ہزبینڈ کو ڈاکٹر کا ایڈریس ڈھونڈ کر دیتی ہوں۔۔۔ ڈسپنسری میں کافی رش ہوگا تو آپ جا کر ٹوکن وغیرہ لیجیے۔۔۔ اس سے وقت بچ جائے گا۔ آپ کا۔۔۔" ڈاکٹر نے اس سے کہا تھا۔ وہ سرہلاتے ہوئے ایمن کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکل گئی تھی۔ سمیع وہیں کھڑا رہا۔

"کیا مسئلہ ہے۔۔۔؟" ڈاکٹر نے شہرین کے کمرے سے نکلتے ہی سمیع کی جانب دیکھا تھا۔

"یہ میں کیسے بتا سکتا ہوں ڈاکٹر۔۔۔ یہ تو ڈاکٹر سے مل کر پتا چلے گا نا۔۔۔ میرا خیال آئی سائٹ ویک ہو رہی ہے۔" سمیع مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"شہرین کے ریگولر چیک اپس ہو رہے ہیں نا۔۔۔؟" ڈاکٹر نے دوسرا سوال پوچھا تھا اور تب ہی سمیع ذرا ٹھٹکا تھا۔

"جی۔۔۔ پائی اینولی ہوں گے۔۔۔ نیکسٹ منتھ ہے اس کی اپائنٹمنٹ۔۔۔" اس نے نا سمجھی کے سے عالم میں بات مکمل کی تھی۔

"میرا خیال ہے آپ کو ان کے سرجن سے۔۔۔ یا آنکولوجسٹ وغیرہ سے فوراً" ملنا چاہیے۔۔۔" ڈاکٹر کے انداز سمیع کو مشکوک کر رہے تھے۔

"جی بہتر۔۔۔ آنکولوجسٹ سے مل لوں۔۔۔ پھر ڈاکٹر طیب سے اپائنٹمنٹ لیتا ہوں۔۔۔" وہ کچھ کنفیوزڈ سا ہو کر بولا تھا۔

"آپ عجیب انسان ہیں۔۔۔ اس مسئلے کو تو ایک منٹ کے لیے بھی نہیں ٹالا جا سکتا۔۔۔ آپ فوری شوکت خانم کی اپائنٹمنٹ لیں۔۔۔ آپ دیکھ بھی رہے ہیں کہ انہیں فوکس کرنے میں مسئلہ ہو رہا ہے اور پھر آپ ہی نے بتایا کہ ان کا دھیان بھی آج کل گم رہتا ہے۔۔۔ یعنی یہ کچھ عجیب بی ہیو کر رہی ہیں لیکن پھر بھی آپ ابھی تک ان کے نیورو سرجن سے نہیں ملے۔۔۔" ڈاکٹر اب کی بار اسے گھرکنے کے انداز میں بولی تھیں۔

"نہیں ڈاکٹر۔۔۔ شوکت خانم والوں نے تو کلیئر کر دیا ہوا ہے۔۔۔ وہ مسئلہ تو الحمدللہ ختم ہو چکا ہوا ہے۔" سمیع نے ذرا سا گھبرا کر مگر عجلت میں کہا۔ اس کی تو ہمت ہی نا پڑتی تھی کبھی "کینسر" جیسا لفظ بھی منہ سے نکالنے کی۔ ڈاکٹر نے گہری سانس بھری پھر اس کی جانب ہمدردی بھرے انداز میں دیکھا تھا۔

"میں آپ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی۔۔۔ لیکن کینسر بہت ظالم مرض ہے مسٹر سمیع۔۔۔ یہ کب کیسے پلٹ کر آجائے۔۔۔ پتا نہیں چلتا۔۔۔ آپ خود ہی کہہ رہے ہیں کہ آپ کی مسز کچھ ویئرڈلی بی ہیو (عجیب برتاؤ) کر رہی ہیں آج کل۔۔۔ اور میں نے خود انہیں نسخہ پکڑاتے ہوئے ابھی غور کیا۔۔۔ وہ بالکل بھی فوکس نہیں کر پا رہی تھیں۔۔۔ یہ اچھی علامتیں نہیں ہیں سمیع صاحب۔۔۔ اس لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ فکسڈ اپائنٹمنٹ کا انتظار کرنے کے بجائے آج ہی شیریں کے ڈاکٹر سے ملیں۔۔۔ اللہ نا کرے کوئی پریشانی والی بات ہو۔۔۔ لیکن الس بیٹر ٹو بی آن دا سیف سائیڈ۔۔۔ ہوپ یو گوٹ مائی پوائنٹ۔" (بہتر ہے کہ احتیاط کریں۔ امید ہے کہ آپ میرے نقطہ نظر کو سمجھ گئے ہوں گے) ڈاکٹر کے انداز میں ہمدردی سی تھی۔ سمیع کی تو جیسے جان ہی نکل گئی تھی۔ وہ گرنے والے انداز میں کرسی پر بیٹھ گیا۔

✡ ✡ ✡

وہ دن سمیع کی زندگی کے انتہائی پریشان کن دن تھے۔ سب کچھ مل جانے کے بعد ایک بار پھر سب چھن جانے کا احساس اس پر حاوی ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ پہلے بھی ان پریشان کن لمحات سے گزرا تھا۔ پہلے بھی یہی سب ہاسپٹلز کے چکر، لیب ٹیسٹس اور رپورٹس کا جان لیوا انتظار اس کے حواسوں کو مفلوج کیے رکھتے تھے لیکن اب تو حد ہو گئی تھی۔ درد انتہائی جان لیوا تھا۔ اس نے کسی کو بھی بتائے بنا دوبارہ شیریں کے آنکولوجسٹ سے رابطہ کیا تھا حالانکہ شیریں کا سال میں دو بار میڈیکل فالواپ تجویز کیا تھا۔ ایک پورا پینل تھا جو ایسے مریضوں کے چیک اپس وغیرہ کے لیے متعین تھا مگر سمیع کی زبانی شیریں کے عجیب و غریب رویے کا سن کر ڈاکٹر نے پہلے کی طرح فوری ایم آر آئی کا کہا تھا اور ساتھ ہی سمیع کو بھی بے نقط سنائی تھیں۔

"آپ عجیب انسان ہیں۔۔۔ اتنے دن سے یہ سب دیکھتے رہے اور آپ نے ہم سے ملنا بھی گوارا نا کیا۔۔۔ کسی کو بتایا نا کسی سے بات کی۔۔۔ کیا ڈاکٹر سے مشورہ کرنا آپ کی ذمہ داری نا تھی۔۔۔ برین ٹیومر کو نزلہ زکام جتنی اہمیت بھی نا دی آپ نے۔۔۔ حالانکہ آپ کو پتا چل رہا تھا کہ کچھ نا کچھ ایب نارمل ہو رہا ہے۔۔۔ بقول آپ کے وہ بلاوجہ ہنسنے لگتی تھیں۔۔۔ آپ نے انہیں کسی وجہ کے بغیر روتے بھی دیکھا۔۔۔ ان کی یادداشت کمزور ہو رہی ہے۔۔۔ آپ

کو احساس بھی ہو رہا تھا کہ سب کچھ نارمل سے کچھ ہٹ کر ہے لیکن آپ نے مجھے ایک کال بھی نا کی۔۔۔۔" وہ کافی ناراض تھے اور سمیع کا دل چاہا اپنا سر دیوار میں دے مارے۔۔۔۔ یہ تو حقیقت تھی کہ سب کچھ نارمل نہیں تھا۔۔۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ شہرین اپنی فیملی کے دباؤ میں یہ سب کر رہی ہے۔ وہ جان بوجھ کر اسے تنگ کرنے کے لیے یہ سب کر رہی ہے۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی نا سوچا تھا کہ یہ موذی مرض پلٹ کر بھی آسکتا ہے۔۔۔۔ ابھی تو اس کے وجود سے پچھلے علاج کے سلسلے میں سہے گئے جھٹکوں کی ذہنی تکلیف ہی ختم نا ہوئی تھی۔ اس نے تو مکمل طور پر سکھ کا سانس بھی نا لیا تھا۔۔۔ اور پھر ایک بار وہی ہوا تھا جس کے نا ہونے کی اس نے لاتعداد دعائیں کی تھیں۔

وہ لمحہ جب رپورٹس دیکھ کر اسے شہرین کی حالت کے متعلق بتایا گیا تو اس کا بس نا چلتا تھا کہ ڈاکٹرز کے پینل کے سامنے ہی بیٹھ کر دھاڑیں مار مار کر رونا شروع کر دے۔

"سمیع صاحب ایک معالج کبھی اپنے منہ سے کسی مریض کے لیے بدفال نہیں نکالتا۔۔۔ یہ ہمارا کام ہی نہیں ہے کہ کسی کو مایوسی کے اندھیروں میں دھکیلیں۔" یہ ڈاکٹر طیب تھے۔ شہرین کے پینل کے سب سے سینئر ڈاکٹر۔۔۔ ان کے چہرے کے تاثرات نے ہی سمیع کو جیسے سب سمجھا دیا تھا۔۔۔ اسے ان کی کسی بات کا بھروسا نہیں رہا تھا۔

یہی سب باتیں اس نے فقط چند مہینے پہلے بھی تو سنی تھیں۔۔۔ ابھی دیر ہی کتنی ہوئی تھی اسے سکھ کا سانس لیے ہوئے اور پھر یہ ڈاکٹرز اس کے سامنے جھوٹی تسلی اور دلاسوں کا انبار لیے ہوئے آ گئے تھے۔

"لیکن کینسر وہ بھی اسٹیج فور۔۔۔ صورت حال کچھ اطمینان بخش نہیں ہے۔۔۔ کیمو اور ریڈی ایشن سے ویسے ہی مریض خالی ہو جاتا ہے۔۔۔ اس کے اندر اس بیماری کے خلاف لڑنے کی ہمت ہی نہیں رہتی۔۔۔ اور پھر۔۔۔" ڈاکٹر طیب اس کا چہرہ دیکھتے تھے اور بات مکمل کرنے کے لیے کئی وقفے لیتے تھے۔

"آپ خدا پر بھروسا رکھیں۔۔۔ معجزے اسی دنیا میں ہوتے ہیں۔۔۔ اور انسانوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں" وہ رک رک کر بات مکمل کر رہے تھے۔

"ہمت کو قائم و دائم رکھیں سمیع صاحب۔۔۔ ان کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔" ڈاکٹرز نے گویا تابوت کی آخری کیل بھی ٹھونک ڈالی تھی۔

سمیع کی ہمت جواب دے گئی تھی۔ اس نے میز کی سطح پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔

✲ ✲ ✲

اس کے اگلے چند دن وہ ڈاکٹرز سے مل کر آنے والے وقت کے بارے میں مشورے لیتا رہا تھا۔

"ان کی یادداشت پر بہت تیزی سے فرق پڑ سکتا ہے۔۔۔ یہ آپ سب کو بھول سکتی ہیں۔۔۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کے دماغ سے زندگی کا کچھ حصہ بالکل ختم ہو جائے مگر کچھ حصہ باقی رہ جائے۔۔۔ حتمی تو کچھ بھی نہیں ہے۔۔۔ مگر یہی عمومی علامتیں اور اثرات ہیں جو ظاہر ہو سکتے ہیں۔" سمیع کو بتایا گیا تھا۔ زندگی ایک بار پھر آگے کنواں پیچھے کھائی والے مرحلے پر آ گئی تھی۔ وہ آشیانہ جو ابھی تنکا تنکا سمیٹ کر بننا شروع کیا تھا، وہ ایک بار پھر زلزلوں کی زد پر آ گیا تھا۔

گھر کی دیکھ ریکھ کے لیے اماں رضیہ موجود تھیں لیکن ایمن کو کیسے سنبھالنا تھا یہ سمیع کے لیے کافی بڑا سوال تھا۔ سمیع پہلے بھی اسے بورڈنگ میں بھیجنے کے متعلق سوچتا رہتا تھا لیکن اس بار اس نے حتمی فیصلہ کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ شہرین کو اس تکلیف سے گزرتا دیکھ کر ایمن کسی ذہنی خدشے سے دوچار ہو جو اس کی آئندہ زندگی میں تکلیف کا باعث بنے۔ وہ بہت مشکل سے ٹریک پر آئی تھی۔ پہلے سے زیادہ سمجھ دار ہو چکی تھی۔ اسے گھر کی کشیدہ

صورت حال کے بارے میں سوالات کرنے کی عادت پڑ رہی تھی۔ اس لیے اس کا کچھ عرصہ کے لیے گھر سے دور رہنا ہی بہتر تھا۔

☆ ☆ ☆

"ایکسکیوزمی..." اس نے دروازے پر دستک دینے کے ساتھ ساتھ دھیمی سی آواز میں کہا تھا۔ سمیع کمپیوٹر ٹیبل کی دوسری جانب ریوالونگ چیئر کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں بند کیے جیسے ساری دنیا سے ناراض پڑا تھا۔ دستک پر بہت بے دلی سے اس نے آنکھیں کھول کر اسٹڈی کے دروازے کی جانب دیکھا۔ اماں رضیہ دستک دے کر نہیں آتی تھیں۔ اسے دیکھ کر وہ چونکا پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں۔" ایمن کی ٹیوٹر نے سادہ سے انداز میں کہا پھر اس کی اجازت کا انتظار کیے بنا اندر داخل ہوگئی اور میز کے ساتھ بڑی آرام چیئر پر ٹک گئی۔ سمیع نے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا جیسے اپنی توانائی کو بحال کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کی آنکھیں بے پناہ سرخ ہو رہی تھیں۔

"جی فرمایئے... کوئی مسئلہ ہے کیا؟" وہ کچھ حیران نظر آتا تھا۔ ٹیوٹر کے ساتھ اب تک ہر معاملہ شہرین نے طے کیا تھا۔ یہ سمیع کے ساتھ اس کی باضابطہ پہلی ملاقات تھی۔

"دیکھیں مجھے زیادہ گھما پھرا کر باتیں کرنی نہیں آتیں... میں جانتی ہوں آپ ایک مشکل وقت سے گزر رہے ہیں... لیکن یقین کریں آسانی تو دنیا میں کسی کے لیے بھی نہیں ہوتی... آپ مشکل میں ہیں... لیکن کیا پتا آپ کے سامنے بیٹھا شخص آپ سے بھی زیادہ کڑے امتحان کا شکار ہو... اس لیے ان غیر ضروری باتوں میں وقت ضائع کرنے سے کچھ ہاتھ نہیں آنے والا... اور میری تو دعائیں ہی قبول نہیں ہوتیں ورنہ میں آپ کو ضرور ہی دے دیتی کہ اللہ آپ کی مشکل آسان کرے... تو کہنے کا مطلب یہ کہ غیر ضروری رسمی دنیاداری والی باتیں وقت کا ضیاع ہی ہیں... میں یہ پوچھنا چاہ رہی تھی ایمن کو کس خوشی میں ہوسٹل بھجوا رہے ہیں آپ...؟" وہ اپنے مخصوص منہ پھٹ انداز میں سامنے بیٹھے شخص کے چہرے کے تاثرات کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔ سمیع نے اس کی بات سن کر سر ہلایا پھر چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا جیسے جواب دینے کے لیے ہمت اور الفاظ دونوں جمع کر رہا ہو۔

"جس نے آپ کو میری مشکل سے آگاہ کیا ہے... اس نے یہ بھی تو بتا دیا ہوگا نا کہ ایمن کو کیوں ہوسٹل بھجوا رہا ہوں میں۔" وہ بے دم سے انداز میں بولا تھا۔ اس نے اس کی جانب ناپسندیدگی سے دیکھا۔

"مسئلہ اگر درخت کی شاخ میں ہو تو کیا جڑ کاٹ دینے سے مشکل حل ہو جاتی ہے... عجیب منطق ہے بھئی آپ کی..." وہ چڑ کر بولی پھر ٹیبل کی سمت آرام چیئر کو گھسیٹتے ہوئے بولی۔

"مسز شہرین کا ایشو تو ہے لیکن آپ اپنی بیٹی کا بھی تو سوچیں... یہ بات تو واضح ہے کہ آپ نے کبھی اپنی بچی کے متعلق سوچا ہی نہیں ہے... آپ اسے ہوسٹل بھیج کر اس سے لاپروا ہو جانا چاہتے ہیں نا..." وہ ناراض نہیں تھی لیکن مسئلہ یہ تھا کہ شاید اسے تحمل سے بات کرنی نہیں آتی تھی۔ سمیع کو اس کے انداز میں ہمیشہ ایک دھونس بھرا تحکم محسوس ہوتا تھا۔ اسے اب بھی اس کا انداز برا لگا۔

"آپ ایک بار ایمن سے بات تو کر لیتے اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے پہلے... وہ ہوسٹل نہیں جانا چاہتی... اس نے مجھے چند دن پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ وہ بورڈنگ نہیں جائے گی... آپ اس کی مرضی ومنشا کے بغیر ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔"

سمیع نے ایک بار پھر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا اور بمشکل کچھ الفاظ جمع کیے تھے۔

"جب آپ خود ہی کہہ چکی ہیں کہ گفتگو غیر رسمی ہوگی تو میں بھی آپ سے کیا چھپاؤں اب... شہرین اور میں ایسا

نہیں چاہتے تھے... ہم نے اپنی بیٹی کے لیے بہت خواب بن رکھے تھے لیکن شہرین..." اس نے اتنا کہا پھر یکدم چپ ہو گیا جیسے خود کو سنبھال رہا ہو۔

"خیر... میں ایمن کے لیے آپ کا کنسرن سمجھ سکتا ہوں اور اس کے لیے آپ کا شکر گزار بھی ہوں لیکن اس اسٹیج پر سب چیزیں میرے اختیار میں نہیں رہیں... میں خود کو بے حد مجبور پاتا ہوں... یقین کیجیے یہ فیصلہ میں نے بھی خوشی سے نہیں کیا لیکن... حالات آپ کے سامنے ہیں شہرین کے معاملے میں اب کوئی امید رکھنا گویا بنا بادل کے بارش والا حساب ہے... اور اماں رضیہ عمر کے جس حصے میں ہیں... وہ گھر ہی سنبھال لیں تو بڑی بات ہے... میں کتنا بوجھ ڈالوں ان ضعیفہ پر... پہلے ہی بڑے احسان ہیں ان کے مجھ پر... اسی لیے مجبوراً" یہ فیصلہ کیا ہے میں نے... خوشی سے کون کرتا ہے اپنی اولاد کو خود سے دور..." وہ بے حد بے چارگی سے کہہ رہا تھا۔ اس کے ٹوٹے ہوئے لہجے نے نینا کو احساس دلایا تھا کہ صورت حال کافی پیچیدہ ہے۔

"آپ صحیح کہہ رہے ہوں گے مسٹر سمیع لیکن پلیز اس پوائنٹ پر بھی غور کریں... ایمن بہت حساس بچی ہے۔ بورڈنگ میں تو بے چاری گھل گھل کر ختم ہو جائے گی گھر میں رہے گی تو صرف ماں کی محبت سے محروم ہو گی ہوسٹل میں تو باپ کی محبت بھی نا ملے گی اور پھر یہاں اماں رضیہ ہیں جن سے وہ بہت اٹیچڈ ہے۔ بورڈنگ میں تو وہ بھی نا ہوں گی... ظلم ہے سمیع صاحب بہت ظلم ہے یہ۔" وہ جذباتیت کی آخری اسٹیج پر تھی۔ سمیع نے سر ہلایا، وہ خود کافی لاچار محسوس کر رہا تھا اپنے آپ کو... اسے بولنے کے لیے الفاظ ہی نا مل رہے تھے جبکہ وہ جیسے اپنی ہی دھن میں مگن بول رہی تھی۔ انداز ایسا کہ جیسے کسی اور ہی جہان میں ہو...

"سمیع صاحب اسے آپ کی ضرورت ہے... بیٹیوں کو باپ کے روپے پیسے آرام آسائش کی ضرورت نہیں ہوتی... انہیں ان کی محبت چاہیے ہوتی ہے... ان کی شفقت، ان کی مسکراہٹ۔ ان کے میٹھے بول... چھوٹے چھوٹے مسئلوں میں اپنے شانوں کے گرد اپنے باپ کے مضبوط کندھے کا آسرا... ہر مشکل حل کر دیتا ہے انہیں تو بس اس لمس کی ضرورت ہوتی ہے جو اندھیرے میں جگنو بن کر ان کے ساتھ رہتا ہے۔ روتے بلکتے چہرے پر محبت بھرا بوسہ... یا گلے لگا کر ہر مسئلہ حل ہو جانے کی تسلی یا یہ دلاسا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں... میں تمہارا ہوں، ہر حال میں تمہارا... تم پر یقین ہے مجھے، تم بہت پیاری ہو مجھے، تم سے محبت کرتا ہوں میں، میری آنکھوں کا نور ہو تم... پھر سمیع صاحب چاہے باپ انہیں سوکھی روٹی کھلائے یا جھونپڑی میں رکھے... وہ خوشی خوشی کھا لیتی ہیں خوشی خوشی رہ لیتی ہیں... طعنے کوسنے دے کر مار پیٹ کر کھلایا گیا مرغ مسلم بیٹیوں کا پیٹ تو بھر سکتا ہے لیکن ان کی ذات کا خلا صرف باپ کی محبت سے پر ہوتا ہے ورنہ وہ ترستی رہتی ہیں... تڑپتی رہتی ہیں... آپ اپنی بیٹی کے ساتھ یہ مت کریں اچھے انسان ہیں آپ... فیملی اور نینٹلڈ... ایمن کو اپنے ساتھ رکھیں... پھر چاہے دن میں ایک بار ہی سہی... لیکن بس ایک بار آپ مسکرا کر اس کا ماتھا چوم لیا کریں گے تو اس کے لیے اتنا ہی کافی ہو گا... بورڈنگ میں تو وہ اس لمس کو بھی ترس کر رہ جائے گی... یہ مت کریں اس کے ساتھ۔" وہ کسی اور ہی ذہنی رو میں بھٹکی بات کر رہی تھی۔ بات مکمل ہوئی جیسے وہ بھی چپ سی ہو گئی۔

سمیع کو لگا اس کا لہجہ بھیگ رہا تھا۔ سمیع نے اس کے چہرے کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھی بھیگی ہوئی لگتی تھیں سمیع کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر کے اس نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ ان دونوں کی نظریں ملی تھی۔ وہ دونوں ہی جیسے اپنی اپنی کسی مشکل میں تھے اور دونوں کے پاس کہنے کو الفاظ نہیں تھے پھر اس کے سامنے بیٹھی اس کی بیٹی کی ٹیوٹر کو نین کاشف نثار نے ہمت مجتمع کی تھی اور اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

"سمیع صاحب! آپ کو بہادر ہونا پڑے گا... آپ ایک بیٹی کے باپ ہیں... اور کسی باپ کو کبھی بزدل، بے شرم

اور بے وفا نہیں ہونا چاہیے۔" اب کی بار اس کے لہجے میں اتنی تپش تھی کہ سمیع کو اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس ہوا۔

٭ ٭ ٭

"تمہیں اچھا لگا ٹرائفل۔۔۔؟" وہ کتنی محبت سے پوچھ رہا تھا۔ نینا کا دل بھر سا آیا۔ وہ شیریں سے ہمیشہ اسی انداز میں بات کرتا تھا لیکن وہ چاہتے ہوئے بھی کبھی شیریں سے نفرت نا کرپاتی تھی۔ اسے اس سے ہمدردی محسوس ہوتی تھی۔۔۔ نفرت اسے اپنے بدلتے ہوئے جذبوں سے تھی۔ اسے نفرت خود سے محسوس ہوتی تھی جب اس کا دل چاہتا تھا کہ سمیع اس سے بھی ایسے ہی پیار بھرے انداز میں مخاطب ہو جیسے وہ اپنی پہلی بیوی سے ہوتا ہے۔

"بھائی یہ تو بہت میٹھا ہے پھپھو نے بنایا ہے میرے لیے میٹھا میٹھا۔" شیریں نے اسے دیکھ کر بچکانہ سے انداز میں کہا تھا۔ چھ مہینے ہو چلے تھے وہ سمیع کو بالکل نہیں پہچانتی تھی۔ اس کی یادداشت بھی بہت محدود ہو گئی تھی۔ اسے اپنی ادے اور بھائی بہنوں کے علاوہ اگر کوئی یاد بھی آتا تھا تو اپنی خالہ اور پھپھیاں۔۔۔ ایمن اور سمیع اس کی یادداشت سے بالکل محو ہو چکے تھے۔ وہ کبھی سمیع کو اپنا بھائی اور کبھی اپنے ابو کی طرح پکارنے لگتی تھی۔ اس کا رویہ بھی کسی تین چار سالہ بچے کی طرح کا ہو گیا تھا۔ جسمانی طور پر وہ بالکل لاغر ہو چکی تھی اور دماغی حالت بھی بالکل خستہ تھی۔ وہ بولنا' کھانا پینا اٹھنا بیٹھنا سب بھولتی جا رہی تھی۔ اسے بالکل کسی ننھے بچے کی طرح ٹریٹ کرنا پڑتا تھا۔ سمیع اس کے قریب آیا اور پھر ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تمہیں اچھا لگا ٹرائفل۔۔۔؟" اس نے بہت محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے ایک بار پھر پوچھا تھا۔ اسے اسی طرح شیریں سے ایک بات بار بار پوچھنے کی عادت تھی کیونکہ شیریں کو اکثر باتیں پہلی دفعہ میں سمجھ ہی نا آتی تھیں۔

"بہت۔۔۔" وہ بچوں کی طرح تیز تیز سر ہلا کر بولی تھی۔ اس کو اپنے مسلز پر بھی قابو نا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ اور ٹانگیں ایک اضطراری انداز میں حرکت کرتے رہتے تھے۔

"تم بھی کھاؤ' کھاؤ میٹھا ہے۔" وہ چمچہ بھر کر اس کے منہ میں ڈالنے لگی تھی۔ سمیع کو پتا تھا کہ بعض اوقات کھاتے کھاتے وہ منہ میں بھرا نوالہ بھی باؤل میں ہی انڈیل دیتی تھی لیکن اس کے باوجود سمیع نے ٹرائفل سے بھرا چمچہ منہ میں رکھ لیا تھا۔

"اچھا ہے۔۔۔ بہت اچھا ہے۔۔۔ چلو آؤ اب سو جاؤ بہت رات ہو گئی ہے۔" وہ بہت محبت سے کہہ رہا تھا۔ شیریں نے نفی میں گردن ہلائی۔

"نہیں' میں ادے کے ساتھ رہوں گی۔ تم جاؤ' جاؤ یہاں سے۔" وہ اسے دھکیلنے لگی تھی۔ سمیع نے لاچاری سے کونین کی جانب دیکھا۔ وہ ابھی تک دروازے کے پاس کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں ضرورت سے زیادہ سرخ تھیں۔ سمیع نے نظریں چرا لی تھیں۔

"آپ جائیں۔۔۔ میں یہیں ہوں ان کے ساتھ۔" کونین نے تحمل بھرے انداز میں کہا تھا۔

"ہاں۔۔۔ جاؤ' جاؤ تم جاؤ۔" وہ اسے پیچھے کی جانب دھکیل رہی تھی۔ سمیع کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور پھر پہلے سے بھی زیادہ تھکے قدموں کے ساتھ واپسی کے لیے مڑا تھا۔

"جزاک اللہ کونین۔۔۔" کونین کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے بہت دھیمی آواز میں کہا تھا۔ جواباً اس نے اس کی جانب دیکھا تک نا تھا۔ جزا تو اسے بھی اللہ ہی سے چاہیے تھی لیکن اس شخص سے وہ اب صرف جزا کی متقاضی نا رہی تھی۔

"اے محبت تیرے انجام پہ رونا آیا۔۔۔" اسے واقعی رونا آیا تھا۔ خاور کبھی کبھی اسے بے حد مزاحیہ انداز میں یہ غزل سنایا کرتا تھا اور وہ چڑ کر کہتی تھی۔
"دفع دور ایسی محبت جس میں آپ کو رونا آئے" اب اسے احساس ہوا تھا کہ محبت واقعی رلاتی ہے۔۔۔ بے حد رلاتی ہے۔

٭ ٭ ٭

"میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔ اگر آپ مجھ سے وعدہ کریں کہ آپ ایمن کو بورڈنگ نہیں بھجوائیں گے۔"
اس دن سمیع کے سامنے بیٹھے اس نے خود یہ تجویز دی تھی۔ وہ خود ہی اپنے اس دکھ کا سب سے بڑا کارن تھی۔ وہ خود تھی جس نے اس جلتی ہوئی آگ میں ہاتھ ڈالا تھا۔ سمیع نے حیران ہو کر اس کی شکل دیکھی تھی۔ وہ کیا کہنے والی تھی۔ وہ استفہامیہ انداز میں اس کی شکل دیکھنے لگا تھا۔
"میں ایمن کے لیے بے بی سٹنگ کر سکتی ہوں۔۔۔ میں صبح سے شام تک اس کے پاس رکنے کو تیار ہوں۔" وہ ایک احمقانہ بات کر رہی تھی۔ سمیع نے سر جھٹکا تھا۔
"مس کونین۔۔۔ آپ کو اماں رضیہ نے جانے کیا بتایا ہے۔۔۔ یہ ایک دو گھنٹے کی بات نہیں ہے نا ہی صورت حال ایسی نہیں ہے جیسی آپ سمجھ رہی ہیں۔۔۔ ڈاکٹرز بالکل بھی پر امید نہیں ہیں۔۔۔ شہرین کی حالت دنوں میں مخدوش ہو جائے گی۔۔۔ اور میرا اصل مسئلہ تو یہ ہے کہ میں اپنی چھوٹی سی بچی کو اس صورت حال کے بارے میں کیا بتاؤں گا۔۔۔ یہ سب چیزیں جو ہمارے ساتھ وقوع پذیر ہو رہی ہیں یا آئندہ آنے والے دنوں میں ہوں گی۔ یہ اس کی نفسیات پر بری طرح سے نظر انداز ہوں گی۔۔۔ اپنی ہی مدر کو ہوش و خرد کی دنیا سے بے گانہ ہوتا دیکھنا ایک ننھی بچی کے لیے بہت تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔" وہ انتہائی بے چارگی کے عالم میں بولا تھا۔ اس کا لہجہ بھیگتا جا رہا تھا۔ وہ رک رک کر بات مکمل کر رہا تھا۔ نینا نے ناسمجھی کے عالم میں اسے دیکھا تھا۔

"آپ خود ہی تو کہہ رہی ہیں کہ وہ بہت حساس ہے۔۔۔ میں اس کی شخصیت کو مزید کسی توڑ پھوڑ سے بچانا چاہتا ہوں۔۔۔ یہ دیکھیں 'یہ پیپرز۔"
اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر سمیع نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے ایک فائل اپنے سامنے سے اٹھا کر اس کے سامنے رکھ دی پھر وہ بولا تو اس کی آواز جیسے کسی کنوئیں سے آتی لگ رہی تھی۔ نینا کو کسی کی پرسنل ڈاکیومینٹیشن میں بالکل دلچسپی نا تھی۔
"یہ شہرین کے کاغذات ہیں۔۔۔ آج ہی ملے ہیں مجھے۔۔۔ آپ خود دیکھ لیں اور پھر مجھے بتائیں کہ ان کے بارے میں کیسے وضاحت دوں اپنی بیٹی کو۔۔۔ میں تو خود نہیں پڑھ پایا ان کو پوری طرح۔۔۔ یہ جو بڑا سا لفظ دیکھ رہی ہیں نا آپ۔۔۔" اس نے اوپر والے کاغذ پر پین کی مدد سے نمایاں کیے گئے لفظ کی جانب اشارہ کیا تھا' نینا نے سر جھکا کر اس لفظ کو دیکھا تھا۔ اسے بالکل اچھا نا لگا۔ وہ شہرین اور سمیع کے طلاق نامے کو دیکھ کر کیا کرتی' لیکن کاغذات پر نظر پڑتے ہی وہ دنگ رہ گئی تھی۔ وہاں "کینسر" لکھا ہوا تھا۔ اسے جھٹکا لگا تھا۔ اس نے حیران ہو کر چہرہ دیکھا تھا۔ وہ تو یہ بات نہیں جانتی تھی۔ اماں رضیہ کے منہ سے فقط اتنا سن کر "شہرین بیٹی ہم سب کو چھوڑ کر جا رہی ہیں۔" اپنی مخصوص جذباتیت کے ہاتھوں مجبور ہو کر اٹھ کر یہاں آ گئی تھی۔ اپنی جذباتیت میں وہ تو سمجھ ہی نا پائی تھی کہ معاملہ اس سے زیادہ بھی گمبھیر ہو سکتا ہے' جتنا وہ سوچ رہی ہے۔
"اس لفظ سے خوف آتا ہے مجھے۔" سمیع نے لفظ کینسر پر انگلی بھی نا رکھی تھی۔ وہ فقط آنکھ سے اس جانب اشارہ کر رہا تھا۔ "یہ لفظ خاندان کے خاندان کھا جاتا ہے۔ کچھ نہیں رہنے دیتا یہ لفظ۔۔۔ کہنے کو چار' پانچ حرف ہی تو

ہیں" مگر ان چار' پانچ حرفوں کا ڈسا' پھر اس دنیا کے قابل کب رہتا ہے۔ بس اس لفظ سے ڈر لگتا ہے مجھے۔ اس کی کیا وضاحت دوں اپنی ننھی بیٹی کو۔۔۔ کیسے سمجھاؤں اسے کہ کینسر کیا چیز ہوتی ہے۔ آپ سمجھتی ہیں میں اس کی شخصیت میں خلا پیدا کرنا چاہتا ہوں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اسے اس خلا سے بچانا چاہتا ہوں۔ میں اسے اس "لفظ" کی حقیقت سے کوسوں دور رکھنا چاہتا ہوں۔ کونین بی بی یہ لفظ بڑا ظالم ہے۔ زندگی سے ڈر لگنے لگتا ہے" اس لفظ کی وجہ سے۔۔۔ جب آپ اپنی جان سے زیادہ ایک پیارے شخص کو تکلیف سے نقطہ نقطہ مرتے دیکھتے ہیں اور چاہ کر بھی کچھ نہیں کرپاتے تو خود سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ آپ کو۔۔۔ اور ہم تو یہ سب دیکھ ہی چکے تھے۔ ہمارے لیے تو اب ایک الگ ہی امتحان سر اٹھائے کھڑا ہے۔ ڈاکٹرز نے صاف ہی کہہ دیا ہے کہ بمشکل ڈیڑھ سے دو سال ہیں ہمارے پاس۔۔۔ اور ان ڈیڑھ دو سالوں میں بھی شیریں اپنی یادداشت کھو دے گی۔ اسے میں اور میری بیٹی دونوں بھول جائیں گے۔ ہم اس کے لیے اجنبی ہو جائیں گے۔ کیا یہ سب دیکھ دیکھ کر میری بیٹی کی ذہنی حالت ٹھیک رہے گی؟"
وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"میں تو بس ایمن کو تکلیف سے بچانا چاہتا ہوں۔ اسے نہیں ڈرانا چاہتا زندگی سے۔۔۔ اس کے سامنے پوری زندگی پڑی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میری بیٹی کو ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی زندگی کی خوف ناک حقیقتیں پتا چلیں۔۔۔ بس یہی قصور ہے میرا۔" وہ بول بھی رہا تھا اور اس کی آنکھیں بالکل بھیگ گئی تھیں۔ نیناں کے دیکھتے ہی دیکھتے اس کے سامنے بیٹھا توانا مرد بے آواز رونے لگا تھا۔ اسے اس شخص پر ترس آیا۔ اس نے کسی عورت کے لیے کسی مرد کو ایسے بلکتے نہیں دیکھا تھا۔ سلیم بھی زری کے لیے رنجیدہ ہوتا تھا' پریشان ہوتا تھا۔ لیکن ایسے نہیں۔۔۔ کیا تھا یہ شخص۔۔۔ اسے اس سے ہمدردی محسوس ہوئی۔ وہ کیا کر سکتی تھی اس کے لیے۔۔۔ ایمن کے لیے۔۔۔ اسے کچھ تو کرنا چاہیے تھا۔

"اس مسئلے کا ایک اور حل بھی ہے سمیع صاحب۔۔۔" اس نے بنا سوچے سمجھے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بس کہہ ڈالا تھا۔ وہ ایمن کے لیے کچھ ایسا جو اس بچی کو مستقبل قریب میں ہونے والی کسی بھی تکلیف سے بچا سکے۔ سمیع نے بھیگتی آنکھوں کو بنا صاف کیے اس کی تجویز کو سنا تھا۔

☆ ☆ ☆

آدھی رات گزر چکی تھی یا شاید آدھی رات باقی تھی۔ صوفیہ کو اندازہ نا ہو سکا۔ ان کی آنکھ تو موبائل کی گھنٹی بجنے سے کھلی تھی اور سوئے ہوئے تو ابھی زیادہ دیر بھی نا ہوئی تھی۔ ان کا دل کچھ بوجھل سا تھا' پھر کاشف نے بحث ہو جانے کے بعد وہ کتنی ہی دیر اپنی بیٹیوں کو یاد کر کے بلاوجہ روتی رہی تھیں۔ اسی لیے جب نیند ٹوٹی تو آنکھیں بدقت کھول پائی تھیں' پھر انہوں نے ناگواری سے دوبارہ سو جانا چاہا۔ کاشف کے سیل فون پر ابھی بھی مسڈ کالز آجایا کرتی تھیں' لیکن صوفیہ کو اب پروا نا رہی تھی۔

"صوفیہ۔۔۔ دیکھو۔۔۔ تمہارا موبائل بج رہا ہے۔ زری کا فون ہے۔" کاشف نے ان کے کندھے کو ہلا کر انہیں جگانا چاہا تھا۔ وہ ایک دم سے ہڑبڑائی تھیں۔ وہ تو سمجھ رہی تھیں یہ کاشف کے فون پر آنے والی کوئی مسڈ کال ہو گی۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھیں۔

"اس وقت۔۔۔ خیریت۔۔۔؟" وہ ڈر سی گئیں۔

"فون اٹھاؤ گی تو پتا چلے گا۔" وہ خود نیند میں تھے" اس لیے چڑ کر بولے۔ صوفیہ نے فون اٹھایا تھا اور پھر پریشانی کے عالم میں سنتی رہی تھیں۔

"زری کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ اظفر اسے اسپتال لے کر جا رہا ہے۔ مجھے بھی آنے کو کہہ رہا ہے۔" وہ بستر

سے عجلت بھرے انداز میں اتری تھیں۔
"سب ٹھیک ہے نا۔ کیا وقت ہو گیا اس کا؟" کاشف نے ڈلیوری کی بابت سوال کیا تھا۔
"نہیں... لیکن اس کو تکلیف ہو رہی ہے کافی... گھر کے نزدیک والی ڈاکٹر نے فوری اسپتال لے جانے کا بولا ہے۔ آپ لے چلیں مجھے... اللہ میری بچی کو حفظ و امان میں رکھے۔ خدا خیر کرے۔" وہ ہاتھ مسلتے ہوئے پریشانی کے عالم میں باتھ روم میں گھس گئی تھیں۔ گاڑی نکالتے اور مطلوبہ اسپتال تک پہنچتے گھنٹہ لگ گیا تھا اور اس دوران وہ دونوں ہی مسلسل دعائیں کرتے رہے تھے۔ اظفر انہیں ویٹنگ ایریا میں نظر نا آیا' لیکن ریسپشن پر نام وغیرہ بتانے پر انہیں زری کے متعلق معلومات دے دی گئی تھیں۔ کاشف تو ایسی باتوں سے ذرا لاعلم تھے' لیکن صوفیہ نے آن ڈیوٹی سے کافی پوچھ گچھ کر لی تھی۔
"زچگی کروانے لگے ہیں۔ بچے کو مسئلہ ہے کوئی۔" انہوں نے اپنے الفاظ میں کاشف کو مطلع کر دیا تھا اور خود تسبیحات میں مشغول ہو گئی تھیں۔ کافی پریشانی کا عالم تھا۔ اپنی ذات پر جب یہ وقت برتا تھا تو اور بات تھی' لیکن اب جب بیٹی پر یہ وقت آیا تھا تو ان کا دل بیٹھا جا رہا تھا اور ویسے بھی ابھی تو دو مہینے باقی تھے۔ وہ لوگ ذہنی طور بھی تیار نا تھے۔
"اظفر تو کہیں نظر نہیں آ رہا۔ وہ کہاں ہے۔" کاشف کو ہی اس کا خیال آیا تھا۔
"یہیں کہیں ہو گا۔ شاید کوئی دوائی وغیرہ لانے کو بولا ہو ڈاکٹر نے... آ جائے گا۔" صوفیہ نے تسبیح کے دانے گراتے ہوئے جواب دیا۔ کاشف بھی اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے وہیں ایلومینیم کی کرسی پر ٹک گئے تھے۔ زری میں ان کی جان تھی اور وہ کافی گھبرائے ہوئے تھے۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ وہ بس دعائیں کر کر کے وقت گزارتے رہے' لیکن ڈاکٹر نے کوئی اطلاع نہ دی تھی۔
"آپ چلے جائیں گھر... صبح واپس آ جائیے گا۔ ایسے موقعوں پر دیر سویر ہو جایا کرتی ہے۔" صوفیہ نے ان سے کہا تھا۔
"میں کیسے جا سکتا ہوں صوفیہ... اظفر یہاں ہوتا تو اور بات تھی۔ تمہیں کسی بھی چیز کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔ میں یہاں ہی رہوں گا۔" کاشف نے ٹھوس لہجے میں کہا تھا۔
"اظفر یہاں کہیں ہی ہو گا۔ آپ اسے فون کر لیں نا موبائل پر..." صوفیہ نے اصرار کیا تھا۔ اب تو کافی دیر ہو گئی تھی اور داماد کی شکل تک نظر نہ آئی تھی۔ کاشف نے اپنا فون نکالا اور اسے کال ملائی تھی' لیکن اس کا فون مشغول تھا۔ انہوں نے حیرت سے فون کو دیکھتے ہوئے کال منقطع کر کے دوبارہ ملائی تو تب بھی اس کا فون مشغول ہی ملا تھا۔
"اس کا فون تو مصروف ہے۔ شاید اپنی ماں کو فون کر کے بلوا رہا ہو۔" کاشف نے خود ہی عذر تراشا تھا۔
"آپ پریشان نہ ہوں۔ وہ فون بند کرے گا تو آپ کو خود ہی کر لے گا۔ آپ نینا کو فون کر دیں۔ پھر ناراض ہو گی کہ اسے بتایا ہی نہیں۔" صوفیہ نے اپ ساتھ لایا ہوا مصلا فرش پر بچھاتے ہوئے کہا تھا۔ کاشف نے اس بات پر کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا تھا' بلکہ بیس پچیس منٹ گزر جانے کے بعد کاشف نے دوبارہ اظفر کو کال ملائی تھی' لیکن اب کی بار بھی اس کا فون مصروف تھا۔ کاشف کو پریشانی کے عالم میں گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔ ان کو ڈاکٹر نے زبان کے نیچے رکھنے والی ایک ٹیبلٹ تجویز کر رکھی تھی جو وہ گھبراہٹ کے عالم میں استعمال کرتے تھے۔
"صوفیہ... میں ذرا اپنی دوائی لے آؤں گاڑی سے..." کاشف نے صوفیہ کو مطلع کیا' پھر انہیں نوافل پڑھتا چھوڑ کر باہر نکل گئے تھے۔ لمبا کوریڈور عبور کر کے جب وہ اسپتال کے بڑے ہال میں پہنچے تو انہیں اظفر وہاں ایک کرسی پر بیٹھا نظر آیا۔ اس نے ہیڈ فون کان سے لگا رکھا تھا اور دونوں ٹانگیں دوسری کرسی پر ٹکائے۔ ہاتھ میں سیل

فون لیے وہ بہت مگن انداز میں کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ نگاہیں اور توجہ فون کی اسکرین کی جانب مبذول تھیں ٗجیسے ویڈیو کال ہو رہی ہو۔ وہ کافی ناراضی کے ساتھ اس کی جانب بڑھے تھے۔

"تم یہاں بیٹھے ہو برخوردار۔۔۔ اور میں تمہیں وہاں اندر تلاش کر رہا تھا لیبر وارڈ میں۔" وہ اس کے قریب جا کر تلخ سے انداز میں بولے تھے۔ اظفر نے فون سے نگاہیں ہٹائیں ٗانہیں دیکھا ٗپھر نہایت اطمینان سے اس نے فون پر کسی سے کہا تھا۔

"اوکے ڈیر۔۔۔ کل بات کرتے ہیں۔ اپنا خیال رکھنا۔" اس کے انداز میں بے حد تحمل تھا ٗلیکن اس کے ساتھ ساتھ عجب سی شوخی بھی تھی جو کاشف کو بہت معنی خیز لگی تھی۔ "انکل۔۔۔ لیبر وارڈ میں مردوں کا کیا کام۔۔۔ اور مجھے ذرا سگریٹ کی بھی طلب ہو رہی تھی۔ تو مجھے یہاں بیٹھنا ہی مناسب لگا۔" وہ اپنی جگہ پر بیٹھے بیٹھے اطمینان سے بولا تھا ٗجیسے اسے کوئی فکر ہی نہ ہو۔ کاشف کو اس کے انداز پر غصہ تو آیا ٗلیکن اس کے ساتھ رشتے کی نوعیت ایسی تھی کہ کچھ کہہ نہ سکے۔ اظفر نے اپنی جینز کی پاکٹ سے سگریٹ نکال کر سلگالی تھی ٗجیسے وہ اسپتال میں نہیں سینما میں مووی دیکھنے آیا ہے۔

☼ ☼ ☼

"آپ مجھے اپنے گھر میں کیئر ٹیکر کے طور پر جاب دے دیں۔" اس نے اپنی تجویز کو دہرایا تھا۔ اس سے پہلے کہ سمیع کچھ بولتا ٗوہ مزید کہنے لگی تھی۔ "میں آج کل ایک اچھی ملازمت کی تلاش میں ہوں۔ شہر کے جو حالات ہیں۔ ان کا اندازہ آپ کو بھی ہے۔ ایک فریش اریکو اچھی نوکری کی تلاش میں سالوں خوار ہونا پڑتا ہے۔ آپ مجھے اپنے گھر جاب دے دیں۔ میں ایمن کو بھی اچھے طریقے سے لک آفٹر کرلوں گی اور آپ کا گھر بھی سنبھال لوں گی۔"

وہ کہہ رہی تھی۔ سمیع نے اس کا چہرہ بغور دیکھا تھا۔ وہ کس قدر احمقانہ بات کر رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ انکار کرتا ٗوہ پھر بولی تھی۔

"میں جانتی ہوں ٗآپ کو سننے میں یہ بات عجیب اور بری لگ رہی ہوگی ٗلیکن اس مسئلے کا یہ ایک بہترین حل ہے۔ آپ کو ایمن اور اس گھر کو سنبھالنے کے لیے ایک ایکٹو کیئر ٹیکر کی ضرورت ہے۔ میں آپ کی مدد کر سکتی ہوں۔" سمیع نے نفی میں گردن ہلائی تھی۔

"سو نائس آف یو مس کونین۔۔۔ میں ایمن کے لیے آپ کے کنسرن کو دل سے ایپریشیئٹ کرتا ہوں۔ لیکن یہ ایک دن یا ایک مہینے کا معاملہ نہیں ہے۔ بالفرض اگر مستقبل قریب میں ٗمیں کوئی کیئر ٹیکر ہائر کرتا ہوں تو اسے مستقل بنیادوں پر کروں گا۔ ایک دو دن کے لیے نہیں۔۔۔ اور آپ تو۔۔۔" وہ جان بوجھ کر چپ ہو گیا تھا۔ نینا کو اس کی بات اچھی نہ لگی۔

"میں نے کب ایک دو دن کی بات کی ہے۔" وہ برا مان کر بولی۔ سمیع کو اس کے انداز سے الجھن ہوئی تھی۔

"دیکھیں کونین۔۔۔ آپ کی تجویز اچھی ہے ٗلیکن آپ اس جاب کے لیے موضوع نہیں ہیں۔ آپ بہت ینگ ہیں اور اس۔۔۔" نینا نے اس کی بات کاٹی تھی۔

"آپ میری صلاحیتوں پر بھروسا کر کے تو دیکھیں۔ میں بہت اچھے طریقے سے گھر سنبھال سکتی ہوں اور میرا مین فوکس تو ایمن پر ہوگا۔ یقین کریں ٗمیں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔ اور پھر جاب میری ضرورت بھی ہے۔" وہ اصرار کر رہی تھی۔

"آپ سمجھ کیوں نہیں رہیں۔ آپ ٹیکنیکلی بھی اس جاب کے لیے ناموزوں ہیں۔" سمیع نے بالآخر کہہ ڈالا تھا۔

"لیکن کیوں۔۔۔" اسے سمجھ میں نہ آئی تھی۔

"میں جانتا ہوں آپ بہت باصلاحیت ہیں۔ آپ ہر جاب بہت اچھے طریقے سے کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ والی نہیں۔ رکیں، مجھے بات مکمل کرنے دیں۔" اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے بولنے سے روکا تھا۔ وہ مسلسل اس کی بات کاٹ کر اپنا موقف بیان کرنے لگتی تھی۔ "میں جانتا ہوں ایمن بہت جلد آپ کے ساتھ مانوس ہو جائے گی۔ وہ بطور ٹیوٹر آپ کو کافی پسند کرتی ہے۔ جب آپ اس کے ساتھ چوبیس گھنٹے رہیں گی تو اسے اچھا ہی لگے گا، لیکن جب آپ چلی جائیں گی تو یہ ایمن کے لیے ایک بڑا جذباتی دھچکا ثابت ہوگا۔ یعنی مسئلہ پھر وہیں آکر کھڑا ہو جائے گا جہاں سے شروع ہوا تھا۔"

"میں بہت ذمہ دار ہوں سمیع صاحب۔۔۔ میں کیوں ایمن کو چھوڑ کر جاؤں گی۔ ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ۔" نینا نے چڑ کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

"اس لیے کہ بہت چھوٹی ہیں آپ۔۔۔ کل کلاں کو آپ کی شادی بھی ہونی ہے۔ یہ بھی تو سوچیں آپ۔۔۔" سمیع نے تھک کر کہا تھا۔ نینا کو جھٹکا سا لگا۔

"اوہو۔۔۔ آپ کو کس نے کہا کہ میں شادی کر رہی ہوں۔ اور مجھ سے کوئی شادی نہیں کرے گا۔ بہت لڑاکا اور بدسلیقہ ہوں میں۔۔۔ اس بارے میں فکر مند مت ہوں آپ۔" وہ خود کو سنبھالتے ہوئے بولی تھی۔ اسے بالکل احساس نہیں تھا کہ وہ کیا اول فول بکے جا رہی ہے۔ بہت پہلے جب نوشی باجی کا انتقال ہوا تھا تو بالکل ایسے ہی وہ خاور کے سامنے بیٹھی مہر کے لیے بے چین ہوئی جا رہی تھی اور آج اس کا دل ایمن سمیع کے لیے پریشان تھا۔ اس ننھی بچی کی مدد کا جذبہ اس کے اوپر اس قدر حاوی تھا کہ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ سمیع سے اپنی اس ملازمت کے لیے منتیں کر کر کے ابھی کے ابھی کوئی ایگریمنٹ سائن کروا لے۔

"پھر بھی میں آپ کی اس تجویز کو نہیں مان سکتا۔۔۔ آپ پاکستان میں رہتی ہیں۔۔۔ لندن میں نہیں، ہمارے معاشرے کی کچھ حدود و قیود ہیں۔۔۔ اماں رضیہ کی بات اور ہے وہ ہماری رشتہ دار بھی ہیں۔۔۔ میں کیسے آپ کو چوبیس گھنٹے اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دے دوں۔۔۔ جبکہ آپ ضرورت مند نہیں ہیں۔ ایک اچھی ویل سیٹلڈ فیملی سے تعلق رکھتی ہیں۔۔۔ میرے خاندان والے بہت باتیں بنائیں گے۔۔۔ لاہور بھرا پڑا ہے میرے رشتہ داروں سے۔۔۔ میں کس کس کو چپ کرواؤں گا۔۔۔ میں آپ کی نیت پر شک نہیں کر رہا۔۔۔ لیکن میرے خاندان والے مجھ پر ضرور شک کریں گے۔" سمیع یہ سب کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن جب وہ کچھ سمجھنے کو تیار نہ تھی تو اسے کہنا پڑا۔

"چھوڑیں خاندان والوں کو۔۔۔ یہ خاندان والے کچھ نہیں دیتے کسی کو بھی۔۔۔ اور ایسے خاندان والوں کا کیا فائدہ جو آپ کی مشکل کو بھی نا سمجھ سکیں۔" وہ ناک چڑھا کر بولی تھی۔

"اچھا آپ مجھے سوچنے کا موقع دیں۔۔۔ میں آپ کو ایک دو دن میں بتاتا ہوں۔" سمیع نے بحث سے جان چھڑوانے کے لیے کہا تھا۔

"اتنا وقت کس کے پاس ہے سمیع صاحب۔۔۔ بس آپ آج اک دن سوچیں اور شام تک مجھے بتا دیں" وہ اصرار کر رہی تھی۔ وہی انداز، وہی اصرار جو مہر کی ہمدردی میں کبھی خاور کے ساتھ اپنایا گیا تھا۔ سمیع نے زچ ہو کر اس پڑھی لکھی بلا کو دیکھا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یا اللہ! اتنی اذیت ہمارے مقدروں میں ہی کیوں لکھ دی تو نے۔" سمیع نے بستر پر چت لیٹے خود سے کہا تھا۔ اس کی آنکھیں بالکل خشک لیکن ویران تھیں۔ اسے وہ دن اچھی طرح یاد تھا جب اس نے شہرین کو اس کی بیماری کے متعلق بتانے کی کوشش کی تھی۔

"میں تمہارے لیے کیا کروں شہرین؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
"کیا مطلب...؟" وہ حیران ہوئی تھی۔
"میں تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتا ہوں جو تمہیں اچھا لگے۔ اور تم میری محبت کو ہمیشہ یاد رکھو... کبھی بھول نا پاؤ' کبھی بھی نہیں؟" سمیع کا لہجہ ٹوٹا ہوا تھا جبکہ وہ ہنسی تھی۔ اس کی ہنسی میں ایک دکھ چھلکتا محسوس ہوتا تھا۔ ان کی ہر روز ڈاکٹرز کے ساتھ ملاقاتیں ہو رہی تھیں ایم آر آئی ہوا تھا۔ سمیع کے چہرے پر پریشانی اور تفکر کی گہری لکیریں ہمہ وقت رہنے لگی تھیں۔ اس کی ساس جو بالکل بھی اسے کال نہیں کرتی تھیں آج کل ہر دوسرے روز سمیع کو کال کر کے باتیں کرتی رہتی تھیں... اور سب سے بڑھ کر ایمن کی ٹیوٹر کو اس کی کیئر ٹیکر کے طور پر ہائر کیا گیا تھا۔ کو نین آج کل صبح نو بجے سے آتی تھی اور رات کے نو بجے ڈرائیور کے ساتھ واپس جاتی تھی۔ سمیع اس سے یہ سب کرنے سے پہلے مشورے تو کرتا تھا لیکن شہرین کو جانے کیوں احساس ہو چلا تھا کہ مسئلہ پہلے سے زیادہ گمبھیر ہے۔ وہ جانتی تھی کہ کچھ نا کچھ ایسا ہے جو سمیع کو بے حد پریشان کر رہا ہے اور اس کا تعلق اس کی بیماری سے ہی ہے۔ اس نے ابتدا میں کریدنے کی کوشش کی تھی لیکن سمیع ایک دم روہانسا سا ہو جاتا تھا تو وہ بھی چپ ہو گئی تھی ... بولنے کے لیے شاید کچھ بچا ہی نا تھا۔
"تم اتنا کچھ تو کرتے ہو میرے لیے بلکہ سب ہی کچھ میرے لیے تو کرتے ہو۔ مجھے تو لگتا ہے اب تمہیں اپنے لیے کچھ کرنا چاہیے اور تمہیں کس نے کہا کہ میں کچھ بھی بھول جاؤں گی... میں تمہیں اور تمہاری محبت کو کبھی نہیں بھول سکتی سمیع... یہ تو اثاثہ ہے میری زندگی کا" وہ بے بسی بھرے انداز میں بولی تھی۔ سمیع جانتا تھا' وہ نہیں جانتی کہ اب کی بار علاج کے نام پر اس کے ساتھ بہت کچھ ایسا ہونے والا تھا جو شاید اسے اس کا اپنا بھی نا رہنے دیتا۔ ڈاکٹرز نے واضح کر دیا تھا کہ اب کی بار سائیڈ ایفیکٹس بدترین ہوں گے جس میں سب سے خوفناک یادداشت کا بالکل ختم ہو جانا ہے۔ سمیع نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا تھا... اسے رونا آنے لگا تھا۔ سمیع براہ راست اس کی نگاہوں میں دیکھ بھی نہیں پاتا تھا اس لیے وہ بس اس کے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔
"میں نے جب پہلی بار تمہیں دیکھا تھا نا شہرین تو جانتی ہو میں نے کیا سوچا تھا؟" وہ بنا اس کی جانب دیکھے پوچھ رہا تھا۔ وہ کچھ نہیں بولی بس اس کے انداز بغور دیکھتی رہی۔
"میں نے سوچا تھا کہ کیا کبھی میں اس قدر خوش قسمت ہو سکتا ہوں کہ ان ہاتھوں کو تھام سکوں... استحقاق کے ساتھ' محبت کے ساتھ... اور پھر قدرت مجھ پر اتنی مہربان ہوئی کہ اس نے تمہیں مجھے دے ڈالا... خدا بہت مہربان رہا ہے مجھ پر شہرین... بے حد..." وہ بے ربط گفتگو کر رہا تھا۔
"مجھ پر بھی... بلکہ مجھ پر تو خدا تم سے بھی زیادہ مہربان رہا ہے۔" اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ سمیع کی برداشت جواب دے گئی تھی۔ وہ ایک دم با آواز بلند رونے لگا تھا۔
"خدا تم پر ہمیشہ مہربان رہے شہرین... میری دعا ہے کہ خدا تم پر ہمیشہ مہربان رہے... بس مجھ سے ایک وعدہ کرو' مجھے کبھی بھول مت جانا۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے... مجھے بھولنا مت... پلیز شہرین۔" وہ رو رہا تھا اور اس سے التجا کر رہا تھا۔ شہرین کو بھی رونے آنے لگا تھا لیکن وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔
"سمیع..." اس نے سمیع کے جھکے ہوئے سر کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے اوپر اٹھایا تھا۔
"کیا میں مرنے والی ہوں سمیع... کیا کہا ہے ڈاکٹرز نے... کیا ان کی امید دم توڑنے لگی ہے... کیا میرے پاس وقت قلیل ہونے لگا ہے۔ کیا میں مر جاؤں گی؟" وہ عجیب لاچار سے انداز میں پوچھ رہی تھی جیسے اسے جواب کا پتا ہو لیکن وہ چاہتی ہو کہ سمیع اس کی بات کو رد کر دے۔ اس کے واہموں کو جھٹلا دے۔ سمیع نے چپ چاپ آنسو بہاتا رہا تھا۔

"بولو نا سمیع۔۔۔ کیا میں مر جاؤں گی؟" وہ پھر پوچھ رہی تھی۔

"مرتو سب ہی جاتے ہیں شہرین۔۔۔ اپنے اپنے وقت پر سب مر جاتے ہیں۔۔۔ تاحیات زندہ رہنے تو کوئی بھی نہیں آتا اس دنیا میں۔" سمیع سے کوئی جواب بن ہی نا پڑا تھا۔ شہرین نے سر ہلایا۔

"ہاں۔۔۔ مرتو سب ہی جاتے ہیں۔۔۔ لیکن کاش ہم اپنے اپنے مرنے کے وقت کا تعین بھی خود کر سکتے۔" اس نے ایسے کہا تھا جیسے کسی بچے کو ٹالنے کے لیے کہہ دیتے ہیں۔

سمیع کو محسوس ہوتا تھا کہ وہ زیادہ باتیں کرنے سے بھی تھک جاتی تھی۔ اس کے سر میں درد بھی رہنے لگا تھا۔ وہ کبھی کبھی خلا میں بلاوجہ ایسے تکتی رہتی تھی جیسے کسی کو دیکھ رہی ہو حالانکہ وہ پہلے بھی علاج کے نام پر بہت تکلیف سے گزر چکی تھی لیکن اب شاید اس کے اعصاب اس کا ساتھ نا دیتے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے اس نے قسمت کے ہاتھ پر بیعت کرلی تھی اور خود کو حالات کے سپرد کر دیا تھا۔ یہ آخری بار تھا جب سمیع نے اس سے اس کے ہوش و حواس میں اس سے بات کی تھی۔

اس کی ایک بار پھر سرجری ہوئی تھی اور وہ کوما میں چلی گئی تھی۔ ایک مہینہ بعد جب اسے ہوش آیا تھا تو زندگی کے کافی سارے معاملات میں بالکل لاچار ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ ان سب کو پہچانتی تھی لیکن اس کی آنکھوں کی روشنی کافی حد تک ختم ہو گئی تھی۔ اسے بہت دھندلا نظر آنے لگا تھا اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ حالات مزید بگڑتے ہی چلے گئے تھے۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ وہ بالکل مرنے کے قریب ہو گئی تھی لیکن اللہ نے اس کی زندگی بچائی تھی سو وہ پھر بہتر ہو گئی تھی لیکن اب اس کی یادداشت نا ہونے کے برابر تھی۔ ایمن اور سمیع کو وہ بالکل بھی نا پہچانتی تھی۔ سمیع کو وہ کبھی اپنا بھائی اور کبھی باپ سمجھنے لگتی تھی۔ یہی حال گھر میں موجود باقی لوگوں کے ساتھ تھا۔ اماں رضیہ میں کبھی اسے اپنی دادی نظر آنے لگتی تھیں۔ کونین کو وہ اپنی ادے سمجھتی تھی اور ایمن کو اکثر وہ اپنی بہن کہہ کر بلاتی تھی۔ کون اس کا کیا لگتا ہے اسے بالکل بھول چکا تھا۔

آج تو حد ہی ہو گئی تھی۔ وہ آفس سے آیا تو اماں رضیہ شہرین کو پاس لے کر بیٹھی کچھ کھلا رہی تھیں۔ وہ جانتا تھا کہ کونین اور ایمن گھر پر نہیں ہیں۔ کونین کبھی کبھی ایمن کو لے کر اپنی امی کے گھر رات رہنے جایا کرتی تھی اور سمیع کو اس پر کوئی اعتراض نا تھا۔ وہ کچھ دیر شہرین کے پاس بیٹھا رہا پھر اماں رضیہ کو چائے بنانے کا کہہ کر وہ فون کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اسے کچھ ضروری کالز کرنی تھیں۔ اسے پتا نہیں چلا تھا کب شہرین اس کے پاس سے اٹھ کر اوپر بیڈ روم میں چلی گئی۔ اماں رضیہ چائے لے کر آئیں تو انہوں نے ہی اس امر کی طرف توجہ دلائی تھی۔

ان میں سے کوئی بھی اس ڈر سے شہرین کو اکیلا نہیں چھوڑتا تھا کہ وہ کہیں اپنے آپ کو کوئی نقصان نا پہنچا لے۔ ایک دو دفعہ وہ سیڑھیوں سے نیچے گر چکی تھی۔ اماں رضیہ کے توجہ دلانے پر سمیع فورا" اوپر بھاگا تھا لیکن تب تک شہرین باتھ روم میں گھس کر سارے کپڑے اتار کر باتھ ٹب میں بیٹھ چکی تھی اور شاور بھی فل اسپیڈ سے چلا دیا تھا۔ باتھ روم میں بالکل پانی بھر گیا تھا۔ اس کا وجود کسی چھوٹے بچے کی طرح ہو چکا تھا اس لیے سمیع کو ڈر تھا کہ کہیں وہ باتھ ٹب میں ڈوب ہی نا جائے یا فرش پر پھسل کر پھر چوٹ نا کروا بیٹھے۔ وہ اسے باہر نکالنے کی کوشش کرنے لگا لیکن وہ ضد پر اڑ گئی تھی۔ اسے وہیں رہنا تھا۔ سمیع کے لیے یہ ساری صورت حال بہت پریشان کن تھی۔ وہ اماں رضیہ سے یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ شہرین کو باتھ روم سے نکالیں نا ہی وہ یہ کام کر سکتی تھیں۔

اسے اس لمحہ شدت سے کونین کی یاد آئی تھی لیکن وہ گھر میں موجود نہیں تھی۔ شہرین کو باتھ روم سے نکالنے کے چکر میں اس کے اپنے سب کپڑے بھیگ گئے تھے لیکن وہ اسے سنبھال ہی نہیں پا رہا تھا۔ یہ اذیت اس سے بھی بڑھ کر تھی کہ وہ شہرین کا خیال رکھنے کے لیے اب کونین اور اماں رضیہ کا محتاج تھا۔ اسی دوران شہرین باتھ ٹب میں کھیل کھیل کر ہلکان ہوئی جا رہی تھی۔ وہ تو کونین ہی وقت پر آ گئی تھی اور اس نے شہرین کو سنبھالا تھا۔ یہ سمیع کے

لیے بے حد دکھ کی بات تھی۔

ڈاکٹرز نے سمیع کو بتا دیا تھا کہ آخری وقت میں شہرین بالکل ایب نارمل ہو جائے گی اور تب بہتر ہو گا کہ اسے ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروا دیا جائے کیونکہ وہ خود کو نقصان بھی پہنچا سکتی تھی۔ سمیع کے لیے بس یہی بات ناقابل برداشت ہوئی جا رہی تھی حالانکہ وہ اس اذیت میں تو تب سے تھا جب سے شہرین کو یہ موذی مرض لاحق ہوا تھا لیکن اب تو جیسے وقت پانی کی طرح ہتھیلی سے ٹپک ٹپک کر ختم ہو جا رہا تھا۔

سمیع چاہ کر بھی اس وقت کو روک نا سکتا تھا۔ یہ بے بسی یہ لاچاری اسے بہت تکلیف دے رہی تھی۔ اسی لیے وہ کونین کی موجودگی میں خود کو سنبھال نہیں پایا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا تھا لیکن اب آنسو بھی اس کے دل کا بوجھ ہلکا کرنے میں ناکام رہتے تھے۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم تھا جب اسے سیل فون کی بیپ سنائی دی تھی۔ اس نے غور سے اس بیپ کو سنا تھا۔ یہ اس کے موبائل کی بیپ نا تھی۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھ کر دیکھا۔ سائیڈ ٹیبل پر کونین کا موبائل پڑا تھا۔ اس نے موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"اللہ آپ کی مشکلیں آسان کرے۔"

"اس نے شہرین کے ننھے سے وجود پر لحاف ڈال کر دل سے دعا کی تھی۔ نینا وہ انسان تھی جس نے کبھی کسی کے لیے تو کیا خود اپنے لیے بھی دعا نا کی تھی لیکن شہرین کے لیے وہ اکثر اوقات دعا کرتی تھی۔۔۔ نینا کو اس پر کبھی بھی بے حد ترس آتا تھا۔ وہ اپنی گزشتہ زندگی کے بارے میں سب کچھ بھول چکی تھی۔ اس کی ذہنی عمر بالکل ننھے بچے کی مانند تھی۔

اس نے اس عورت کو اپنے قدموں پر چلتے پھرتے دیکھا تھا۔ اپنے حواسوں میں ہنستے بولتے باتیں کرتے سنا تھا اگرچہ وہ اسے ابتدا میں لاپروا اور خود غرض لگتی تھی لیکن اصل صورت کا اندازہ ہونے پر وہ اسے ہمیشہ ایک معصوم لاچار عورت محسوس ہوئی تھی۔ پہلی بار ملنے پر وہ اسے ایک موٹی بھدی عورت لگتی تھی پھر سمیع سے شادی کے بعد اماں رضیہ نے اسے اس کی پرانی البمز دکھائی تھیں۔ اس نے ایک بار چھپ کر شہرین اور سمیع کی شادی کی ویڈیو بھی دیکھی تھی اور تب اسے اندازہ ہوا تھا کہ شہرین اصل میں کیا ہوا کرتی تھی اور اس بیماری نے اسے کیا بنا دیا تھا۔ ایک سال پہلے تک اس کی یادداشت اتنی خراب نہیں تھی۔ وہ ان سب کو پہچانتی تھی لیکن واقعات اسے بھول جاتے تھے۔

اسے پتا نہیں تھا کہ کونین سمیع کے لیے کیا محسوس کرتی ہے لیکن وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ کونین ان کے گھر میں رہتی ہے اور نا صرف ایمن کا بلکہ اس کا اور سمیع کا بھی خیال رکھتی ہے۔ وہ آہستہ آہستہ اس سے کافی مانوس بھی ہو گئی تھی۔ شہرین کو یہ بھی پتا تھا کہ اس کا علاج پھر سے ہونے لگا ہے۔ جب بھی اسے پرانی باتیں یاد آتی تھیں تو وہ اس سے درخواست کیا کرتی تھی کہ وہ ایمن کا خیال رکھے اور سمیع کو پریشان نا ہونے دے۔۔۔ نینا نے لمحہ لمحہ اس عورت کی اذیت کو محسوس کیا تھا۔

ایک موٹے بھدے وجود سے اسے ایک ننھے بچے کے لحیم و نحیف وجود میں ڈھلتے دیکھا تھا۔ اپنے شعور سے لاشعور کی اور ہوش و حواس سے بے ہوشی کی ایک انجان اکیلی دنیا میں دھکے کھاتے دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ ہر مرحلے پر اس کے ساتھ رہی تھی۔ اسے شہرین سے نفرت نہیں تھی۔ اسے تو اس پر ترس آتا تھا۔ جب جب سمیع اس کے لیے روتا تھا، وہ بھی روتی تھی۔ اس سے اس عورت کے لیے جو بھی ہو سکتا تھا وہ کرتی تھی۔

وہ سمیع اور شہرین بعض اوقات ایک ہی بیڈ پر سوتے تھے اور نینا یہ سب برداشت کرتی تھی۔ اس کی دماغی

حالت اتنی مفلوج ہو چکی تھی کہ اسے اپنی ضروری حاجات کے لیے باتھ روم کا استعمال بھی بھول چکا تھا۔ وہ اکثر سب کے سامنے اپنے کپڑے اتار دیتی تھی۔ وہ کھا نہیں سکتی تھی، ٹھیک سے بول نہیں سکتی تھی۔ اس کی زبان لکنت کا شکار ہو چلی تھی۔ اس سے ٹھیک سے چلا بھی نہیں جاتا تھا۔ وہ نقطہ نقطہ ذرہ ذرہ گھل رہی تھی، خرچ ہو رہی تھی، ختم ہو رہی تھی اور اس کے ساتھ ساتھ نینا سمیع کو بھی ختم ہوتے دیکھ رہی تھی۔ اس کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ امر بھی یہی تھا کہ وہ شہرین کو اس بیماری میں تو سنبھال سکتی تھی لیکن سمیع کو نہیں۔۔۔

وہ جتنا اس مرتی ہوئی عورت کے لیے روتا تھا۔ اتنا ہی نینا کو اس سے محبت ہوئی جاتی تھی جبکہ اسے اس امر کا احساس بھی نا تھا۔ وہ اس کی باہوں میں تڑپ تڑپ کر اپنی مرتی ہوئی بیوی کے لیے روتا تھا اور پھر جب سنبھل جاتا تھا تو اس سے نظریں چرانے لگتا تھا جیسے اس کا سہارا لینے پر شرمندہ ہو۔ نینا کو یہ چیز تکلیف دیتی تھی۔ اسی تکلیف میں وہ امی کے گھر چلی جاتی تھی پھر وہاں بھی سکون سے نہیں رہا جاتا تھا اس سے تو یہاں واپس آجاتی تھی۔

آج بھی یہی ہوا تھا۔

شہرین سمیع کو بالکل بھی نا پہچانتی تھی۔ وہ اسے کبھی اپنا باپ کبھی اپنا بھائی سمجھتی تھی اور آج تو حد ہو گئی تھی۔ اس نے باتھ روم میں گھس کر اپنے سارے کپڑے اتارے تھے اور سمیع سے ضد کرنی شروع کر دی تھی کہ وہ اسے نہلائے۔ وہ کبھی شاور کے نیچے کھڑے ہو کر پانی سے کھیلنا چاہتی تھی اور کبھی باتھ ٹب میں بیٹھ کر تیراکی کرنا چاہتی تھی۔ وہ برہنہ بھیگتا وجود لے کر باتھ روم سے نکل کر فرش پر بھی کھیلنے لگتی تھی۔ وہ بیڈ پر بھی چڑھتی رہی تھی۔۔۔ نینا وہاں موجود نہیں تھی ورنہ وہ پہلے ہی اس صورت حال کو سنبھال لیتی۔ وہ جب بیڈ روم میں آئی تھی تو اسے اندازہ ہوا تھا۔ شہرین بالکل کسی ایب نارمل انسان کی طرح باتھ روم میں بھیگتی چلی جا رہی تھی اور سمیع بے چارگی سے اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا۔

نینا نے باتھ روم میں گھس کر پہلے سمیع کو وہاں سے بھیجا تھا پھر شہرین کو نہلا کر کپڑے تبدیل کروائے تھے۔ فرش صاف کیا تھا۔ شہرین کو کھانا کھلا کر اسے سلایا تھا پھر چائے بنا کر سمیع کے لیے لائی تھی۔ سمیع اس سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا اور وہ خود بھی رو پڑی تھی۔ ان میں سے کسی کے بھی اختیار میں کچھ نا تھا۔ وہ صرف ایک دوسرے کے آنسو ہی پونچھ سکتے تھے۔ اسے اچھا لگتا تھا جب سمیع اس کے سامنے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتا تھا لیکن افسوس اسے تب ہوتا تھا جب سمیع اس سے لپٹ کر رو لینے کے بعد شرمندہ نظر آنے لگتا تھا۔ وہی باہیں جو اسے حالت غم میں مہربان نظر آتی تھیں، انہی باہوں کو وہ دھتکار دیتا تھا۔ وہ اس کے وجود کو دھتکار دیتا تھا۔ اس کے ماں باپ کی طرح وہ بھی اسے دھتکار دیتا تھا۔ نینا کا اصل رونا بھی یہی تھا کہ وہ اسے اپنا کیوں نہیں لیتا تھا۔ وہ اس کے وجود سے انکاری کیوں تھا۔ وہ شہرین کے ساتھ لیٹ کر کافی دیر بے آواز روتی رہی تھی شاید اسی لیے شہرین دو گھنٹے بعد دوبارہ اٹھ گئی تھی اور کچھ میٹھا کھانے کی ضد کرنے لگی تھی تب ہی نینا نے اسے ٹرائفل بنا کر دیا تھا اور اب اسے دوبارہ سلا کر وہ یہی سوچ رہی تھی کہ اسی کمرے میں رہے یا اپنے بیڈ روم میں چلی جائے جب سمیع بنا کوئی آواز پیدا کیے اندر داخل ہوا تھا۔

"آپ کا سیل۔۔۔ کافی دیر سے بیپ کر رہا تھا۔" سمیع اسے اس کا موبائل دینے آیا تھا۔ اس نے فون لے کر کالز ہسٹری چیک کی تھی۔

"میری امی کال کر رہی تھیں۔۔۔ آپ اٹینڈ کر لیتے۔" اس نے ذرا ناراضی بھرے لہجے میں کہا۔ دل میں عجب خدشہ بھی سر اٹھانے لگا تھا۔ اس نے ان کی خیریت کی دعا کرتے ہوئے فون ملایا تھا۔ امی سے اسے زری کے متعلق پتا چلا تھا۔

"میری بہن ہاسپٹلائزڈ ہے۔۔۔" اس نے سمیع کو بتایا تھا جس کا سارا دھیان بیڈ پر سوئی شہرین کی جانب تھا۔

"آپ ڈرائیور کو فون کر دیں گے کہ وہ مجھے ہاسپٹل لے جائے؟" اس نے سمیع سے درخواست کی تھی۔
ڈرائیور سمیع کی موجودگی میں اپنے گھر چلا جایا کرتا تھا۔ سمیع نے اس کی جانب دیکھا۔
"میں لے چلتا ہوں آپ کو... کس ہاسپٹل جانا ہے۔" اس نے آفر کی تھی۔ نینا نے بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا لیکن وہ دوبارہ سے شہرین کا لحاف درست کرنے میں مگن ہو گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"زری کیسی ہے۔" نینا نے بہ عجلت ان کی جانب بڑھتے ہوئے سوال کیا تھا۔ زری کی فی الحال کوئی خبر نا آئی تھی۔ وہ ابھی تک لیبر روم میں ہی تھی اور صوفیہ کا دل بیٹھا جا رہا تھا۔ نینا کو دیکھ کر جیسے ان کا دل پرسکون ہو گیا تھا۔ وہ اس کے گلے لگ گئی تھیں... جانے کتنے عرصے بعد انہوں نے اپنی اس بیٹی کو اس طرح گلے لگایا تھا۔
"ابھی تک کچھ پتا نہیں کہ کیا کر رہی ہے ڈاکٹر... دو گھنٹے پہلے بولی تھیں کہ پری میچور ڈیلیوری کروا رہے ہیں پر ابھی تک کوئی اطلاع نہیں آئی... میرا دل بڑا گھبرا رہا ہے نینا۔" انہوں نے بے بسی سے کہا تھا۔ نینا نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر انہیں تسلی دی تھی پھر وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تب ہی صوفیہ نے دیکھا کہ اس کا شوہر بھی اس کے ساتھ تھا۔
شادی کے بعد شاید یہ دوسری بار تھا کہ انہوں نے اس شخص کو دیکھا تھا۔ ان کے دیکھنے پر اس نے انہیں سلام کیا تھا۔ صوفیہ سلام کا جواب دے کر سوچ میں پڑ گئی تھیں کہ مزید دوسرا جملہ کیا بولیں۔ اظفر کی نسبت اس داماد کے ساتھ ان کی علیک سلیک بالکل ہی برائے نام تھی۔ کاشف بھی سامنے کرسی پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے بھی اس سے کچھ خاص کلام نا کیا تھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا بس نینا کو ہی دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے ایسے ہی خاموشی میں گزر گئے پھر نینا نے کہا تھا۔
"آپ پریشان نا ہوں... میں ڈاکٹر سے مل کر آتی ہوں۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھی تھی پھر اس نے سمیع کے قریب جا کر کچھ کہا تھا۔ اگلے چند لمحے میں وہ دونوں ویٹنگ روم کے دوسری جانب چلے گئے تھے۔ صوفیہ نے ان دونوں کو ایک ساتھ جاتے دیکھا۔ انہیں اچھا لگا تھا۔ نینا نے کبھی اپنی ازدواجی زندگی کے متعلق انہیں نا بتایا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ وہ چاہ کر بھی پوچھ نا پاتی تھیں لیکن نینا کی بجھی بجھی آنکھیں اور شکستہ وجود ان سے چھپا تو نا تھا۔ وہ اکثر سوچتی تھیں کہ شاید سمیع نینا سے بالکل بے پروا ہے اسی لیے ان دونوں کو ایسے ایک ساتھ دیکھ کر انہیں کافی خوشی ہوئی تھی۔ زری کی جانب سے پریشانی نا ہوتی تو شاید وہ اس خوشی کا کھل کر اظہار بھی کرتیں مگر ابھی وہ چپ ہی رہی تھیں۔
"کس قدر مغرور انسان ہے یہ تمہاری لاڈلی بیٹی کا شوہر... سلام کر کے ایک جانب کھڑا ہو گیا ہے جیسے ہاسپٹل میں نا آیا ہو بلکہ غریب رشتے داروں کے گھر ولیمہ کھانے آیا ہو... اونہہ... جانے کیا نظر آیا تمہیں اور تمہاری لاڈلی بیٹی کو اس نمونے میں...." کاشف نے ہنکارا بھرتے ہوئے چڑ کر انہیں کہا تھا۔ سمیع انہیں بالکل پسند نا تھا۔ صوفیہ نے ان کی جانب دیکھا۔ وہ اس شادی کی حقیقت بہت اچھی طرح جانتی تھیں اور یہ بات تو خود نینا کو بھی پتا نا تھی کہ صوفیہ کیا کچھ جانتی ہیں۔

(اگلے ماہ ان شاء اللہ آخری قسط)

☆ ☆

طیبہ مرتضیٰ
دور کے ڈھول سہانے

سونیا بھاگتے ہوئے اندر آئی اور ماں کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے بولی۔ "امی جلدی چلیں۔"

سونیا کی والدہ شہناز جو ٹی وی پر چلنے والے من پسند ڈرامے میں کھوئی ہوئی تھیں گڑبڑا گئیں۔

"ارے کیا ہو گیا تمہیں 'باڑ' آ گئی کیا۔"

"امی کتنی دفعہ آپ سے کہا ہے خدا کے لیے یہ اپنی پنجابی زبان کو خدا حافظ کہہ دیں اور انگریزی کے الفاظ بولا کریں باڑ نہیں فلڈ کہتے ہیں اسے۔"

"تو پنجابی کے پیچھے نہ پڑی رہا کر مجھ سے نہیں بولی جاتی انگریزی چھوڑ سب 'بتا ہوا کیا ہے۔"

"چلیں' جلدی سے ٹیرس پر چلیں دیکھیں تو سہی ہمارے سامنے والے گھر میں کون شفٹ ہوا۔" شہناز جلدی سے جوتے پہنتے ہوئے بولیں۔

"مجھے لگتا ہے کوئی فلمی اداکار رہنے آیا ہے مجھے تو سچی بڑا شوق ہے کہ کوئی فلمی اداکار ہمارے پڑوس میں آ کر رہے سچی سونی بڑا مزا آئے گا۔"

"امی اپنے فلموں اور ڈراموں سے باہر نکلیں کوئی بہت ہی کروڑپتی فیملی آئی ہے رہنے کے لیے یہ دیکھیں دو دو کرولا کھڑی ہیں اور وہ دیکھیں ایک میں ڈرائیور بھی بیٹھا ہے۔" شہناز جو فلمی اداکار کو سوچتے ہوئے آئی تھیں۔ خاصی بدمزا ہو کر بولیں۔

"یہ گاڑیاں تحفے میں انہوں نے ہمیں نہیں دینی ہیں جو تو اتنی خوش ہو رہی ہے۔" سونیا نے گول گول گھومتے ہوئے کہا۔

"تحفہ چھوڑیں امی بس دیکھنا کچھ ہی دنوں میں یہ سب آپ کی بیٹی کا ہو جائے گا۔"

"سونیا کیا تو پھر کوئی منصوبہ تو نہیں بنا کر بیٹھی ہیں اس دفعہ تیرا بالکل ساتھ نہیں دوں گی پچھلی دفعہ بھی گلی کے کونے والے گھر میں جو کرائے دار آئے تھے تیری حسب خواہش کہ وہ تجھے اپنے بیٹے کے لیے پسند کر لیں کتنے نخرے میں نے اٹھائے تھے اس کی موٹی بھینس جیسی ماں کے 'جہاں بھی جاتی تھی یا تو پرس گھر بھول جاتی یا مسکین سی شکل بنا کر کہتی 'ہائے بہن میرے پاس تو پانچ ہزار کا بندھا ہوا نوٹ ہے' اور وہ جو تیرے کہنے پر برانڈ کے سوٹ دیتی رہی۔ نتیجہ کیا نکلا ایک دن محترمہ فرماتی ہیں کہ میں نے تو بچپن سے ہی اپنے بیٹے کی منگنی اپنی بہن کے گھر کی ہوئی ہے۔ فٹے منہ اس موٹی بھینس کا میرا پچاس ساٹھ ہزار لگوا دیا مگر اس کو کیوں کوسوں میری تو اپنی اولاد کا دماغ خراب ہے کہ شادی اونچے امیر اور ماڈرن گھر میں کرنی ہے۔ کتنی دفعہ آپا ثریا مجھے کہہ چکی ہیں کہ میں رضامندی دکھاؤں تو وہ تمہیں انگوٹھی پہنا جائیں مگر تیری ضد کے ہاتھوں ان کو ٹالے جا رہی ہوں۔ پوری چھ دکانیں ہیں آپا ثریا کی صدر میں۔ اچھا بھلا ایف اے پاس بابو جیسا میرا بھانجا ہے آصف اور وہ تیری پھوپھی کتنی دفعہ کویت تیرے باپ کو فون کر چکی ہے تیرے اور عمران کے رشتے کے لیے اتنی اچھی نوکری ہے اس کی بینک میں۔"

"امی خدا کے لیے مجھے معاف کر دیں۔" سونیا نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا "میں آپ کو ہزار مرتبہ بول چکی ہوں نہ مجھے آپ کی بہن کے بیٹے سے شادی کرنی ہے اور نہ ابو کی بہن کے بیٹے سے۔ پیسہ آ جانے کے باوجود بھی خالہ ثریا اتوار بازار سے شاپنگ کرتی ہیں اور جو بری ان کے بقول میں نے بڑے چاؤ سے اپنی بہو کے لیے بنائی ہے اس میں ان کی ساس کے بھی جہیز کے فینائل لگے کپڑے موجود ہیں اور باقی کپڑے انہوں نے بڑے چاؤ سے اتوار بازار سے خریدے ہیں اور وہ ابو کی بہن پھوپھی کلثوم ایک نمبر کی کنجوس مکھی چوس ہیں نمک مرچ اور مسالوں والی الماری کو انہوں نے تالا لگایا ہوتا ہے پاؤ بھر مٹھائی کو انہوں نے فریز کیا ہوتا ہے گرم کر کے مہمان کے سامنے رکھیں گی اور بار بار بولیں گی مٹھائی اور میٹھا تو کھانا ہی نہیں چاہیے شوگر ہو جاتی ہے اور سموسے اور دہی بھلے بازار سے اس لیے نہیں منگوائے کہ بازاری چیزوں سے بلڈ پریشر اور 'اور معدے کی بیماریاں ہو جاتی ہیں۔ چنگا بھلا مہمان بار بار مٹھائی کی طرف ہاتھ لے کر جاتا ہے اور واپس کھینچ لیتا ہے کہ واقعی اگر اس نے مٹھائی کھالی تو فوراً" سے اسے شوگر ہو جائے گی۔ ادھر مہمان سوکھے منہ نکلا ادھر مٹھائی فٹ سے فریزر کے اندر واپس۔ نا جانے آپ

کو کیوں شوق چڑھا ہوا ہے اپنی اکلوتی اور لاڈلی بیٹی کو جہنم جھونکنے کا۔ اب اگر آپ نے ان دونوں گھروں میں میری شادی کی بات کی ناتو میں ٹیرس سے کود جاؤں گی اور اگر آپ نے سامنے والے گھر میں میری شادی کروانے کی کوشش نہ کی تو میں سب سے اوپر والے ٹیرس سے کود جاؤں گی۔"

شہناز نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا "اللہ جی کسی کو بھی اکلوتی اولاد نہ دینا جس کو بھی دیں درجن بھر بچے تو ضرور دیں یہ اکلوتی اولاد تو ناکوں چنے چبوا دیتی ہے۔"

اور اپنا سر پکڑ کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئیں۔ بالکل برابر والے گھر میں ثروت کھڑکی کے ساتھ چپکی ہوئی تھیں سامنے بیڈ پر مریم بیٹھی نوٹس بنا رہی تھی۔ ثروت مریم سے بولیں۔

"کتابیں چھوڑ' اٹھ آ کر دیکھ تو سہی کیا شاندار سامان ہے سامنے والے کرائے داروں کا مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ اتنے امیر لوگ ہماری کالونی میں کیوں رہنے آئے ہیں۔ مانا کہ ہماری کالونی صاف ستھری اور رہائشی سہولیات کے اعتبار سے بہتر ہے مگر پھر بھی ان لوگوں کے رہنے کے لیے موزوں نہیں ان کو تو بحریہ یا ڈیفنس میں جانا چاہیے۔" مریم جو ماں کی باتوں سے ڈسٹرب ہو رہی تھی کوفت بھرے انداز میں ماں سے بولی۔

"امی پلیز کھڑکی سے ہٹ جائیں کیوں کہ ایک تو ان تک آپ کے مشورے نہیں پہنچ رہے' دوسرا یہ ان کا مسئلہ ہے کہ وہ کہاں رہنا چاہتے ہیں' تیسرا یہ کہ اس طرح آہیں بھرنے سے ان کا سامان ہمارے گھر نہیں آجائے گا کیوں اپنے آپ کو تھکا رہی ہیں بیٹھ جائیں۔" ثروت نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا۔

"مریم میں تم سے اور تمہارے باپ سے تنگ آگئی ہوں بس موقع چاہیے باپ بیٹی کو اخلاقیات پر تقریر کرنے کا۔ ہائے.... میرے کیا کیا خواب تھے کہ سرکاری ملازم سے شادی ہو رہی ہے بڑے ٹھاٹ سے رہوں گی مگر تمہارے باپ کو ایمان داری کی بیماری ہے تمہارے باپ کے ساتھ والے کہاں سے کہاں پہنچ گئے گاڑیاں بنالیں کوٹھیاں بنالیں مگر تمہارا باپ ابھی تک وہیں کا وہیں ہے لوگوں کے ٹھاٹ باٹ دیکھ کر کیسے میرا دل سڑتا ہے۔ اب یہ ساتھ والی شہناز کو دیکھ لو اکٹھی شادی ہوئی تھی اس کی اور میری۔ موٹر مکینک تھا اس کا میاں مگر اب اس کا رہن سہن دیکھ لو۔"

مریم نے ماں کی یہ ساری باتیں ہزار دفعہ سن رکھی تھیں۔ خاموشی سے کتابیں سمیٹنی شروع کر دی کہ کسی اور کمرے میں بیٹھ کر پڑھائی کر لے کیونکہ جانتی تھی کہ ماں کو سمجھانا بے کار ہے ادھر ثروت نے بھی دل میں ضد باندھی ہوئی تھی کہ اپنی کسی بھی اولاد کا رشتہ اس نے نہ تو ان کی پھوپھیوں کے گھر کرنا ہے اور نہ چاچوؤں کے' بلکہ اپنے سے اونچے گھر میں ان کی شادی کرنی ہے۔

✡ ✡ ✡

ثروت اور شہناز کے والد ایک دوسرے کے دور کے رشتے دار تھے ایک محلے میں رہنے کی وجہ سے آپس میں دوستی بھی خوب تھی یہی دوستی آگے سے بچوں میں بھی تھی مگر ثروت اور شہناز میں بہت زیادہ تھی دونوں اکٹھے اسکول جاتیں واپس آ کر بھی دونوں تقریباً" ہر کام ساتھ ساتھ کرتی تھیں۔ شہناز کو ڈھونڈنا ہو تا تو وہ ثروت کے گھر سے اور ثروت شہناز کے گھر سے ملتی۔ یوں زندگی کی گاڑی مزے سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ شہناز کے ابا موٹر مکینک تھے اور ثروت کے ابا کی بڑے بازار میں کریانے کی دکان تھی یہ اس زمانے کی بات ہے جس کو لوگ سستا زمانہ کہتے تھے' جب بیٹوں کی تعلیم کی طرف بھی توجہ نہ تھی تو بیٹیوں کی تعلیم پر کون توجہ دیتا دونوں ابھی نویں جماعت میں تھیں کہ ان کے رشتے طے ہو گئے ثروت کا اس کے ابا کے دوست کے بیٹے کے ساتھ جو انکم ٹیکس کے محکمے میں لگا ہوا تھا۔ اس زمانے میں لوگ سرکاری نوکریوں کو بڑی اہمیت دیتے' چاہے آدمی سرکاری محکمے پر چپڑاسی ہی کیوں نہ لگا ہو تا اس کی بھی اپنے علاقے میں بہت ٹور ہوتی تھی۔

ثروت کے تو پیر ہی زمین پر نہیں ٹک رہے تھے کہ

اس کی شادی تو بابو سے ہو رہی تھی خاندان اور محلے میں کوئی بھی نہیں تھا جو سرکاری ملازمت کرتا ہو اس پر سونے پر سہاگہ کہ ثروت کے سسر نے شہر سے دور ایک نئی رہائشی اسکیم میں پلاٹ لے کر گھر بنوا لیا تھا۔ سستے زمانے تھے اس لیے ہر چیز کا حصول آسان ہوتا تھا اپنی ریٹائرمنٹ سے حاصل ہونے والی رقم سے پلاٹ خرید کر گھر بنوا لیا۔ ثروت کا تو خوشی کے مارے برا حال تھا کہ شادی بھی سرکاری ملازم سے اور گھر بھی نیا بنا ہوا تھا گھر والے اور محلے کے سارے لوگ اسے رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

ان ہی دنوں شہناز کا رشتہ بھی طے ہو گیا لڑکا اس کے ابا کے ساتھ ہی ورکشاپ پر کام کرتا تھا دل تو اس کا بہت ہوا وہ بھی ثروت کے جیسے کسی سرکاری ملازم شادی کرنا چاہتی تھی مگر کیا کرتی اس زمانے میں بیٹیاں اپنی شادی بیاہ کی بات میں نہیں بولتی تھیں بس جس کھونٹے سے ماں باپ نے باندھ دیا بندھ جاتی تھیں۔

ایک شام جائے پر شہناز کی ساس آئیں اور رشتے کی بات پکی کر کے شہناز کی انگلی میں انگوٹھی ڈال دی۔ ساتھ میں کچھ چیزیں بھی شہناز کے لیے لائیں جیسے آتشی گلابی رنگ کا بڑا سا پرس جس کے اوپر بڑے بڑے نگ لگے ہوئے تھے۔ گولڈن ہیل والی جوتی سرخ نیل پالش اور لپ اسٹک کا ہم رنگ پیک اور بروکیڈ کا جوڑا یہ سب چیزیں پا کر شہناز بھی آسمان میں اڑنے لگی تھی۔ یہ سب چیزیں تو ثروت کی بھی نہیں آئی تھیں موٹر مکینک والا غم تو فوراً" سے اڑن چھو ہو گیا تھا۔ شہناز نے اسکول کی ساری لڑکیوں کو اپنے گھر چیزیں دیکھنے کے لیے بلایا تھا۔

ثروت تو بڑی شان بے نیازی کے ساتھ آئی کہ اس جیسی قسمت تو کسی کی نہ تھی جہاں بھی جاتی لوگ اس کے ہونے والے سرکاری ملازم شوہر اور نئے گھر کی باتیں شروع کر دیتے تھے مگر یہاں تو میدان شہناز نے مار لیا تھا۔ اب ہر طرف شہناز کی منگنی کی باتیں ہو رہی تھیں خاص طور سے نگوں والے پرس اور اونچی ہیل والی گولڈن سینڈل کے قصے اسکول میں زبان زد خاص وعام تھے چھٹی اور بریک میں لڑکیاں شہناز کو گھیرے رکھتیں اور منگنی کے قصے سنتی یہ سب دیکھ کر ثروت کو بڑا غصہ چڑھتا اب کوئی بھی اس کو پہلے جیسی اہمیت نہیں دے رہا تھا۔ ایسے میں ایک گروپ جس میں شہناز کی چیزوں کے متعلق بات ہو رہی تھی۔ ثروت بھی بیٹھی ہوئی تھی ایک لڑکی نے ثروت سے پوچھ لیا۔

"تم نے اپنی چیزیں نہیں دکھائیں۔"

بس یہ سن کر ثروت پھٹ پڑی۔ "ارے چیزیں تو وہ دکھائیں جن کو عادت ہو شیخیاں مارنے کی یا جن کی شادیاں موٹر مکینک یا کریانے اور پرچوں کی دکان والے سے ہو رہی ہوں ماشاء اللہ سے میرا منگیتر انکم ٹیکس میں لگا ہوا ہے نئی کوٹھی بنائی ہے میرے سسرال والوں نے مجھ کیا ضرورت ہے۔ ان بے کار چیزوں کی۔"

یہ باتیں جب شہناز کے کانوں میں پڑیں تو وہ بھی میدان میں کمر کس کر اتر آئی اور اچھی خاصی جنگ ہو گئی اس کے بعد ان دونوں کے درمیاں سرد مہری کی لہر چھا گئی جو بیس اکیس سال گزرنے کے باوجود بھی قائم رہی۔

اس واقعے کے بعد سال کے اندر اندر ہی دونوں کی شادیاں ہو گئیں۔ شہناز کا میاں شادی کے پانچ سال کے بعد کویت چلا گیا۔ کویتی دینار کیا آنا شروع ہوئے شہناز کی قسمت بدل گئی۔ اس کے میاں نے بھی ثروت والی کالونی میں نیا گھر خرید لیا اور اتفاق سے ثروت کے ساتھ والا گھر تھا۔ ثروت' شہناز کے نئے رنگ ڈھنگ اور روپے پیسے کی ریل پیل دیکھتی تو اپنی قسمت کو کوستی کہ اس ایمان دار سرکاری ملازم سے شادی کر کے تو اس نے اپنی قسمت خراب کر لی ہے۔ ثروت کی بڑی بہن اسے سمجھاتی مگر اس کے اندر کی آگ ٹھنڈی ہی نہ ہوتی۔

ثروت کے تین بچے تھے مریم اس سے چھوٹا عمر اور اس سے چھوٹی سدرہ تھی۔ شہناز کی ایک ہی بیٹی سونیا تھی۔ شہناز اور ثروت نے اپنے تعلقات کو بہتر کرنے کی بالکل بھی کوشش نہ کی تھی البتہ سونیا جس کو اپنی

چیزوں کی شو مارنے اور اپنی برتری دکھانے کا بڑا شوق تھا آئے روز ثروت کے گھر چلی جاتی تھی کہ مریم جو کلاس میں فرسٹ آتی تھی اور سونیا بامشکل نمبر لے کر پاس ہوتی تھی اس کو نیچا دکھا سکے کہ ایسی خوب صورت اور قیمتی چیزوں کا تو وہ تصور بھی نہیں کر سکتی مگر مریم نہ تو جیلس ہوتی اور نہ متاثر بلکہ خوش دلی سے اس کو سراہتی لیکن ثروت کافی متاثر ہوتیں جب سونیا لیک کرتاتی۔

"بس آنٹی آج یہ سونے کی چین تو میں آخری دفعہ پہن رہی ہوں پچی پورے دس تولے کی ہے میری تو گردن تھک جاتی ہے اس کو پہن کر۔ میں نے تو ابو سے کہا ہے اس دفعہ میرے لیے کوئی نفیس سی چیز لا دیجئے گا۔" یا بولے گی "اس دفعہ جو ابو نے فوڈ فیکٹری بھیجی ہے یقین مانیے منٹوں میں پچن کے بہت سارے کام ہو جاتے۔" یا ثروت پوچھتیں۔

"بڑا پیارا سوٹ پہنا ہے سیل سے لیا تھا۔" سونیا بڑی ادا سے ہنس کر کہتی۔

"سیل سے بھلا کیوں لینا ہے میں تو سیزن شروع ہوتے ہی چن کر اچھے اچھے ڈیزائن والے سوٹ لے لیتی ہوں۔" ثروت اپنا سا منہ لے کر رہ جاتیں۔

☆ ☆ ☆

سونیا سامنے والوں کے گھر جانے کا موقع ڈھونڈ رہی تھی لیکن ڈر لگ رہا تھا کہ اتنے امیر لوگ ہیں پتا نہیں کس طرح ملیں۔ لیکن اسے موقع مل ہی گیا اس نے سامنے والے گھر سے ایک فربہی مائل آنٹی اور دو بچوں کو نکل کر پارک کی طرف جاتے ہوئے دیکھا۔ سونیا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ الماری سے نکال کر نیا سوٹ پہنا بالوں کو برش کر کے کھلا چھوڑ دیا۔ مسکارا اور لپ اسٹک لگائی اور بھاگتی ہوئی ان کے پیچھے چل دی۔ لاؤنج میں مٹر چھیلتی ہوئی شہناز اس کی پھرتیاں دیکھ روکتی ہی رہ گئیں کہ کدھر جا رہی ہو مگر وہ تو چھلاوے کی طرح نکل گئی۔

دل ہی دل میں پلان بناتی جا رہی تھی کہ آنٹی سے ٹکرائے گی آنٹی ٹکر کھا کر نیچے گر جائیں گی یہ ان کو سہارا دے کر اٹھائے گی اور سوری کرے گی یوں بات چیت کا آغاز ہو جائے گا۔ مگر الٹی ہو گئیں سب تدبیریں ایف سولہ کی رفتار سے چلتے ہوئے سامنے پڑا بینچ دکھائی نہ دیا۔ اس سے ٹکرا کر اچھلی اور زمیں بوس ہو گئی' دس بیس سیکنڈ تک تو سمجھ ہی نہیں آیا کہ وہ کون ہے اور کہاں ہے۔ بس لوگوں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ حواس بحال ہوئے تو دیکھا ارد گرد خواتین اور بچے کھڑے ہنس رہے ہیں کیونکہ ایک تو گر گئی اوپر سے کپڑے گرد آلود بال بکھر گئے اور چہرے پر ہوائیاں ایک دو خواتین نے ہاتھ بڑھا کر اٹھانے کی کوشش کی مگر آنا آڑے آ گئی بالکل سامنے وہ والی آنٹی اور بچے کھڑے تھے۔ بچے شرارت سے پوچھ رہے تھے۔

"آپ سرکس والی آنٹی ہیں آپ ایک پہیے والی سائیکل بھی چلا لیتی ہیں۔" سونیا کا جی چاہ رہا تھا کہ اٹھ کر بچوں کو کس کر ایک ایک تھپڑ تو ضرور لگائے مگر اس وقت اسے نہایت مہذب انداز اپنانا تھا۔ بچوں کو مسکرا کر دیکھا جس سے بچے اور شیر ہو گئے۔ سامنے والی آنٹی نے بچوں کو نرمی سے منع کیا اور سونیا کا ہاتھ پکڑ اس کی اٹھنے میں مدد کی۔ جب اس کے حواس بحال ہوئے تو سامنے والی آنٹی بولیں۔

"بیٹا میرے خیال میں آپ سامنے والے گھر میں رہتی ہیں میں نے آپ کو ایک دو دفعہ ٹیرس پر دیکھا ہے۔ میرا نام فردوس ہے ہم اس علاقے میں نئے شفٹ ہوئے ہیں اصل میں ہمارا گھر ڈیفنس میں بن رہا ہے یہ علاقہ ڈیفنس کے پاس تھا اس لیے یہاں کرائے پر گھر لیا ہے کہ نیا بننے والے گھر کی تعمیر پر بھی آسانی سے نظر رکھی جا سکے۔ میاں میرے دبئی میں ہوتے ہیں فی الحال ادھر میں اور بیٹا ہوتے ہیں یہ دونوں بچے میری بیٹی کے ہیں جو سیر و تفریح کے لیے ناردن ایریا اپنے شوہر کے ساتھ گئی ہے تو بچوں کو میرے پاس چھوڑ گئے ہیں۔ سارا دن ان کے ساتھ بھاگ بھاگ کر اور ان کی فرمائشیں پوری کر کے تو میں تھک جاتی ہوں اوپر سے میرا خانساماں چھٹی لے کر گاؤں چلا گیا ہے

بہن کی شادی کے سلسلے میں تو میری جاں اور تنگ ہو گئی ہے۔

میں تو بیٹا جب سے بیاہ کر اپنے سسرال آئی ہوں کھانا ہمیشہ سے کک ہی بناتا ہے کیونکہ تمہارے انکل اور میرا سارا سسرال نہایت خوش خوراک ہیں اور کھانا بھی مزے دار نہ ہو تو تمہارے انکل تو کھانے کو ہاتھ نہیں لگاتے ہیں بس میں تو کھانا پکانا بھول ہی گئی ہوں اس لیے خانساماں کے چھٹی پر جانے سے بہت تنگی ہو رہی ہے۔" سونیا بس آگے سے جی اور ہوں ہی کر رہی تھی اسے تو یقین ہی نہیں آرہا تھا کہ جن آنٹی سے بات کرنے کے مواقع وہ ڈھونڈ رہی تھی وہ خود اس سے اتنی باتیں کر رہی ہیں۔ اتنے میں بچوں نے آکر شور مچا دیا۔

"نانو بھوک لگی ہے ہم نے برگر کھانا ہے۔"

فردوس آنٹی نے چھوٹی والی بیٹی کو گود میں بٹھاتے ہوئے کہا "بیٹا میں نے ماموں کو فون کر دیا تھا وہ کہہ رہے تھے کہ گاڑی کا کوئی مسئلہ ہے جیسے ہی ٹھیک ہوگی ڈرائیور گاڑی لے آئے گا پھر ہم کے ایف سی چلیں گے ابھی میں آپ کو گھر جا کر نوڈلز بنا دیتی ہوں ٹھیک ہے۔" لیکن بچے نہیں مان رہے تھے۔ "نانو ہم نے ابھی کھانا ہے۔"

سونیا کے زرخیز دماغ میں فوراً" سے آئیڈیا آیا اپنے ہونے والے سسرال میں ایک قدم رکھنے کا۔ ایک قدم نہیں بلکہ اکٹھے دس بارہ قدم رکھنے کا۔ سونیا نے بچوں کو اسٹائل سے پچکارتے ہوئے کہا "آپ کو برگر اچھا لگتا ہے نا بس میں ابھی آپ کے لیے مزے دار سے برگر بنا کر لاتی ہوں۔"

دونوں بچوں نے بولنا شروع کر دیا۔ "آپ تو بھوت آنٹی ہیں ہم نے نہیں کھانے آپ کے گندے برگر۔"

سونیا مارے مروت کے ہنس کر کہنے لگی۔ "بہت شریر ہیں دونوں بچے۔" ورنہ دل کر رہا تھا کہ اکیلے میں ملو مجھے دونوں پھر بتاتی ہوں میں کون ہوں۔

فردوس آنٹی نے جھڑک کر دونوں بچوں کو منع کیا "بری بات بیٹا ایسے نہیں بولتے بڑوں کو۔ چلو دونوں سوری کرو آنٹی کو۔ دونوں بچوں نے مل کر کورس میں گا کر سوری کیا مگر انداز سے شرارت ابھی بھی ٹپک رہی تھی۔ سونیا نے ان بچوں پر تین حرف بھیجے اور اپنے دماغ میں آئی ترکیب کو عملی جامعہ پہنانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی گھر کے قریب بنی ہوئی مارکیٹ میں فاسٹ فوڈز اور کھانے پینے کی بڑی اچھی دکانیں تھیں۔ سونیا نے KFC کے برگرز خریدے گھر لا کر ان کو اپنے برتنوں میں شفٹ کیا اور سامنے والے گھر پہنچ گئی۔ برگرز دیکھ کر دونوں بچے بہت خوش ہو گئے۔

فردوس بولیں۔ "بیٹا تم نے خواہ مخواہ تکلیف کی بس ڈرائیور ابھی تھوڑی دیر تک پہنچ جائے گا۔" سونیا شرمانے والے انداز میں بولی۔

"ایکچوئلی آنٹی مجھے کوکنگ کا بہت شوق ہے میں بہت مزے دار کھانا بناتی ہوں گھر میں بس میں اور امی ہی تو ہوتے ہیں تو کس کو بنا بنا کر کھلاؤں اب میں آپ کو اپنے ہاتھوں کے بنے مزے دار کھانے کھلاؤں گی۔"

فردوس بیگم خوش ہو کر بولیں "کیوں نہیں بیٹا ہم لوگ تو ویسے ہی کھانے پینے کے بہت شوقین ہیں اور مجھے یقین ہے کہ واقعی تم اچھی کوکنگ کرتی ہوگی برگر تو بالکل KFC کے لگ رہے ہیں۔" ایک منٹ کے لیے تو سونیا گڑبڑا گئی کہ کہیں چوری تو نہیں پکڑی گئی۔

✡ ✡ ✡

ثروت نے سبزی کا شاپر لا کر میز پر رکھا اور مریم کو آواز دی جو کچن میں برتن دھو رہی تھی ماں کی آواز پر فوراً" پہنچ گئی۔

"جی امی کیا ہوا ہے۔" مریم نے تاول سے ہاتھ خشک کرتے ہوئے ثروت سے کہا جو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔

"مریم جا بھاگ کر میرے لیے جوس بنا کر لا اور یہ پنکھا بھی چلاتی جا ابھی میں نے ایک ایسا منظر دیکھا ہے کہ چوٹ سیدھی میرے دل پر لگی ہے۔" مریم پریشانی سے بھاگتی ہوئی گئی جوس بنا کر لائی ماں کی ہتھیلی کو پکڑ کر ملنا شروع ہو گئی۔

"امی کیا ہوا ہے کچھ بتائیں تو سہی۔" ثروت غم زدہ آواز میں بولیں۔

"ابھی میں باہر سبزی لے رہی تھی میں نے سونیا کو یہ بڑی سی ٹرے لے کر نئے کرائے داروں کے گھر جاتے دیکھا بڑی کھلکھلاتی ہوئی جا رہی تھی۔" مریم نے فوراً "ماں کا ہاتھ چھوڑا۔

"اف امی آپ نے تو سامنے والوں کو سر پر ہی سوار کر لیا ہے کیا ہو گیا اگر شہناز آنٹی نے خیر سگالی کے طور پر ان کے گھر کچھ بھیج دیا ہے آپ خواہ مخواہ ٹینشن لے رہی ہیں۔" اور سبزی کا شاپر اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔

ثروت فوراً" تنک کر بولیں۔

یہ خیر سگالی جذبات ہمارے لیے تو کبھی نہیں جاگے ہم تو پھر دور کے رشتہ دار ہیں۔ میں نے بھی کوئی کچی گولیاں نہیں کھیلی ہوئیں سب سمجھتی ہوں ماں بیٹی کی چالاکی کو میں بھی آج ہی بادام کا حلوہ بنا کر لے کے جاتی ہوں چاہے جتنا مرضی خرچا ہو جائے کوئی بات نہیں میری کمیٹی بھی اسی مہینے نکلی ہے پانی کی طرح پیسہ بہاؤں گی اس دفعہ تو میں شہناز کو آگے نہیں نکلنے دوں گی۔"

ایک گھنٹے کے اندر اندر ثروت نے بادام اور پستہ ڈال کر نہایت مزے دار حلوہ تیار کیا نیا جوڑا پہنا بڑے سلیقے سے باؤل سجا کر سامنے والوں کے گھر چلی گئیں۔

ثروت ان کے گھر گئیں تو بڑے جوش سے تھیں مگر آگے جا کر پتا چلا کے گھر میں کوئی نہیں ہے سوائے کام والی لڑکی کے تو ان کا دل خاصا برا ہوا کہ اتنا پیسہ لگا کر حلوہ تیار کیا اور مطلوبہ نتائج بھی نہیں ملے واپس آتے ہوئے کام والی کو بار بار یاد کروا رہی تھیں کہ "جب تمہاری بیگم صاحبہ آئیں تو ان کو بتانا کہ سامنے جو گرے گیٹ والا گھر ہے میں وہاں سے آئی ہوں میرا نام ثروت ہے یاد رہے براؤن گیٹ نہیں بولنا گرے بولنا ہے۔"

ثروت بیگم نے اچھی طرح سمجھا کر اپنے گھر کی راہ لی۔

☆ ☆ ☆

شہناز ایک ہاتھ میں جوتا اور دوسرا میں اپنا سر پکڑ کر بیٹھی ہوئی تھیں بس نہیں تھا چل رہا کہ سونیا کی درگت بنا کر رکھ دیں۔ سونیا نے بھی ایک نیا تماشا شروع کر رکھا تھا، ہر دوسرے تیسرے دن بازار سے کبھی رس ملائی کبھی نہاری کبھی حلیم 'پلاؤ' کھیر یا کوئی اور ڈش بازار سے منگواتی اور اپنے برتنوں میں سجا کر نئے کرائے داروں کے گھر لے جاتی اور مزے سے ہر ڈش کو اپنے نام کر لیتی۔

"آنٹی آپ نہاری کھا کر تو دیکھیں میں جب میٹرک میں تھی تب بنانی سیکھی تھی یقین مانیے پہلے ہی دفعہ اتنی اچھی بنی کہ یہ جو گولڈ کی چین میں نے پہنی ہوئی ہے ابو نے انعام کے طور پر دی تھی۔" بس نئی ڈش اور نیا قصہ سونیا کی زبان پر ہوتا فردوس اس کی ہر بات پر مسکراتیں اور دل کھول کر کھانے کی تعریف کرتیں مگر جس کے لیے 'بنا بنا کر لے کے جاتی یا تو وہ گھر پر ہی نہ ملتا اور اگر ہوتا بھی تو سونیا کو نظر بھر کر بھی نہ دیکھتا۔ اب تک تو شہناز صبر کر رہی تھیں اچھا بھلا بجٹ آؤٹ ہو چکا تھا مگر یہی سوچ رہی تھیں کہ ایک دن عقل آ ہی جائے گی ایک دو دفعہ تو انہوں نے اچھا بھلا ڈرایا بھی کہ اگر پکڑی گئی تو کالے چور والی حالت ہو گی مگر وہیں سونیا کی بلیک میلنگ شروع ہو جاتی۔ آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو آ جاتے اور کہیں نہ شادی کرنے کی دھمکی دی جاتی۔

دوسری طرف ثروت بھی بجٹ کے آؤٹ ہو جانے کی وجہ سے کافی پریشان تھیں کمیٹی کے پیسے بھی کافی کھانے پکانے میں ہی لگ رہے تھے۔ ثروت کو کنگ میں کافی ماہر تھیں ہاتھ میں ذائقہ بھی کافی تھا ان کو سامنے والوں کے گھر بھجوانے کے لیے کوئی ڈش بھی بازار سے نہ منگوانی پڑتی۔ مگر آئے روز نئے اور مزے دار کھانا بنانے کے لیے کافی خرچا ہوتا پھر جو بناتیں وہ پورے گھر کے لیے بنانا پڑتا مگر ابھی تک ثروت کو کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ جب بھی ثروت کچھ لے کر ان کے گھر جاتیں زیادہ تر تو فردوس گھر میں نہ ملتی اور اگر ہوتیں تو کہیں جانے کے لیے نکل رہی ہوتیں

۔ثروت تو بڑے موڈ سے جاتیں کہ لمبی گپ شپ کریں گی اور سونیا کا بھانڈا بھی پھوڑیں گی کہ اسے تو کھانا پکانا بھی نہیں آتا اور شہناز تو اتنا برا کھانا پکاتی ہے کہ محلہ میں سب مذاق کرتے تھے کہ شہناز کے کھانوں سے ڈر کے ہی تو افضل کویت بھاگا ہے مگر قسمت سے ثروت کو دل کے پھپھولے پھوڑنے کا موقع ہی نہیں ملتا تھا۔

☼ ☼ ☼

رحمتوں کے موسم رمضان کی آمد تھی بس دو تین دن میں ہی ماہ رمضان کا آغاز ہو جانا تھا۔ گرمی پورے عروج پر تھی سونیا کسلمندی سے صوفہ پر لیٹی ہوئی ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ بیل کی آواز سن کر دروازہ کھولا تو سامنے فردوس کھڑی تھیں۔ سونیا نے جلدی سے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیری جیسے اس سے بڑا خوش اخلاق کوئی نہیں ہے فردوس اندر لاؤنج میں گئیں شہناز سے سلام دعا کے بعد بولیں۔

"اصل میں مجھے سونیا بیٹی کی مدد چاہیے تھی اگر آپ برا نہ مانیں تو سونیا ذرا میرے بیٹے کے ساتھ مارکیٹ چلی جائے وہ ایسا ہے کہ میرے گھٹنوں میں بہت درد ہے میں شاپنگ مال میں اتنا چل نہیں سکتی ہوں۔ رمضان کی آمد ہے ساری گروسری لے کر آنی ہے۔ میرا خانساماں پہلے روزے تک پہنچ جائے گا اس کے آنے سے پہلے مجھے گروسری مکمل کرنی ہے دوسرے روزے والے دن میرے خاندان کی اور آپ محلے والوں کی افطاری ہے میرے گھر میں آپ کو اس کی دعوت پر بھی مدعو کرنے آئی تھی۔"

شہناز کے ہاں یا نا بولنے سے پہلے ہی سونیا تیار ہونے چلی گئی تھی کوئی بھی جوڑا سونیا کو پسند نہیں آرہا تھا۔ سونیا چاہ رہی تھی کہ ایسا تیار ہو کے جائے فردوس آنٹی کا بیٹا پوری طرح سے چت ہو جائے۔ کافی دیر سوچنے کے بعد سونیا نے طاہر ماموں کے ولیمہ والا جوڑا نکالا۔ شہناز جب اس کے کمرے میں آئیں تو وہ شاکنگ پنک کامدانی جوڑا پہنے کانوں میں بڑے بڑے جھمکے ڈالے ڈارک میک اپ کے ساتھ لمبی ہیل والی سینڈل پہن رہی تھی۔ شہناز ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولیں۔

"سونی لگتا ہے تیری مت وج گئی ہے انہوں نے ولیمہ پر نہیں بلایا گروسری لینے جانا ہے آسان لفظوں میں سمجھاؤں تو گھر کا سودا سلف صابن دال لینے جانا ہے۔" سونیا نے چمکتے ہوئے میچنگ پرس پکڑتے ہوئے کہا۔

"میری پیاری امی میں ایسا تیار ہو کر جانا چاہ رہی ہوں کہ آنٹی کا بیٹا فوراً مجھ پر عاشق ہو جائے اور آپ کو یاد ہے ناں میں نے طاہر ماموں کی شادی پر جب یہ سب پہنا تھا تو سب نے کتنی تعریف کی تھی اور آپ نے بھی تو نظر اتاری تھی میری۔"

"سونیا وہ شادی تھی اب تم شکر دوپہرے دال صابن لینے جا رہی ہو بڑا فرق ہے دونوں میں اس وقت تو تم کسی میلے میں سجا ہوا رنگ برنگی بوتلوں کا اسٹال لگ رہی ہو۔" شہناز اس کو سمجھاتے ہوئے بولیں۔ سونیا دوپٹا درست کرتے ہوئے بولی۔

"اوہو امی آپ نے کیا دال صابن کی رٹ لگائی ہوئی ہے میں بہت بڑی کیش اینڈ کیری میں جا رہی ہوں جہاں شہر کی کریم آتی ہے۔" شہناز تنگ کر بولیں۔

"لینے تو دال صابن ہی آتے ہیں ناں میں نے اپنی زندگی میں تم جیسا بدھو نہیں دیکھا اللہ پاک تم کو نیک ہدایت دے۔" شہناز تھکے ہوئے انداز میں بیٹھتے ہوئے بولیں "میرا دل تو نہیں چاہ رہا تھا کہ تم کو انجان لوگوں کے ساتھ بھیجوں مگر ہمیشہ کی طرح تمہارے ضدی اور اڑیل پن کے ہاتھوں مجبور ہو گئی ہوں۔"

☼ ☼ ☼

ثروت کی رکشے سے سامان اتارتے ہوئے جو سامنے نظر پڑی تو دل دھک سے رہ گیا سامنے ہی سونیا فردوس کے بیٹے کے ساتھ سج سنور کے گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جا رہی تھی فوراً سے سامان لے کر اندر آئیں اور مریم کو آواز دے کر بولیں۔

"دیکھا کیسے زمانہ چال قیامت کی چل گیا اور ہم ابھی تک وہیں بیٹھے رہ گئے ایسی چلتر ماں بیٹیاں ہیں کہ بازاری کھانے کھلا کھلا کر ماں بیٹے کو قابو میں کر لیا اور منگنی بھی کروالی ابھی ابھی میں نے دیکھا ہے دلہن کی طرح سج کر جا رہی تھی۔" مریم ہنستے ہوئے بولی۔

"ابو بالکل ٹھیک کہتے ہیں آپ معمولی سی بات کو اپنی مرضی کا رنگ دے کر کیا سے کیا بنا دیتی ہیں سونیا تو بس ان کے بیٹے کے ساتھ مارکیٹ تک گئی ہے آپ کے پیچھے فردوس آنٹی آئی تھیں کہ میں بھی ان کے بیٹے اور سونیا کے ساتھ چلی جاؤں مگر ایک تو میرا ٹیسٹ ہے اور دوسرا مجھ کو بالکل بھی اچھا نہیں لگا کہ میں ایک انجان آدمی کے ساتھ جاؤں۔" ثروت نے یہ سنا تو ان کا پارہ آسمان پر جا پہنچا زور سے گلاس اٹھا کر زمین پر دے مارا۔ سدرہ اور عمر نے جب ماں کا غصہ دیکھا تو اپنی اپنی کتابیں اٹھا کر بھاگ نکلے پیچھے مریم اکیلی رہ گئی۔ ثروت کا بس نہیں چل رہا تھا کہ مریم کو دانتوں کے نیچے ہی پیس دیں۔

"غضب خدا کا پائی پائی جو میں نے جوڑی تھی وہ بھی لگا دی۔ کمیٹی نکلی اس کو بھی لگا دیا کہ تمہارا مستقبل بن جائے مگر تم کو باپ کی طرح ماں کی پروا کہاں ہے' اچھا بھلا گھر آیا سنہرا موقع گنوا دیا۔" ثروت غصے میں جو منہ میں آیا بولتے چلے جا رہی تھیں' مریم سر جھکا کر خاموشی سے ماں کی ڈانٹ سن رہی تھی۔ ثروت ذرا سانس لینے کو خاموش ہوئیں تو مریم باریک آواز میں بولی۔

"امی وہ آنٹی نے دعوت دی ہے دوسرے روز کو ان کے گھر میں افطاری ہے۔"

"کیا۔" ثروت جھٹکے سے بولیں بے وقوف اتنی دیر سے تم کو نگے کا گڑ کھا کر بیٹھی ہو جو سب سے اہم بات تھی وہ اب بتا رہی ہو۔ اٹھو جلدی سے بازار چلیں تم کو ایک اسٹائلش سا جوڑا لے کر دوں اور وہاں وہ پارلر جا کر بالوں اور منہ کا حلیہ بھی درست کر و اب اٹھ چکو کہ اٹھاؤں جوتا۔" مریم فوراً" سے اٹھ کر تیار ہونے چلی گئی اور ثروت پھر سرا ہاتھ آجانے پر تانے بانے بننے لگیں۔

☆ ☆ ☆

تین گھنٹے کے بعد سونیا کی واپسی ہوئی گئی تو گلزار بن کر تھی مگر واپس ریگ زار بن کر آئی۔ بلوڈرائے کیے ہوئے بال کو بری طرح سے پلٹا گیا تھا کہ چڑیا کا گھونسلا بن گئے تھے۔ بال اور کپڑے پسینے سے تر بتر' رونے اور بار بار صاف کرنے کی وجہ سے لائنر آنکھوں اور گالوں میں پھیل چکا تھا۔ سینڈل ہاتھ میں پکڑے ہوئے تھے عجیب ہونق لگ رہی تھی۔ شہناز کا کلیجہ تو دھک سے رہ گیا "اللہ سونی کیا ہوا ہے تجھے۔"

سونیا نے زور سے سینڈل اٹھا کر زمین پر اور پرس میز پر دے مارا اور صوفہ پر بیٹھ کر بھاں بھاں کر کے رونے لگی "امی مجھے نہیں کرنی اس جاہل گنوار بدتمیز الو سے شادی" آپ کو پتا ہے جیسا نظر آتا ہے ہینڈسم اس کے برعکس چالاک ہوشیار عیار اور مکار ہے۔ حالانکہ میں کتنی اچھی لگ رہی تھی پھر بھی مجھے کہتا ہے کیا آپ ہر وقت اسی طرح گولا گنڈا بنی رہتی ہیں پھر میں نے ادا سے ایک دو دفعہ سر کو کیا جھٹکا دیا فوراً" گاڑی روک دی اور مجھے بولا کہ برائے مہربانی پیچھے جا کر بیٹھیں کیوں کہ آپ کے بھینسوں کی طرح سر ہلانے سے میں ڈسٹرب ہو رہا ہوں اور تب تک گاڑی نہ چلائی جب تک میں پیچھے جا کر نہ بیٹھ گئی۔ مجھ سے ایک دفعہ بھی نہ پوچھا اور خود دو جوس کے ٹن ڈکار گیا بھلا میں خود مانگتی تو نہ دیتی نہ لگتی۔ میں نے بھی اسٹائلش لڑکیوں کی طرح شو کیا کہ میں کتنی ڈائٹ کانشس ہوں مگر تہذیب بھی تو کوئی چیز ہوتی ہے "اس نے ایک دفعہ بھی سوکھے منہ نہ پوچھا۔ امی ابھی تک تو میں صبر کر رہی تھی کہ اس پر میرے حسن کا جادو چل جائے گا مگر حد ہو گئی میری سینڈل کی ہیل ٹوٹ گئی تو میری مدد کرنے کے بجائے بے نیازی سے چلتا رہا اور میں پورے مال میں کبھی ٹوٹا جوتا پہن کر اور کبھی ننگے پاؤں چل رہی تھی اور لوگ مجھے دیکھ دیکھ کر ہنس رہے تھے اور خود ہنس کر کہتا ہے کہ میں اس حلیے اور ٹوٹے ہوئے جوتے کے

ساتھ سرکس میں داخلہ لے لوں تو وہ سرکس لاکھوں کا بزنس تو ضرور کرے گی اور واپسی پر اس نے کیا ظلم کیا اے سی بند کر دیا کیوں کہ اس نے جم جانا تھا اور وہ چاہتا تھا کہ اس کو اچھی طرح سے پسینہ آجائے۔ اس کو کیا پسینہ آتا میری حالت بری ہو گئی تھی ایک تو چلچلاتی دھوپ اوپر سے بھاری کامدانی سوٹ مجھے لگ رہا تھا کہ توے پر بیٹھی ہوں۔ مجھے نہیں کرنی اس کمینے اور خبیث سے شادی بھاڑ میں جائیں سامنے والے کرائے دار، اللہ جانے مجھ سے کس دشمنی کا بدلہ لیا ہے۔" اور پھر سے بھاں بھاں کر کے رونے لگی شہناز زیر لب ہنس رہی تھیں کھل کے وہ سونیا کے سامنے ہنس نہیں سکتی تھیں مسکراتے ہوئے بولیں۔

"شکر ہے کہ تمہارے سر سے سامنے والے سے شادی کرنے کا بھوت تو اترا۔" مگر یہ شہناز کی خام خیالی تھی کیونکہ سونیا آنسو بہاتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی بچو بلال شادی تو تمہارے ساتھ ہی کروں گی اور شادی کے بعد تمہاری ایسی حالت کر دوں گی کہ دماغ ٹھکانے آجائے گا۔

☆ ☆ ☆

آج دوسرا روزہ تھا سحری سے ہی ثروت بڑی پرجوش تھیں ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ صبح دس بجے ہی سامنے والوں کے گھر پہنچ جائیں مگر بچوں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور روزہ کھلنے سے صرف آدھا گھنٹہ پہلے ہی وہاں پر گئیں پوری سڑک بڑی گاڑیوں سے بھری ہوئی تھی۔ فردوس کے کافی سارے رشتے دار اور دوست احباب آئے ہوئے تھے ثروت کی آنکھیں تو عورتوں کے کپڑے اور جیولری دیکھ کر پھٹی جا رہی تھیں۔ وہ ہر چیز سے بری طرح متاثر ہو رہی تھیں محلے کی کچھ اور فیملیز بھی مدعو تھیں شہناز اور سونیا بھی آچکی تھیں۔ ثروت اور شہناز نے دور دور سے ہی ایک دوسرے کو سلام کیا ثروت تو اپنی پڑوسن اسمارہ کے ساتھ جا کر بیٹھ گئیں البتہ سدرہ اور مریم شہناز اور سونیا کے ساتھ ایک ہی میز پر جا کر بیٹھیں۔ فردوس بھی آ کر محلے والوں سے پرتپاک انداز میں ملیں اتنے میں روزہ کھلنے کا سائرن بجا تو ہر طرف تیزی مچ گئی مگر افراتفری نہ ہوئی کیونکہ بیرے اور نوکر مستعدی سے ڈشز لوگوں کی ٹیبل پر لا رہے تھے افطاری کی کچھ چیزیں ان کے خانساماں نے گھر میں بنائی تھیں اور کچھ بازار سے آئی تھیں مگر کھانے کے لیے سب سے اچھی جگہ سے کیٹرنگ کروائی گئی تھی۔ ثروت اور سونیا ایک جیسی کیفیت میں گھری ہوئی تھیں بلکہ سونیا تو سوچ رہی خواہ مخواہ ہی اس دن غصے میں امی کے سامنے الٹی سیدھی بکواس کر دی۔ شادی تو اسی گھر میں کرنی ہے سونیا آج احتیاطاً "سادہ حلیہ میں آئی تھی کہ کہیں وہ بلال کا بچہ پھر اسے دیکھ کر مذاق نہ بنائے لان کا اسٹائلش سا جوڑا آنکھوں میں مسکارا اور ہونٹوں پر لپ اسٹک اس کے علاوہ چہرے پر فردوس کو متاثر کرنے کے لیے مصنوعی مسکراہٹ سجے بلال کو لے کر سونیا کی میز پر آئے اس وقت وہاں سے شہناز اٹھ چکی تھیں ٹیبل پر مریم سونیا اور سدرہ تھیں۔ سجے بلال سے بولے۔

"ماموں ہم آپ کو سرکس والی آنٹی سے ملواتے ہیں آپ کو پتا ہے یہ بینچ کے اوپر سے الٹی قلابازی لگا لیتی ہیں۔" بلال قہقہہ لگا کر ہنسا۔

"ارے یہ تو کچھ نہیں بچو یہ تو ایک پاؤں بغیر جوتے کے اور دوسرے میں چھ انچ ہیل پہن کر بھی چل لیتی ہیں۔"

سونیا نے جل کر سوچا فتنے منہ ان ماموں بھانجوں کا میرے پیچھے ہی پڑ گئے ہیں ایک دفعہ شادی ہو لینے دو سب کا دماغ درست کر دوں گی۔ سجے سونیا سے بولے۔

"آنٹی آئیں ہم آپ کو اپنے دوستوں سے ملاتے ہیں سونیا کے لیے موقع اچھا تھا بلال کے سامنے سے ہٹنے کا کوئی پتا نہیں پھر سے مریم کے سامنے اس کا مذاق بنا دیتا وہ فوراً" بچوں سے ملنے کا کہہ کر اٹھ گئی۔ بلال نے مریم سے پوچھا "آپ کیا کرتی ہیں۔"

مریم بولی "میں بی ایس سی کر رہی ہوں۔"

"ویری گڈ۔" بلال نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے۔

مریم نے گھبراتے ہوئے کہا "اپلائیڈ سائیکالوجی میں ماسٹرز کرنا چاہتی ہوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔"

"ویسے ہی جنرل نالج کے لیے اصل میں امی بتا رہی تھیں کے آپ کافی لائق ہیں اور ہر کلاس میں پوزیشن لیتی ہیں میں نے سوچا دیکھوں تو صحیح میری ٹکر کی کون ہے کیونکہ مابدولت بھی شاندار تعلیمی ریکارڈ رکھتے ہیں۔" ثروت دور سے یہ منظر دیکھ کر خوشی سے نہال ہو رہی تھیں ان کو لگ رہا تھا کہ ان کو ان کی محنت کا پھل ملنے لگا ہے۔

☆ ☆ ☆

ثروت اور سونیا کی دل سے مانگی گئی دعاؤں کو قبولیت کی سند مل گئی۔ انیسویں روزے فردوس اپنی بیٹی کے ساتھ مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے لے کر پہلے شہناز کی طرف گئیں اور اپنے بیٹے سلطان کے لیے سونیا کا ہاتھ مانگا۔ شہناز خوشی کی کیفیت میں بولیں "آپ کے بیٹے کا نام تو بلال ہے۔"

فردوس ہنس کر بولیں میں نے آپ کو بتایا تو تھا میرے دو بیٹے ہیں بڑا والا سلطان ہی سارا کاروبار سنبھالتا ہے کبھی پاکستان میں ہوتا ہے تو کبھی دبئی میں مگر آپ فکر نہ کریں بیوی اس کے ساتھ ہی رہے گی جہاں وہ ہو گا۔" شہناز بڑے سلیقے سے بولیں۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے مگر آپ کا وہ بیٹا تو دیکھا ہی نہیں ہے ہمیں کیا پتا وہ کون ہے؟ کیا کرتا ہے؟ کیسا ہے؟" فردوس بولیں۔

میں آپ کو اس کی تصاویر دکھاؤں گی اور آپ اسکائپ پر اس سے بات چیت بھی کر لیجیے گا اور جیسی مرضی تحقیقات آپ کروانا چاہیں ضرور کروائیں یہ آپ کا حق ہے اور اگر آپ کو رشتہ منظور نہیں تو آپ انکار بھی کر سکتی ہیں میں آپ کو دبئی والے گھر اور آفس کا نمبر بھی دے دیتی ہوں۔ اصل میں سونیا میں وہ ساری خوبیاں موجود ہیں جو میرا بیٹا چاہتا ہے وہ کھانے کا بے حد شوقین ہے اور سونیا تو اتنا مزے دار کھانا بناتی ہے کہ لگتا ہے کہ ہوٹل کا ہے جس طرح سے وہ سجتی

اور سنورتی ہے میرے بیٹے کو بالکل ایسی لڑکیاں ہی پسند ہیں، میں نے اسے بہت سی لڑکیاں دکھائی ہیں لیکن اس کو کوئی پسند نہیں آئی۔ مگر سونیا کے لیے تو اس نے دیکھے بنا ہی ہاں کر دی ہے آپ اسکائپ پر اس سے ملاقات کر لیں میں چاہتی ہوں کہ آپ ایک دفعہ اسے دیکھ لیں میرا تو بیٹا ہے مجھے تو بہت اچھا لگتا ہے آپ اس سے مل کر پھر فیصلہ کریں۔"

سونیا مسلسل دروازے کی اوٹ میں کھڑی ہو کر ماں کو اشارے کرتی رہی جیسے ہی فردوس اٹھ کر گئیں سونیا نے کمرے میں آ کر خوشی میں بھنگڑے ڈالنے شروع کر دیے۔ شہناز نے اسے ٹوکا۔

"سونیا ابھی اتنی خوش ہونے کی ضرورت نہیں ہے بیٹا ابھی۔ پہلے میں تمہارے ابو کو بتاؤں گی لڑکے کو دیکھوں گی ہم تحقیقات کروائیں گے خاندان کے بزرگوں سے مشورہ کریں گے پھر فیصلہ ہو گا۔" سونیا باقاعدہ لڑنے والے انداز میں دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر ماں کے سامنے آ گئی۔

"خبردار امی جو آپ لوگوں نے تحقیقات کے نام پر اتنا اچھا رشتہ ٹھکرایا آپ کو پتا ہے ناں میں نے کتنی محنت کی ہے اس رشتے کو پانے کے لیے ارے امی کیا برائی ہو گی اس لڑکے میں بلال کا بڑا بھائی ہے تو اس کی طرح ہینڈسم ہی ہو گا ناں اور پھر فردوس آنٹی کا بیٹا ہے دیکھا نہیں ہے آپ کتنی لونگ آنٹی ہیں اور پھر اس دن افطاری میں ان کا سارا خاندان بھی آپ نے دیکھا ہے ان کو کوئی رشتوں کی کمی ہو گی بھلا۔ مجھے سب پسند ہے اور سب منظور ہے لڑکا کالا بھی ہو تو کوئی بات نہیں میں نے شادی اس گھر میں کرنی ہے۔" شہناز نے سر پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"میں نے تجھ جیسا بے وقوف نہیں دیکھا ارے چار مہینے ہی تو ہوئے ہیں ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے ہمیں کیا پتا پیچھے سے کیسے لوگ ہیں تمہارے ابو کو بتائے بغیر میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی میں ان کو بتاؤں گی وہ دوستوں کے ذریعے معلومات کروائیں ان کو رشتہ پسند آئے گا تو ہی بات آگے چلے گی۔ سونیا بولی۔

"اچھا ٹھیک ان کے گھر بار اور کاروبار کے سلسلے میں پوچھ گچھ کروالیں مگر آپ لڑکا دیکھنے پر اصرار نہیں کریں گی کیا پتا آپ کی اس فرمائش پر آنٹی ناراض ہو کر رشتہ واپس لے لیں۔"

"اللہ تمہیں نیک ہدایت دے۔" شہناز نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر پکڑ لیا۔

شہناز کے گھر سے اٹھ کر فردوس اپنی بیٹی اور مٹھائی کے ساتھ ثروت کے گھر گئیں اور اپنے بیٹے بلال کے لیے مریم کا رشتہ مانگا۔ ثروت پر تو شادی مرگ سی کیفیت طاری ہو گئی خوشی کے مارے ان کے آنسو نکل آئے کہ کیسے اللہ تعالیٰ نے اس رمضان ان کی مانگی گئی دعاؤں کو پورا کر دیا۔ اسی بات چیت کے دوران ثروت کے میاں حامد بھی آگئے تو فردوس بولیں۔

"بھائی صاحب میں اپنے بیٹے بلال کے متعلق ایک اہم بات آپ دونوں کو بتانا چاہوں گی مگر اپنے شوہر کے سامنے تاکہ آپ لوگوں کے لیے فیصلہ کرنے میں آسانی ہو۔ وہ بات کچھ ایسی ہے کہ میں چاہتی ہوں کہ میرے شوہر اور آپ دونوں موجود ہوں برائے مہربانی آپ لوگ شام میرے گھر آجائیں تاکہ اسکائپ پر بلال کے ابو اور آپ لوگ آمنے سامنے بات کر سکیں۔"

حامد صاحب کے بولنے سے پہلے ہی ثروت بول پڑیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں اتنا شریف اور معزز گھرانہ ہے آپ کا آپ کے ساتھ رشتہ داری کرنا تو ہمارے لیے خوشی کی بات ہے ہمیں آپ کا بیٹا ہر حالت منظور ہے۔" حامد صاحب نے ثروت کو گھور کر دیکھا تو وہ خاموش ہو گئیں وہ بولے۔

"بہن مجھے لگ رہا ہے کہ کوئی بہت اہم بات ہے میں اور ثروت روزہ کھولنے کے بعد آپ کے گھر آئیں گے۔" فردوس کے جاتے ہی ثروت غصے میں حامد صاحب سے بولیں۔

"خبردار جو آپ نے قدم گھر سے باہر نکالا اتنا بہترین رشتہ میں آپ کی فضول انکوائری میں ضائع نہیں کر سکتی۔ ارے آپ تو اس دن ان کے گھر دعوت پر نہیں گئے، جاتے تو دیکھتے کہ سارے شہر کے معزز لوگ وہاں موجود تھے۔ یہ بڑی بڑی گاڑیاں دروازے پر موجود تھیں۔ نوکر چاکر سب کچھ ہے ان کے پاس ان کو کوئی رشتوں کی کمی ہے ایک ڈھونڈیں گے ہزار ملیں گے ان کو۔ مجھے ان کا لڑکا ہر حالت میں قبول ہے کیا برائی ہو گی اس میں پہلے سے شادی شدہ ہو گا نشہ کرتا ہو گا ارے کسی لڑکی کا چکر ہو گا آوارہ ہو گا جو بھی ہو مجھے مریم کا رشتہ بس یہاں پر ہی کرنا ہے۔" اب کی دفعہ حامد صاحب بھڑک کر بولے۔

"او بے وقوف عورت گاڑیاں اور بنگلے دیکھ بیٹیوں کے رشتے نہیں کیے جاتے تمہارے لیے بوجھ ہو گی مریم جو کسی بھی آوارہ اور نشئی کے ساتھ باندھنے کے لیے تیار ہو میری پیاری بیٹی ہے وہ کان کھول کر سن لو۔ میں وہاں جاؤں گا اور ذرا سا بھی معاملہ مجھے مشکوک لگا تو میں اسی وقت رشتے سے انکار کر دوں گا۔"

حامد صاحب جانے کے بعد ثروت جلے پیر کی بلی کی طرح گھومے جا رہی تھیں کبھی کھڑکی میں جا کر کھڑی ہو جاتیں جہاں سے ان کا گھر نظر آتا تھا اور کبھی دعا مانگنا شروع کر دیتیں۔

اتنے میں حامد صاحب بھی آگئے۔ ثروت تو انہیں دیکھتے ہی ان کے پیچھے پڑ گئیں "کر آئے نا رشتے سے انکار، ہو گئی تسلی آپ کی۔"

حامد ہنستے ہوئے صوفے پر بیٹھ کر بولے "تم تو ہمیشہ آتے ساتھ ہی فائر کھول دیتی ہو میں رشتہ پکا کر کے آیا ہوں۔ جو بات انہوں نے بتائی ہے وہ ہے تو بہت اہم لیکن میں میرے نزدیک اس کی اہمیت نہیں ہے۔ اچھی سی چائے بنواؤ اور مریم کو بھی بلاؤ تاکہ وہ بھی اپنی زندگی کے سب سے اہم فیصلے کے متعلق جان لے۔" ثروت فوراً سے اٹھ گئیں اور بولیں۔

"مجھے کوئی شوق نہیں ہے آپ کے قصے کہانی سننے میں، میں تو چلی شکرانے کے نفل ادا کرنے میرے لیے یہی بہت ہے کہ آپ رشتے سے انکار کر کے نہیں آئے۔" حامد صاحب نے پیچھے سے آواز دی۔

"بعد میں مت کہنا کہ مجھے بتایا نہیں تھا۔" مگر ثروت سرہلاتے ہوئے وہاں سے چلی گئیں حامد نے عمر

سے کہا کہ وہ مریم کو ان کے کمرے میں بھیجے۔

☼ ☼ ☼

رشتوں کے سلسلے میں ضروری تحقیقات کروانے کے بعد دونوں گھرانوں نے فردوس کو گرین سگنل دے دیا۔ شہناز کے میاں افضل نے بھی چھٹی لے کر اٹھائیس روزے تک پہنچ جانا تھا۔ تینوں گھرانوں میں منگنی کی تیاریاں عروج پر تھیں اس موقع پر ثروت اور شہناز کے درمیان جمی ہوئی سرد مہری کی برف بھی پگھلنی شروع ہو چکی تھی منگنی کے لیے عید کا دن رکھا گیا تھا اور منگنی فردوس کے نئے ڈیفنس والے گھر میں ہو رہی تھی اس طرح سے منگنی بھی ہو جائے گی اور ہاؤس وارمنگ پارٹی بھی۔

فردوس نے مریم اور سونیا کو ساتھ لے جا کر اپنی پسند کی شاپنگ کروائی۔ چاند رات کو مہندی والی کو گھر بلا کر دونوں کو ہاتھوں پیروں پر اچھی سی مہندی لگوائی۔ ہر شخص اپنے ارماں اور شوق پورے کر رہا تھا۔ شہناز اور افضل کی تو ایک ہی بیٹی تھی مگر سب سے زیادہ خوش اور پر جوش تو سونیا اور ثروت تھیں۔ عید والے دن صبح ہی سے گہما گہمی اور افراتفری عروج پر تھی پارلر والی نے آ کر دونوں دلہنوں کو سجایا تھا۔ سونیا نے کرے اور پرپل کلر کی پشواز پہنی تھی اور مریم نے پیچ اور میرون کلر کی ۔دونوں ہی بہت خوب صورت لگ رہی تھیں۔ سب ٹھیک تھا مگر سونیا کا ہونے والا دولہا ابھی تک نہیں پہنچ سکا تھا کیوں کہ فلائٹ لیٹ تھی اور دولہا صاحب دوپہر کو پہنچ کر تیار ہونے پارلر چلے گئے تھے۔ تمام رشتے دار آ چکے تھے جیسے سلطان تیار ہو کر آئے منگنی کی رسم کے لیے دونوں دلہنوں کو اسٹیج میں لا کے بٹھایا گیا۔

سلطان تمام رشتے داروں سے ملتے ہوئے آ کر سونیا کے ساتھ والے صوفے پر دھپ سے بیٹھا تو سارا اسٹیج ہل گیا سونیا نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے بلکہ ساتھ میں طوطے چڑیا بھی اڑ گئے سلطان نے مسکراتے ہوئے اسے سلام کیا اور بولا۔

"آپ کے متعلق جو سنا تھا آپ تو اس سے بھی زیادہ خوب صورت ہیں۔" مگر سونیا کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیونکہ اس کے ساتھ والے صوفے پر گوشت کا ایک پہاڑ بیٹھا ہوا تھا۔ وہ تو سمجھتی تھی کہ سلطان بھی بلال کی طرح ہینڈسم ہو گا۔ مگر اس کے اندر سے تو دو تین بلال نکل سکتے تھے۔ سونیا کو کچھ پتا نہیں چلا کب رسم ہوئی اور مبارک سلامت کا شور اٹھا اس پر تو سکتہ طاری ہو چکا تھا سلطان خوب چہک رہا تھا اور کزنز کے مذاق کا جواب بھی دے رہا تھا اس کے ہنسنے سے صوفہ ہل پڑتا تو سونیا کا دل کرتا کہ دھاڑیں مار کر رونا شروع کر دے۔

ثروت رسم ہو جانے کے بعد ایک کرسی پر بیٹھ گئیں ان دس دنوں میں منگنی کی تیاریوں میں تھک گئی تھیں۔ اسٹیج پر مریم اور بلال کی جوڑی کو تمام لوگ رشک کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے وہ بھی یہ دیکھ کر فخر محسوس کر رہی تھیں کہ ان سے اگلے صوفے پر فردوس کی بہن اور ان کی نند بیٹھ کر باتیں کر رہی تھیں "فردوس باجی جیسا بندہ تو کبھی کبھی اس دنیا میں آتا ہے ڈرائیور کا بیٹا تھا بلال۔ چھ ماہ کا تھا جب اس کے ماں باپ کا انتقال ہوا کوئی رشتہ دار بھی اس یتیم بچے کی ذمہ داری نہیں اٹھانا چاہتا تھا مگر فردوس باجی نے یتیم بچے کو گود لیا اور بالکل اپنے بچوں کی طرح پالا کوئی بھی باہر کا بندہ یہ نہیں بول سکتا کہ بلال ان کا بیٹا نہیں ہے۔ ابھی بھی دیکھ لو اپنے بیٹے کے برابر ہی اس کی منگنی کی ہے۔" یہ سن کر ثروت کا دماغ بری طرح سے چکرا گیا ان کو لگا جیسے ان کو کسی نے آسمان سے دھکا دے دیا ہے۔

پورے فنکشن میں ہر کوئی خوش تھا۔ سوائے سونیا اور ثروت کے دونوں اپنے اوپر ضبط کے بندھن باندھ کر بیٹھی رہیں مگر گھر جا کر ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ ثروت تو رونے والی ہو کر حامد صاحب کے پیچھے پڑ گئیں۔

"آپ کو ذرا شرم نہ آئی ڈرائیور کے بیٹے سے میری بیٹی کی منگنی کروادی۔"

حامد صاحب بولے "میری بات ٹھنڈے دماغ سے

سنو اس وقت بھی تم نے اپنی جلد بازی دکھائی تھی میں تو تم کو بتانا چاہتا تھا مگر تم کچھ بھی سننے کے موڈ میں نہیں تھیں۔ دوسری بات ڈرائیور کا بیٹا ہے تو پھر کیا' وہ قابل اور لائق بچہ ہے بہت سمجھ دار ہے پھر فردوس صاحبہ نے اسے اپنے بیٹے کی طرح پالا اور تربیت کی اور اسے اپنا بیٹا سمجھتی میں ان کے میاں نے یہ ڈیفنس والا گھر تینوں بچوں کے نام کیا ہے اور اس بچے کا مستقبل بہت روشن ہے میں اس لیے رشتے سے انکار نہیں کر سکتا تھا کہ وہ لے پالک ہے مریم میری پیاری بیٹی ہے اور اس کے مستقبل کی مجھے سب سے زیادہ فکر ہے تم دیکھنا یہ فیصلہ بہت مبارک ثابت ہو گا اور اس لڑکے کے باپ کا گاؤں میں گھر بھی ہے اور تھوڑی سی زمین بھی ہے تم پریشان مت ہو۔" مگر یہ سن کر ثروت تو رونے لگ گئیں حامد وہاں سے اٹھ گئے کہ کوئی فائدہ نہیں ثروت بیگم کو سمجھانے کا۔

شہناز بیٹی کی دلی کیفیت سے واقف تھیں جب سونیا خوب رو چکی تو وہ اس کے کمرے میں آئیں اور بولیں۔

"رشتہ ہونے سے پہلے بھی تم نے میری ایک نہ سنی اب بھی رو رو کے مجھے پریشان کر رہی ہو۔ یاد ہے اس وقت کیسے دھمکی دی تھی مجھے کہ آپ لڑکے کو نہیں دیکھیں گی۔ اب کیوں رو رہی ہو غلطی تمہاری اپنی ہے۔" سونیا بھاں بھاں روتے ہوئے بولی۔

مجھے کیا پتا تھا امی کہ وہ ہاتھی کا بچہ نکلے گا۔ میں تو سمجھتی رہی تھی کہ بلال کی طرح ہو گا۔ ہائے اللہ امی شادی کے بعد تو لوگ اور بھی موٹے ہو جاتے ہیں یہ کدو تو پورا ہاتھی بن جائے گا۔"

"سونیا میری پیاری بیٹی۔" شہناز اسے پچکارتے ہوئے بولیں۔ "چپ ہو جاؤ انسان کو تمام چیزیں ایک دفعہ میں ہی نہیں مل جاتی ہیں کچھ کمی تو رہ جاتی ہے جیسا سسرال وہ ٹھاٹ باٹ تم چاہتی تھی تم کو ملا ہے اور میری یہ بات تم لکھ کر رکھ لو شادی کے بعد سال کے اندر اندر ہی سلطان پتلا ہو جائے گا۔

سونیا حیرانگی سے بولی "وہ کیسے۔" تو شہناز ہنسیں۔ "تم کو تو کھانا ہی پکانا نہیں آتا ہے جب تمہارے ہاتھوں کے پکے ہوئے بدذائقہ کھانے کھائے گا اور زیادہ تر کھائے گا ہی نہیں تو دیکھنا کیسے اس کا وزن کم ہوتا ہے۔"

باہر چاند اپنی ٹھنڈی روشنی بکھیر رہا تھا اور یہاں سونیا اور ثروت کا دماغ پھر سے تانے بانے بننے لگا تھا۔

☆ ☆

سوالات یہ ہیں

1- آپ کیا سمجھتی ہیں کھانے کے لیے جیا جاتا ہے یا جینے کے لیے کھایا جاتا ہے؟
2- گھر کے کام کاج خصوصاً کچن میں آپ کی دلچسپی کس حد تک ہے یا پڑھنے کا شوق آپ کو ان بکھیڑوں سے دور رکھتا ہے؟
3- ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ کھانا مزے دار ہی پکے، کبھی کبھی نتائج برعکس بھی ہوتے ہیں۔ ایسے میں کھانے والوں کے کیا تبصرے ہوتے ہیں؟
4- کون سی رائٹر کو پڑھتے وقت کھانا دھواں ہوا۔ اس سے متعلق کوئی یادگار واقعہ؟
5- عام طور پر کہا جاتا ہے کہ "ان" کے دل میں اترنے کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔ آپ اس خیال سے کہاں تک اتفاق کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں کوئی تجربہ ہو تو "مختصراً" احوال لکھیں۔
6- لوگ آپ سے زیادہ تر کس ڈش کی فرمائش کرتے ہیں؟ آپ ہمیں اس ڈش کی ترکیب بتائیں۔
7- پہلی ڈش کون سی بنائی اور گھر والوں کے کیا تبصرے تھے، اس ڈش پر؟
8- کون سی ڈش کو دیکھ کر آپ کے والد، بھائی یا شوہر کو غصہ آ جاتا ہے اور پھر ان کا کیا ردعمل ہوتا ہے؟
9- گھر والوں کی پسند کی کوئی ایسی ڈش جو آپ کو پکانا گوارا گزرتی ہے؟
10- ایسے کون سے آپ کے رشتے دار یا ہزبینڈ کے دوست احباب ہیں۔ جن کی خاطر تواضع کے لیے کچن میں جانا آپ کے لیے سخت ناپسندیدگی کا باعث ہوتا ہے؟
11- سسرال میں کیا پہلی چیز بنائی؟
12- آپ کے خاندان کی کوئی اسپیشل ڈش؟

فرح بخاری

"زندگی اب ہمارے لیے ایسا تپتا ویران دشت ہے میری بچیوں جس میں جگہ جگہ ببول کے کانٹے اگے ہیں' لق ودق اس صحرا کے انت کا کہیں دور دور تک نام ونشان نہیں... وقت کے بے رحم تھپیڑے سہنے کے لیے اپنا دامن خود ہی وسیع کردو کہ اب کوئی مسیحا کوئی چارہ گر کہیں سے آنے کا کچھ امکان نہیں رہا... آج جو کچھ بھی ہوں بس ایک میں ہی ہوں... تمہاری خیر خواہ تمہاری سکھی' تمہاری ماں... بہن..."

"خاموش..." سمنہ نے کانوں پہ ہاتھ رکھے۔ "بند کرو یہ بھاری بھرکم ڈائیلاگ بازی..."

"ڈائیلاگ سمجھنے کی بھول میں رہیں میری بچیوں تو کوئی درندہ نوچ ڈالے گا خیالوں کے اس حسین طلسماتی جال..."

"امی کا آخری تاریخی جملہ واقعی سنہری حروف میں لکھے جانے کے لائق تھا۔" تاسف سے سرہلاتے سمنہ نے نتیجہ نکالا ہادیہ کا بے ساختہ قہقہہ نکل گیا اور سمنہ سے پہلے اس نے اپنا گلا کھنکار کر امی کا وہ تاریخی جملہ دہرایا۔ "معاف کرنا میری بچیوں' اس خبطن کے سوا کوئی نہیں جس پہ بھروسا کرنے کا تم دونوں کو کہہ سکوں۔ اللہ اسے بھی ہدایت دے اور تمہارا بھی حامی و ناصر ہو۔"

"اچھا اچھا" ماہ رخ نے تیوری چڑھائی... "آج کے بعد اس جملے کو بھول جاؤ اور میری سنو داخلہ تو تمہارا میں یقیناً" کسی اچھے اسکول میں ہی کرواؤں گی پر ٹیسٹ کلیئر کرنے کا پہاڑ تو کسی طرح تم دونوں کو ہی سر کرنا ہے۔ اچھا یوں کرو..." کچھ سوچتے ہوئے ماہ رخ نے گال پہ انگلی بجائی "تم دونوں ٹیسٹ لکھنے بیٹھو تو میں عین ٹیچر کی پشت پہ ٹھہر کے اشاروں سے جواب سمجھانے کی کوشش کروں گی' بس کچھ بھی بولنے سے پہلے ایک بار مجھے دیکھ لینا' سارے جواب..." اور دروازے کی طرف دیکھتے ماہ رخ کی آنکھیں پھیل کے سمندر بن گئیں۔ سویرے سے صائم بھیا بیچ دروازے میں اسے اپنی نرم گھوریوں سے نواز رہے تھے۔

"تو آپ انہیں چیٹنگ سکھا کر کامیابی کا پہلا زینہ چڑھا رہی ہیں۔" وہ دو قدم آگے بڑھ کر کمرے کے اندر آگئے۔

"نن... نہیں نہیں بھیا... میرا مطلب تھا کہ میری سپورٹ انہیں حاصل رہے گی... اور دیکھیں ناں صائم بھیا۔!" رونی صورت پہ ماہ رخ نے مزید مسکینی طاری کی۔ "بھلا کوئی پوچھے ایسا نظام تعلیم بنانے والوں سے... ایڈمیشن ٹیسٹ لینے کی تک کیا ہے۔ پرائیویٹ اسکولوں کی بھاری بھرکم فیسیں ہم اپنے بچوں کو انہی کے ہاتھوں میں دینے کے لیے ہی تو بھرتے ہیں۔ جب انہوں نے ہی طلبا کو کسی قابل بنانا ہے تو ایڈمیشن ٹیسٹ کی زحمت کس لیے۔"

"تم نے پرائیویٹ اسکولوں کی لسٹ مانگی تھی۔ میرے ایک دوست نے یہ اسکولز اور ان کی لوکیشن بتائی ہے۔ میں نے نوٹ کرلی ہے۔ دیکھو" انہوں نے بنا اس کی باتوں پہ کان دھرے ایک پیپر آگے بڑھایا۔

"جی تھینک یو۔" اس نے مرے ہاتھوں سے پیپر لے لیا۔ سمنہ اور ہادیہ اپنی کھی کھی پر قابو پانے کی کوشش میں تھیں۔ دروازے سے ربا ناشتے کی ٹرے لیے اندر داخل ہو رہی تھی۔ صائم مڑے تو اس نے

مکمل ناول

شرما کر ٹرے سمیت سائیڈ پہ ہونے کی کوشش کی وہ ایک گہری نظر ڈالتے باہر نکل گئے۔

آؤ بھئی بچیوں سب سے پہلے ناشتا.... پھر کوئی بات۔"

"تھینک یو ریا باجی...." ہادیہ' سمنہ آگے بڑھیں۔ "ہمیں بلا لیا ہوتا ہم تو یہاں فارغ...." لیکن سمنہ کی باریک آواز کا گلا عطیہ خالہ کی آواز نے گھونٹ کے رکھ دیا۔

"لئے.... خدا غارت کرے ان واپڈا والوں کو.... بیڑا غرق جائے ان منحوسوں نامرادوں کا.... ذہنی مریض تو پہلے ہی بنا رکھا تھا.... نیم پاگل ہونے میں بھی کوئی کسر نہیں رہ گئی۔ ننگی تاروں سے چپک کے مریں.... ہاہ پر کیسے چپکیں گے بدذات.... بجلی دوڑے گی ان تاروں میں تو جہنم واصل ہوں گے۔ میری تو ساری اگلی پچھلی

ہائیں لگیں ان کو۔"

"ارے رو کو جا کر اپنی امی کو۔۔۔ شاید اوپر والوں سے جھگڑا ہو گیا ان کا۔۔۔" ماہ رخ دل پہ ہاتھ رکھے بھاگ کر کمرے کے دروازے تک آئی۔

"اوپر والے۔۔۔" ربا کچھ نہ سمجھتے چھت کو گھورنے لگی۔ "ارے کون اوپر والے؟"

"ہائے ہائے۔۔۔ تمہاری امی اور نگار تائی کا لگتا ہے سیریس قسم کا پھڈا ہو گیا ہے۔ جاؤ چھڑواؤ جا کر۔"

"ہیں۔۔۔؟" ربا کی آنکھیں نکل آئیں "تائی سے؟ کیسا جھگڑا بھئی۔۔۔"

"ہاں تو تمہارے تایا واپڈا میں لائن مین ہیں ناں۔۔۔ خالہ انہی کو برا بھلا۔۔۔"

"ہاہاہا۔۔۔" ربا سمجھ آنے پر پیٹ پہ ہاتھ رکھ کر ہنستی چلی گئی۔ "ارے پاگل بجلی پھر بے وقت چلی گئی ہے اس لیے امی واپڈا والوں کو کوس رہی ہیں۔ اور واپڈا کو کوسنے سناتے امی بالکل بھول جاتی ہیں کہ تایا ابا واپڈا میں کام کرتے ہیں۔"

"ہاں لیکن تائی کو تو یاد ہو گا۔۔۔" ماہ رخ بھی کھسیا گئی۔

"بالکل۔۔۔" ربا نے سر ہلایا۔ "لیکن تایا کا کیا قصور۔۔۔ وہ تو لائن مین ہیں۔ ان کے حکم سے تھوڑی لائٹ جاتی ہے۔ اچھا اب جلدی سے ناشتا کرو۔۔۔ عارب تیار بیٹھا ہے تم لوگوں کو لے جانے کے لیے۔"

"ارے انہیں کیوں تکلیف دیتی ہو۔۔۔ یہ دیکھو صائم بھائی باقاعدہ ایڈریس سمیت اسکولوں کے نام دے گئے ہیں۔۔۔ پھر سارے دن کی خواری۔۔۔ میں تو خوب چھان پھٹک کے ان کا داخلہ کرواؤں گی۔۔۔ بڑا ٹائم لگ جائے گا۔"

"اور تمہیں لگتا ہے امی پورے دن کے لیے اکیلا تمہیں شہر کے حوالے کر دیں گی جو تمہارے لیے ویسے بھی بالکل نیا ہے ہوں؟" دھیمے مزاج کی ربا پر قطعاً اس کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔

"ہاں لیکن تمہاری تائی کو کوئی اعتراض نہ ہو۔ ان کے لاڈلے بیٹے ہمارے نوکر لگے ہیں کہ۔۔۔"

"تم ابھی نئی ہو یہاں اس لیے ہمارے گھر کا ماحول سمجھی نہیں۔۔۔ بھلے تایا ابا اور ہمارے گھر کا پورشن الگ الگ ہے لیکن دونوں گھروں کے سبھی معاملات بنا کسی تفریق کے انجام پاتے ہیں۔ ہمارے گھر میں چونکہ کوئی مرد نہیں ہے اس لیے تایا ابا نے اچھی طرح اپنے دونوں بیٹوں کو سمجھا رکھا ہے کہ چچی اور ربا کو کبھی کوئی تکلیف نہ ہو۔۔۔ ابو کی وفات کے بعد سے انہوں نے اوپر نیچے دونوں گھروں کے سارے کاموں میں کبھی فرق محسوس نہیں ہونے دیا۔ ہم بلا جھجک انہیں گھر کا ہر کام بتا دیتے ہیں۔ صائم اور عارب کا نقطہ نظر اس معاملے میں عین بعین ایک ہی ہے کہ ان کے ہوتے گھر کی عورتیں کیوں باہر کے کام کریں۔ لہٰذا ڈیئر سسٹر آئندہ کے لیے فارملٹی بھول جایئے۔ کیونکہ عورتیں دو ہوں یا پانچ۔۔۔ رہیں گی عورتیں۔۔۔"

ربا غالباً "خوب فرصت سے" تھی، رسان سے سمجھاتے دور تک ہو آئی، ماہ رخ نے بھی بردباری سے سر ہلا دیا کہ چھوٹی چھوٹی باتوں کا آغاز میں سمجھ آجانا اس کے حق میں بھی اچھا تھا، پچھلے ایک ہفتے کے دوران اس نے یہ تو دیکھ ہی لیا تھا کہ تائی کے دونوں لڑکے بڑے سعادت مند اور فرماں بردار قسم کے ہیں۔ بڑے بھائی صائم نے پوری ذمہ داری سے بڑی تفصیل کے ساتھ گجرات کے ہائی اسکولز کی لسٹ فراہم کی تھی۔ اور اب وہ چھوٹے والے اسسٹنٹ مارکیٹنگ منیجر عارب حیدر بمع اپنی کار کے غالباً "اپنا پورا دن انہیں دینے کو تیار تھے۔

"تو چلو بچیوں۔۔۔ ڈال آؤں تم لوگوں کو کسی مدرسے میں، شاید کہیں اپنا بھی کوئی چانس نکلتا ہو۔"

"تم جاب کرو گی؟" ربا نے تعجب سے اسے دیکھا۔ وہ ناشتا ختم کر کے دوبارہ آئینے کے سامنے جا کھڑی ہوئی تھی۔ ہادیہ اور سمنہ بھاگ دوڑ کے اپنے جوتے موزے سنبھال رہی تھیں۔

"ہاں بھئی اب گھر میں فارغ بیٹھ کے کیا کروں گی۔ چھوٹے موٹے اخراجات جتنی رقم تو نکل ہی آیا کرے گی۔"

"اور تمہارا ایم اے؟" ربا نے معصومیت سے دیکھا تو ماہ رخ کی ہنسی نکل گئی۔

"میرا ایم اے... یعنی محمد عامر؟ اچھا تو بہت لگتا ہے لیکن مجھے کہاں پوچھے گا۔"

"چل بدتمیز..." ربا شرم سے لال پڑ گئی۔ بے چاری سے کب کسی نے ایسے مذاق کیے تھے۔ "چلو نکلو اب عارب کب سے ویٹ کر رہا ہے۔"

"سنو آپی... جس اسکول میں ہمارا ایڈمیشن ہو ناں وہاں اپنی سی وی مت دینا۔" سمعنہ نے بھرپور سنجیدگی سے تنبیہہ کی لیکن ماہ رخ نے جوابا" تھپڑ لگا کر دماغ درست کیا۔ وہ بے چاری منہ بنا کر آگے بڑھ گئی۔ باہر نکلے تو عارب کار کے بونٹ سے ٹیک لگائے موبائل پہ بزی تھا۔

"واقعی فارغ لگتا ہے' میں خواہ مخواہ ممنون حسین بن رہی تھی۔" وہ ہلکے سروں میں بڑبڑاتی پچھلی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔ عارب کے تیز کانوں نے نہ صرف جملہ سنا بلکہ سمجھ کر مسکرایا بھی... الٹی سیدھی یہ عطیہ چچی کی نئی مہمان' (اب سے قبل جس سے وہ لاہور میں ایک بار مل چکا تھا وہ بھی قریب دو سال پہلے)' آج لیمن کلر میں خوب ہی کھل رہی تھی یا شاید اسے لگ رہی تھی اور یہ "لگنے" والی بات بھی خوب رہی۔ پچھلے پانچ دن تو وہ بھی سعادت مندی سے آداب میزبانی ہی نبھاتا رہا تھا۔ پر پچھلی رات لائٹ چلے جانے پر جب وہ کمرے کی بالکونی میں آیا تو اول مارچ کی ہلکی ٹھنڈی خوشگوار ہوا نے استقبال کیا پھر نیچے صحن میں آتی کچھ نسوانی آوازوں نے اس کے قدم روکے... وہ نئی مہمان غالبا" اپنی دو چھوٹی بہنوں کے ساتھ برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی تھی... آوازیں چونکہ کافی کلیئر تھیں اس لیے عارب حیدر ڈھٹائی سے جمے رہے دل کو یہ تسلی دیتے کہ کن سوئیاں لینا ایک قدرے چھوٹا گناہ ہوا کرتا ہے۔

"خبردار جو یہاں ایک ایک کو اپنی حقیقت بتائی۔" ماہ رخ کی سرسراتی آواز میں جیسے کئی اسرار پنہاں تھے۔

"حقیقت؟" ہادیہ اور سمعنہ بیک زبان پکاریں۔ "کون سی حقیقت آپی؟"

"بھئی ہمارے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ بہت ہٹ کر ہے ایسی باتیں ہر جگہ نہیں بتایا کرتے۔"

"کیا کہہ رہی ہو۔" آپی اکتائی ہوئی سی جمائی لیتی آواز سنائی دی۔ "ابو جی آٹھ سال پہلے روڈ ایکسیڈنٹ میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔ امی دو ماہ پہلے گردے فیل ہونے سے' اب اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے۔ تم بھی ناں۔"

"ارے بے وقوفوں اصل کہانی تو شروع ہی اس کے بعد ہوتی ہے۔" ماہ رخ کا انداز ایک بار پھر ڈرامے والا اور ڈرامائی تھا' بچیاں بے چاری سچ مچ ہی سہم گئیں۔

"اچھا؟"

"امی ابو اللہ کو پیارے ہو گئے تو رہ گئیں ہم تین' ایک جوان دو نادان لڑکیاں۔ ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھانا ہو گا پہلے سے بتا رہی ہوں مجھ سے یہ گھر آنے جانے والی دوستیاں بالکل برداشت نہیں ہوں گی۔ پہلے دن سے ریزرو رہنا ہو گا اسکول میں۔"

"لیکن اگر کوئی اچھے گھر کی ڈیسنٹ سی۔"

"ارے میری بھولی بہنوں یہی شکلیں ہی تو دھوکا دیتی ہیں۔ آج ڈیسنٹ بن کر گھر دیکھنے آئیں گی کل بھائی کا رشتہ لے کر..."

"تمہارے لیے کہ ہمارے لیے...؟" ایک ننھی جان بری طرح گھبرا اٹھی۔

"آپی اپنا کہہ رہی ہے پاگل..." دوسری ہنسی۔

"تو آپی کیا کنواری رہیں گی ساری عمر؟ ہماری خاطر بیٹھی رہیں تو بوڑھی ہو جائیں گی" اور پہلی پھر روہانسی ہو گئی۔

"اللہ نہ کرے۔ بوڑھے ہوں میرے دشمن۔" وہ جھنجلا اٹھی۔ عارب نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی روکی۔

"بس پانچ چھ سال کی ہی تو بات ہے۔"

"پانچ چھ سال؟" دونوں بیک زبان بولیں "یعنی؟"

"کچھ نہیں... " ماہ رخ نے ٹالا "چلو شاباش ٹیسٹ کی تیاری کرو۔"

"پانچ چھ سال؟" عارب کلن کی لو کھجاتا کمرے میں آیا اور قریب آدھی رات تک یہ مستری چھت کو گھورتے دماغ کو ڈسٹرب کرتی رہی اس کے بعد بلبل ایسا سویا کہ چڑیوں کے شور وغل نے جگایا۔

بیک ویو مرر ماہ رخ پہ سیٹ کرنے کی کوشش میں عارب نے دو تین مرتبہ ہاتھ مارے لیکن ہر بار لحاظ آڑے آجاتا اور وہ اپنے بال ہی درست کر کے رہ جاتا۔

"یہ صارم بھائی نے اسکولز کی لسٹ دی تھی یہ آپ دیکھ لیں تو شاید آسانی ہو جائے۔" ماہ رخ نے تھوڑا سا آگے بڑھ کر پیپر اسے دیا۔ عارب نے کاغذ کو باقاعدہ سائیڈ پہ روک کر لسٹ پہ غور و غوض کیا تھا۔

"ہوں واقعی اس طرح آسان ہو جائے گا۔" پوری لسٹ پہ نظر ڈال کر اس نے کار ایک بار پھر روڈ پہ ڈالی تھی۔

"ایک اسکول تو یہیں بالکل ہی پاس میں ہے۔" عارب نے کار کا رخ دوبارہ موڑا۔

"آپ لوگ جائیں میں یہیں ہوں۔" اس نے گاڑی سائیڈ پہ درخت کے نیچے روک دی تھی۔ ماہ رخ سرہلاتی بہنوں کو لیے اندر چلی گئی۔ عارب نے ایک بار پھر خود کو موبائل میں گم کر لیا۔

پہلا اسکول ٹوٹل آدھے گھنٹے میں نمٹا اور قافلہ اگلی نزدیکی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔

"ہمیں تو یہی اسکول اچھا لگا۔ کہیں اور جانے کی کیا ضرورت ہے۔" ہادیہ مزید آگے جانے کے خیال سے خوب بد مزا ہوئی۔

"ہاں آپی ٹیسٹ بھی تو کلیئر ہو گیا۔" سمنہ بھی بہن کی ہم خیال تھی۔

"ہاں لیکن بنا باقی اسکولز دیکھے فیصلہ کرنا تو بے وقوفی ہے۔ پھر میرے لیے یہاں کوئی ویکنسی بھی نہیں نکلی۔"

"اب اپنی جاب کے لیے آپ ہمیں پورا گجرات پھرائیں گی۔" سمنہ خوب خفا تھی۔

"جانتی ہوں میں تمہیں سارا مسئلہ میری جاب لگنے سے ہے۔" وہ غصہ دباتے قدرے دھیمی آواز میں انہیں ڈانٹ رہی تھی۔ "حد ہو گئی ہمیں تو اتنا شوق ہوتا تھا کہ کوئی اپنا بہت قریبی ہمارے اسکول میں ٹیچر لگ کر آئے تاکہ دوستوں میں ٹور بن سکے تم لوگوں سے سگی بہن نہیں برداشت ہوتی۔"

دس منٹ کی مزید مسافت کے بعد اگلا اسکول آ گیا۔ یہاں سے وہ لوگ پانچ منٹ ہی میں واپس آ گئے۔ ماہ رخ نے آ کر بتایا کہ یہاں ابھی داخلے اوپن نہیں ہوئے تھے۔ بچوں کے غالباً "ایگزامز" چل رہے تھے۔ اگلا اسکول بچیوں کو پسند نہیں آیا تھا اور اب چوتھے اسکول میں پھر ان کا ٹیسٹ چل رہا تھا۔ اس بار ماہ رخ بتانے کے لیے باہر آئی تو عارب خود بھی ٹانگیں سیدھی کرنے کے لیے باہر نکلا ہوا تھا۔ ماہ رخ بجائے واپس جانے کے درخت کی چھاؤں میں خود بھی وہیں رک گئی۔

"سوری، ہماری وجہ سے آپ کو تکلیف اٹھانی پڑ رہی ہے۔"

"تکلف مت کریں۔ آدھے دن کا وقت تو میں نکال کر ہی آیا تھا۔" وہ اب سہولت سے بونٹ پہ چڑھ بیٹھا تھا "آپ بتائیں یہاں اپنی سی وی دی؟"

"دی تو ہے لیکن میرے پاس ٹیچنگ ایکسپیرئنس نہیں ہے۔"

"میرا خیال ہے آپ کو بہنوں کے داخلے سے اپنی نوکری کو مشروط نہیں کرنا چاہیے۔ پہلا فوکس آپ کا ان کی اسٹڈی پہ ہونا چاہیے۔ ایک بار ان کا داخلہ ہو جائے۔۔۔ آپ سیکنڈ اسٹیپ پہ اپنی نوکری کی کوشش شروع کر دیں۔" عارب نے بڑی دیر بعد اپنا نقطہ نظر شیئر کیا۔ ماہ رخ خود بھی شاید سرینڈر کر چکی تھی۔ آہستہ سے سرہلا کر تائید کی۔

"پھر تو وہی پہلا اسکول ہی سب سے اچھا تھا۔ بس پھر مزید آگے جانے کے بجائے یہیں سے واپس چلتے ہیں۔"

"آپ اپنی سی وی مجھے دے دیں تو میں باقی جگہوں پہ ڈراپ کر سکتا ہوں۔" اور وہ ذرا سا جھجک کر رکا پھر گلا کھنکار کر آغاز لیا۔ "آپ صرف ٹیچنگ ہی کیوں کرنا

چاہتی ہیں۔ میرا مطلب ہے کسی آفس وغیرہ میں کوشش کریں۔"

آفس میں ماہ رخ متذبذب نظر آئی۔ "شاید میں کمفوٹ ایبل فیل نہ کروں۔ کبھی سوچا نہیں اس بارے میں۔"

"اور کام گھر بیٹھے کا ہو تو؟" وہ تو جیسے کسی نتیجے پر پہنچ چکا تھا۔ ماہ رخ حیران ہو کر دیکھنے لگی۔

"ہمارے اپنے آفس میں سیکرٹری کی ضرورت ہے۔ خود میرا ہی سارا دن فیلڈ کا کام ہے اور شام کو گھر پہنچنے کے بعد سونے تک کمپیوٹر پہ مغزماری۔۔۔ اگر ہم کمپیوٹر ورک کے لیے آپ کو رکھ لیں تو مجھے آرام مل جائے گا اور آپ کو گھر بیٹھے نوکری۔"

"لگتا ہے تائی امی آپ کی تنخواہ کا حساب نہیں رکھتیں۔۔۔" ماہ رخ اس بار سمجھ داری سے مسکرائی تو عارب بھی کھسیا گیا۔ کافی سمارٹ تھی وہ۔ سارا معاملہ سمجھ گئی تھی۔

"جی بالکل امی ہم بھائیوں کی تنخواہ میں بالکل دخل نہیں دیتیں۔ ان کے لیے ابو کی کمائی ہی کافی ہے۔ ہمیں پہلی دن سے ہی کہہ رکھا ہے کہ۔۔۔" وہ بولتے بولتے یکدم رکا تھا۔۔۔ کچھ دیر شاید سوچ بچار کی پھر کھنکار کر آگے بڑھا۔ "کہ سیونگ کریں۔"

"اپنی اپنی شادی کے لیے" ماہ رخ نے ہنس کر اضافہ کیا۔ عارب اس کی عقل پہ دوسری دفعہ داد دینے پہ مجبور ہوا لیکن دل ہی دل میں۔

"جی بالکل۔۔۔" وہ بھی ہنسنے لگا۔ "لیکن یہ نہیں بتایا کہ کتنی رقم جوڑنی ہے۔ اب مجھے کیا پتا شادی بیاہ میں کتنا خرچ اٹھ جاتا ہے۔" وہ اب بھولا بن رہا تھا۔ اس بار ماہ رخ بھی دام میں آگئی۔

"لیکن جی یہ تو بڑا سمپل ہے۔۔۔ بری کے لیے کپڑوں اور زیور کی شاپنگ شادی کے لیے کھانے اور ہال کی ارینجمنٹ۔۔۔ بس یہی ہے اہم اور بڑا خرچا۔۔۔ باقی گھر تو ماشاء اللہ آپ کا ذاتی ہے۔ اور زیور آپ نے کتنا بنانا ہے دلہن کو۔ وہ آپ کی امی بہتر بتا سکتی ہیں۔"

"ہوں تھینک یو۔" عارب نے بردباری سے سر ہلایا۔ "الجھن تو کافی حد تک سلجھ گئی۔ لیکن پانچ چھ سالوں تک قیمتوں میں بھی تو فرق آجائے گا۔" زبان تھی کم بخت پھسل ہی گئی۔

"پانچ چھ سال۔۔۔" ماہ رخ کے گلے میں کچھ پھنسنے لگا۔

"مم، میرا مطلب ہے ابھی تو بھائی کی شادی ہونی ہے۔ میری باری آتے اتنا ٹائم تو ہو ہی جائے گا۔" عارب نے فوراً" ہی سنبھل کر بات بنائی۔ اب کیسے بتا سکتا تھا کہ پانچ چھ سال کے معمے نے رات سے ہی اندر اودھم مچا رکھا ہے۔

"جی۔۔۔" ماہ رخ نے نظریں جھکا کر اسی پہ اکتفا کیا۔

"میں ذرا اندر ہو آؤں۔"

"جی۔" عارب نے بھی چابی ہلاتے گاڑی میں بیٹھنے کا ارادہ کیا۔ اب انہیں پہلے اسکول کی جانب واپسی اختیار کرنی تھی۔ جہاں ہادیہ اور سمنہ کا بالترتیب ساتویں اور آٹھویں جماعت میں داخلہ کروانا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ بچپن سے ہی اپنے آپ کو کافی اسمارٹ سمجھتی تھی۔ اگرچہ لوگوں کی رائے اس سے قدرے ہٹ کر تھی۔ لیکن ماہ رخ احسان کو اس سے مطلق سروکار نہ تھا کہ کوئی اس کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ اسے تو لگتا اس کی ذہنی صلاحیتوں نے ہمیشہ ہی اس سمیت سب کا بھلا کیا تھا یہ اور بات کہ اس سے خاطر خواہ فائدے نہیں اٹھائے گئے تھے۔ اب یہی دیکھ لیا جائے کہ اس کی والدہ ثمینہ احسان تو آخری دنوں میں نانی سے ملنے والا اپنا گھر ان تینوں کے اچھے مستقبل کی خاطر عطیہ خالہ کے نام کر گئیں تاکہ وہ آسانی سے ان تین معصوم جانوں کی ذمہ داری اٹھا لے۔ اپنے بعد ثمینہ انہیں ددھیالی رشتہ داروں میں نہیں چھوڑ سکتی تھیں کیونکہ یہاں باقی بچے دونوں چچا سوتیلے بھی تھے، لالچی بھی۔

بہت سوچنے پر بھی ثمینہ کو بار بار اپنی ماموں زاد عطیہ کا ہی خیال آیا۔ جو نہ صرف بیوہ تھی بلکہ ایک اکلوتی بیٹی

کے ساتھ گجرات میں رہتی تھی۔ ثمینہ کے نزدیک ایک وہی تھی جس کے پاس وہ اپنے بعد اپنی بیٹیوں کو چھوڑ سکتی تھی۔ ماہ رخ اور ہادیہ' سمنہ کے پاس تو باپ کی جائیداد میں سے بہت کچھ آرہا تھا اصل بات تو کسی بھروسا مند انسان کی تھی۔ معاملہ چونکہ تین تین لڑکیوں کا تھا تو بھروسے مند انسان کا عورت ہونا بھی لازمی تھا۔ لہٰذا انہوں نے جھٹ پٹ ماں والے اپنے حصے میں آئے واحد مکان کی مالک و مختار عطیہ کو بنا دیا۔

اب ماہ رخ کی امی تو دو ماہ ہوئے اپنے حصے کی ذہانت دکھا کر دنیا سے گزر گئی تھیں۔ آگے کے منظر نامے میں ماہ رخ احسان نے خود ہی رنگ بھرے۔ اسے لگا کہ مسکینوں کی سی صورت لیے ہاتھ میں نانی والے مکان کے پیپر پکڑے وہ مظلوم کم قصائی زیادہ لگیں گی۔ حلال کرنے سے پہلے جو بکرے کو مسکراتے ہوئے گھاس کھلاتا ہے۔ نانی والے گھر کے پیپرز عطیہ خالہ کو ایسی ہی گھاس دکھائی دے گی۔

''اچھا۔'' سمنہ کا چہرا تاریک پڑنے لگا''تو پھر؟''

''پھر یہ میری بھولی بہنوں... کہ ہم پروگرام کے مطابق کل گجرات تو جا رہے ہیں... لیکن ساز و سامان کے بغیر۔''

''ہیں وہ کیوں؟'' ہادیہ کو اس کی عقل پہ بالکل بھروسا نہ تھا۔

''سوال مت کرو بس چپ چاپ دیکھتی جاؤ۔'' اور پھر اگلے روز جب وہ سہ پہر کی چائے عطیہ خالہ کے ہاں پی رہے تھے۔ ماہ رخ نے دھیمے سروں میں کہنا شروع کیا۔

''خالہ ہم تو آپ کی امانت پہنچانے آئے تھے۔ امی نے مرنے سے پہلے نانی والا گھر آپ کے نام کر دیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ہماری نانی آپ کی پھوپھو بھی تھیں پھر آپ سے پیار بھی بہت کرتی تھیں۔ نانی کی روح کے سکون کی خاطر وہ ان کا مکان آپ کے نام کر کے جا رہی ہیں۔''

''ہاں۔'' عطیہ نے ایک گہری اندر تک اترتی آہ بھری۔ ''پھوپھو کو اللہ بخشے بڑی نرم دل تھیں... ربا

کا سر پہ ہاتھ رکھتے تو رو دیا کرتی تھیں۔ اور تمہاری ماں کے بھی کیا کم احسان تھے مجھ پر۔ جب تک زندہ رہی ہمیشہ میرا بہت خیال رکھا۔ کتنی ہی مرتبہ میرا لاہور جانا ہوا۔ سوائے تم لوگوں کے گھر کے کبھی کسی رشتہ دار کے ہاں ٹھہرنے کو من نہیں کیا۔ سچی بات ہے بٹیا' دل محبت سے خالی ہوں تو خون کے رشتے بھی ہیچ ہو جاتے ہیں۔ تمہاری ماں نے مرتے دم تک مجھ سے دوستی نبھائی۔''

''مرنے کے بعد بھی'' اداس صورت ربا نے ٹکڑا لگایا' عطیہ خالہ بٹی کو گھورتے کھانس کر رہ گئیں۔

''اچھا خالہ اب ہم چلیں گے۔'' خالی کپ سامنے میز پہ دھرتے ماہ رخ اٹھ کھڑی ہوئی... ہادیہ اور سمنہ بھی حیرت سے اس ڈرامے باز کو دیکھتے کھڑی ہو گئیں۔

''ارے اتنی جلدی...'' عطیہ خالہ بھی۔ حیران...

''بس خالہ ذرا جلدی میں ہوں... دراصل امی نے کہا تھا میرے بعد لاہور میں نہ رہنا ایک تو بڑے شہر کے خرچے بڑے۔ دوسرے چچا ہمارے دونوں ہی اول روز سے دشمنی جوڑے بیٹھے ہیں۔ یہیں گجرات میں کسی ہوسٹل وغیرہ کا پتا کرتی ہوں۔ اکیلے گھر میں رہنا تو ٹھیک نہیں ہے۔ ہوسٹل میں رہنا پھر بھی...''

''ارے...'' خالہ نے خفگی سے دیکھا ''کیسی باتیں کر رہی ہو۔ میرے ہوتے تم لوگ ہاسٹل میں رہو گی۔ اتنا بڑا گھر کس لیے ہے۔ کل ہی سامان لے کر یہاں آجاؤ۔''

''لیکن خالہ...'' وہ منمنائی ''آپ کی جیٹھانی بھی ہیں ناں یہاں' مجھے اچھا نہیں لگتا یوں کسی پہ بوجھ...''

''اے لو سنو...'' عطیہ خالہ نے زبردست آنکھیں دکھائیں۔ ''میرے رشتہ داروں کا نگار بھابھی پہ کاہے کا بوجھ... اس پورشن پہ ربا اور میرا قانونی حق ہے۔ ہم ہی اس کی مالک ہیں۔ پھر اپنا کھاتے ہیں کون سا کسی کا کچھ احسان ہے... بلکہ ایک بات بتاؤں...!'' خالہ نے نیچی آواز میں اسے راز دار بنایا۔ ماہ رخ نے بھی فوراً کان آگے کیا۔ ایسی پیٹھ پیچھے کی گفتگو میں اسے

زیادہ مزا آیا کرتا۔

"اصل میں تو یہ لوگ اس پچھلے پورشن کے مالک ہیں۔ پر اسے کرائے پہ چڑھا کر خود چھت پہ کمرے بنوا کر رہنے چلے گئے۔ اب اگر تمہارا اوپر جانا ہو تو دیکھ لو گی آدھی سے زیادہ کنسٹرکشن ہمارے والے حصے پہ کروا رکھی ہے۔" "توبہ ہے امی...." ربا نے صاف ناراضی کا اظہار کیا۔ "کتنی ہی مرتبہ تو تائی بے چاری کہہ چکی ہیں کہ عارب اور صائم کی شادیوں کے بعد وہ کرائے داروں سے گھر فارغ کروا کے نیچے کے پورشن میں شفٹ ہو جائیں گی۔ تب تو ان کے بنوائے وہ دو کمرے جو ہماری چھت پہ آتے ہیں۔ مفت میں ہمارے ہو جائیں گے۔"

"بڑی بھولی ہے میری ربا۔" خالہ کھسیا گئیں۔

"ارے بیٹوں کی شادی کر کے نیچے شفٹ ہو گئی تو اوپر نئے کرائے دار بٹھا دے گی.... یہ لگے بندھے کرائے کی لت بھی ناں.... نشے وشے سے کم نہیں ہوتی ایک بار لگ گئی تو مالک بھلے خود روڈ پہ آجائے، کرائے دار کو نہیں نکلنے دے گا۔"

"اف امی کہاں کی بات کہاں لے گئیں...." ربا کی جھنجلاہٹ ماہ رخ کو کچھ مشکوک تو لگی پر "تب" وہ اسے سمجھ نہیں پائی تھی۔

"ارے ہاں" عطیہ خالہ کی بھی کچھ کچھ یادداشت واپس آنے لگی۔ سمنہ اور ہادیہ کی کب کی اٹکی سانسیں بھی قدرے بحال ہوئیں۔ خالہ اور اپنی خبطی بہن میں کچھ قدریں مشترک پا کر تحفظات تو ضرور لاحق ہوئے لیکن فی الحال یہ ایشو چنداں اہم نہ تھا۔ ابھی کے لیے تو یہاں ان کی رہائش کا مسئلہ کسی طرح مستقل بنیادوں پہ حل ہو جاتا.... جسے عطیہ خالہ اور ماہ رخ آپی چیونگم جیسا کھینچ کران ننھی جانوں کو سولی پر لٹکائے ہوئے تھیں۔ اللہ اللہ کر کے خالہ پھر سے اسی موضوع کی طرف پلٹیں اور اس بار ماہ رخ سے منوا کر ہی دم لیا جو بظاہر اپنے نام نہاد اصولوں کی اونچی مسند سے نیچے اترنے کو تیار نہ تھی۔

"جھوٹی کہیں کی۔" سمنہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"پتا نہیں کان کو الٹی سائیڈ سے پکڑ کر کیا نتائج نکالنا چاہتی تھی۔ خیر تو یوں دونوں فریقین کی باہمی رضامندی سے ان تینوں کو گجرات میں مستقل رہائش نصیب ہوئی.... بعد کے دنوں میں البتہ کچھ کچھ ماہ رخ کی پلاننگ بھی تعریف کی مستحق نظر آئی.... پہلے پہل تب .... جب ربا کی تائی امی نیچے دیورانی کے پاس سن گن لیتی نظر آئیں اس وقت عطیہ خالہ کا کردار صاف مرغی .... یعنی بچوں کو پروں تلے چھپا کران کی آڑ بن جانے والی ماں کا نظر آیا۔ پھر ربا اور خالہ کا معمول کا رویہ جو کہ نہایت دوستانہ اور گھر کے افراد جیسا لگا۔ ماہ رخ نے آغاز میں ہی بہنوں کو سمجھا دیا کہ یہاں خود کو مہمان سمجھنے کی بھول نہیں کرنی۔ ربا اور خالہ اپنے گھر کے کام کاج بنا کسی ملازمہ وغیرہ کی مدد کے خود انجام دیتی نظر آتیں۔ اور ماہ رخ میں تو گھر کی صاف صفائی کا کیڑا گھسا ہوا تھا۔ پہلے ہفتے میں ہی خالہ کے گھر کا نقشہ پھیر ڈالا۔ چیزوں کو یہاں وہاں کر کے کونوں کھدروں کا میل نکال لانے میں تو ماہر تھی۔ خالہ ناک پہ انگلی رکھے اگر ایک تعریفی نظر ماہ رخ پہ ڈالتی تھیں تو دوسری سدا کی ست ربا پر جس سے لگی بندھی صفائی بھی وہ دھکے دے کر کرواتی تھیں لیکن ماہ رخ کے لیے یہی کیا کم تھا کہ ربا بے چاری نے کچن سنبھالا ہوا تھا۔ کچن جس کے سبھی کاموں سے اس کی جان جاتی تھی بالخصوص برتن دھونا اور یہاں اس نے دماغ کی دھار چلاتے ہادیہ اور سمنہ کو آگے کر دیا۔ اسکول اور ہوم ورک کے علاوہ انہیں اور تو کوئی کام تھا نہیں۔ آتے جاتے ڈھونڈ ڈھانڈ کر سنک کے برتن دھونا جیسے انہوں نے اپنا فرض بنا لیا تھا۔ ربا اور خالہ کو خوب خوب آرام دیتے پہلا مہینہ پار ہوا اور بھی خواتین نے ہنستے ہنستے نہایت خوش اسلوبی سے اپریل میں قدم رکھے۔ ماہ رخ کی جاب کی کوشش ہنوز ناکام جا رہی تھی۔ عارب حیدر کا پرپوزل یاد کر کے کبھی کبھار رال ضرور ٹپکتی لیکن "نہیں ماہ رخ احسان ...." وہ نفی میں سر ہلاتے اپنے آپ کو سرزنش کرتی۔ لڑکوں سے فاصلہ بنائے رکھنے میں ہی لڑکیوں کی عافیت ہوتی ہے، تبھی اس نے پہلے دن سے ہی سب کے

ساتھ ایک جیسے رویے اور بول چال کو اپنا وطیرہ بنا لیا کیونکہ اسے لگتا بلاوجہ کی جھجک، شرمانا، گھبرانا اور مخاطب نہ کرنا بھی زیادہ کشش کا باعث بنتے ہیں۔ غیر مردوں سے بات چیت کے دوران "معنی خیزی" کے عنصر کی ذرا سی بھی آمیزش نہیں آنی چاہیے۔ اور پھر عارب اور صائم ان تینوں کے لیے ایسے نئے نویلے بھی نہ تھے۔ ایک تفصیلی ملاقات دو سال پہلے بھی ہو چکی تھی۔ عطیہ خالہ اور ربا تو گزرے برسوں میں لاتعداد مرتبہ ان سے ملنے لاہور آ چکی تھیں۔ کبھی گھومنے پھرنے تو کبھی کسی بیاہ شادی یا شاپنگ وغیرہ کے لیے.....

دو سال پہلے عطیہ خالہ اور ربا لاہور آئے تب تایا ابا، تائی نگار عارب اور صائم بھی ان کے ساتھ تھے۔

آداب میزبانی نبھاتے آپس میں بات چیت کا آغاز ہوا جسے اب ان سب کی گجرات آمد پر عارب اور صائم کی جانب سے بھی قائم رکھا گیا..... یا شاید صرف صائم کی جانب سے، کیونکہ وہ چھوٹے والے عارب حیدر اور ماہ رخ کی کیمسٹری تو دو سال پہلے ہی حادثاتی طور پر میچ ہو گئی تھی۔ اگرچہ تب کے بچھڑوں کی دو برس بعد یہ پہلی ملاقات تھی لیکن دونوں ہی اپنی اپنی جگہ اس راز اور اس رات کی بات کو پی گئے تھے۔ یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ ہمیں تو کچھ یاد ہی نہیں۔

ہوا کچھ یوں کہ دو سال پہلے صائم بھیا کی کار میں یہ سارا قافلہ گجرات سے لاہور آیا تھا۔ تایا ابا کے سیالکوٹ والے بھائی اور بھابھی عمرہ کرنے جا رہے تھے۔ ان کی فلائٹ لاہور سے تھی۔ ربا اور عطیہ خالہ کو لاہور میں چند ایک ضروری کام تھے۔ صائم بھیا ان دونوں کو ثمینہ خالہ کے دروازے پر چھوڑ کر ایئرپورٹ روانہ ہو گئے۔ ارادہ ماموں ممانی کو سی آف کر کے وہیں سے واپس گجرات جانے کا تھا، عطیہ چچی اور ربا نے ان سے کہا تھا کہ وہ لوگ اپنے کام نمٹا کر اگلے روز خود ہی گجرات آ جائیں گی۔ بس جناب تو عمرہ کے مسافروں کو ٹیک آف کیے مشکل سے آدھا گھنٹہ ہی گزرا تھا کہ پہلے شدید کالی آندھی اور اس کے بعد تیز طوفانی بارش نے سارے بنے بنائے شیڈول کو الٹ کر رکھ دیا۔ ایسا

ہولناک طوفان دیکھ کر عطیہ نے خود ہی کال کر کے جیٹھ جیٹھانی کی خیریت دریافت کی معلوم ہوا کہ ابھی وہ لوگ لاہور کے اندر ہی ہیں۔ ثمینہ نے اصرار کر کے سب کو وہیں بلا لیا۔ طوفانی بارش کا عالم یہ تھا کہ شہر کے اندر ہوتے ہوئے بھی وہ لوگ دو گھنٹے بعد گھر پہنچ پائے۔ ماہ رخ اور ربا نے جھٹ پٹ رات کا کھانا تیار کیا اور عطیہ، ثمینہ نے مہمانوں کے رہنے بیٹھنے کے لیے فی الفور جگہ سیٹ کی۔ ربا اور عطیہ خالہ تسبیح سنبھالے بارش رک جانے کی دعاؤں میں مشغول تھیں۔ سمنہ تو ما رڈر کے باقاعدہ رونے لگی تھی۔ کیونکہ رہی سہی کسر بجلی گل ہونے پر پوری ہو گئی۔ ایسے ہولناک اندھیرے میں چمکتی بجلیاں ہی ذرا دیر کو روشنی کر دیتیں جو کہ مزید خوف کا باعث بنتیں۔ لائٹ کا انتظار کرتے تھک ہار سبھی افراد ایک ایک کر کے نیند میں جانے لگے تھے۔ بارش اب رک چکی تھی، اور بجلی بھی بنا گرجے کسی کسی وقت لشکارا مار جاتی۔

معلوم نہیں رات کا وہ کون سا پہر تھا۔ ماہ رخ کی آنکھ شاید کسی کھٹکے سے کھلی تھی لائٹ ابھی تک نہیں آئی تھی ماہ رخ کے ساتھ کمرے میں ربا اور سمنہ، ہادیہ سوئی تھیں۔ امی کے کمرے میں نگار تائی اور عطیہ خالہ تھیں۔ گیسٹ روم کے دو پلنگوں پر صائم بھیا اور تایا ابا سوئے تھے، رہ گیا عارب تو جگہ کی کمی کے پیش نظر اسے برآمدے میں چارپائی بچھا کر دے دی گئی۔ ربا نے چادر سرہانہ مہیا کیا اور وہ وہیں پڑ کے سو گیا۔

وہ باہر نکلی۔ آسمانی بجلی ذرا دیر کو چمک کر معدوم ہوئی لیکن..... ماہ رخ کی آنکھوں نے ان لمحوں میں ایک منظر کو ابھر کر غائب ہوتے دیکھا۔ سیکنڈز کی اس روشنی میں ایک سایہ سا عارب کے قریب سے بھاگ کر باہر صحن میں غائب ہوا تھا۔

"ک، کون ہے،" دو قدم بے ساختہ آگے آتے ایک گھٹی گھٹی آواز بنا سوچی اس کے حلق سے نکل گئی، "جو یقیناً" اس سائے نے تو نہیں سنی پر قریب لیٹا عارب ضرور ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

"کون ہے۔" اسے بھی اندھیرے میں کچھ سمجھ

نہیں آرہی تھی تبھی بجلی دوبارہ آسمان پر چمکی اور اس بار اس کا دورانیہ اتنا ضرور تھا کہ عارب نے سہولت سے ماہ رخ کو دیکھا اور پہچان لیا تھا' وہ جو انگلی اوپر کو اٹھائے خوف و استعجاب سے باہر صحن کی طرف اشارہ کر رہی تھی۔ عارب موبائل کی ٹارچ آن کر کے جلدی سے جوتے پیر میں پھنساتا اس کے نزدیک آیا۔

"کیا ہوا؟"

"چور۔۔۔" آنکھیں پھیلائے وہ بدستور اسی جانب دیکھ رہی تھی۔ عارب کے گلے میں خوف سے گلٹی ابھری' اپنی حالت پر قابو پاتے وہ باہر لپکا۔ ٹارچ کی تیز روشنی صحن میں دیواروں پر گیٹ پہ مارتے اسے گیسٹ روم کا خیال آیا' وہاں تو ابا جی وغیرہ سوئے ہوئے تھے اس نے کونے کے کمرے پر روشنی پھینکی' دروازہ بند ملا' عارب قدرے تسلی محسوس کرتے ماہ رخ کی طرف پلٹا تو چارپائی کے قریب فرش پر اپنا والٹ گرا نظر آیا ٹھٹک کر رکتے اس نے والٹ اٹھا کر کھولا ۔۔۔ ماہ رخ بھی اسی طرف متوجہ تھی' متوحش سی قریب آئی۔

"کیا ہوا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔" عارب نے بٹوہ جیب میں رکھ دیا لیکن ماہ رخ سخت ڈر چکی تھی' کچھ نہیں ہوا تب بھی چور کو بھاگتے تو وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکی تھی۔ لرزتی ٹانگوں پر قابو نہ پاتے چارپائی پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئی۔

"ارے۔۔۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" عارب اس کی حالت دیکھتے گھبرا کر نزدیک ہی بیٹھ گیا۔ موبائل اس نے چارپائی پر یونہی رکھ دیا' ٹارچ کا رخ سیدھا چھت کی طرف ہوا اور اب برآمدے میں مدھم سی روشنی پھیل گئی تھی۔

"سب کو جگا دیں۔۔۔" وہ شاید پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔ بلاوجہ اندھیرے میں ہڑبونگ مچے گی۔"

"ہمارے گھر چور کیسے آیا۔۔۔ اور کیوں؟"

"پہلے کبھی ایسا ہوا ہے؟" وہ لب چباتے اب ماہ رخ کے انداز میں سوچ رہا تھا۔

"کبھی نہیں۔۔۔ ہمارے تو علاقے میں کبھی چوری کی واردات نہیں سنی۔۔۔ اگر آئندہ بھی۔۔۔" وہ اندر سے اتنی خوف زدہ ہو چکی تھی کہ ڈر اس کی آنکھ سے آنسو کی صورت بہہ نکلا۔

"ارے۔۔۔ رے' روؤ تو مت۔۔۔" عارب ہڑبڑا اٹھا۔

"ہم چار اکیلی عورتیں۔۔۔ اگر وہ چور پھر کسی رات آ گیا تو۔۔۔!" عام سے عام بات کو بھی ڈرامائی شکل دینے والی ماہ رخ کی آج صحیح معنوں میں سٹی گم تھی۔ بات کو مسالے لگا کر پیش کرنے اور اس میں بھاری بھرکم ڈائیلاگ بازی کے تڑکے شامل کرنے والی کو ساری چوکڑی بھول گئی تھی۔

"کچھ نہیں ہو گا ان شاء اللہ' صبح کچھ سوچتے ہیں۔ آپ جا کر سو جائیں" وہ اب معمول کا لہجہ لیے ہوئے تھا۔ کچھ دیر پہلے کی کیفیت معدوم ہونے لگی تھی۔

"آپ کو یہاں نہیں سونا چاہیے۔ اگر وہ دوبارہ ۔۔۔"

"مرنا ہے کہ دوبارہ آئے گا۔" پہلی بار عارب مسکرایا تھا۔ ماہ رخ نظریں چرا کر اندر چلی گئی کہ فی الحال وہ اسے کہیں اور سلانے کا بندوبست بھی تو نہیں کر سکتی تھی۔

اگلی صبح بنا کسی ہنگامہ خیزی کے طلوع ہوئی' عارب نے کسی سے اس بارے میں بات نہیں کی کہ اس کے خیال میں آغاز ماہ رخ کی طرف سے ہونا چاہیے۔۔۔ لیکن ناشتے کی میز پر وہ خاموشی سے میزبانی کے فرائض انجام دیتی نظر آئی' وہ بھی چپ چاپ کھانے میں مگن رہا۔ دوپہر کے قریب وہ سب اکٹھے ہی واپسی کے لیے روانہ ہوئے اور ان کے جانے کے بعد بہت آرام سے خوب سنبھل سنبھل کر اس نے امی سے ذکر کیا۔

"ہائے" انہوں نے سینے پہ ہاتھ مار کے ماہ رخ سے بھی زیادہ فاسٹ ری ایکشن دیا "ارے لڑکی۔۔۔ اب بتا رہی ہو۔۔۔ رات کو شور مچانا تھا ناکہ۔۔۔"

"جی ہاں۔۔۔ تاکہ آپ کی بے قابو دھڑکنوں کو قابو میں لانے کے لیے پہلے ایمرجنسی بھاگا جاتا۔" ماہ رخ نے زور دے کر ان کی بات کاٹی۔ اس کی امی ہائی بلڈ

پریشر کی مریضہ تھیں اوپر سے گردوں کی تکلیف اور شوگر علاوہ' کسی بھی اچانک خبر پریونہی ان کا نظام تنفس بگڑ جایا کرتا۔

"لیکن صبح..." ثمینہ کچھ کچھ قائل ہوتے دوسری طرف آئیں۔

"گھر میں مہمان ہوں والدہ محترمہ تو ایسی باتیں سوچ سمجھ کر منہ سے نکالتے ہیں... بلاوجہ وہ بے چارے ایمبیرس ہو جاتے کہ ہم شاید ان پہ کوئی الزام لگا رہے ہیں۔"

"واہ۔" ثمینہ نے مسکرا کر بیٹی کو دیکھا "یہ راتوں رات میری بیٹی تو بڑی سیانی ہو گئی۔"

"ابھی بھی نہیں مانتا تھا..." وہ منہ بناتی اٹھ گئی۔ چھٹانک برابر عقل تو وہ بھی رکھتی تھی پر امی کہاں مانتی تھیں۔ اس کی ذہانت کی تعریف میں دنیا یونہی کنجوسی برتا کرتی۔ اللہ جانے کیوں "حسرت ہی لے کے نہ جائے گی ماہ رخ احسان کہ دنیا تجھے ذہین فطین تسلیم کر لے۔ کاش 'اے کاش...' ہاتھ اٹھا کر دہائی دیتی وہ یاس ونا امیدی کی انتہاؤں پر تھی۔ ثمینہ نے پیشانی ماتھے پہ گرا کر اظہار افسوس کیا۔ مڑ کر چپکے سے امی کا رد عمل دیکھتے وہ منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنستی کمرے میں گھس گئی۔

دل ہی دل میں اسے خود سے بھی کہتے شرم آئی کہ دھیمے مزاج والے اس ڈیسنٹ سے لڑکے کی شخصیت اور گہری آنکھوں والی تائی جی کے رعب نے کچھ بھی کہنے کی ہمت نہیں دی وہ نہیں چاہتی تھی کوئی بلاوجہ اس کے اور عارب کے ایک ساتھ وہاں ہونے کو کوئی اور رنگ دے۔ یوں دو سال گزر جانے پر بھی اس رات کا قصہ ان دونوں کے بیچ ہی رہا۔

عارب کے دل میں البتہ آج بھی تجسس چٹکیاں لیتا کہ اگلی صبح وہ خاموش کیوں رہی تھی۔

مارک ٹوئن نے اپنے ایک ناول کے دیباچے میں لکھا کہ اگر کوئی شخص اس کہانی میں مقصد تلاش کرتا پایا گیا تو اس پر مقدمہ چلایا جائے گا' اگر کسی نے اس سے سبق لینے کی کوشش کی تو اسے ملک بدر کر دیا جائے گا' اگر کسی نے اس میں پلاٹ تلاش کرنے کی کوشش کی تو اسے گولی ماردی جائے گی' عارب کو اپنی امی جی کی آنکھوں میں یہی پیغام تھوڑے سے ردوبدل کے ساتھ نظر آتا کہ اگر اس لڑکی سے متاثر ہونے یا کرنے کی کوشش کی تو بیٹے اچھا نہیں ہوگا۔ اگر اس کی شخصیت میں خوبیاں تلاش کرتے پائے گئے تو دماغ ٹھکانے لگا دوں گی اور جو محبت کرنے کی بھول کی تو نتیجہ بھگتنے کے لیے تیار ہو جانا۔ ہائے پر یہ باغی انسان... مارک ٹوئن کو پڑھتے بھی ضرور سوچا ہو گا کہ یار کہانی میں "مقصد" تو ہے۔ "سبق" بھی حاصل کیا جا سکتا ہے اور پلاٹ بھی دم دار ہے۔ اب کیا کرے یہ الٹی کھوپڑی کا انسان کہ یہی ممانعت ہی تو دراصل راغب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ امی جی کی خاموش تنبیہہ کے نتیجے میں غور کرنے پر اندازہ ہوا کہ محترمہ سے یقیناً" متاثر ہوا جا سکتا ہے' شخصیت میں خوبیاں اگرچہ ناپید ہیں لیکن یہ ناچیز جوہری کسی دن کام آئے گا' پھر خوبیاں تو تراشنی پڑتی ہیں۔ جہاں تک سوال ہے محبت کا تو ایک ہمارا ہی کیا کہنا زمانہ گواہ ہے کہ نادان دل پر کب کسی کا اختیار رہا ہے' شجر ممنوعہ کی طرف راغب کرنے میں بھی غالباً" اسی کم بخت دل کا ہاتھ رہا ہو گا۔

کالی بڑتی اس رات میں آسمان پر آج بھی چاند اور ستاروں کے آگے گہرے کالے بادلوں کی چادر تنی تھی' ایسے میں کسی طوفانی رات کا دھیان میں آجانا عارب حیدر کے بس میں نہیں تھا۔ خصوصاً" جبکہ پوری پلٹن سامنے لان میں جمی موسم سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ عارب میاں کو پلٹن سے تو کیا لینا تھا' موضوع گفتگو اتنا دلچسپ تھا کہ وہ کمرے سے کرسی گھسیٹ کر بالکنی میں تھوڑا پیچھے کو ہو کر بظاہر کتاب کے مطالعے میں مگن موسم انجوائے کرنے کا بہانہ لیے جم گیا۔ ربا نے شاید جنوں بھوتوں کا موضوع چھیڑا تھا اور نوبت اب سچے واقعات تک آ پہنچی تھی۔ ربا نے اپنی امی سے سنے تائی کے گاؤں کے کچھ واقعات سنائے تو ہادیہ اور سمنہ نے لاہور والی کلاس فیلوز کے تجربات و

مشاہدات کا نچوڑ سامنے رکھا۔ ماحول کی ہولناکی اس نہج پہ پہنچ چکی تھی کہ ربا کا دوپٹا ہوا سے لہرا کر سمنہ کے کان کو چھو گیا تو وہ چیخ مار کر ماہ رخ سے لپٹ گئی۔ ہادیہ کو پیاس نے ستایا تو وہ اکیلے کچن کی طرف جانے سے انکاری ہو گئی اور پھر سونے پہ سہاگہ ڈرانے کی باری ماہ رخ کی آگئی۔

"میں آج تم لوگوں کو خود پر بیتی واردات سناؤں گی اب سے پہلے یہ بات میں نے کسی کو نہیں بتائی کیونکہ میں نہیں چاہتی تھی کہ ہادیہ اور سمنہ بھی میری طرح اپنے گھر سے ڈرتی رہیں۔" ماہ رخ نے ماحول میں ڈوب کر دوسروں کو بھی غوطہ لینے پر مجبور کیا۔

"سایوں کو یہاں سے وہاں گھومتے تو میں نے اکثر ہی دیکھا تھا۔ پر اس رات..." آخری جملے پہ لہجہ بھی کھنڈر میں بھٹکتی روحوں جیسا ہو گیا۔

"کس رات؟" ربا منمنائی تو اپنی آواز بھی اجنبی سی لگی۔

"وہ طوفانی رات... جب آسمان ایسے ہی گھرے کالے بادلوں سے بھرا تھا' شدت کی بارش نے ندی نالوں کی سبھی بند توڑ ڈالے تھے۔ ہر سو گھپ اندھیرا... جھینگروں کی آوازیں۔ بجلی کی چمک' بادلوں کی گھن گرج... میری آنکھ شاید بادلوں کے گرجنے سے کھلی تھی... لائٹ چیک کرنے کے لیے میں اٹھی لیکن ابھی بجلی نہیں آئی تھی میں موسم کی کیفیت جانچنے برآمدے میں آئی تو کیا دیکھا..." ماہ رخ جان بوجھ کر رکی عارب بے ساختہ تھوڑا آگے کو ہوا۔

"کیا دیکھا؟" ربا نے تھوک نگلا۔

"ایک سایہ... کسی رومانٹک لڑکی کے خوابوں جیسا حسین تھا۔"

"حسین سایہ؟" غیر متوقع جواب نے تینوں کو بیک وقت چونکایا۔ وہ تو کسی کالی بلا' اندھی چڑیل' کانے جن جیسے خیالات کے زیر اثر تھے۔

"شاید وہ روپ بدل کر آیا تھا۔" ماہ رخ کے تخیل کی پٹاری بہت گہری تھی۔ عارب بھی سر کھجا کر رہ گیا۔

"اچھا کتنا حسین تھا..." ربا کے خوف کم ہونے لگے۔

"چمکتے ڈارک براؤن بال' کھلی سنہری سی رنگت۔ جیسے ایرانی ایشیائی... گھنی جھیلوں سے گہری آنکھیں جن میں ہپناٹائز کرنے کی پوری طاقت ہوتی ہے۔ دراز قد... اور وہ اپنے پورے قد سے کھڑا پہلے تو مجھے خالی خالی نظروں سے گھورتا رہا پھر آگے بڑھا... میں پیچھے ہٹی... وہ اور آگے بڑھا' میں اور پیچھے... وہ مسکرایا... میں چارپائی سے الجھی... اور اس نے... اس نے..." آواز ڈوبنے لگی... "اس نے وائلنٹ اٹھایا۔"

"سائے کا وائلنٹ..." سمنہ چیخی۔

عارب نے بے ساختہ فضا میں مکا لہرایا۔ "وہ میرا وائلنٹ تھا۔" پھر مکا سیدھا کرتے ٹھٹکا۔ سائے کا تو حلیہ بھی کچھ کچھ لب دھیمے سے مسکرائے۔ "ایرانی ایشیائی۔ کیا نام دیا ہے۔"

"ہوتا ہے۔" ماہ رخ نے سمنہ کو ٹھنڈا کیا۔ "کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ سائے سے کیا بعید... ہے ناں۔" اس نے ربا سے تائید چاہی جس نے کندھے اچکا دیے۔

"پھر کبھی نظر آیا۔" سمنہ ابھی وہیں تھی۔

ماہ رخ کا دل چاہا کہہ دے۔ "وہاں تو نہیں۔ آج کل یہیں کہیں پایا جاتا ہے۔" لیکن اگر جو وہ سچ مچ دہل جائیں۔

"کاش آجائے نظر..." اس نے مصنوعی آہ بھری۔

"تم ڈرو گی نہیں؟" ربا متعجب تھی۔

"اونہوں..." وہ پلکیں موند کر مسکائی۔ "کیونکہ ڈر کے آگے جیت ہے۔"

"لاحول ولا..." ربا سخت برا منہ بناتی اٹھ گئی۔ "ڈر کے آگے جیت ہے تو یعنی بے خوفی اور بہادری کے آگے ہار ہے۔ یعنی یہ کیا بات ہوئی۔ لے کے کچھ بھی بول دو۔ ایڈ بن گیا۔"

"اچھا جا کہاں رہی ہو... آگے تو سنو۔" ماہ رخ نے اس کا دوپٹا کھینچا۔

"تم اپنے اس الہ دین کو کچن میں لے آؤ۔ امی نے مجھے چاول ابالنے کو کہا تھا میں تو وہیں جا رہی ہوں۔"

"الہ دین۔" ماہ رخ کی آنکھوں میں جگنو چمکے "اچھا نام ہے۔" ہادیہ' سمنہ کی سنگت میں وہ بھی ربا کے پیچھے ہولی اور عارب' الہ دین کے باقی ماندہ کارناموں سے محروم رہ جانے پر سخت کبیدہ خاطر ہوا۔

✡ ✡ ✡

عطیہ خالہ اور ربا ٹیلر کی طرف گئی تھیں گرمیوں کے کپڑے سلنے دینے کے لیے اور ماہ رخ نے تو ابھی لان کی خریداری کرنے مارکیٹ بھی جانا تھا۔ ربا نے بتایا کہ پچھلے سال والے کچھ ان سلے پڑے تھے' پہلے وہ سلوا کر جلد انہوں نے بھی نئی شاپنگ کے لیے جانا ہے۔ دوپہر کے لیے سالن خالہ بنا کر گئی تھیں۔ بادل ناخواستہ ماہ رخ نے آٹا گوندھنے کی ذمہ داری اپنے نازک کندھوں پر لے لی۔ شانے سے بل کھا کر آتے لمبے آنچل کو اس نے کمر پہ گرہ لگائی۔ آٹا چھانتے اسے فریج کھلنے کی آواز آئی تو چونک کر مڑی۔ عارب پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر چھوٹی ٹیبل تک گیا تھا۔ گلاس سیدھا کر کے اس نے پانی انڈیلا۔ ماہ رخ واپس سیدھی ہوئی۔

"تو اس رات آپ نے سائے کی شکل دیکھ لی تھی۔ پھر مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی؟"

"جی؟" ماہ رخ نے سیکنڈز میں پک کر لیا کہ "کیا ہو چکا ہے۔" اس رات سے ان دونوں کے ہاں ایک ہی رات مراد لی جاتی تھی۔ اگرچہ آج وہ پہلی بار ہی ڈسکس ہو رہی تھی' اس سے قبل محض اپنے اپنے خیالوں تک ہی محدود تھی۔

"مم... میں نے نہیں دیکھا تھا واللہ۔"

"تو وہ براون بالوں' بھوری آنکھوں' سنہری رنگت والا۔" عارب گلاس اٹھائے اس کے سر پر پہنچا۔

"وہ' وہ... رات والا قصہ۔" ماہ رخ نے شرمندگی سے بھرا ایک ہلکا سا قہقہہ چھوڑا۔ "وہ تو یونہی میں انہیں ڈرا رہی تھی۔"

"لیکن وائلٹ میرا تھا ناں؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے قصے کی مبالغہ آرائیوں پہ روشنی ڈال رہا تھا۔

"بتایا ناں یونہی فرضی قصہ تھا۔" وہ بظاہر لہجے کو نارمل رکھتے ساری فرسٹریشن آٹے پر نکالنے لگی۔

"قصہ گوئی میں آپ کا جواب نہیں ویسے..." اب کے وہ مسکرایا تو انداز صاف صاف چڑانے والا تھا۔

"ہاں لیکن سائے کو بھیا تک دکھاتیں تو زیادہ ڈر لگتا۔" خیر اس نے گلاس رکھ کر توقف کیا۔ ماہ رخ دم سادھے سن رہی تھی۔ "تخیل میں تھوڑی سی حقیقت کی آمیزش مجھے تو بہت پسند آئی۔" ہنستے ہوئے عارب نے باہر کا رخ کیا اور گہری سانس لیتے ماہ رخ نے اعصاب ڈھیلے چھوڑے۔

"اف... جان کو ہی آ گیا یہ تو... میری توبہ جو آئندہ..."

"چچی کہاں ہیں۔" باہر سے آتی آواز بلاشبہ صائم بھیا کی تھی۔ ماہ رخ نے مڑ کر دیکھا' صائم بھیا کچن میں عارب سے تفتیش کر رہے تھے۔

"معلوم نہیں۔" عارب لاپروائی سے کندھے اچکا کر قریب سے نکل گیا صائم نے ایک غصیلی نگاہ اس کی پشت پر ڈالتے سیڑھیوں کا رخ کیا۔ ماہ رخ کو عارب کی روڈنیس اس لمحے بڑی عجیب سی لگی۔

"کیا تھا جو سیدھے سبھاؤ جواب دے دیتا' چچی کا ہی تو پوچھ رہے تھے... خیر۔" مزید الجھنے کے بجائے وہ دوبارہ کام کی طرف متوجہ ہوئی لیکن یک لخت ٹھٹک کر رکی... یہ کیا کہا تھا عارب نے؟ ذہن میں اچانک اس کا آخری جملہ گونج گیا۔

"تخیل میں تھوڑی سی حقیقت کی آمیزش" توبہ میرے اللہ ماہ رخ نے پریشانی میں آٹے والا ہاتھ ہی ماتھے پہ دے مارا۔ وہ چالاک لڑکا "یہ" تک سمجھ گیا... جاسوس نہ ہو تو' پتا نہیں کہاں چھپا بیٹھا تھا۔ ہر بات سن لی۔

"وائلٹ میرا تھا۔" ہونہہ منہ بگاڑ کر نقل کرتے وہ ایک بار پھر آٹے سے نبرد آزما تھی۔

✡ ✡ ✡

سمنہ' ہادیہ کے میلے کپڑے بغل میں دبائے وہ

لہراتی ہوئی برآمدے سے کونے کے کوریڈور میں داخل ہوئی۔ واشنگ مشین عین سیڑھیوں کے نیچے رکھی تھی، میلے کپڑوں کو وہیں ڈال دیا جاتا جب تک کہ انہیں دھونے کی نوبت نہ آجاتی۔

پر موڑ کاٹتے ہی ماہ رخ کو بے آواز بریک لگانا پڑی کہ سیڑھیوں کے بیچوں بیچ وہ صائم بھیا تھے جو نیچے آتے آتے وہیں رک گئے تھے اور پیٹھ کیے غالباً" اوپر جاتی وہ ربا تھی، جو ان سے کچھ بات کر رہی تھی۔ ماہ رخ کی آمد پر سلسلہ کلام اچانک منقطع ہوا تھا اور صائم بھیا سیڑھیاں اتر کر برآمدہ مڑ گئے۔ ربا بھی اوپر جانے کا ارادہ ترک کرتے سست روی سے سیڑھیاں اترتی اس کے قریب آرکی۔ اس وقت تو ماہ رخ اپنے تجسس پر قابو پاکر کپڑے مشین میں ڈال کر سوبرپنے سے موسم کے موضوع پر بولنے لگی۔

ہاں پر معلوم نہیں پھر کیوں اور کیسے شام ہوتے، کھانا کھا کر بستروں میں پڑنے تک وہ اندر کی بے چین روح کو قرار دینے میں سخت ناکام رہی تھی۔

"ہائے اللہ میاں جی... یہ تجسس بھی ناں بڑی بری چیز ہے۔" سوچتے سوچتے دماغ میں رسی جیسے بل پڑ گئے۔

"ارے ربا... سنو ناں..." اس نے دوسرے پلنگ پر لیٹی ربا کا کندھا جھنجوڑا۔ "یار مجھے دوپہر سے اتنی گدگدی ہو رہی ہے۔ بنا جانے تو نیند بھی نہیں آئے گی۔"

"ہاہاہا..." ربا بھی شاید تب سے قہقہہ روکے ہوئے تھی۔ چادر منہ سے ہٹا کر باقاعدہ اٹھ بیٹھی۔ "اتنے گھنٹے بھی تم سے کیسے ضبط ہوا؟؟"

"اللہ مت پوچھو بس خود کو داد دے کر بہلاتی رہی اپنے سوبرایٹی ٹیوڈ پر۔"

"ہوں..." ربا نے مزا لیتے سکون سے تکیہ کہنی کے نیچے ٹکایا۔ ہونٹوں پر ہنسی اور آنکھوں میں سخت شرارت بھری تھی۔

"تو پہلے تسلیم کرو کہ اصل میں تم چھچھوری ہو، پھر آگے بڑھوں گی۔"

"اللہ کرے..." ماہ رخ نے دانت کچکچا کر کوئی بھاری بھرکم بددعا سوچنے کی کوشش کی۔ "اللہ کرے اگلی بار تمہیں تائی امی دیکھ لیں۔" بالآخر اپنی دانست میں اسے تگڑی بددعا سوجھ ہی گئی۔ ربا نے پہلے سے بھی اونچا قہقہہ لگایا۔

"ان کی کسے پروا ہے... کچھ اور سوچو۔"

"اچھا میری ماں... میں ہاری... اب بکو بھی... کیا باتیں ہو رہی تھیں۔" وہ سمنہ، ہادیہ کے خیال سے سرگوشی میں کہتی باقاعدہ اس کے پلنگ پر کود گئی۔

"وہ مجھے ہر سیزن کا ایک سوٹ دلایا کرتے ہیں۔" ربا یک لخت شرماتے ہوئے دھیمے سروں میں گویا ہوئی۔

"او... واؤ۔" ماہ رخ کی آنکھیں اندھیرے میں چمکیں۔ "پھر پوچھ رہے تھے گرمیوں کی شاپنگ کب کرنی ہے کل انہیں سیلری ملی ہے تو پے منٹ کر رہے تھے۔"

"تو تم مینج کیسے کرو گی... آئی مین خالہ کو کیا بتاؤ گی۔" وہ پرسوچ انداز میں گال پہ انگلی بجا رہی تھی۔ ربا نے دھپ مار کے توازن بگاڑ دیا۔

"امی کو معلوم ہے اس بارے میں۔"

"ہیں اچھا!" ماہ رخ کی ایکسائٹمنٹ بڑھی "تو کیا کہتی ہیں وہ؟"

"ظاہر ہے وہ تو خوش ہیں انہیں اور کیا چاہیے اگر ساری زندگی میں یہیں ان کی آنکھوں کے سامنے رہوں۔"

"ہوں... بات تو ٹھیک ہے لیکن وہ تائی امی؟"

"ان کا کچھ نہیں۔" لاپروائی سے ہاتھ جھٹکتی ربا اس لمحے سچ مچ ہی ماہ رخ کو حیران کر گئی۔ ایسی رعب داب والی تائی کے خیالات تو ہر سوچ اور پلاننگ پر حاوی ہونے چاہئیں... ایکسیہ ہے... یعنی کہ۔

"صائم اپنی مرضی کریں گے..." ربا اب سنجیدگی سے بتا رہی تھی۔ "وہ اپنے فیصلوں میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتے۔"

"چلو۔" ماہ رخ نے نیم تائیدگی سے سرہلایا "یہ تو

اور بھی اچھا ہے.... تو کپڑوں کی شاپنگ کل صبح؟" ماہ رخ کا دھیان شاپنگ کی طرف پلٹا۔

"خبردار۔" سمنہ نے کروٹ بدلی.... "ہمیں اسکول بھیج کر کپڑے لینے مت جانا آپی.... اس سال میں ہرگز تمہاری پسند کے پرنٹ نہیں پہننے والی...."

"اور میں بھی۔" ہادیہ بھی نیند میں کراہی.... ربا منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسے جا رہی تھی دل میں پھر شرارت چٹکیاں لینے لگی۔

"کیوں بھئی، اتنی خراب چوائس ہے تمہاری آپی کی۔"

"نہ پوچھیں ربا باجی...." سمنہ نے کان پکڑنے کے لیے ہاتھ باہر نکالا۔ "چن چن کے رضائیوں، دسترخوانوں جیسے پرنٹ لیں گی۔"

"اوپر سے ضد یہ کہ فیشن ہے...." ہادیہ بھی سیدھی ہو کر میدان میں اتری "میں نے اپنے چودہ برسوں میں ان کے ہاں تو یہی ایک فیشن ہی ٹھہرے دیکھا ہے۔"

"چپ رہو۔" .... ماہ رخ نے کھینچ کر ہادیہ کو سرہانہ مارا "اب اور کس وقت جاؤں؟"

"ارے جانے کا کوئی مسئلہ نہیں...." ربا نے بیچ بچاؤ کیا۔ "عارب گھر آتا ہے ناں لنچ کرنے، اس وقت یہ بھی آچکی ہوتی ہیں بس ٹھیک ہے مل کر چلیں گے اب سو بھی چکو۔" ماہ رخ کا غصہ ابھی گرم تھا۔

"تم لوگ سونے دو گے تب ناں...." سمنہ نے منہ بنایا۔ ربا ہنستے ہوئے لیٹ گئی۔

"اوکے بابا سو گئے ہم بھی۔ گڈ نائٹ۔"

"شب بخیر...." ماہ رخ اور سمنہ نے بیک وقت حصہ ڈالا ہوں.... نیند میں جاتی ہادیہ نے بھی خود کو شامل کیا زبردستی۔

☆ ☆ ☆

پچھلے روز کی آندھی تو اللہ جانے کدھر نکل گئی تھی۔ آج البتہ صبح سے ماحول میں گرد سی ٹھہری محسوس ہو رہی تھی.... بار بار وہم اٹھتا کہ آندھی باہر تیز ہو گئی ہے لیکن مارکیٹ کے لیے نکلنے تک موسم یونہی بے یقین سا رہا۔ ربا مسلسل بیل کی تاک میں تھی جونہی دوپہر کو عارب کی گاڑی کا ہارن ہوا اس نے پورچ میں ہی سارا پلان اس کے کانوں میں پھونک دیا۔ بظاہر رخ روشن پہ سنجیدگی طاری کیے عارب نے کھانا کھانے کی مہلت مانگی۔ البتہ سیڑھیاں چڑھتے۔

"چوری چوری چل او گوری...." کی دھن سیٹی پہ بجاتے خوب ترنگ میں اوپر پہنچے۔ نادان دل تو ایسے حسین مواقع کی تاک میں رہتا تھا لنچ تیار ہونے تک شاور لے کر ڈریس بھی تبدیل کر لیا۔ محض مارکیٹ تک ڈراپ کرنے میں جوش کا یہ عالم تھا، کہیں ڈیٹ وغیرہ پہ جانا پڑ جاتا تو دل ول کا دورہ بھی لاحق ہو سکتا تھا۔ گانوں کی سی ڈی ان سب کے آنے سے پہلے یوں سیٹ کر کے سامنے رکھی کہ ربا خود ہی لگانے کی فرمائش کر دے۔ اپنی طرف سے میوزک کا آغاز کرنا اتنی ڈھیر ساری خواتین کے درمیان کچھ بے ادبی تصور ہوتی۔ عطیہ چچی نے فرنٹ سیٹ سنبھالی اور باقیوں نے جیسے تیسے خود کو پیچھے ایڈجسٹ کیا۔ آدھا سفر کٹ گیا، ربا کی بچی اپنے کسی خیال میں مگن تھی، ورنہ تو وہی ہمیشہ شور ڈال دیتی کہ میوزک آن کیا جائے۔ عارب اپنی فلاپ پلاننگ پر دل مسوس کے رہ گیا۔ موسم کے تیور دیکھتے البتہ انہیں اپنے خیالات سے آگاہ کر دیا کہ وہ انہیں مارکیٹ محض ڈراپ ہی نہیں کرے گا بلکہ گھر واپس چھوڑ کر ہی اپنے کام کے لیے کہیں نکلے گا۔ اب فیلڈ کے کام میں "اپنوں" کے لیے اتنی سی گنجائش تو بنتی ہی ہے۔

"اے سنو عارب...." ربا نے عجلت میں سیٹ کی بیک پہ ہاتھ مارے "جی بی ٹیلرز پہ روکنا ذرا.... پچھلے کپڑے تو سل بھی گئے ہوں گے۔"

"ہوں...." اس نے بیک ویو میں کچھ کھوج لینے کی آس میں آنکھیں گھمائیں جو سوئے اتفاق نشانے پہ لگیں۔ ادھر سے بھی عین انہی لمحوں میں نگاہ اٹھائی گئی تھی پہ اور بات کے پکڑے جانے پر گڑبڑا کے فوراً ہی ہٹالی گئی۔ عارب نے کار جی بی ٹیلرز کے سامنے روکی۔

ربیا نے باہر نکلتے ساتھ بیٹھی سمنہ کو اشارہ کیا۔ شاید اکیلے نہ جانے کے خیال سے۔۔۔ وہ دونوں دکان میں داخل ہوئیں اور عطیہ خالہ نے ماتھے پہ ہاتھ مارا۔

"پرس تو میرے پاس چھوڑ گئی۔۔۔ وہ موا پاگل ہوا ہے، جو بنا پے منٹ کے کپڑے اٹھا کر دے دے گا۔ ٹھہر بیٹا، میں ذرا پرس لے جاتی ہوں۔" وہ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر خود بھی باہر نکل گئیں۔

گاڑی قریب قریب خالی ہوئی تو کسی نے ناک سے سانس کھینچ کر ہنکارا بھرنے کی کوشش کی۔ ماہ رخ نے کانی آنکھ سے دیکھا تو صاحب اپنے آپ میں مسکرائے جا رہے تھے۔۔۔ عارب کو ہمیشہ ہی ایسے موقعوں پر ہنسی آجاتی تھی۔ بڑی ہی بے ساختہ قسم کی خالص اندر سے آتی۔ ماہ رخ کے پیٹ میں گڑگڑ ہونے لگی۔۔۔ اب یوں تو بڑا ہی ان رومانٹک سا سسٹم تھا لیکن وہ کیا کرتی۔۔۔ عارب کے ساتھ کہیں پر اکیلے رہ جاتے ہی پیٹ میں گول گول چکر پڑنے لگتے۔۔۔ پتا نہیں یہ کیسی کیمسٹری تھی۔ عموماً "تو ہواؤں کا چلنا، گھٹاؤں کا اُمڈنا سنتا تھا یا پھر۔۔۔ بب بارش۔ الفاظ اس کے ذہن میں تھے اور ونڈا سکرین موٹے موٹے قطروں سے بھرنا شروع ہو گئی۔

"ہائے اللہ بارش۔۔۔" ہادیہ چہک کر کھڑکی کے نزدیک ہوئی شیشہ نیچے کر کے ہاتھ بھی باہر نکال دیے۔

"مزید آگے چلنا ہے یا؟" بیک ویو مرر ہاتھ سے پکڑ کر اس پہ سیٹ کیا گیا خوب جتا کر سوال کرنے کے بہانے۔۔۔ وہ بھنویں سکیڑ کر دیکھنا چاہتی تھی لیکن کم بخت کی مبہم ہنسی اور چمکتی آنکھوں میں خود ہی چکر کھا کر رہ گئی۔

"خالہ آجائیں تو۔۔۔" وہ کھڑکی سے باہر دیکھتے اتنا ہی کہہ پائی عارب نے سرہلا کر اس مرتبہ توجہ کی نظر ڈالی۔ محبوب کی بے اعتنائی میں بھی فائدے چھپے ہیں۔۔۔ وہ جب دوسری طرف دیکھے تو آپ "اسے" توجہ سے دیکھ پاتے ہیں۔ لائٹ براؤن سوٹ پر تیکھی فیروزی کڑھائی اور فیروزی دوپٹے میں گیلی لٹوں کو کان کے پیچھے پھنسائے بڑی ہی نکھری نکھری لگ رہی تھی۔ عارب نے سارے آداب طاق پہ رکھتے سی ڈی پلیئر آن کر دیا۔

"پیار ہے۔۔۔ یہی تو پیار ہے۔۔۔ سپنے دکھاتا ہے، جاں بھی جلاتا ہے۔۔۔ پیار۔۔۔"

عدنان سمیع اور حدیقہ کی آواز میں وہ سرگم فلم کا گانا تھا۔ ہمیشہ اچھا لگنے والا ایور گرین سانگ۔۔۔ ماہ رخ کی گڑگڑ کانوں میں گھسنے لگی۔ اس نے بے بسی سے باہر دیکھا۔ بارش تیز ہو چکی تھی۔ خالہ، ربیا اور سمنہ شاپ سے نکل کر چھجے تلے کنفیوژ سی کھڑی موسم کو دیکھ رہی تھیں۔

"گاڑی تھوڑا قریب لے جائیں ناں۔۔۔ وہ لوگ آنا چاہتی ہیں۔"

"کیوں نہیں۔۔۔" وہ پھر مسکرایا۔ "ابھی لیں۔۔۔" آواز دھیمی کرتے عارب نے کار ذرا آگے کھسکائی۔

"اف خدایا۔ بارش تو تیز ہو رہی ہے۔" عطیہ خالہ دوپٹے سے چہرا صاف کرنے لگیں۔ "کیا کریں عارب۔۔۔ واپس چلیں؟"

"کوئی مسئلہ نہیں ہے چچی۔۔۔ مارکیٹ تو بالکل سامنے ہے اور مکمل کور بھی ہے۔ آپ لوگ آرام سے کام نمٹا لیں۔"

"اور تم بیٹا؟" وہ اندر سے تو تیار تھیں یونہی اخلاقاً" پوچھ لیا۔

"میں یہیں ہوں چچی۔۔۔ گاڑی میں۔"

"موبائل ہے ناں ساتھ میں۔۔۔" ناک سکوڑ کر دل میں سوچتے ماہ رخ بھی باہر نکل آئی۔ اپریل کی ہلکی ہلکی وجود پر پڑتی وہ پھوار کس قدر دلفریب تھی۔ ماہ رخ کے دماغ میں بیک وقت کئی فلموں کے سین دوڑنے لگے جن میں بارش شروع ہوتے ہی ہیروئن بیچ سڑک باہیں پھیلائے گول گول چکر کاٹنے لگتی ہے۔ اسے تو امی نے کبھی صحن میں بھی مستیاں کرنے کی اجازت نہیں دی تھی۔

"مر جاؤ گی ماہ رخ۔۔۔ نمونیا ہو جائے گا کم بخت۔۔۔ اندر دفع ہو۔۔۔" مرحومہ امی جان کو بارش فوبیا لاحق تھا۔ بادلوں سے بیر باندھے ہی دنیا سے رخصت ہو گئیں، پر اپنا اور بیٹیوں کا بال بھی بھیگنے نہیں دیا کبھی

بارش میں۔

"ارے چلو بھی... شاپنگ کرنے تک بھیگ ہی نہ جائیں کہیں۔" ربا نے سستی سے سامان سمیٹتی ماہ رخ کو کہنی مار کر ٹھوکا دیا۔ اس نے سڑک پر گول گول چکر کاٹتی ہیروئنوں کو الوداع کہا۔ عطیہ خالہ اور سمنہ' ہادیہ کپڑوں کی ایک دکان میں داخل ہو کر تھان بھی کھلوا چکی تھیں... ماہ رخ نے بیگ سنبھالتے ذرا کی ذرا گردن موڑ کر گاڑی کی طرف دیکھا۔

"کلموہا موبائل کو دیکھتے بھی بالکل ویسے مسکراتا ہے جیسی مسکراہٹوں سے اسے اکیلے پا کر نوازتا تھا۔ سوتن سے کیا ہی کم لگتا تھا۔" ماہ رخ کو یہ منحوس موبائل... سیٹ کی بیک سے ٹیک لگائے کانوں میں بڈز ڈالے وہ سراسر ارد گرد سے بے نیاز موبائل اسکرین کو تکتے مسکرا رہا تھا۔

"کچھ تو پسند کرو..." ربا نے ہاتھ لہرا کر اس کا ارتکاز توڑا۔ "بتاؤ ناں... ان تین میں سے کون سا زیادہ اچھا ہے..." ربا نے منتخب شدہ تھانوں کو باری باری سامنے پھیلایا۔

"مجھ سے نہ پوچھو..." ماہ رخ نے منہ پھلایا "بلکہ یوں کرو میرے لیے بھی تم لوگ ہی پسند کر لو میں تو رضائیاں اوڑھتی ہوں ناں "موبائل والے" کا غصہ نکالنے کی خوب جگہ ملی تھی۔ ربا نے ہنسی ضبط کی۔

"میں نے تھوڑی کچھ کہا تھا' اچھا میری اتنی سی ہیلپ تو کرو... مجھے گرین کلر کی ڈریس چاہیے۔ ذرا اوپر نیچے نظر دوڑاؤ۔"

"گرین ہی کیوں... بھیا کی فرمائش ہے کیا؟" ناراضی بھاڑ میں جھونک وہ شرارت سے مسکرائی۔

"نہیں بھئی' وہ تو ہر بار ہی دلاتے ہیں' ہمیشہ تھوڑی ان کی پسند پہ چلوں گی۔ مجھے خود ہی شوق ہو رہا ہے گرین کلر کا' بڑے عرصہ سے بنوایا بھی نہیں۔"

"یہاں تو بے شمار گرین ہیں۔ ماہ رخ نے گال کھجاتے دائیں بائیں' اوپر نیچے ایک تفصیلی نظر ڈالی۔

"کچھ تو آئیڈیا دو... کیسا گرین مونگیا' انگوری' سی گرین' جھنڈے والا؟"

"آں..." ربا نے دانتوں میں انگلی دبا کر کچھ دیر سوچا "کدو جیسا... ہلکا ہلکا ٹھنڈا سا..."

"عارب کی شرٹ جیس س س..." بریک تو لگی مگر افسوس دیر ہو چکی تھی' جملہ منہ سے پھسل چکا تھا۔ وہ خواہ مخواہ سامنے رکھا تھان الٹ پلٹ کرنے لگی۔ ربا نے تیکھی چتون سے ایک نظر ماہ رخ پر اور دوسری دور نظر آتے عارب پر ڈالی۔ خوب صورت لائٹ سی انگوری ٹی شرٹ پہ اس نے تو غور ہی اب کیا تھا۔ وہاں سے نظر ہٹا کر دوبارہ ماہ رخ کی طرف آئی۔ کارٹونوں جیسی ہنسی منہ پہ سجائے جو سخت پھیکی نظر آ رہی تھی۔

ربا نے بڑی مشکل سے ہنسی کنٹرول کی۔

"ہاں کچھ اسی سے ملتا جلتا" وہ کہہ کر رخ پھیر گئی... تو یعنی نہا دھو کر تیار ہو کر جو محنت عارب نے خود پر کی تھی رائگاں نہیں گئی تھی۔

"اب اپنے لیے بھی کچھ پسند کر لو' ایک ہی دکان سے چپک کر بیٹھ گئے ہم تو... وہاں دیکھو امی اور سمنہ وغیرہ دس دکانیں آگے نکل گئیں۔" ربا بھی اب سوبر بننے کی راہ پر چلتے موضوع بدل گئی تھی۔

واپسی کی راہ میں زیادہ تر تو شاپنگ ہی ڈسکس ہوتی رہی تھی۔ ماہ رخ نے محتاط طرز اپناتے اپنے لیے تینوں ڈریسز ربا' سمنہ اور ہادیہ کی پسند سے لیے تھے... اگر واقعی وہ اب تک رضائیاں اوڑھتی آئی تھی تو اب گجرات میں وہ ایسا کچھ افورڈ نہیں کر سکتی تھی۔ کہیں عارب کی معنی خیز گلاب بکھیرتی ہنسی اس کے الٹے سیدھے پہناوے کی وجہ سے مضحکہ خیز ہنسی میں نہ بدل جائے یہ سوچ کر اس نے اپنی پسند پہ قطعی بھروسا نہیں کیا تھا۔ گاڑی گھر والے روڈ پر مڑ چکی تھی۔

"یہاں سے خالہ کے گھر کا ویو کتنا خوب صورت ہے ناں؟" ہادیہ کے توجہ دلانے پر ماہ رخ نے نظر اٹھا کر دیکھا۔ باہر سے واقعی یقین نہیں آ رہا تھا یہ وہی گھر ہے۔ گھر کے صحن سے تو اوپر کی منزل دکھائی ہی نہیں دیتی تھی کیونکہ ایک تو خالہ کا صحن اور لان مستطیل شکل کے تھے دوسرے برآمدے کے آگے کافی بڑا چھجا نما شیڈ بھی تھا... اوپر کی منزل تو سڑک سے ہی صاف

صاف دکھائی دیتی تھی۔ ٹی روز کلر کی بالکنی اور وائٹ گرل سے گھر کا تاثر ہی تبدیل ہو گیا تھا۔

"جب سے عارب نے اپنے کمرے کے آگے یہ بالکنی بنوائی ہے ہمارا گھر بھی بنگلوں جیسا لگنے لگا ہے۔" ربا کے شوخی بھرے چٹکلے نے ماہ رخ کے سارے طبق ہی روشن کر دیے۔ "عارب کا کمرا اور بالکنی۔"

"عمرو عیار کہیں کا.... میں بھی کہوں سلیمانی ٹوپی پہن کر بیٹھا کہاں رہتا ہے.... تف ہے تم پر ماہ رخ احسان۔ یعنی کہ چھوٹے سے گھر کا اتنا سا جغرافیہ تمہاری سمجھ میں نہ آیا...." اور یہ حقیقت بھی تھی۔ راستوں نقشوں کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے انتہائی ڈفر تھی۔

"ایک تو سیانے لوگوں کا یہ بھی بڑا مسئلہ ہے...." ماہ رخ نے عطیہ خالہ کے "بنگلے" کو دیکھتے بردباری سے تجزیہ کیا۔ "جتنے وہ زیادہ ذہین اور سمجھ دار ہوتے ہیں اتنا ہی کسی ایک آدھ معاملے میں انتہا کے ڈفر بھی ہوتے ہیں۔ جغرافیہ سمجھ میں نہ آنا بھی ماہ رخ احسان کی ذہانت کی دلیل ہے اگر کوئی سمجھے تو...."

گاڑی گھر میں داخل ہو چکی تھی۔ بارش ختم ہونے کے بعد پیچھے والے بھی موسم کی دلکشی سے خوب خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔ تایا ابا اور صائم بھیا چھوٹے سے لان کی کرسیوں پر براجمان اخبار سامنے رکھے خبروں پر تجزیئے کرتے نظر آئے۔ تائی نگار نیچے والے کچن سے چائے کی ٹرے لیے برآمد ہوئیں۔ ماہ رخ کو یہاں کے ماحول کی ایک یہ بات بھی بڑی پسند آئی تھی۔ یہاں پورشن بھلے الگ الگ تھے لیکن ایک دوسرے کی چیزیں استعمال کرنے میں یہاں کوئی فرق روا نہیں رکھا جاتا تھا۔ کھانے پینے کے معاملات بھی یہاں بڑے دلچسپ انداز میں طے پایا کرتے تھے۔ روزانہ صبح ناشتے کے بعد عطیہ خالہ اور نگار تائی فون پر ایک دوسرے سے دوپہر کا مینو ترتیب دیتیں۔ اگر اوپر کے پورشن میں سبزی ترکاری پک رہی ہوتی تو نیچے شوربہ کری ٹائپ کوئی آئٹم تیار کیا جاتا کیونکہ صائم کو سبزیوں سے سخت چڑ تھی۔ ایسے دنوں میں اس کا کھانا نیچے سے جاتا۔ پلاؤ بریانی والے دن جہاں اوپر نیچے سب کی عید ہوتی وہاں تایا ابا کے لیے لازمی کچھ اور بنانا پڑتا کیونکہ انہیں چاولوں سے پرہیز بتایا گیا تھا۔ تائی امی پلاؤ پکانے لگتیں تو عطیہ سے کہہ دیتیں کہ وہ رضا حیدر کے لیے کچھ ہلکا پھلکا بنا لے۔ یہاں کچھ بھی ایک دوسرے سے چھپا کر پکانے کا کوئی رواج نہ تھا۔ کسی خاص ڈش کی تیاری کے موقع پر قبل از وقت ہی مطلع کر دیا جاتا تاکہ دوسری پارٹی آج کچن کے جھنجٹ سے بچ جائے۔ ماہ رخ کو شروع شروع کے دنوں میں بڑی الجھن گھیرے رہتی کہ عطیہ خالہ کو تو چلو وہ اپنے لاہور والے دو گھروں کا کرایہ دینے کے لیے جیسے تیسے راضی کر چکی تھی کم از کم اب مالی لحاظ سے وہ تینوں ان پر بوجھ نہ تھیں لیکن تائی بے چاری جواب سے پہلے دو لوگوں کے لیے کچھ نہ کچھ پکا کر نیچے بھیجتی تھیں اب انہیں پانچ لوگوں کے حساب سے تیاری کرنا پڑتی تھی۔ ایک روز اس نے دبے دبے عطیہ خالہ سے بھی ذکر کر دیا۔ انہوں نے جواباً" نرمی سے ماہ رخ کو اس معاملے میں خاموشی برتنے کا مشورہ دیا۔

"نگار بھابی سخت مذہبی قسم کی خاتون ہیں۔ ادھر تم نے ایسے کسی موضوع پر بات شروع کی ادھر وہ تمہیں اسلامی تاریخ کے سنہرے واقعات سنانا شروع کر دیں گی۔ وہ اپنی زندگی کو ایسے طور پہ چلانا چاہتی ہیں جس کا حکم قرآن و حدیث میں ملتا ہے۔ زندگی کے متعلق ان کا نظریہ بہت مختلف ہے۔ عارتا" برتنے کی چیزوں میں دل تنگ کرنے کے وہ سخت خلاف ہیں۔ ان کے خیال میں کائنات کا فلسفہ' دنیا میں انسان کی آمد جس قدر ماورائے عقل و سمجھ ہیں ان کے آگے دنیاوی چیزوں کی اوقات ہی کیا ہے۔" عطیہ خالہ نے مسکرا کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا۔

"برسوں میں نے بھی بلاوجہ بھابھی سے بدگمانی میں گزارے ان کی بظاہر نظر آتی سخت گیر طبیعت کی وجہ سے لیکن اب میں انہیں سمجھ چکی ہوں اور تم بھی ایسے چھوٹے موٹے معاملات کو سر پہ سوار مت کیا کرو۔" وہ نرمی سے اسے سمجھاتے وہاں سے اٹھ گئیں اور

ماہ رخ دیر تک تائی جی کی پراسرار شخصیت کے متعلق بیٹھی سوچتی رہی۔۔۔ صورت سے انسان کی شخصیت کا اندازہ لگانا کیا واقعی اتنا غلط ثابت ہوتا ہے۔ وہ تو تائی جی کو ایک مغرور' بد مزاج اور انتہائی اکھڑ خاتون تصور کرتی تھی ان کی شخصیت کے محض ایک ہی پہلو نے دل پہ پڑے بدگمانی کے پردے اٹھا دیے تھے۔ انسان کی پہچان واقعی اس کے عمل سے ہوتی ہے۔ شکل سے اندازے لگانے سراسر بھول ہوا کرتی ہے۔ وہ اس روز تائی جی کے لیے بڑے اچھے جذبات لیے وہاں سے اٹھی تھی۔

کار سے اتر کر عارب نے سموسے ربا کے حوالے کیے۔ تائی جی نے راستے میں ہی انہیں کال کر کے سموسے لانے کو کہا تھا۔ چائے بھی انہوں نے سب کے لیے تیار کی تھی کیونکہ عارب نے بتا دیا تھا کہ وہ لوگ شاپنگ مکمل کر کے واپس لوٹ رہے ہیں۔

لان میں بچھی چار کرسیوں پر تایا ابا' تائی جی' عطیہ خالہ اور صائم بھیا بیٹھے تھے۔ لڑکیاں اپنی پلیٹیں اور چائے کے کپ لیے برآمدے کی سیڑھیوں پر آبیٹھیں عارب نے اندر سے چیئر گھسیٹ کر برآمدے میں رکھی اب وہ عین ماہ رخ کے پیچھے بیٹھا تھا۔ ربا' سمنہ اور ہادیہ جانے کس بات پر قہقہے بکھیر رہی تھیں۔ ماہ رخ سے تو ہنسا بھی نہیں گیا۔ پیٹ کی گڑگڑ سے بھلے نجات مل گئی تھی لیکن اس دل کے دشمن کی آس پاس موجودگی سے کانفیڈینس کا ستیاناس ہو جاتا تھا۔ اب وہ کس موضوع پر بولے یا بولی گئی بات پر کیسا تبصرہ کرے۔ منہ سے کوئی بونگی نکل گئی تو سارے امپریشن کا کچرا ہو جائے گا۔ پشت پر ایک ہنستے مسکراتے شخص کی موجودگی کو محسوس کرتے وہ گھونٹ گھونٹ چائے پینے لگی۔ چوہے کی طرح کسی کسی وقت سموسہ بھی کتر لیتی۔۔۔ لیکن اگر جو وہ پیچھے نہ بیٹھا ہوتا تو خوب ڈبو ڈبو کر چٹنی بھی لگاتی۔ سموسے کا مزا ہی کر کرا کر دیا۔ ہیرو نہ ہو تو۔

ادھر عارب نے مسکراہٹ سمیٹتے ہوئے نہ صرف بھرا ہوا کپ خالی کیا بلکہ دو عدد سموسے باقاعدہ چٹنی کے باؤل میں توڑ کر کھائے۔ اب پیٹھ پیچھے بیٹھ کر کیا امپریشن جمانا۔۔۔ دور بیٹھے صائم نے البتہ خوب چبھنے والے انداز میں بھائی کے چہرے کا ایکسپریشن نوٹ کیا تھا۔ آگے سیڑھیوں پر بیٹھی ماہ رخ کی پشت پر بار بار بھٹکتی اس کی نگاہوں اور مبہم ہنسی کی گہرائی ناپتے صائم کا موڈ اندر تک بگڑ چکا تھا۔

✡ ✡ ✡

"اے ربا یہاں ہو تم۔۔۔" دروازے کے سامنے سے زم کر کے گزرتے عارب نے خود کو بریک لگائی پھر تین چار قدم ریورس میں لیے۔ "یہاں آنا۔ ذرا بات کرنی ہے۔"

"ہوں' بولو۔" وہ کتاب انگلیوں میں پھنسائے دروازے میں آگئی۔ اگلے روز سے کالج میں پری بورڈ کا آغاز ہو رہا تھا۔ مارے باندھے بے چاری نے خود کو پڑھنے پر آمادہ کیا تھا۔

"وہ۔۔۔" جھجک کر آغاز لیتے خواہ مخواہ ہی اس نے دانت نکالے تھے۔ ربا نے عینک اتار کر گھورا کہ موصوف کے انداز خاصے مشکوک تھے۔ "وہ" کے بعد بھی لمبی خاموشی اور چہرے پر کارٹونوں جیسی وہی پھیکی ہنسی۔

"بولو میرے بھائی۔۔۔ کیا بلنڈر کر بیٹھے ہو؟"

"دفع ہو ربا کی بچی۔۔۔ بلنڈر کیوں کرنے لگا۔۔۔" وہ سخت بدمزا ہوا "یار وہ تمہاری کزن ہے ناں۔۔۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ ماہ رخ۔۔۔" ربا کو یقین ہو گیا کہ بات اسی کے متعلق ہے۔ نروس شکل پہ صاف صاف ماہ رخ پڑھا جا سکتا تھا۔

"اس کی سی وی ایک دو جگہ ڈراپ کی تھی۔ میرے دوست کی بھابھی ایک پرائیویٹ اسکول چلاتی ہیں۔ انہوں نے انٹرویو کے لیے بلایا ہے۔ انگلش کی ٹیچر درکار ہے۔"

"ہوں پوچھتی ہوں۔۔۔" وہ پیچھے کو پلٹتے وہیں سے ابرو اٹھا کر سوال کرنے لگی۔ ماہ رخ تو عارب کی آواز سن کر ہی تمیز سے دوپٹا اوڑھ کر بیٹھ گئی تھی۔ اگرچہ

دروازے کی اوٹ میں تھی۔ لیکن آواز صاف صاف آ رہی تھی۔

"سیلری پندرہ ہزار سے کچھ اوپر ہی ہوگی۔" عارب نے باہر سے لقمہ دیا۔ ماہ رخ نے جھٹ گردن اثبات میں ہلائی۔

"منظور!" ربا نے جواب آگے پہنچایا۔

"تو ٹھیک ہے۔ کل صبح تم دونوں تیار رہنا۔ میں چھوڑ دوں گا۔"

"ارے نہیں عارب، میرا تو کالج جانا بہت ضروری ہے کل... ڈیٹ شیٹ لینی ہے۔"

"اب یہ کیا نئی مصیبت ہے۔ وہ سخت جھنجلایا۔

"بس جو بھی ہے۔ کل تم میرے ساتھ گاڑی میں ہی نکلو گی یہاں سے۔"

ربا کندھے اچکاتے واپس مڑی۔

"تیاری کرو صبح کے لیے... ساڑھے آٹھ بجے میرا کالج ہے۔ سوا آٹھ نکلیں گے۔"

"ہوں۔" وہ آنکھیں گھماتے جلدی جلدی کچھ سوچنے لگی۔ "کپڑے استری کر لیتی ہوں۔"

"جو کرنا ہے ابھی کرو۔ صبح بالکل ٹائم نہیں ہوگا۔" لمبی جمائی لیتے ربا پلنگ پر لیٹ گئی۔

اور کپڑے استری کرتے بھی ماہ رخ کا تیز دماغ بیک وقت کئی اطراف میں چھلانگیں مار رہا تھا۔

انٹرویو میں کیا پوچھا جائے گا۔ سلیکشن ہو جائے گی کیا۔ چھوٹے موٹے اخراجات، پندرہ ہزار سیلری، آنے جانے کے معاملات اور بس یہیں سے ذہنی رو یک لخت دوسری جانب نکل گئی، آنے جانے کے معاملات سے خیال آیا کہ عارب نے ربا کو ساتھ جانے پر کیوں زور دیا۔ واقعی بہت ڈیسنٹ ہے۔ میرے اکیلے لے جانے میں احتیاط برت رہا ہے... پھر بات بھی صحیح ہے... میں کون سا ان کی اتنی قریبی ہوں کہ منہ اٹھا کر اکیلے چل دوں... ویسے اگر... اکیلے جانا پڑ جاتا تو... خیالات اب مزید الٹی سمت میں چلنے لگے۔ کیا ہم سارا راستہ خاموش رہتے... یا ہلکی پھلکی فارمل گفتگو کیا وہ اسی طرح مسکراتا رہتا یا بیک ویو مرر میں

دیکھتا اور ہائے اللہ پھر سے پیٹ میں گرہیں پڑنے لگیں۔

"تمہیں بھی آرام نہیں ہے ماہ رخ احسان۔" وہ زور سے سر جھٹک کر کپڑے استری کرنے لگی... ادھر اوپر بالکنی میں یہاں سے وہاں چکر کاٹتے... پیر پٹختے، مٹھیاں بھینچتے... عارب غصے سے بھنا رہا تھا۔

"یعنی کہ اتنی سی..." اس نے خود ہی دو انگلیوں سے چٹکی بنا کر اپنے آپ کو دکھائی۔ "اتنی سی مختصر آزادی بھی قبول نہیں ہے میری ماں کو۔ مزے ہیں بھئی صائم بھیا آپ کے۔ جہاں چاہیں آئیں جائیں، جیسا کریں کچھ روک ٹوک نہیں ہے۔ حد ہوتی ہے۔ کسی کو یہاں سو خون معاف ہیں تو کسی غریب کا آدھا گناہ بھی قبول نہیں۔"

گھنٹہ بھر پہلے جب نوید اعظم نے ماہ رخ کے لیے ویکنسی کی نوید سنائی تو بدقسمتی سے وہ امی کے پاس بیٹھا تھا۔ اس کے معاملے میں ایک تو سمجھ دار اور بے دار اتنی تھیں کہ بنا کوئی سوال جواب کیے محض اس کی باتوں سے اندازہ لگا لیا کہ کس بارے میں بات ہو رہی ہے۔ کال اینڈ ہوتے ہی بلا تمہید حکم صادر کر دیا کہ اگلی صبح اگر تم نے ماہ رخ کو چھوڑنا ہے تو ربا کو بھی ساتھ لے جانا ہوگا۔

"اغوا کار ہوں، اٹھائی گیرا ہوں... لے کے بھاگ ہی جاؤں گا بچی کو... ارے ایک آدھ آئس کریم کھا لیتے کسی کولڈ کارنر سے... ہلکی پھلکی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کر لیتے، حسین موسم میں لانگ ڈرائیو کرتے ذرا دیر کو دوستی کی فضا میں سانس لے لیتے۔

میں بھی ہرگز حامی نہیں بھروں گا اس ثوبیہ خرم سے شادی کے لیے۔" عارب حیدر کی باغیانہ سوچوں کے پر کچھ مزید لمبے ہوئے۔ "ماموں کے گھر بھیجنے کے لیے تو اس مہارت سے ماحول سازگار بنائیں گی کہ بیٹا کسی طرح متوجہ ہو جائے ان کی بھتیجی کی طرف... اب کوئی پوچھے..." وہ آئینے میں ہاتھ نچا کر جانے کس کو سمجھا رہا تھا۔ "تین سال کیا کم ہوتے ہیں کسی کی طرف دھیان دلانے کے لیے... پر نہیں ہوا ناں دل

اس تو یہ خرم کی طرف مائل ۔۔۔ اور جس کی طرف مائل یہ کرم ہونے میں تین سیکنڈز بھی نہیں لگتے ادھر آنکھ بھی اٹھانے نہیں دیتیں۔ ٹھہر جا ریبا کی بچی تمہارا بھی صبح بندوبست کرتا ہے۔" اب خوامخواہ وہ ریبا بے چاری کے پیچھے پڑ گیا۔

☆ ☆ ☆

بلیک اینڈ وائٹ پرنٹڈ سوٹ میں ڈھلے شفاف چہرے کے ساتھ صبح سویرے وہ بہت پرکشش اور معصوم لگ رہی تھی۔ نیچرل براؤن چمکتے بالوں کو اس نے گردن پر ایک سائیڈ کے ڈھیلے جوڑے میں بند رکھا تھا۔ کالی پائپنگ والا سفید کلف لگا دوپٹا کندھے پر پھیلائے پچھلی سیٹ پر بیٹھی وہ کسی ڈائجسٹ کا ٹائٹل لگ رہی تھی۔ عارب نے ایک اچٹتی نگاہ میں مکمل اور تفصیلی جائزہ لے کر کار آگے بڑھادی۔ اچھا بھلا وہ بلیک جینز کے ساتھ سفید شرٹ پہننے والا تھا۔۔۔ جانے کہاں سے آنکھوں کے سامنے یہ منحوس اسکائی بلو شرٹ آگئی اور سفید کی طرف بڑھتا اس کا ہاتھ بلاوجہ ہی ادھر مڑ گیا۔ وائٹ شرٹ پہن لیتا تو دونوں کی کیسی زبردست میچنگ ہو جاتی۔

"اے کہاں جا رہے ہو؟" ریبا نے سیٹ پہ تھپڑ مارنا شروع کیے، عارب نے بھنوئیں سکیڑ کر تعجب سے بیک ویو مرر میں دیکھا۔

"پہلے انہیں چھوڑنے جائیں گے ناں؟" اس نے ابرو سے ماہ رخ کی جانب اشارہ کیا۔

"ہائے نہیں عارب۔۔۔ مجھے لیٹ نہیں ہونا۔ پلیز پہلے مجھے ڈراپ کردو۔۔۔ پھر میرے وہاں تک جانے کا فائدہ ہی کیا ہے، یہ تو اندر چلی جائے گی اور مجھے گیٹ سے ہی واپس آنا ہے۔۔۔ پلیز پلیز عارب!" بھولی بھالی ریبا معاملے کی باریکیوں سے ناواقف منتیں کیے جا رہی تھی۔ عارب نے دل ہی دل میں خوشی کا نعرہ بلند کرتے کار اس کے کالج کی جانب موڑ دی۔

"تم جیسوں سے تعاون کی امید نری شرمندگی ہے قسم سے۔۔۔" وہ اب بلاوجہ تیور دکھا رہا تھا۔

"اب میرا کیا قصور اگر عین آج میرا اتنا ضروری کام ہے تو۔"

"اترو اور گھر جا کر یہی کہنا کہ تم ساتھ ساتھ رہی تھیں، مجھے مہمان کے مکمل خیال کی تاکید کی گئی تھی۔"

"ہیں؟" کار کا دروازہ کھولتے وہ اچنبھے سے مڑی۔

"مہمان، تاکید، خیال۔"

"بعد میں پوچھ لینا بی بی فی الحال لیٹ ہیں۔" عارب نے جھٹ پٹ جان چھڑائی۔ ماہ رخ کے بھی کان کھڑے ہوئے۔ یہ کون نکل آیا تھا یہاں ایسی تاکیدیں کرنے والا۔ لیکن اب پوچھتی کیسے۔۔۔ چپ چاپ کھڑکی کے باہر دیکھتی رہی۔ سفر خاموشی سے کٹا اور پھر عارب نے ایک بڑے اور شاندار اسکول کے سامنے کار روک دی۔ ماہ رخ متاثر کن نظروں سے دیکھتی نیچے اتر آئی۔ عارب بھی باہر آگیا تھا۔

"عدیلہ جبار نام ہے پرنسپل صاحبہ کا۔۔۔ وہی میرے دوست کی بھابھی ہیں۔ لیکن بہرحال ریفرنس وغیرہ کا کوئی چکر نہیں ہے، جاب میرٹ پر ہی لگے گی اور واپسی پہ۔۔۔"

"میں خود ہی چلی جاؤں گی۔۔۔" ماہ رخ نے عجلت دکھاتے فی الفور جواب دیا عارب نے ذرا سا مسکرا کر رسان سے کہنا شروع کیا۔

"میرا یہیں نزدیک ایک آفس میں ضروری کام ہے۔ پچیس سے تیس منٹ لگ سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے تب تک آپ بھی فری ہو جائیں۔ بلکہ فری ہو کر مجھ سے رابطہ کرلیں تو۔"

"جی ٹھیک ہے۔" وہ سعادت مندی سے سرہلاتی فوراً ہی قائل ہوئی۔

"تو رابطہ نمبر؟" عارب نے اس کی غائب دماغی دیکھتے اگلے اسٹیپ کی طرف دھیان دلایا۔ اور "نمبر" کہتے جو مبہم مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آئی اس نے ماہ رخ کو بھی مسکرانے پر مجبور کر دیا تھا اگرچہ وہ ہرگز اس ہنسی میں شریک نہیں ہونا چاہتی تھی لیکن کم بخت کے انداز ہی ایسے ہوتے تھے۔ آنکھوں کی شوخ

سی چمک اور ہنسی سے صاف عیاں تھا کہ نمبر لینے کی بے تابی وہ اس سے چھپانا نہیں چاہتا تھا۔ مرد تھا آخر .... اظہار کے معاملے میں فطری جگرا رکھنے والا .... مسکرا کر ایک مرتبہ پھر جتا گیا تھا کہ ماہ رخ کے نمبر کا حصول اس کے لیے کیا معنی رکھتا ہے۔ ماہ رخ زبانی اپنا نمبر دہراتی گئی اور وہ ساتھ ساتھ موبائل میں محفوظ کرنے لگا۔ پھر اپنے موبائل سے اس کے نمبر پر مس کال دے کر اپنا نمبر اسے بھی بھیج دیا۔

"او کے بیسٹ آف لک.... گھبرانا مت۔"

"جی تھینک یو۔" ہلکا سا مسکرا کر وہ گیٹ میں داخل ہو گئی۔

"پانچ چھ سال بعد ہی سہی۔ "بیگم" کے نام سے یہ نمبر تو ہم ہی سیو کریں گے پیاری لڑکی۔" وہ شرارت سے لب دباتا گاڑی میں بیٹھ کر آگے بڑھ گیا۔ ماہ رخ کی ایک ہی ہنسی نے دل میں سورج جیسی روشنی پھیلا دی تھی۔

انٹرویو کامیاب رہا تھا۔ اسے نویں دسویں جماعت کے گرلز سیکشن کے لیے بطور انگلش ٹیچر اپائنٹ کر لیا گیا تھا۔ مشکل سے وہاں اسے چالیس منٹ لگے تھے۔ باہر آئی تو عارب پہلے سے موجود تھا۔ کال کرنے کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ ماہ رخ کے کھلے چہرے کو دیکھتے ہی عارب کو کامیابی کا یقین ہو گیا۔

"مبارک باد دے دوں؟" اس نے شیشہ سیٹ کرتے بطور خاص مخاطب کیا۔ ماہ رخ نے بھی شیشے میں دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

"جی.... منڈے سے جوائن کرنے کو کہا ہے۔"

"ویری گڈ.... پھر تو ٹریٹ بنتی ہے۔" اس نے کار آگے بڑھا دی۔

"جی بالکل.... شام کو کچھ سوچتی ہوں۔"

"یعنی سب کے ساتھ ...." اس نے مصنوعی ناراضی سے بھنویں سکیڑیں۔ "اور ہماری ذاتی ایفرٹ کا کوئی فائدہ نہیں؟"

"آپ ہی نے کہا تھا ریفرینس کا کوئی چکر نہیں، خالص میرٹ پہ جاب لگی ہے۔" وہ مسکراہٹ ضبط کرتے چھیڑنے لگی۔ جاب کی خوشی نے بہت سی مالی الجھنوں کو پل میں سمیٹ دیا تھا۔ موڈ آپوں آپ خوشگوار ہو گیا۔

"تو چلیں.... ہم ہی سیلیبریٹ کیے لیتے ہیں آپ کی خوشی.... آخر کو مہمان ہیں ہماری اور آئس کریم شاپ کے سامنے کار روک دی۔

"آپ پلیز زحمت نہ کریں.... ٹریٹ میں ہی دوں گی لیکن ابھی ہمیں چلنا چاہیے۔" ماہ رخ اب صحیح معنوں میں گھبرا رہی تھی۔ بڑی دیر سے دونوں اکیلے ہی سڑکیں ناپے جا رہے تھے۔ اسے اب گھر پہنچنے کی جلدی تھی۔

"آپ باہر نہیں آنا چاہتیں تو یہیں گاڑی میں رہیں۔ مقصد تو آئس کریم کھانا ہے۔ میں بس ابھی آیا۔" پچھلے شیشے پر جھک کر اسے کہتے وہ اب چشمہ لگا کر شاپ کی طرف مڑ گیا تھا۔ ماہ رخ نے بھی ایک گونہ تسلی محسوس کی۔ اتر کر اندر جانے سے ہی دراصل وہ گھبرا رہی تھی۔

صائم آفس سے نکل کر ایک ضروری کام سے عدالت جا رہا تھا۔ شارٹ کٹ اپناتے ہوئے اس نے ذیلی سڑک پہ کار ڈالی تو نظر آئس کریم پارلر سے نکلتے عارب پر پڑی۔ ہاتھ میں دو آئس کریم کے کپ لیے وہ گاڑی کی طرف بڑھا تو صائم کی آنکھوں میں اشتیاق ابھرا۔ اپنی کار اس نے سائیڈ پہ روک دی۔ عارب نے ایک کپ پیچھے بیٹھے کسی بندے کو دیا اور ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔ صائم نے سامنے رکھا اخبار فوراً چہرے کے آگے کیا۔ اب اس کی صرف آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔ بیچ میں چھوٹی موٹی ٹریفک بھی رواں دواں تھی۔ عارب کی کار نزدیک سے گزری تو پچھلی سیٹ پر دمکتا سفید خوش و خرم چہرا لیے وہ ماہ رخ ہی تھی۔ ان دونوں کے علاوہ کار میں اور کوئی نہیں تھا۔ پھر خوشی تو عارب کے چہرے سے بھی پھوٹی پڑ رہی تھی۔ صائم نے دو انگلیوں میں پھنسا وہ آدھا سگریٹ کا ٹکڑا بنا بجھائے ہی باہر سڑک پر پھینک دیا کانٹے دار جھاڑیوں میں اٹکے پیپر نے شعلے اور ہوا کی لپک سے

فوراً" ہی آگ پکڑ لی۔ کاغذ کے جل کر راکھ ہونے کے منظر کو کچھ دیر دلچسپی سے دیکھتے اس نے مسکرا کر کار آگے بڑھا دی۔

"آشیانہ تو تمہارا ابھی تکمیل کے مراحل میں لگتا ہے ڈیئر برادر... اسے تو بس ایک پھونک ہی کافی ہے ... تو پھر دیکھتے جاؤ...." اور دیکھا تو ماہ رخ نے بھی تھا صائم بھیا کی کار کو... اور پھر اخبار کے پیچھے سے جھانکتی ان دو آنکھوں کو جو بلاشبہ صائم بھیا کی ہی تھیں لیکن چھپنے کی وجہ سمجھ سے باہر تھی۔

✡ ✡ ✡

اور واقعہ تو دراصل یہ بھی سمجھ سے باہر تھا، بلکہ بہت حد تک عجیب۔ خبر ایک ہی تھی لیکن ہر شخص کا ردعمل دوسرے سے قطعاً" مختلف۔ تایا ابا نے سنا تو بے انتہا خوش ہوئے کیونکہ وہ حقیقت سے بالکل بے خبر تھے۔ تائی جی نے سنا تو خوش وہ بھی ہوئیں کیونکہ وہ بہت کچھ جانتی تھیں اور جتنا جانتی تھیں اس حساب سے ان کا خوش ہونا بنتا تھا۔ عارب کو پتا چلا تو دکھی دل لیے کمرے میں بند ہو گیا۔ عطیہ خالہ اور ربا سکتے میں تھیں اور ماہ رخ حد سے زیادہ بے یقین.... کیونکہ ایک وہی تھی جو سب کچھ جانتی تھی.... اور جو وہ نہیں جانتی تھی جب اس کے علم میں آیا تو حیرت سوا ہو گئی۔

تو ہوا کچھ یوں کہ صائم حیدر نے رضا حیدر یعنی والد محترم کے ذریعے ماہ رخ کا پروپوزل بھیج دیا اپنے لیے۔ رضا حیدر اس قدر خوش ہوئے کہ اسی شام ہی مٹھائی لے کر خوشی خوشی عطیہ کے ہاں پہنچ گئے اور عطیہ بانو کی حیرت اور صدمے کا یہ عالم تھا کہ یقین دہانی کے لیے کوئی چار یا پانچ مرتبہ پوچھ بیٹھیں کہ کس نے کس کے لیے رشتہ بھیجا ہے۔ صائم اور ماہ رخ.... کمبی نیشن ہی اتنا آکورڈ تھا کہ خود کو یقین دلانے کے لیے بھی مدت درکار تھی۔ اور جیٹھ جی تو خوشی خوشی آٹھ دس مرتبہ دہرانے کو تیار تھے کیونکہ وہ صائم اور ربا کے معاملے سے قطعی طور پر لاعلم تھے۔ عطیہ بھی بات سمجھ آنے پر محض اتنا کہہ پائیں کہ وہ ماہ رخ سے پوچھ کر بتائیں گی۔ پھر رضا حیدر تو مطمئن سے واپس لوٹ گئے اور نیچے کے پورشن کو ہیبت ناک قسم کی خاموشی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ حتیٰ کہ تین روز گزر جانے پر بھی ماحول کی گمبھیرتا میں کمی دیکھنے میں نہیں آئی۔ ماہ رخ کے لیے تو خالہ اور ربا سے نظریں ملانا دوبھر ہو گیا۔ دو ہی ماہ میں نہ صرف یہاں سے بستر گول ہوتا نظر آنے لگا بلکہ یہ دیس نکالا خراب امپریشن کے ٹھپے سمیت پیش آنے والا تھا۔ ماہ رخ کی چھوٹی شہد سی آنکھیں موٹے موٹے آنسوؤں سے بھر گئیں۔ اس سارے معاملے میں سراسر بے قصور ہوتے ہوئے بھی وہ مجرم بن گی تھی۔ عطیہ خالہ نے تو مخاطب ہونا ہی چھوڑ دیا تھا۔ ماہ رخ ان کا چہرہ دیکھ کر اندر تک کی تحریر پڑھ آئی .... سوچتی ہوں گی، اپنی بیٹی کا گھر بسنے سے پہلے ہی خود اپنے ہاتھوں سے اجاڑ بیٹھیں.... تین تین بلاؤں کی ذمہ داری کا بوجھ اٹھانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ لوگوں کے سوال جواب کے سامنے ڈھال بن جانے والی خالہ اب یقیناً" اپنے فیصلے پر پچھتا رہی تھیں.... اور خوشی تو ماہ رخ کو بھی نوکری لگنے کی راس نہ آئی تھی۔ مشکل سے ہفتہ بھر ہی ہوا تھا اسکول جوائن کیے اور صائم بھیا نے یہ نہ سمجھ آنے والا شوشا چھوڑ دیا تھا۔ بیٹھے بٹھائے نچلے حصے کی فضا سوگوار کر دی تھی۔ سونا سونا پن تو خیر بالکنی میں بھی در آیا تھا کہ صائم بھیا کے فیصلے نے اوپری منزل کا ایک حصہ بھی ہلا ڈالا تھا۔

تین چار روز کی مسلسل سوچ بچار کے بعد بالآخر ایک نتیجے پر پہنچتے اس نے صائم سے ڈائریکٹ بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن اسے مناسب موقع کی تلاش تھی اور اس روز دوپہر کے کھانے کے بعد جب وہ یونہی بلاوجہ برآمدے میں نکلی تو پہلا سامنا عارب سے ہو گیا۔ برآمدہ عبور کر کے وہ اپنی گاڑی کی طرف بڑھ رہا تھا، لحظے کو دونوں نے ٹھٹک کر ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر سنجیدہ صورت لیے وہ اس ٹرانس سے نکل کر اپنی کار کی طرف بڑھ گیا۔ آنکھوں میں چمک نہ وہ دوست دار ہنسی۔ یعنی اس نے بھی دیوداس بننے کی ٹھان لی تھی.... اف تو وہ بھی کیوں نہیں جنگلوں میں نکل جاتی۔ سر

ہاتھوں پہ گرائے برآمدے کی چیئر پر بیٹھے اسے کچھ پندرہ بیس منٹ ہو گئے تھے جب سیڑھیوں سے شوخ سی سیٹی کی دھن بجاتا بلاشبہ وہ صائم تھا جو نیچے آرہا تھا۔ ماہ رخ نے سوچنے میں آدھا سیکنڈ لگایا اور تیر کی سی تیزی سے داہنی کوریڈور میں داخل ہوئی۔ وہ اسے اچانک سامنے پا کر ہلکا سا گڑبڑایا تھا جسے لمحوں میں چھپا کر اس نے ایک فارمل ہنسی میں تبدیل کیا تھا۔ ماہ رخ آخری اسٹیپ کے ساتھ سائیڈ پہ کھڑی اس کے نیچے آنے کی منتظر تھی۔ صائم نے باقی کا فاصلہ قدرے آہستہ روی سے عبور کیا تھا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"زہے نصیب..." وہ ذرا سا جھک کر مسکراتے آخری سے دو اسٹیپ اوپر وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔ ماہ رخ سامنے ہاتھ باندھے اسے کڑی نظروں سے گھور رہی تھی۔

"مجھے پرپوز کرنے کی وجہ جان سکتی ہوں؟"

"تم مجھے پسند ہو..." وہ ہنوز مسکرا رہے تھے۔ ماہ رخ کو نہ تو دھچکا لگا نہ کرنٹ نہ ہی محسوسات میں کوئی اتھل پتھل ہوئی۔ کھوکھلے بے جان ان الفاظ کی قلعی کھولنے کے لیے اس کی آنکھیں ہی کافی تھیں... آنکھیں، جو زبان کے جھوٹ کا کبھی ساتھ نہیں دیتیں۔

"یہ غلط ہے بھیا... آپ ربا کو پسند کرتے ہیں اور ربا آپ کو... اس کے معصوم دل کو ہرٹ کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔"

"ربا سے مجھے ہمدردی ہے، دوستی بھی ہے، لیکن یہ پیار ویار شاید اس کے ذہن کی اختراع ہے۔" نرم لہجے میں برف جیسی وضاحت دیتے وہ ماہ رخ کا اور سینہ سلگا گئے... حد تھی ان کی ڈھٹائی کی۔

"لیکن میں نے آپ کو کبھی کوئی ایسا تاثر نہیں دیا کہ آپ مجھے پرپوز ہی کر دیں۔" وہ گڑبڑانے لگی تھی۔ سب سوچا سمجھا صائم کے اعتماد کے سامنے ہوا ہونے لگا۔ اس کا قطعی لہجہ جتنا برا لگ رہا تھا اتنا ہی حیران و پریشان بھی کرنے لگا تھا۔

"میں نے بھی ایسا کبھی نہیں کہا۔" وہ اب دونوں ہاتھوں کی مٹھیاں ایک دوسرے میں پھنسائے ان پر اپنی ٹھوڑی ٹکا کر بیٹھے تھے۔ "تم مجھے پسند ہو، عرصہ دو سال سے..."

"د... دو سال..." وہ باقاعدہ ہکلا گئی۔

"ہاں۔" وہ شوخی سے مسکراتا اس قدر واہیات لگ رہا تھا کہ ماہ رخ کو اپنی اکیلے وہاں موجودگی پر پچھتاوا ہونے لگا۔ بمشکل وہ خود کو اپنے قدموں پر سنبھالے اپنا ضبط آزمانے پر تلی تھی۔

"اس طوفانی رات میں جب بجلی کی چمک تمہارے چہرے پر پڑی، آدھی رات کو برآمدے میں حیران کھڑی اس لڑکی نے بس ایک ہی پل میں میرا چین و سکون لوٹ لیا تھا۔ مجھے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر تم چل..."

"بس کریں..." وہ چیخ اٹھی... "نہیں سننی مجھے آپ کی فضول بکواس، آپ..." وہ تیز سانسوں کو قابو پاتے پیچھے کو ہٹنے لگی۔ "آپ چیپ ہیں... بے ہودہ ہیں..." وہ اب مڑ کر برآمدے کے سرے تک پہنچ گئی تھی۔ پھر کچھ خیال آنے پر واپس پلٹی۔

"تف ہے ربا کی پسند پر..." ہوا میں ہاتھ نچا کر خالص لڑاکا عورتوں کی طرح کہتے وہ پلٹ گئی۔

"ہونہہ... شکل نہ عقل... چلے ہیں الو بنانے... عینکی... سڑیل ہیری پوٹر کہیں کا..." سخت بھنائے لہجے میں دل کی بھڑاس نکالتے وہ کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس آدمی کا دوبارہ سامنا نہ کرنے کا تہیہ کرتے ہوئے۔ کمرے میں اس وقت وہ اکیلی تھی۔ پلنگ کے کنارے پر بیٹھتے وہ بے دھیانی میں انگلیاں چٹخائے جا رہی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ بھیا دھڑلے سے جھوٹ بولے جا رہے تھے، اور یہ بات وہ پورے یقین سے کہہ سکتی تھی... لیکن کیوں... کیوں بول رہے تھے وہ جھوٹ؟

وہ اسے دیکھتے مسلسل ہنس رہے تھے لیکن کتنا فرق تھا ان کی اور عارب کی ہنسی میں... عارب۔ جو اسے سامنے پا کر اندر سے اٹڈتی اپنی خوشی کو کبھی اس سے تو کبھی دنیا سے چھپانے کی کوشش میں سرگرداں رہتا تھا۔ اور کبھی جو اکیلے پا کر بجائے چھپانے کے جتانا چاہتا

تو کیسی بے ریا ہوتی تھی وہ خالص ' نرم مسکراہٹ ' صرف اس کی وہاں موجودگی سے سرشار ' محبت سے بھرپور۔۔۔ لیکن یہ صائم بھیا۔ اسے ایک بار پھر تپ چڑھنے لگی۔

"اماں کے بیلن سے ٹھکائی ہونی چاہیے ایسے لوفروں کی۔۔۔ مکار کہیں کے ' چھٹو۔۔۔" وہ شاید مزید آگے جاتی لیکن باہر گاڑی اسٹارٹ ہونے اور پھر کچھ وقفے سے گیٹ بند ہونے کی آواز آئی تو وہ دوبارہ باہر نکل آئی۔ سمنہ اور ہادیہ کے اسکول سے آنے میں ابھی آدھا گھنٹہ باقی تھا۔ ربا بھی کالج سے نہیں لوٹی تھی اور خالہ پڑوس میں کسی سے ملنے گئی تھیں۔ اس کا مسلسل مصروف دماغ اب کچھ اور سوچ رہا تھا اور پھر یہ سوچیں صائم سے نگار تائی کی جانب منتقل ہوئیں۔

وہ صائم کی ماں تھیں لیکن اتنے اہم موقع پر ان کی طرف سے کوئی جوش دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ مٹھائی کا ڈبا لے کر رشتہ مانگنے بھی صرف تایا جی آئے تھے۔ اب اوپر کے حصے سے نیچے تک ہی تو آنا تھا۔ تو یعنی وہ اس رشتے پہ ناخوش تھیں۔ اور اگر یہ سچ ہے تو بہت ہی پوزیٹو پوائنٹ ہے۔ وہ اپنے اندر ایک نئی توانائی محسوس کرتے دوبارہ سیڑھیوں کی طرف بڑھی۔ عارب اور صائم تو اس کے سامنے ہی باہر نکلے تھے۔ تایا ابا آفس سے چار بجے آتے تھے۔ تائی جی سے بات کرنے کا بہترین موقع تھا۔ وہ اپنا دھڑکتا دل لیے اوپر کے حصے میں آئی۔

وہ آج پہلی مرتبہ اوپر کے حصے میں آئی تھی۔ نگار تائی کو شاید باغبانی کا بہت شوق تھا۔ مختلف گملوں اور بیلوں سے بھرا وہ کشادہ پورشن خوب ہی سرسبز تھا۔ ایک بڑے ہال ' دو کمروں اور لمبے ستونوں والے چوڑے برآمدے پر مشتمل وہ صاف ستھرا گھر دیسی اور ماڈرن کا حسین امتزاج تھا۔ آہستہ قدموں سے چلتی وہ مزید آگے آئی تو پنکھا چلنے کی آواز درمیان والے بڑے کمرے سے سنائی دی لہٰذا وہ سیدھی ادھر ہی آگئی۔ تائی امی جائے نماز لپیٹ کر پلٹ رہی تھیں۔

"السلام وعلیکم تائی امی۔۔۔"

"وعلیکم السلام۔۔۔" نظر پڑتے ہی وہ مسکرا دی تھیں۔ "آؤ ماہ رخ۔ اکیلی آئی ہو بیٹھو۔۔۔"

"جی وہ ربا اور خالہ پڑوس میں گئی ہیں۔" وہ تائی جی کے اشارہ کرنے پر پلنگ کے کونے پر بیٹھ گئی۔ وہ خود اب کافی ریلیکس انداز میں پلنگ پر آلتی پالتی مار کر بیٹھی تھیں۔ دل ہی دل میں اگر اس کی آمد پر حیران بھی تھیں تو چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ہمت تو اب اسے ہی پیدا کرنی تھی اپنے اندر۔۔۔ وہ بھی جلد سے جلد۔۔۔ "مجھے آپ سے ایک کام تھا۔" وہ نیچے دیکھتے بمشکل اتنا کہہ پائی۔

"کہو ماہ رخ۔۔۔ بلا جھجک جو کہنا ہے کہو۔۔۔ کہیں تم اس رشتے کے بارے میں تو۔۔۔" وہ خود ہی کہہ کر اس کا رد عمل جانچنے کو رک گئیں۔ ماہ رخ نے جھٹ اثبات میں سر ہلا کر تائید کی۔ تائی جی مسکرانے لگیں۔

"بولو۔۔۔ میں سن رہی ہوں۔"

"اصل میں تائی جی۔۔۔ میں سمجھ نہیں پا رہی کہ صائم بھیا نے ایسا اسٹیپ کیوں لیا۔ ہمیں فقط دو ماہ ہوئے ہیں یہاں آئے۔ اور انہوں نے اپنے اقدام سے مجھے خالہ کی نظروں میں شرمندہ کر دیا۔"

"لیکن صائم نے تو سیدھے سبھاؤ رشتہ مانگا ہے ناں۔ اس میں برا کیا ہے اور عطیہ کو تو خوش ہونا چاہیے ' ظاہر ہے تم لوگ اب اس کی ذمہ داری ہو۔"

"لیکن صائم بھیا تو ربا سے۔۔۔ مم ' میرا مطلب ہے۔" اس نے آدھے راستے میں ہی نظریں چرا لیں۔

"ربا سے۔۔۔" تائی امی نے حیرت سے دہرایا۔ "تمہارا مطلب ہے صائم اور ربا۔۔۔؟"

"آ' آپ کو معلوم نہیں تھا؟" حیران ہونے کی باری ماہ رخ کی تھی۔ تائی امی جانے کیوں مسکرا کر رہ گئیں۔

"تمہارے منہ سے سن رہی ہوں پہلی بار۔"

"یہ سچ ہے تائی امی۔۔۔" اس نے لہجے میں زور پیدا کیا۔ "بھیا اور ربا ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان کے اس نئے فیصلے نے ربا کو بہت ہرٹ کیا ہے۔ خالہ بھی بہت افسردہ ہیں۔ انہوں نے ڈائریکٹ تو

مجھے کچھ بھی نہیں کہا لیکن دل ہی دل میں شاید سوچتی ہوں کہ میں بری لڑکی ہوں۔۔۔ اور میں نے تو ایسی بات کبھی خواب میں بھی نہیں سوچی تھی۔ آپ پلیز صائم بھیا کو سمجھائیں۔ وہ اپنا فیصلہ واپس لے لیں۔"

"اور تمہیں لگتا ہے وہ میری بات مان لے گا۔" تائی پھر مسکرائیں۔

"کیوں نہیں تائی جی۔۔۔ آپ ماں ہیں اس کی اگر آپ پیار اور نرمی سے سمجھائیں گی تو۔۔۔"

"وہ مجھے ماں نہیں سمجھتا ماہ رخ۔"

"جی۔۔۔" ماہ رخ نے تعجب سے سر اٹھایا۔

"سوتیلی ماں ہونا بھی بڑی بدقسمتی ہوا کرتا ہے' ساری عمر اچھا بننے کی کوشش میں صرف ہو جاتی ہے۔"

"آپ سوتیلی۔۔۔" وہ حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھی۔ "اور عارب۔۔۔" نیا سوال کچھ بے وقت اندر سے ابھرا۔ اس نے خود کو سرزنش کی۔

"یہ تو سب کو معلوم ہے تم حیران کیوں ہو؟" تائی امی حیرت سے مسکراتے اس کا چہرہ دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے واقعی نہیں پتا تھا۔ اگر میری امی کو پتا تھا تو انہوں نے بھی کبھی ذکر نہیں کیا۔ نہ ہی یہاں آنے کے بعد کبھی کسی سے سنا۔"

"صائم' رضا حیدر کی پہلی بیوی سے ہے۔" انہوں نے خود ہی نرمی سے بتانا شروع کیا۔ "رضا حیدر کی اپنی پہلی بیوی سے چار سالہ رفاقت کے دوران بھی کبھی بنی نہیں تھی۔ ہر وقت کے جھگڑوں اور اختلافات سے تنگ آکر وہ ان سے ہمیشہ کے لیے علیحدہ ہو گئی اور تین سالہ صائم کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی۔ ادھر رضا کے گھر والے نئے سرے سے بھاگ دوڑ کر کے ایک سال بعد مجھے بیاہ لائے۔ میرا عارب اس وقت چار سال کا تھا جب صائم کی والدہ بریسٹ کینسر میں مبتلا ہو کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ آٹھ سالہ صائم کو اس کے ماموں خود ہمیشہ کے لیے اس کے باپ کے پاس لے آئے۔

میں دعوا تو نہیں کرتی۔" انہوں نے ذرا توقف کے بعد گہری سانس لیتے کہنا شروع کیا۔ "لیکن کوشش اول روز سے یہی کی کہ صائم کو اپنے قریب کروں اس سے دوستی بناؤں۔۔۔ لیکن وہ بہت ضدی ہے۔ اس کے نزدیک میں صرف عارب کی ماں ہوں' حالانکہ عارب کے لیے میں ایک سخت گیر ماں ہوں۔ اور یہ رویہ بھی بچپن سے میں نے اسی لیے اپنایا تاکہ صائم اسے ماں کا لاڈلا بیٹا نہ سمجھے۔ بہت بار بہت سے موقعوں پر میں نے بلاوجہ عارب کے ساتھ سختی برتی لیکن صائم کو پھر بھی اپنا نہ بنا سکی۔"

"تو اب۔۔۔" اس نے کسی امید پر تائی کو دیکھا۔ "کیا ہم کچھ نہیں کر سکتے؟"

"تم نے تو انکار کر دیا تھا ناں۔۔۔ رضا بتا رہے تھے۔"

"جی ہاں فوراً۔" وہ بدستور اپنے ہاتھوں کو دیکھے جا رہی تھی۔ "لیکن یہ مسئلے کا حل تو نہیں ہے۔ میرے انکار سے ربا کا ٹوٹا دل تو نہیں جڑ سکتا' نہ ہی خالہ مجھے پہلے جیسی محبت دے پائیں گی۔" وہ بے اختیار رونے لگی تھی۔ تائی جی حیرت سے اس نرم دل کی سادہ مزاج لڑکی کو دیکھے جا رہی تھیں۔ بظاہر فیشن ایبل اور تیز لگنے والی اس لڑکی کا دل کتنا شفاف اور معصوم تھا۔

انہیں اپنے خود ساختہ خیالات پر خود ہی ندامت محسوس ہوئی۔ کسی کے ظاہر سے اس کے اندر کا پتا لگانا واقعی بڑی بھول ہوا کرتا ہے۔

"تمہارے انکار کے بعد مجھے یقین ہے حالات کسی مثبت سمت میں جائیں گے۔ اللہ پر بھروسا رکھو۔" وہ اس کا کندھا تھپک کر تسلی دینے لگیں۔ ماہ رخ اپنی آنکھیں صاف کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

تائی جی سے ملنے والی نئی اطلاعات نے تو معاملے کو اور بھی گھن چکر بنا دیا تھا۔ اب اور کہاں جائے کیا کرے۔۔۔ عجیب مخمصے میں گھر گئی تھی۔

رات کو بستر پر لیٹے جب نیند بھی آنکھوں سے میلوں کی دوری پہ تھی۔ کبھی اسے تائی جی کی باتیں یاد آنے لگتیں' کبھی صائم کے جملے دماغ میں ہتھوڑے کی طرح بجنے لگتے' کبھی عارب کی شکوہ بھری نظریں تو کبھی ربا کے آنسو۔۔۔ دماغ بیک وقت مستعد بھی تھا اور جامد بھی۔ مستعد اس لیے کہ وہ مسلسل انہی باتوں کو سوچ اور

دہرا کر کوئی نتیجہ اخذ کرنے کی کوشش میں تھی اور جاہد اس لیے کہ اب تک کوئی بھی مناسب حل تلاش کر لینے میں ناکام رہی تھی۔ ہمیشہ خود کو سراہنے اور اپنی عقل کو داد دینے والی آج اپنے آپ کو سب سے بڑی فیلیئر تصور کر رہی تھی۔ کاش وہ دو ماہ پہلے کے اس دن کو کسی طرح واپس لا سکتی جس میں اس نے عطیہ خالہ کے ہاں آکر رہنے کا فیصلہ کیا تھا تو اس بار وہ لازم اپنے فیصلے کو رد کر دیتی۔

"توبہ ہے... ایسی ناممکن باتوں کو سوچنے سے بھلا کیا حاصل تھا۔" ایسے لکیر پیٹنے جیسے آئیڈیے سوچنے پر وہ لگاتار خود کو لعنت ملامت کر رہی تھی۔ اوپر سے صائم بھیا کی بے باکیاں، خون ابلنے کی آواز اسے صاف صاف اپنے کانوں میں سنائی دے رہی تھی۔

"بے شرم نہ ہو تو... دو سال پہلے یعنی کہ دو سال ..." وہ یک لخت رکی۔ دماغ میں جھماکا سا ہوا اور بنا ایک بھی پل ضائع کیے اس نے تکیے کے نیچے سے موبائل نکالا۔

☆ ☆ ☆

"ہیں... یہ کیا کہہ رہی ہو؟" ربا نے کفگیر جھٹکتے کڑاہی کے نیچے آنچ دھیمی کی "کہاں جا رہی ہو اور کیوں؟" اور اب مکمل ماہ رخ کی طرف متوجہ تھی۔

"کرائے کے مکان میں رہیں گے۔ بات ہو گئی ہے۔" ماہ رخ نے لہجہ نارمل رکھنے کی کوشش کی۔ اپنی طرف سے بہت ہی لائٹ انداز۔

"تمہیں پتا ہے امی اس کے لیے راضی نہیں ہوں گی۔"

"ہوں گی۔" ماہ رخ نے بات کاٹی "میرا مطلب ہے جب میں انہیں تفصیل بتاؤں گی، وہ بھی مطمئن ہو جائیں گی۔ میری کولیگ کی جاننے والی ایک بزرگ خاتون ہیں۔ اپنی بہو اور دو چھوٹے پوتوں کے ساتھ رہتی ہیں۔ بیٹا ان کا سعودیہ میں کام کرتا ہے۔ بہو بھی جاب والی ہے۔ بہت ہی نیک اور گھریلو قسم کی آنٹی ہیں۔ ان کے گھر کا اوپر والا پورشن کرائے کے لیے خالی ہے۔ میں آج دیکھ آئی ہوں۔ بہت ہی تسلی بخش اور اچھا ماحول ہے۔"

"بے کار کی ضد ہے ماہ رخ..." ربا افسردہ ہو گئی۔ "تمہارے چلے جانے سے بھی یہاں تو کچھ نہیں بدلے گا۔" اس کی آنکھیں پھر بے ساختہ نم ہو گئیں۔ آج کل اس کا آنسوؤں پر اختیار ختم ہو گیا تھا۔ "کچھ بھی اب پہلے جیسا نہیں ہو سکتا۔" وہ سسک پڑی تھی۔

ربا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ پلکیں تو اپنی بھی بھیگ گئی تھیں۔ یہ ربا کی اچھائی تھی کہ اتنا سب کچھ ہو جانے پر بھی ماہ رخ سے اپنا دل برا نہیں کر رہی تھی۔ شاید اسے بھی اندازہ تھا کہ ماہ رخ اس سارے معاملے میں بالکل بے قصور ہے۔

"سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ان شاء اللہ..." ماہ رخ کے پاس تسلی کے لیے الفاظ کم پڑنے لگے۔

"اچھا چھوڑو یہ سب۔ لو یہ چائے اور پکوڑے باقی سب کو دے آؤ۔" ربا نے جذباتیت پر قابو پاتے موضوع تبدیل کیا۔ ماہ رخ چھوٹی ٹرے میں چائے کا کپ اور پلیٹ میں پکوڑے لیے کمرے میں آئی تو خالہ کو گہری نیند میں سوتے پایا۔ نہایت آہستگی سے سائیڈ ٹیبل پر ٹرے رکھتے وہ نم آنکھوں سے دیر تک انہیں دیکھتی رہی۔ آج صبح ہی اس نے خالہ کو یہاں سے اپنے جانے کا بتا دیا تھا۔ خاموشی سے سبزی کاٹتے وہ بنا تبصرہ کیے اسے سنتی رہی تھیں۔ اپنے اکیلے پن کی اپنی طرف سے خواہ مخواہ وضاحت اور تسلی دیتی ماہ رخ اس لمحے خود اپنی نظروں میں شرمندہ ہو رہی تھی، کیونکہ جانے کا سن کر خالہ نے تو کسی قسم کے تحفظات کا اظہار نہیں کیا تھا۔ خاموشی سے کام میں مصروف وہ شاید ایک اور لمحہ بھی اسے وہاں برداشت کرنے کو تیار نہ تھیں۔ ان کی بلا سے وہ جہاں جائے جو کرے، کم از کم اب ان کے سر سے ٹلے کسی طرح... اور وہ حق بجانب تھیں ایسا سوچنے میں... ماہ رخ نے کسی چلتر ہوشیار لڑکی کی طرح آتے ہی ان کی بیٹی کے حق پہ ڈاکا ڈالا تھا۔ سوچتی ہوں گی کیسا دل ہوتا ہے ایسی احسان

فراموش بدنیت لڑکیوں کا احسان کرنے والے کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے سے بھی باز نہیں آتیں۔ من ہی من خالہ کا دماغ پڑھتی وہ لرز کر وہاں سے اٹھ آئی تھی۔ بھلے انہوں نے منہ سے ایک لفظ نہیں بولا تھا لیکن وہ ٹھیک ٹھیک اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس کے بارے میں کیا سوچا اور سمجھا جا سکتا ہے۔

سمنہ اور ہادیہ سے اس نے کچھ نہیں چھپایا تھا۔ وہ اب بڑی ہو رہی تھیں' سمجھ دار تھیں۔ جھوٹ گھڑ کر وہ ان کے دماغوں پہ تجسس کا بوجھ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ صاف بتا دیا کہ صائم بھیا کا پرپوزل آیا تھا جو کہ اسے منظور نہیں اس لیے اب وہ ان کے سامنے نہیں رہنا چاہتی۔

✡ ✡ ✡

"عارب کچھ سوچو.... پلیز...."

"مثلاً "کیا؟" اس نے موبائل اسکرین سے نظریں ہٹا کر خاصی بے اعتنائی سے ربا کو دیکھا۔

"تمہیں احساس بھی ہے کہ یہ کتنی بڑی بات ہے۔" وہ خوب روہانسی ہو رہی تھی۔ عارب نے موبائل سائیڈ پہ رکھ کر گہری سنجیدگی سے ربا کی آنکھوں میں دیکھا۔

"اور تمہیں احساس ہے کہ جو کچھ صائم نے کیا وہ کس قدر بڑی بات تھی۔"

"لیکن مسئلے کا حل یہ بھی تو نہیں کہ یہ لوگ کرائے کے مکان میں جا رہے ہیں۔ آخر امی نے ان کی ذمہ داری اٹھائی تھی۔ پلیز تم امی کو سمجھاؤ ناں...." وہ باقاعدہ اس کا کندھا ہلانے لگی۔ "ماہ رخ کو یہاں سے نہیں جانا چاہیے۔ مجھے بہت برا لگ رہا ہے۔ اتنی ایمبیرسمنٹ ہو رہی ہے۔" ربا کس قدر حساس تھی رشتوں کے معاملے میں اس کے حواس باختہ چہرے سے ظاہر تھا۔ عارب نے کچھ دیر بغور اس کی کیفیت کو جانچا پھر ہولے سے مسکرا دیا۔

"اسے جانے دو۔ اسی میں سب کی بہتری ہے۔"

"تمہیں لگتا ہے ماہ رخ کے دور چلے جانے سے صائم اور میرے اختلافات کم ہو جائیں گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ ایک دم خفا سی وہاں سے اٹھ گئی۔ عارب کا گریز اسے اب سمجھ میں آ رہا تھا۔ اس کی امی کے علاوہ ایک وہی تو تھا جو صائم اور اس کے معاملے کا راز دار تھا۔ ربا سمجھ گئی کہ وہ اب بھی کسی خوش گمانی کا سرا تھامے ہوئے ہے۔

"تمہیں ایک بار صائم سے بات کرنی چاہیے۔"

"بات کرتی ہے میری جوتی...." وہ ایک دم بھڑک اٹھی۔ عارب نے پیچھے کو ہٹتے' خود کو بچانے کی ایکٹنگ کی۔

"اللہ اللہ.... تم تو آگ اگل رہی ہو۔"

"دوبارہ ایسا کوئی ذکر بھی چھیڑا تو جلا کر راکھ بھی کر دوں گی۔" وہ بول نہیں رہی تھی' کاٹ کھانے کو تلی تھی۔ عارب نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔

"او کے بابا.... میری توبہ۔"

"ہوں۔ اور امی سے بات۔" وہ قدرے نرم پڑی۔

"کوئی فائدہ نہیں۔" عارب نے دوبارہ موبائل اٹھا لیا۔ "تمہاری کزن نے تو اب تک ایڈوانس بھی بھر دیا ہو گا۔"

"اب یہ تمہیں کیسے پتا؟" اس نے کمر پہ ہاتھ رکھے۔

"اندازہ ہے۔" وہ ہلکا سا مسکرایا۔ "تمہاری اس شیرنی کے تیور بتاتے ہیں.... میرے حساب سے دو روز بھی اور یہاں رہی تو صائم بھیا کو چیر پھاڑ کھائے گی۔" وہ اب لطف لے کر ہنسے جا رہا تھا۔ ربا کا بس چلتا تو اس کا خون کر دیتی۔

"تم سب مرد ناں ایک جیسے ہوتے ہو۔" وہ پیر پٹخ کر مڑی۔

"بہت نئی بات کر دی تم نے.... ہاہاہا...." اس نے بری طرح چڑایا' ربا دھاڑ سے دروازہ بند کر کے باہر نکل گئی۔ عارب مسکرا کر نفی میں سر ہلاتے موبائل پر جھک گیا۔

✡ ✡ ✡

نگہت آنٹی کے گھر کا ماحول بھی انہیں بہت پسند آیا

تھا۔ دو کمروں، مختصر برآمدے اور کچن باتھ پر مشتمل چھت کا یہ پورشن بہت صاف ستھرا اور نیا نیا سا تھا۔ سمنہ، ہادیہ کا اسکول اگرچہ ذرا دور ہو گیا تھا لیکن وہ بھی کچھ ایسا بڑا مسئلہ نہیں تھا، ماہ رخ تو پہلے ہی رکشا پر اسکول آتی جاتی تھی۔ اب وہ تینوں ایک ساتھ نکلتیں، پہلے وہ سمنہ اور ہادیہ کو ان کے اسکول ڈراپ کرتی پھر آگے بڑھ جاتی۔ پہلے روز جب وہ لوگ خالہ کے گھر سے بمع سازو سامان رخصت ہوئے تو ربا بھی ان کے ساتھ آئی تھی۔ ماہ رخ سے اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ "اگر تم مجھے اپنے منہ سے منع کر دو گی اپنے ہاں آنے سے... میں تب بھی نہیں رکوں گی...." ماہ رخ خاموشی سے مسکراتی رہی تھی۔ ربا نے آتے ہی نگہت آنٹی سے دوستی بنالی... اور پہلی ملاقات میں ہی باور کرا دیا کہ یہاں گجرات میں ایک ہی ماہ رخ کے ننھیالی رشتہ داروں کا گھر ہے جہاں اس کا آنا جانا لگا رہے گا۔

"اب اس تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔" ماہ رخ اسے گھور رہی تھی۔

"تمہیں نہیں پتا پاگل...." ربا پرجوش انداز میں اس کے قریب آئی۔ "مالک مکان کو ایسی باتوں سے بڑا سروکار ہوتا ہے کہ کرائے داروں سے کیسے لوگوں کا ملنا جلنا ہے۔ کل کو بلاوجہ وہ تمہاری طرف سے مشکوک ہوں انہیں پہلے سے معلوم...."

"اب تمہارے آنے سے مشکوک ہونے کا کیا سوال۔" وہ اب نتھنے پھلا کر ربا کی بے تکی باتوں پر خفگی ظاہر کر رہی تھی۔

"یہ لو...." ربا نے کمر پہ ہاتھ رکھے۔ "اب آج تو میں آئی ہوں۔ کل کو امی، نانی، عارب.... کوئی بھی آ...."

"عارب کیوں آنے لگا یہاں؟" ماہ رخ اب کام چھوڑ کر پوری اس کی طرف متوجہ ہو گئی، انداز خوب کھوجیوں والا تھا۔ ربا کھسیا کر ہنس پڑی۔

"کچھ بھی کام ہو سکتا ہے۔ کچھ بھیجنا یا منگوانا۔ آئی مین...."

"کوئی ضرورت نہیں ہے یہاں کسی کو بھیجنے کی...." اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ "ہاں تم روزانہ کی بنیاد پر آسکتی ہو۔"

"آؤں گی لیکن پیپروں کے بعد اور اب تم بھی وعدہ کرو۔" ربا نے ہاتھ آگے پھیلایا۔ "کہ ہمارے گھر آنا جانا ترک نہیں کرو گی۔"

"کیوں ترک کروں گی۔" اس نے مسکرا کر ربا کے بڑھے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھا۔ "میری خالہ کا گھر ہے۔ کیسے نہیں آؤں گی۔"

"ہوں.... یہ ہوئی ناں بات...." ربا نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ ماہ رخ نے جوابی اظہار کے طور پر گلے لگا کر اس کی پیٹھ سہلائی نجانے کیا ہوا۔ بے ساختہ ربا کے حلق سے درد بھری سسکی نکل گئی۔ ماہ رخ نے لب بھینچتے خود کو روکنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گلے لگی روتی چلی گئیں۔ ربا کے اس بظاہر شوخ رویے کے پیچھے کیا چبھن دیتا درد چھپا تھا، ایک وہی سمجھ سکتی تھی۔ ربا کی بے ریا محبت واقعی قابل تحسین تھی۔ کاش کہ وہ اس کے لیے کچھ کر سکتی۔

✡ ✡ ✡

"برسوں آپ نے اس جدوجہد میں گزار دیے کہ کسی طرح صائم بھیا کا دل جیت سکیں، انہیں اپنے قریب کر سکیں اور بنا تھکے آپ یہ جدوجہد ہمیشہ جاری رکھ سکتی ہیں۔ میں جانتا ہوں...." وہ ان کے گھٹنے تھامے نیچے قالین پر ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ اور وہ چپ چاپ ہتھیلی میں رکھے اپنے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھیں۔

"صرف آپ ہی کیوں.... برسوں میں بھی بھائی کی محبت کو ترسا ہوں۔" عارب نے ایک گہرا سانس لیا۔ "مجھے یہ ایک کوشش کر لینے دیں۔"

"رسک اٹھا رہے ہو۔ نتیجہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔" نگار کسی خیال سے دہل گئیں۔ "وہ تم سے مزید بدگمان نہ ہو جائے اور...."

"میری کوشش مخلصانہ ہے۔ نتیجے کی پرواہ کرے جس کی نیت میں کھوٹ ہو۔ آپ بس میرا ساتھ دینے کا وعدہ کریں۔"

"میں کب تمہارے ساتھ نہیں تھی عارب....“ انہوں نے پیار سے اس کے پیشانی پر آئے بال ہٹائے تو وہ بچوں کی طرح ان کے گھٹنوں پہ سر رکھ کے ان سے لپٹ گیا۔

✡ ✡ ✡

"چچی جان.... یہ ربا کچھ پڑھتی وڑھتی بھی ہے کہ نہیں؟“ فریج سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالتے عارب نے کن انکھیوں سے ربا کی طرف دیکھا جس کے چھری چلاتے تیز ہاتھ ایک دم رک گئے تھے۔

"کہاں پڑھتی ہے۔“ عطیہ کی تو دکھتی رگ کو چھیڑا تھا اس نے.... ربا نے دانت کچکچا کر اسے چھری دکھائی۔

"کالج والوں نے تو ڈیٹ شیٹ رول نمبر دے کر ہمارے سروں پہ بٹھا دیا۔ سارا دن ٹی وی دیکھتی ہے.... اور شام کو نکل جاتی ہے۔ ادھر ماہ رخ کی طرف۔ اور تمہارا پری بورڈ کا رزلٹ کیسا آیا تھا؟ ایک اور خباثت ....“ ربا نے آنکھیں چندھیا کر عارب کو دیکھا۔

"یہ تم کس سلسلے میں اتنی چھان بین کر رہے ہو۔ تھرڈ ایئر کے ٹائم تو میں چیخنی رہ گئی اسٹڈی میں ہیلپ مانگنے کو۔"

"اسی رزلٹ کو دیکھتے تو آج پچھتا رہا ہوں۔“ وہ اپنے ملامت زدہ لہجے میں رقت ڈبو ڈبو کر بولا تو ربا کی آنکھیں کانوں تک پھیل گئیں۔

"تم عارب ہی ہو ناں....؟"

"اب زیادہ باتیں نہ بناؤ۔“ عطیہ نے بیچ میں جھاڑ دیا۔ "جیسا بھائی کہہ رہا ہے۔ سیدھی شرافت سے اس کی بات مانو۔“ عطیہ ایک لحہ بھی رعایت دینے کو تیار نہ ہوئیں۔

"ارے کیا ابھی....“ ربا نے کھیرے اور چھری پکڑے اپنے ہاتھوں کو دیکھا "ابھی نہیں۔“ عارب فوراً بیچ میں آیا۔ "آج سے پانچ بجے کتابوں سمیت تم مجھے باہر برآمدے کی کرسی پر بیٹھی ملنا۔"

"اتنی گرمی میں باہر.... برآمدہ؟“ وہ چیخ ہی تو اٹھی۔

"برآمدے کا پنکھا نعوذباللہ فوت ہو گیا ہے؟“ وہ بھی اب چبھتی نگاہوں سے گھور رہا تھا۔

"یہی سمجھو.... اسے فوت میرا مطلب خراب ہوئے عرصہ ایک سال بیت چکا ہے‘ آپ کو ہی خبر نہیں۔“ وہ بھی بدلے لے رہی تھی۔

"تو ٹھیک قریب ہی ایک بندہ وہ ٹھیک کر دے گا اور تم....“ انگلی اٹھا کر وارن کیا "کہیں جاؤ گی نہیں۔"

"ہونہہ....“ وہ ناک سکوڑ کر رخ پھیر گئی۔ عارب نے مسکراتے ہوئے باہر کی راہ لی۔

✡ ✡ ✡

"بس.... اتنا سا ہی کام تھا۔“ عارب اب فر فر کرتے پنکھے کو تعریفی نظروں سے دیکھتے رومال سے ہاتھ صاف کر رہا تھا۔ جس آدمی کو اس نے پنکھا ٹھیک کرنے کے لیے بلایا تھا وہ ابھی ابھی باہر نکلا تھا۔ ربا نے اسٹول اٹھا کر میز دور کھسکائی۔

"بلاوجہ برآمدے کا بائیکاٹ کر رکھا تھا.... یہ دیکھو۔“ اس نے ہاتھ سے باہر لان کی طرف اشارہ کیا۔ "کیسی پھولوں کی خوشبو سے معطر ہوا آ رہی ہے۔ آکسیجن سے بھرپور‘ فریش...."

"اور ایسی پھولوں بھری ہوا میں تم نے میرا پیچھا لینا تھا۔“ کتابیں سامنے پٹختے ربا نے برا سا منہ بنایا۔ صائم اس دوران نزدیک سے گزر گیا تھا۔ ربا کا جملہ بلاشک و شبہ انہوں نے سنا تھا۔

"لو کوئی آج سے....“ عارب شرارت سے ہنسا۔ ربا اسے ناخن دکھاتی کتابیں کھولنے لگی۔

"اگر تم نے اچھے طریقے سے سب کچھ سنا دیا تو آئس کریم کھلانے لے چلوں گا۔"

"سچ....“ وہ بے ساختہ چہکی۔ "اور ماہ رخ سے ملنے؟"

"جی نہیں۔“ عارب نے جھٹ انکار میں سر ہلایا

"ادھر ادھر کی ہانکی تو آئس کریم سے بھی جاؤ گی۔"

"ہوں....." وہ منہ بناتے کتاب پر جھک گئی۔

عارب نے گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھتے صائم پر ایک اچٹتی چور نگاہ ڈال کر رخ پھیر لیا۔ اور پھر اس روز شروع ہونے والی ایگزامز کی تیاری پورے شدومد سے آخری پیپر تک اسی طرح بر آمدے میں چلی۔ روز بروز بڑھتی شدید گرمی بھی عارب کے پایہ استقامت کو ڈانواں ڈول نہ کر سکی۔ نگار آتے جاتے اگر یہ منظر دلچسپی اور محبت سے دیکھتیں تو عطیہ کو عارب کی دل جمعی حیرت میں ڈال دیتی۔ صائم کی لاتعلقی پر ربا دل مسوس کر رہ جاتی اور عارب کو مستقبل کے اندیشے ذرا دیر کو بے سکون و مضطرب کر دیتے۔ جو کرنے کی وہ سوچے بیٹھا تھا' اس کی ذات اس کا دل سب سے پہلے اس کے ہدف پہ تھے۔ اور بالآخر ربا یہ زہرا امتحانات سے فارغ ہوئیں اور اب سکون کی سانس لیتے وہ اپنی طرف سے عارب اور پڑھائی دونوں سے جان چھڑوا بیٹھی تھی۔ لیکن بہرحال یہ اس کی خوش گمانی تھی۔

✲ ✲ ✲

ایش ٹرے میں سگریٹ مسل کر ایزی چیئر سے پشت ٹکاتے اس نے بلاوجہ لائٹر جلانے بجھانے کا شغل شروع کر دیا۔

"اتنی سگریٹ مت پیا کرو صائم۔ ابھی ہفتہ بھر پہلے ہی تمہاری کھانسی ٹھیک ہوئی ہے۔" نگار دودھ کا گلاس لیے اندر داخل ہوئیں تو سگریٹ کی بو ابھی تک ماحول میں رچی بسی تھی۔ صائم کو نہایت دوستانہ اور بے تکلف لہجے میں مخاطب کرتے وہ خود ہی سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ صائم کے لیے ان کا یہ رویہ حیرت انگیز سے زیادہ انوکھا اور ناقابل فہم تھا۔ جس قسم کا سلوک وہ عارب اور نگار سے روا رکھے ہوئے تھا ان کی کبھی جرأت نہیں ہوئی تھی کہ اس سے فرینک ہو سکتے۔ تکلف اور جھجک کی فضا نے نہ چاہتے ہوئے بھی اوپر کے پورشن میں دو گروپ بنا دیے تھے۔ بھلے عارب اور نگار بھی ایسا نہیں چاہتے تھے لیکن صائم اگر یہی چاہتا تھا تو پھر ہونا بھی یہی تھا۔ صائم نے ان کی بے تکلفی بڑی مشکل سے اندر اتار کر لائٹر سامنے میز پر پھینکا۔ ماتھے پر ایک ساتھ کئی بل نمودار ہوئے جنہیں نگار نے محسوس کر کے بھی نظر انداز کیا اور مسکراتے ہوئے آغاز لیا۔

"میری یہاں موجودگی تمہیں ناگوار ضرور گزر رہی ہے صائم لیکن درخواست کروں گی کہ میری پوری بات سنے بغیر یہاں سے مت جانا۔" انہوں نے ذرا دیر توقف کیا۔ "گزرے برسوں میں تم نے میرے بارے میں جو کچھ بھی سوچا ہو مگر میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا بڑا بیٹا ہی تصور کیا ہے۔ دنیا کے سامنے اپنا تعارف رضا حیدر کی بیوی اور دو بیٹوں کی ماں کے طور پر کیا۔ کوشش گھر کے اندر بھی یہی رہی کہ دو بیٹوں کی ماں بن کر رہوں.... میں یہ نہیں کہتی کہ تم نے ایسا نہیں ہونے دیا۔ شاید کہیں نہ کہیں میں بھی ضرور قصور وار تھی کہ یہ رشتہ اتنا مضبوط اتنا قریبی نہ ہو سکا جتنا ہونا چاہیے تھا۔" وہ گلا کھنکار ایک مرتبہ پھر خاموش ہوئیں۔ صائم پیر کے انگوٹھے کو ساتھ والی انگلی پر مسلتے حد درجہ بے چین سا نظر آ رہا تھا۔ ماں کی طرف اس نے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا۔ کھڑکی کے ہلتے پردے کو مسلسل تکتے وہ جیسے خود پر ضبط کیے بیٹھا تھا۔

"تم نے اپنے والد کے ذریعے ماہ رخ کا پروپوزل بھجوایا.... میں....." وہ رک گئیں۔ "میں شکوہ نہیں کر رہی۔ تم نے وہی کیا جو تم نے مناسب سمجھا۔ لیکن مجھے افسوس ہے کہ وہ پروپوزل مسترد ہو گیا۔ آج دراصل میں تمہیں بڑے بیٹے کی حیثیت سے کچھ بتانے اور تم سے ایک اجازت لینے آئی ہوں۔

ربا نے فورتھ ایئر کا ایگزام دے دیا ہے۔ عارب بھی ماشاء اللہ سے نوکری والا ہو گیا ہے۔ خواہش تو پہلے پہل میری یہ تھی کہ ربا کا ہاتھ تمہارے لیے مانگوں گی لیکن بہرحال بڑا ہونے پر بچوں کی پسند کو اولین ترجیح دینی چاہیے۔ تمہیں ماہ رخ میں جیون ساتھی کی خوبیاں نظر آئیں' میری دعا ہے اللہ اسے ہی تمہارا نصیب بنائے۔ ربا گھر کی بچی ہے' اسے چھوڑ کر میں

عارب کے لیے باہر کوئی لڑکی تلاش کروں تو یہ سراسر حق تلفی ہوگی اس کی۔۔۔ عارب سے میں نے پوچھ لیا ہے اسے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ہم سب کل شام کو ربا کا رشتہ لے کر جانے والے ہیں۔۔۔ میری شدید خواہش ہے صائم کہ میرا بڑا بیٹا بھی خوشی کے اس موقع پر ہمارے ساتھ موجود ہو' لیکن اس سے پہلے آج شام ہم اس سے بھی اہم ایک اور کام سرانجام دینا چاہتے ہیں۔ میری اور تمہارے ابو کی بھی یہی خواہش ہے اور عارب نے بھی صاف کہا ہے کہ صائم بڑے ہیں پہلے ان کی شادی ہونی چاہیے۔۔۔ میں اور تمہاری چچی آج شام ماہ رخ کی طرف دوبارہ جانا چاہتے ہیں۔ تمہارے لیے ایک بار پھر اسے کنوینس کرنے۔ وہ تو بچی ہے' نا سمجھ ہے' یونہی جلد بازی میں انکار کر بیٹھی۔ کوئی بڑا بزرگ سمجھانے والا ہو تو قائل کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور سچ تو یہ ہے صائم کہ میں واقعی تمہارے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں' کچھ ایسا جس سے ہمارے درمیان حائل یہ برسوں کی دوریاں مٹ سکیں۔ تمہارا دل میری طرف سے ایسے صاف ہو جائے کہ بے اختیار تم مجھے ماں کہہ دو' بس تم ایک بار اپنی خواہش منہ سے نکالو۔۔۔ اور میں تو بنا تمہارے کہے ہی ماہ رخ کو منانے کے لیے تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔" وہ پورے قد سے ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ دور دیوار تک چلا گیا۔ نگار بھی قدرے پریشان سی اٹھ کھڑی ہوئیں۔ شاید یہی اس کا مکمل جواب تھا۔

☼ ☼ ☼

گہری سرمئی سی بادلوں بھری اس شام میں عطیہ خالہ اور تائی نگار' ان کے گھر مٹھائی لے کر آئیں تو اس مرتبہ ماہ رخ کے لیے اقرار ناگزیر ہو گیا۔ سر جھکا کر قائل ہوتے اس مرتبہ وہ انکار نہ کر سکی۔ تائی امی نے باقاعدہ انگوٹھی پہنا کر اسے اپنی ہونے والی بہو کا درجہ دیا تھا۔

اور وہاں سے بہت دور شادمان کالونی میں ٹی روز بالکونی میں کھڑے وہ عارب میاں تھے جو نیچے سڑک پر آتی جاتی ٹریفک کو بلاوجہ ہی گھورے جا رہے تھے۔ ربا عین اس کی پشت پر آن کھڑی ہوئی' ذرا سی آہٹ پا کر اس نے رخ موڑا۔ پھر ربا پہ نظر پڑتے ہی واپس سڑک کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تائی امی کے مطابق اس سب کے پیچھے تمہارا ہاتھ ہے؟"

"ہاں۔۔۔ صحیح کہتی ہیں۔" وہ ریلنگ سے ہاتھ اٹھا کر سیدھا کھڑا ہوا۔

"کیسے۔۔۔ اور کیوں؟" وہ ہاتھ سامنے باندھے کڑی تفتیش کے موڈ میں تھی "ایسے نہیں۔۔۔" وہ نفی میں سر ہلاتے یک لخت مڑا۔ سائیڈ پاکٹ سے کار کی چابی نکال کر معنی خیزی سے ربا کو دکھائی۔

"کوئی اور بھی ڈھیروں ڈھیر سوال اپنے اندر لیے ہوئے ہے۔ کہیں چل کر بات کرتے ہیں۔"

"تمہارا مطلب ہے ماہ رخ؟"

"ہوں۔۔۔" وہ از حد سنجیدہ تھا

"اچھا اور صائم۔۔۔؟" وہ متعجب ہوئی۔

"منگنی کی خوشی میں ڈنر دے رہے ہیں اسٹاف والوں کو۔۔۔ رات دس گیارہ بجے تک تو وہیں مصروف ہیں۔" اس نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی۔ ابھی شام کے سات بجے تھے۔ وہ عجلت میں کمرے کی طرف بڑھا۔

"اچھا اور سمنہ اور ہادیہ؟" ربا پیچھے دوڑی۔

"انہیں پہلے یہاں چھوڑیں گے' چچی کے پاس۔۔۔ تیار ہونا ہے تو تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔"

"لیکن ہم جا کہاں رہے ہیں؟" وہ تیزی سے سیڑھیاں اتر رہا تھا اور ربا ہم قدم ہونے کی کوشش میں ہانپ رہی تھی۔

"باہر۔۔۔ کہیں بھی۔"

"میں نہیں جانا چاہتی۔۔۔ پلیز رکو۔۔۔" ربا چیختی رہ گئی لیکن وہ بنا پروا کیے کار کی طرف بڑھ گیا۔

"میں ان سب کو لینے جا رہا ہوں۔ جھٹ پٹ تیار ہو جاؤ۔"

"بھاڑ میں گئی تیاری۔ اتنی سی بات بتانے کے لیے اتنا لمبا اہتمام۔۔۔" وہ چڑ سی گئی۔ عارب ایک سنجیدہ نظر اس پہ ڈال کر کار ریورس میں نکال لے گیا۔

"چالباز کہیں کا۔۔۔ بڑا کارنامہ کیا ہے ناں۔۔۔" وہ پیر پٹخ کر جھنجلاتی ہوئی اندر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"تم ہی پوچھو ناں ماہ رخ۔۔۔ لا کے آئس کریم کا اتنا بڑا کپ ڈال دیا میرے آگے۔۔۔" ربا سخت روہانسی ہو رہی تھی۔ "میرے کیا حلق سے اترے گا یہ۔۔۔"

"اچھا نہیں اترے گا۔۔۔ میں لے لیتی ہوں۔" ماہ رخ کا اطمینان قابل دید تھا۔ چاکلیٹ ونیلا مکس آئس کریم اس نے ندیدوں کی طرح اچک لی۔ ربا نے آنکھیں اور منہ ایک ساتھ حیرت سے کھولے۔

"ہم یہاں اس دس نمبری کی عیاریاں جاننے آئے ہیں، آئس کریم کھانے نہیں۔۔۔" ربا نے کپ دوبارہ جھپٹ لیا۔ وہ تینوں اس وقت دریائے چناب کے کنارے "کنارا ریسٹورنٹ" کے ایک ہٹ میں بیٹھے تھے۔

"میں نہیں۔۔۔ صرف تم۔۔۔" ماہ رخ نے پھر کپ اپنی طرف کیا۔

"لیکن یہ چھٹو کہہ رہا تھا۔ تمہارے اندر بہت سوال اچھل رہے ہیں؟" ربا نے اب کے خاموش بیٹھے عارب کو گھورا۔

"تو اب اور کیا کہہ کے تمہیں یہاں آنے پہ تیار کرتا۔۔۔" ماہ رخ تو صاف اس عمرو عیار کی حمایتی لگ رہی تھی۔

"باس س س س۔۔۔" عارب نے ہاتھ بلند کر کے دونوں کو چپ کروایا۔ "مجھے تھوڑی یکسوئی چاہیے۔۔۔ وہاں تک پہنچنے کے لیے۔۔۔ جہاں سے یہ معاملہ شروع ہوا تھا۔"

"مجھے اس تردد کی بھی ضرورت نہیں۔ میں شروع کروں؟" ماہ رخ نے مضحکہ اڑاتے لتاڑ کر رکھ دیا بے چارے کو۔ ربا کی ہنسی نکل گئی اور عارب نے مکا لہرا کر اسے خاموش رہنے کو کہا۔

"بڑی اسمارٹ بن رہی ہیں۔ ذرا اس رات کو یاد فرمائیں جب ہاتھوں کے کوّے، طوطے سب اڑ چکے تھے۔"

"ہاہاہا۔۔۔" ہنسی روکنے کی کوشش کو بے کار سمجھتے اس بار ماہ رخ نے کھل کر خود کو خوش ظاہر کیا۔

"کچھ تو بکو۔۔۔ میں پاگل ہو جاؤں گی۔۔۔" ربا نے چٹیا میں قید اپنے بال بے ساختہ یوں نوچے کہ اب وہ شکل پہ کھڑی فقیرنی زیادہ لگ رہی تھی۔ ماہ رخ نے ہنسی ضبط کرتے اس کا دوپٹا سر پہ ڈالا۔

"آہوم۔۔۔" عارب نے کھانس کر گلا درست کیا۔ "تو سنو۔۔۔ انجان، بے خبر، بے فائدہ لڑکی۔۔۔ نہ صرف سنو۔۔۔ بلکہ تصور کی آنکھ سے دیکھو۔۔۔" عارب نے دونوں انگوٹھوں کے ناخن ایک دوسرے سے ٹچ کر کے شہادت کی انگلیاں سیدھی کھڑی کرتے ایک فرضی اسکرین ظاہر کی۔

"قریب ڈیڑھ ماہ پہلے ڈھائی بجے رات کے وقت۔۔۔ جب اپنے کمرے میں، میں گہری میٹھی نیند سو رہا تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی۔

"ماہ رخ کالنگ۔۔۔ حیرت سے دہراتے دوسری نظر گھڑی پہ ڈالی۔ رات کے ڈھائی بجے۔۔۔ دشمن جاں کی کال۔۔۔ الٰہی خیر۔

"ہیلو۔۔۔!"

"ہیلو۔۔۔ عارب۔۔۔" ہمیشہ والی نرم سریلی آواز لیکن "عارب" کی پکار سونے پہ سہاگہ تھی۔

خیریت۔۔۔ اس نے یک لخت خود کو سنبھالا۔۔۔ "گھر میں چور گھس آیا ہے کیا؟"

"نہیں۔۔۔ چور کا پتا چل گیا ہے۔"

"کک۔۔۔ کہاں چھپا ہے؟" عارب کا حلق خشک ہوا۔

"ابھی نہیں۔۔۔" ماہ رخ دھیمے سروں میں چیخی۔ "اس رات والے چور کا پتا چل گیا ہے۔"

"اس رات؟" عارب کی نیند شاید پوری نہیں بھاگی تھی۔ "دو سال پہلے ہمارے گھر والا چور۔۔۔ آپ کا

والٹ ۔۔۔"

"اوہ ہاں ۔۔۔" عارب نے منہ پہ ہاتھ رکھا۔ "لیکن اس وقت ابھی کیسے؟"

"مجھے آپ سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔ آج کل چھٹی ٹائم میرے اسکول کے سامنے گاڑی لے کر آجائیں۔ پھر بتاتی ہوں ۔۔۔" اور فون بند۔

ہیں ۔۔۔ اچھا عارب نے آف موبائل سے اپنی حیرت کا اظہار کیا۔ حسن کی مہمانی ذرا مشکوک سی تھی، اس لیے وہ کھل کر خوش بھی نہیں ہو سکا۔

☆ ☆ ☆

صائم بھیا نے کہا۔ "اس طوفانی رات جب بجلی کی چمک تمہارے چہرے پر پڑی، آدھی رات کو حیران کھڑی اس لڑکی نے میرا چین سکون لوٹ لیا۔ اور بنا مجھے سنبھلنے کا موقع دیے تم چل ۔۔۔ بس یہیں پر میں نے ان کی بات کاٹ دی اور اب میں سوچ رہی ہوں کہ چل سے مراد چلا تا لیا جائے تو یہ وہی وقت اور موقع بنتا ہے جب چور آپ کے سرہانے کھڑا تھا۔ اس رات کی باتیں صرف ہم دو کو معلوم ہیں۔ یا پھر وہ چور گواہ ہے ہماری وہاں موجودگی کا ۔۔۔ ماہ رخ نے تفصیل سے تجزیہ مکمل کرتے سوالیہ نظروں سے عارب کو دیکھتے اپنا جوس سامنے کیا۔ دونوں اس وقت کیفے مون سون میں آمنے سامنے بیٹھے تھے۔ عارب نے بھی آرام سے اسے بات مکمل کرنے دی تھی۔

"تو آپ کے خیال میں وہ صائم بھیا تھے؟"

"میں خدانا خواستہ کسی پہ الزام نہیں لگا رہی، ہو سکتا ہے وہ کسی کام سے ۔۔۔" ماہ رخ کو مناسب نہیں لگا کہ ڈائریکٹ اس کے بھائی کی ذات کو نشانہ بنائے۔

عارب جواباً" رسان سے مسکرایا تھا۔ آنکھوں میں بڑی نتیجہ خیز سی چمک تھی، ماہ رخ نگاہ نہیں ہٹا پائی "وہ صائم بھیا ہی تھے۔ اور وہ کسی "اور" کام سے نہیں میرے والٹ سے رقم ہی چرانے آئے تھے۔"

"جی؟" بڑا سا گھونٹ ماہ رخ کے حلق سے گولا بن کر بمشکل نیچے اترا۔

"آپ نے بہت اچھا کیا ماہ رخ جو آج یہاں بلا لیا ۔۔۔ میں چاہ کر بھی شاید یہ ہمت نہ کر پاتا۔" اس نے اب سنجیدگی سے خود کو بولنے کے لیے تیار کیا۔ "بھیا نے آپ کو پرپوز کیا اور آپ نے فی الفور انکار کر دیا ۔۔۔ لیکن انہوں نے ایسا کیوں کیا ۔۔۔ اس کا جواب آپ کے پاس یقیناً" نہیں ہے، البتہ میں اس بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔ اور اب جبکہ بات چھڑ گئی ہے تو آپ کو آگاہ کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔" ایک طویل گہرا سانس لیتے عارب نے دو گھونٹ جوس کے بھرے "یہ تو آپ جانتی ہوں گی کہ ہم دونوں سوتیلے بھائی ہیں۔"

"پہلے نہیں جانتی تھی، کل ہی تائی جی سے معلوم ہوا۔" ماہ رخ نے اضافہ کیا۔

"ہوں ۔۔۔" اس نے سر ہلایا "سوتیلے رشتوں میں عموماً" بڑے۔ بہن بھائیوں کی حیثیت مظلوم کی سی ہوتی ہے کیونکہ چھوٹے کسی غاصب کی طرح اچانک آکر ان کی جگہ لے لیتے ہیں۔ ہمارا کیس بھی اس سے مختلف نہیں۔ حالات بھلے جو بھی رہے ہوں، صائم بھیا نے ان پر غور کرنے کے بجائے ہمیشہ مجھے اور امی کو غاصب ہی سمجھا۔ مجھے بہت چھوٹی عمر میں خود صائم بھیا نے ہی احساس دلا دیا تھا کہ تم سوتیلے ہو لہٰذا ایک فاصلے پر ہی رہنا۔ میری موجودگی میں وہ اپنے دوستوں سے کہتے تھے کہ وہ اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہیں، جبکہ مجھے بچپن سے ہی امی نے یہی سکھایا کہ ہم دو بھائی ہیں۔ مجھے ون کلاس میں جی کے (GK) کا سوال آج بھی یاد ہے۔

آئی ہیو ون برادر اینڈ نو سسٹر (میرا ایک بھائی ہے اور کوئی بہن نہیں ہے) اور حالانکہ اس وقت میں یہ احتجاج بھی کرتا تھا کہ نو سسٹر کیوں کہتی ہیں آپ ۔۔۔ ربا ہے ناں میری سسٹر ۔۔۔ کیونکہ امی نے ہی سکھایا تھا۔ بہنا کو یہ چیز دے دو، بہنا کا ہاتھ پکڑ کر دوسرے پورشن میں چھوڑ آؤ، وغیرہ ۔۔۔ اسی بنا پر ہمیشہ ربا کو بہن ہی سمجھا۔ وہ بھی میری ہم عمر تھی تو میرے ساتھ ہی کمفرٹ ایبل محسوس کرتی۔ صائم بھیا سے وہ بہت ڈرتی تھی۔ عمر میں بھی وہ ہم سے بڑے تھے۔ مجھ سے وہ چار سال بڑے ہیں اور ربا سے چھ سال۔ پھر میرا اور

ربا کا اسکول بھی ایک تھا۔ بھیا کا الگ' انہوں نے بچپن سے ہم دونوں کو ایک دوسرے کے قریب دیکھا۔ ہمارے کھیل' ہماری دلچسپیاں ایک جیسی رہیں۔ مجھے بہت بعد میں رفتہ رفتہ اس چیز کا احساس ہوا کہ بھیا ربا کے بارے میں کیا سوچتے ہیں اور ہم دونوں کو ساتھ دیکھ کر ان کی کیا محسوسات ہوتے ہیں تب یہ سب جان کر میں نے کیا کیا وہ ذرا بعد کا قصہ ہے۔ اس سے پہلے میں ذرا ابو کے ساتھ اپنے اور صائم بھیا کے ریلیشن پہ روشنی ڈالنا چاہتا ہوں۔" اس نے کھنکار کر آواز درست کی۔ ماہ رخ اس دوران مکمل خاموشی اور توجہ سے عارب کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی محویت کا یہ عالم تھا کہ جوس سامنے پڑا گرم ہو گیا لیکن اس کی دلچسپی صرف عارب کی باتوں کی طرف تھی۔

"آپ کو تو خوب پیاس لگی ہوئی تھی؟" عارب نے ابرو سے گلاس کی طرف دھیان دلایا تو ماہ رخ جھینپ کر اسٹرا ہلانے لگی۔

"امی بتاتی ہیں کہ صائم بھیا کچھ سالوں کے گیپ کے بعد دوبارہ اس گھر آئے تھے۔ یعنی جب وہ اپنی والدہ کے ساتھ اس گھر سے گئے تب صرف اپنے ابو کو یہاں اکیلا چھوڑ کر گئے تھے لیکن آٹھ سال کی عمر میں جب ان کی واپسی دوبارہ اس گھر میں ہوئی تب نہ صرف اس کے والد کی نئی بیوی آچکی تھی بلکہ باپ کی گود میں ایک اور بچہ بھی کھیل رہا تھا۔ جو بھیا کے نزدیک ظاہر ہے کہ ان کی جگہ لے چکا تھا۔ اسی وجہ سے انہوں نے پہلے دن سے اس بچے کو اپنا دشمن سمجھا۔ انہوں نے ہمیشہ مجھ سے ہر وہ چیز چھین لینا چاہی جو مجھے پسند تھی۔ میرا نیا کھلونا مجھے صرف ایک شام ہی کھیلنا نصیب ہوتا کیونکہ اگلی صبح وہ ٹوٹا ہوا ملتا۔ اس وقت تو میں بھی خوب روتا چلاتا تھا کیونکہ ظاہر میں بھی بچہ تھا اور ایسی کوئی عقل سمجھ نہ تھی۔ لیکن فورتھ کلاس کے ایک واقعے نے پہلی مرتبہ مجھے خاموش بلکہ گنگ کر دیا۔

وہ عیدالفطر کا موقع تھا۔ میں نے پہلی بار امی سے فرمائش کر کے اپنے لیے بٹوہ خریدا۔ دوستوں کے مشورے پر مجھے بھی عیدی جمع کرنے کا شوق ہوا۔ پہلی عید کی شام تک پانچ سو چالیس روپے گن کر والٹ میں رکھتے خوشی سے میری حالت غیر تھی۔ رات کو بستر پر سوتے اپنا والٹ میں نے سائیڈ ٹیبل کی دراز میں رکھ دیا تھا۔ آدھی رات کو کھٹکے سے آنکھ کھلی تو میں نے صائم بھیا کو کمرے سے نکلتے صاف صاف پہچانا تھا۔ نائٹ بلب کی روشنی میں اپنی دراز کو بھی کھلے پایا۔ میرا والٹ آدھا اندر آدھا باہر کو لٹکا ہوا تھا۔ چیک کرنے پر معلوم ہوا کہ اب اس میں ایک روپیہ تک نہیں۔۔۔ اس رات پہلی مرتبہ مجھے صائم بھیا سے ڈر محسوس ہوا۔ میرے نو سالہ ناپختہ ذہن نے صائم بھیا سے نفرت بھی محسوس کی لیکن میں نے یہ واقعہ شاید ڈر کے مارے کسی کو نہیں بتایا۔ پھر اس کے بعد ہائی اسکول' کالج اور یونیورسٹی کے ادوار تک جب جب بھی اس طرح رقم میرے ہاتھ میں آئی کہ صائم بھیا کو اس کی بھنک پڑ گئی تو انہوں نے اسے میرے پاس نہیں رہنے دیا۔ میں اس دوران ایک خاموش تماشائی تھا جو کشادہ دلی سے اپنا نقصان برداشت کرتا آیا تھا۔ مجھے لگا میں ان کا رازداں ہوں اور ایک دن میں ہی انہیں ٹھیک بھی کروں گا۔۔۔ اور پھر دو سال پہلے وہ واقعہ پیش آیا جس نے مجھے پہلے بار سوچنے اور کچھ پلان کرنے پر مجبور کیا۔

ہم سب پھوپھو اور پھوپھا جی کو عمرے کے لیے سی آف کرنے لاہور گئے۔ ڈرائیونگ چونکہ میں کر رہا تھا۔ ابو نے گھر سے نکلتے وقت پٹرول وغیرہ اور دیگر خرچوں کے لیے آٹھ دس ہزار کی رقم میرے ہاتھ پر رکھی۔ اتفاق سے صائم بھیا وہاں موجود تھے۔ میرے دل میں تب بھی یہ وہم اٹھا کہ اللہ خیر کرے۔ پھر ایئرپورٹ سے واپسی پر طوفانی بارش کی وجہ سے آپ لوگوں کے گھر رات رہنا پڑا۔ اس رات کا واقعہ تو آپ کے سامنے دہرانے کی ضرورت نہیں لیکن آپ کے گھر سے واپس آکر میں سنجیدگی سے اس معاملے پر غور کرنے لگا تھا۔ اپنے گھر کی حد تک تو اور بات تھی صائم بھیا کا کسی کے ہاں مہمان ہو کر ایسی حرکت کرنا مجھے سخت باعث شرم لگا۔ آپ گھبرا کر اس رات اپنے

خدشوں کا اظہار کر رہی تھیں کہ ہم چار اکیلی عورتیں ہیں اور اگر آئندہ ایسا واقعہ ہو گیا تو کیا ہو گا وغیرہ۔۔۔ میں جواباً "یہ بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ آئندہ ایسے واقعے کا کوئی امکان نہیں۔۔۔ لیکن خیر تو بات ہو رہی تھی ہمارے گجرات واپس آنے کے بعد کی۔۔۔" اس نے ہنکارا بھر کر پھر سے آغاز لیا۔

"یہ بات تو میں کالج کے اوائل دنوں سے ہی جان گیا تھا کہ اریبہ' انہیں بہت پسند ہے۔ ربا جب بھی کہیں آس پاس ہوتی وہ اسے چوری چھپے دیکھتے رہتے تھے۔ ربا بھی چچی کے سامنے ضد کر رہی ہوتی کہ وہ اسے آؤٹنگ پر لے جائیں یا کبھی شاپنگ وغیرہ کی فرمائش کی بھیا ضرور اس شام کہیں باہر جانے کا پروگرام بنا لیتے۔ ہمارے پاس ان دونوں ایک ہی گاڑی تھی۔ ابو نے سختی سے صائم بھیا کو آرڈر دیا ہوا تھا کہ وہ آفس جاتے ہوئے مجھے اور ربا کو کالج چھوڑ دیا کریں۔ مجھے تو انہوں نے جیسے تیسے ہی ہضم کیا تھا لیکن اریبہ کی موجودگی سے ان دنوں وہ بڑے خوش رہا کرتے تھے۔ سگریٹ نوشی بھی قدرے کم ہو گئی تھی اور میری رقم اٹھانا بھی انہوں نے چھوڑ دیا تھا۔ لیکن یہ سلسلہ کچھ عرصے ہی قائم رہ سکا' بھیا کو اب ربا اور میرا ایک ساتھ رہنا بات کرنا کالج آنا جانا کھٹکنے لگا تھا۔ پر یہ بات بھی ہمیشہ کی طرح ان کی خاموش نگاہوں نے باور کرائی اور میں نے خاموشی سے سمجھی تھی۔ ربا کسی بھی معاملے سے سراسر انجان تھی۔ لیکن آپ لوگوں کے گھر سے آنے کے بعد میں ایک نتیجے پر پہنچتے بھیا اور اریبہ کو قریب لانے کی کوششوں میں جت گیا۔ مجھے لگا ایک اریبہ ہی ہے جو ان کی شخصیت کو متوازن کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اریبہ سے صائم بھیا کے موضوع پر زیادہ سے زیادہ بولنے لگا۔ اتفاق سے انہی دنوں مجھے بھیا کا کمپیوٹر کھولنے کا موقع ملا۔ اس میں' میں نے ربا کی تصویروں کا ایک فولڈر دیکھا صائم بھیا نے ربا کی مختلف وقتوں میں کھینچی گئی بے شمار تصویروں کو ایک الگ فولڈر میں محفوظ کر رکھا تھا' نہ صرف یہ بلکہ گروپ تصویروں کو خوب صورت فریمز وغیرہ سے مزین کر رکھا تھا۔ میں نے موقع پا کر ایک دن ربا کو بھی یہ فولڈر دکھا دیا۔ فطری سی بات ہے اس کا دل صائم بھیا کے لیے نرم ہونے لگا۔ میں بھی لگاتار اپنی کوشش میں مصروف رہا۔ ربا بھی اب انہیں پسند کرنے لگی تھی۔ اب میں چاہتا تھا کہ بھیا خود پر چڑھایا خاموشی اور جھجک کا خول اتار پھینکیں۔ انہیں ربا سے اظہار پر مائل کرنے کے لیے بھی میں نے موقع فراہم کیا۔ ربا اس بات سے واقف تھی کہ یہ خود ساختہ کوشش ہے لیکن بھیا کو کچھ معلوم نہیں تھا۔ ربا نے خود جا کر صائم بھیا سے کہا کہ صبح مجھے لائبریری سے کچھ ضروری بکس ڈھونڈنی ہیں اس لیے جلدی کالج جانا ہے۔ لہٰذا وہ ان کے ساتھ جائے گی۔ میں نے پروگرام کے مطابق جانے سے انکار کر دیا۔ ربا راستے بھر ان سے ہلکی پھلکی باتیں کرتی رہی۔ پہلے اسٹیپ پر ہم دونوں کی یہی کوشش تھی کہ صائم بھیا ہم سے کھلیں ملیں۔ میرے خیال سے ربا تین دن لگاتار ان کے ساتھ کالج گئی۔ بھیا بھی اب اس سے کھل کر بات کرتے تھے۔ دونوں کے درمیان پہلے دوستی اور کچھ عرصے بعد محبت کا رشتہ استوار ہو گیا۔ صائم بھیا میں مثبت تبدیلیاں نظر آنے لگی تھیں۔ ربا نے سگریٹ نوشی ان سے بالکل ہی چھڑوا دی تھی۔ وہ خوش رہنے لگے تھے۔ گھر میں میرے علاوہ صرف عطیہ چچی جانتی تھیں کیونکہ ربا اپنی امی سے کوئی بات نہیں چھپاتی۔ رہ گیا میں تو میرے ساتھ بھیا کے تعلقات کی نوعیت جوں کی توں تھی۔ ہاں بس رقم اٹھانا بند ہو گیا تھا۔ فی الحال کے لیے تو یہی بہت تھا۔ لیکن میں نہیں جانتا تھا کہ ربا سے ان کی محبت ان کا لگاؤ بھی اس قدر عارضی ثابت ہو گا۔ میں کم از کم انہیں دل پھینک تو ہرگز نہیں سمجھتا تھا۔ جس طرح آپ لوگوں کی آمد پر ان کا دل اس قدر جلدی بدل گیا میں سمجھ نہیں پایا کہ۔۔۔" عارب دانستہ رک سا گیا۔ اگلی بات کھل کر کہنے میں بڑی جھجک مانع ہوئی اس بار ماہ رخ ہلکا سا مسکرا دی۔ عارب کی باتوں نے اب بہت سی گرہیں کھول دی تھیں۔ حتیٰ کہ خود عارب بھی جنہیں سمجھ نہیں پایا تھا۔

"وہ دل پھینک نہیں صرف ضدی ہیں۔ اور یہ ضد آپ کی نفرت میں ان کے اندر پیدا ہوئی۔ آپ آج یہ سب باتیں مجھ سے شیئر نہ کرتے تو میں کبھی بھی سمجھ نہ پاتی اور بہت سے معاملات غلط فہمی کی صورت شاید ہمیشہ ہمارے دلوں کو بے چین کرتے رہتے۔" ماہ رخ کے لبوں پر دھیمی دھیمی مسکراہٹ مسلسل کھیل رہی تھی۔ عارب نہ سمجھنے والے انداز میں محض اسے دیکھے جا رہا تھا۔ ماہ رخ نے خود ہی دوبارہ آغاز لیا۔

"پہلے بھیا کو آپ کا اور ربا کا ہنسنا بولنا ناگوار گزرتا تھا۔ اب میرے ساتھ۔۔۔"

"ایک منٹ۔۔۔" عارب نے ہاتھ اٹھا کر اسے روکا۔ تیوری ایک دم چڑھ گئی۔ "میں نے کب آپ سے ہنس بول کر باتیں کیں؟"

"اف خدایا۔ بات تو بندہ پوری سن لیتا ہے۔" وہ بھی ابل کر رہ گئی۔ "کیسے تو لڑکیوں کی طرح انا پرست بن رہا تھا۔" وہ بس سوچ کر رہ گئی۔

"ہاں لیکن میں کہے دیتا ہوں۔ میں نے کبھی کچھ ایسا ویسا۔۔۔" وہ اب انگلی اٹھا کر وارن کر رہا تھا۔

"بزدل۔ جھینپو۔۔۔ ہونہہ۔۔۔" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر رہ گئی۔

"کچھ کہا آپ نے؟" وہ آگے کو ہوا۔

"جی ہاں۔۔۔" اس نے چبا چبا کر کہا۔ "لیکن آپ بیچ میں ٹوکنا تو بند کریں۔"

"او کے۔۔۔" اس نے ہاتھ اٹھا کر جاری رہنے کی اجازت دی۔

"تھینک یو۔۔۔" وہ نتھنے پھلا کر رہ گئی۔ "تو بات یہ ہے محترم۔۔۔ کہ بدقسمتی سے بہت مرتبہ غلطی سے صائم بھیا کو ایسا تاثر ملا۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر۔ بدقسمتی، غلطی اور تاثر پر خوب زور دیا تھا۔ "کہ جیسے ہمارے بیچ بے تکلفی، دوستی یا ایسا کچھ پھل پھول رہا ہے۔"

"لیکن میں نے تو کبھی آپ سے بات بھی نہیں کی۔" وہ صاف کنی کترا گیا۔ ماہ رخ کا دل چاہا آگے بڑھ کر پہلے اس کے بال نوچے تا کہ اس کے سوئے ہوئے دماغ کی چولیں کچھ ہلیں جلیں۔

"آپ جیسوں کے لیے ناں۔۔۔" اس نے بھنا کر بات شروع کی۔ "چپے چپے پہ سی سی ٹی وی کیمرے ہونے چاہئیں۔ آپ بھول رہے ہیں مسٹر کہ دو سال پہلے جب وہ آپ کا واکلٹ اٹھا رہے تھے تب اچانک میں وہاں پہنچی تھی۔ یعنی آپ کے سرہانے پہلے وہ آئے پھر میں آدھمکی۔ شاید تب بھی انہوں نے یہی سوچا ہو کہ آدھی رات کو جبکہ آپ برآمدے میں اکیلے سوئے ہوئے تھے 'میں وہاں کیا کرنے آئی تھی۔۔۔ اور اس کے بعد جب ایک روز میں کچن میں اکیلی بلکہ۔۔۔ نیچے کے پورے پورشن میں اکیلی موجود تھی۔ آپ فریج سے پانی پینے آنکلے۔۔۔ اب پتا نہیں کہ۔۔۔" وہ آخر میں دھیرے سے بڑبڑائی۔

"بالکل انجان تھا۔" اس نے فوراً" سے پہلے صفائی دی۔ "آگے بڑھیں۔"

"ہاں لیکن کچن سے نکلتے ہوئے آپ ہنس رہے تھے۔"

"مجھے یاد نہیں۔" وہ روڈ ہوا۔

"یہ تو یاد ہو گا کہ انہوں نے آپ سے چچی کے بارے میں سوال کیا تھا۔"

"شاید۔۔۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"اور۔۔۔" ماہ رخ نے ٹیبل پہ ہاتھ مارتے آگے بڑھ کر حتمی رویہ اپنایا۔ آخری پتا جو اب تک اس نے سنبھال رکھا تھا۔ "میرے انٹرویو والے دن واپسی پر جب آپ جاب کی خوشی میں آئس کریم لے کر آئے۔" عارب نے حیرت سے بھنویں سکوڑ کر اسے دیکھا۔

"صائم بھیا سڑک کے دوسری طرف گاڑی میں بیٹھے یہ سب دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اپنا چہرا اخبار کے پیچھے چھپانے کی کوشش کی تھی لیکن میں نے ان کی آنکھیں پہچان لی تھیں۔ تب میں صرف حیران تھی ان کے خود کو چھپانے کے عمل پر۔۔۔ لیکن اب کوئی کنفیوژن نہیں۔۔۔" اس بار ماہ رخ نے تسلی سے پشت پیچھے ٹکائی۔ سوچنے کا کام اب عارب کا تھا۔ جس

کی ذہین آنکھیں بے دھیانی میں ادھر ادھر گھومتے کچھ اور بے چین نظر آئیں۔

"بچپن میں انہوں نے ہر وہ چیز مجھ سے چھین لی یا توڑ دی جو مجھے پسند تھی۔۔۔ لیکن گزرے کچھ سالوں میں مجھے صرف یہی لگنے لگا کہ ابوجی کے پیسوں پر وہ اپنا حق سمجھتے ہوئے اسے میرے پاس نہیں رہنے دیتے۔۔۔ لیکن وہ آج بھی میری پسندیدہ چیزوں کے درپے ہیں۔۔۔ یہ میں بالکل فراموش کر چکا تھا۔"

"ایکسکیوزمی۔۔۔" ماہ رخ نے آنکھیں چندھیا کر ٹیبل پر ہاتھ مارا۔ "نہ میں کوئی چیز ہوں اور نہ ہی آپ کی پسندیدہ۔۔۔ یہ صرف صائم بھیا کی غلط فہمی ہے اور کچھ نہیں۔"

"ہوں۔۔۔" وہ اب بغور اسے دیکھتے مبہم انداز میں مسکرا رہا تھا۔ "میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ صائم بھیا کی غلط فہمی دور کرنے کا اس سے مناسب موقع نہیں ہو سکتا" انہیں یہ باور کرانا اب بہت ضروری ہو گیا ہے کہ ماہ رخ احسان جیتی جاگتی انسان ہیں "کوئی "چیز" نہیں۔۔۔ اور وہ عارب حیدر کی محبت ہیں اس کی پسند نہیں۔"

"لل۔۔۔ لیکن۔۔۔ مم۔۔۔" اس نے سامنے رکھا گلاس اٹھا کر اسٹرا پھینکتے سارا ایک سانس میں چڑھا لیا۔ عارب کو بھی کہہ ڈالنے کے بعد سخت شرم نے آ گھیرا۔۔۔ گھبراہٹ ایک دم ہی چہرے پہ ہویدا ہوئی اور وہ چابی اٹھا کر فوراً "کاؤنٹر کی طرف مڑ گیا۔ بل ادا کر کے بنا مڑے باہر تک نکل گیا۔ ماہ رخ کو سمجھ آئی تو پرس اٹھا کر پیچھے بھاگی۔۔۔ پاگل نہ ہو تو۔۔۔ کہیں چھوڑ کر ہی نہ بھاگ جائے۔

وہ بنا اس کی طرف دیکھے چپ کر کے پچھلی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ کچھ راستہ یونہی خاموشی میں کٹ گیا "کار کی اسپیڈ البتہ خاصی کم تھی۔ ماہ رخ کو اب اس ست رفتاری سے گھبراہٹ ہونے لگی۔

"میں نے کچھ سوچا ہے۔" اس نے حسب عادت شیشہ سیٹ کیا الٰہی خیر۔ اب کیا سوچ بیٹھے ہیں۔ وہ دل میں سوچ کر رہ گئی بلکہ پلان کیا ہے۔ اس نے اضافہ کیا لیکن وہ چپ بیٹھی رہی بات اگر واقعی صائم بھیا کی ضد کی ہے تو ہمیں کچھ الٹا سوچنا پڑے گا یعنی۔۔۔؟ ماہ رخ نے تعجب سے سر اٹھایا۔

"انہیں میری پسند چھیننے میں دلچسپی ہے تو۔ "پسند" بدل کر گیم ہی تبدیل کر دیتے ہیں۔"

"مجھے سمجھ میں نہیں آ رہی۔۔۔" وہ الجھی پھر رکی۔ "کچھ کچھ۔۔۔"

"پھر تو سمجھ دار ہیں۔۔۔" وہ لمحے بھر کو دیکھ کر مسکرایا۔ "کیونکہ ابھی تو میں نے کچھ کچھ ہی بتایا ہے۔"

"اچھا تو کھل کر بتائیں ناں۔۔۔ ابھی تو گھر آ جائے گا۔" وہ سخت بے چین ہوئی۔ "اتنی جلدی کہاں آنے دیتے ہیں۔۔۔" وہ کہتے ساتھ ہی راستہ بدل گیا۔ اور اب وہ ایئرپورٹ روڈ کے پرسکون ماحول میں آگے بڑھ رہے تھے۔

"تو سنیں۔ سب سے پہلے میرا مشورہ ہے کہ آپ کسی کرائے کے مکان میں شفٹ ہو جائیں۔"

"ہوں" ٹھیک۔۔۔" ماہ رخ نے سرہلاتے فوراً "اس آپشن پر اوکے کی مہر لگائی۔ "پھر میں اپنے آپ کو خوش باش ظاہر کرتے ربا سے دوستانہ ماحول پیدا کروں گا۔ اگرچہ یہ دوستی پہلے ہی بہت گہری ہے لیکن میرا مقصد اسے صائم بھیا کے سامنے ایکسپوز کرنے کا ہے۔ انہیں یہ باور کرانا نہایت ضروری ہے کہ ماہ رخ کے لیے میرے دل میں کچھ نہیں ہے" اور جیسا انہوں نے سوچا وہ "سراسر ان کی غلط فہمی تھی" اس کے بعد ہمیں ایک تیسرے بندے کو اس گیم میں شامل کرنا ہو گا اور وہ ہوں گی میری امی۔۔۔ سب سے پہلے صائم انہی کی بات کا الٹ کرتا ہے" میری باری تو بعد میں آتی ہے۔ امی جذباتی انداز میں اسے کہیں گی کہ وہ اریبہ کو عارب کے لیے پسند کر چکی ہیں اور رشتہ مانگنے والی ہیں لیکن چونکہ وہ بڑا ہے اس لیے پہلے اس کی خوشی کی خاطر ایک بار پھر ماہ رخ کو کنوینس کریں گی۔"

"مجھے۔۔۔" وہ تقریباً "چلاتے ہوئے آگے کو ہوئی۔

"الٹا۔۔۔" عارب نے انگلی گھما کر سمجھانے کی کوشش کی۔ "اثر الٹا ہو گا بابا۔"

"لیکن یہ تو رسک ہے... سراسر جوا۔"

"کوئی مسئلہ نہیں" عارب نے کندھے اچکائے۔

"نتیجہ ہماری سوچ کے خلاف جائے... فرض کریں... تو آپ دوبارہ انکار کردیں۔"

"لیکن اس "الٹ پھیر" میں سیدھا کیا ہے؟" ماہ رخ سچ مچ الجھ گئی۔ عارب پہلی بار شرارت سے مسکرایا۔

"تو ٹھیک ہے... اب یہ آپ کے لیے بھی ایک سرپرائز ہے۔" اس نے یک لخت اسپیڈ بڑھادی۔

"ہیں... تو پھر کیا ہوا۔" ربانہ سمجھنے والے انداز میں باری باری دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"انہی سے پوچھو..." ماہ رخ نے ہونٹ سکوڑے "انہی کا کھیلا جوا تھا ناں... تو مائی ڈیئر سسٹر..." عارب ماضی کی اسٹوری سناتے حال میں واپس آیا' جہاں کنارا ہوٹل کے ہٹ میں آئس کریم سے لطف اندوز ہوچکنے کے بعد وہ لوگ صرف ہوا کھا رہے تھے۔ "اگر آپ کو یاد ہو تو میں نے نہایت جوش و خروش سے آپ کو امتحانات کی تیاری میں مدد دینا شروع کردی تھی' وہ بھی برآمدے میں..."

"ہاں... گرمی میں ذلیل ہونے کے لیے..." ربا نے ساتھ ساتھ سر بھی زور سے ہلایا جیسے اس سے آگے سننے کی عجلت ہو۔

"جی ہاں... وہ گرمی کی ذلالت میں نے تمہاری خاطر برداشت کی تھی۔ آتے جاتے وہ صاحب بہادر ہمیں گھور گھور کے دیکھا کرتے' اور اندر ہی اندر سگریٹ جیسا سلگا کرتے تھے۔ کبھی زندگی میں دو گھڑی ہمارے ساتھ بیٹھنے کی زحمت کی ہوتی تو سمجھتے کہ بہن بھائی جیسے اس رشتے میں ایسا کچھ بھی نہیں جو وہ سوچ رہے ہیں..." عارب بھائی یہ سخت خفا موڈ بگاڑے بیٹھا تھا۔ "لیکن خیر کبھی کبھار ایسی غلط فہمیاں بھی بڑا فائدہ دے جاتی ہیں... مہینے بھر کی ان کی اس بدگمانی نے جب انہیں جلا جلا کر تقریباً" آدھا کردیا تب تمہارے امتحان ختم ہونے کے اگلے روز ہی امی اس کے سر پر پہنچ گئیں۔

نرم دھیمی مسکان لیے یہ کہتی ہوئیں کہ وہ ربا کو عارب کے لیے پسند کرچکی ہیں۔ نعوذ باللہ (کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے) لیکن بڑا ہونے کی حیثیت سے پہلی باری اس کی ہے اس لیے وہ آج شام پہلے ماہ رخ کے ہاں جارہی ہیں تاکہ ایک بار پھر اسے کنوینس کرسکیں اور اس ساری مکالمہ بازی کا ٹرننگ پوائنٹ وہ جملہ ثابت ہوا جو خاص اس موقع کے لیے امی کو سکھایا گیا تھا۔ امی نے اپنی بات مکمل کرنے کے بعد آخر میں یہ کہنا تھا کہ وہ اپنے اور اس کے بیچ کی دوریاں ختم کرنے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہیں' بس ایک بار وہ اپنی خواہش منہ سے نکالے۔ تب بھیا جی ایک دم فیصلہ کن انداز میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ عارب دوبارہ وہاں پہنچ گیا۔

"ٹھیک ہے..." دونوں ہاتھ پشت پر باندھے وہ دور دیوار تک چلے گئے۔ نگار پریشان سی اسے دیکھے گئیں۔ شاید یہی اس کا مکمل جواب تھا' لیکن نہیں... اس کی بات تو شروع ہی اب ہوئی تھی۔

"میں آج اور ابھی آپ کو ہاں کہنے کے لیے تیار ہوں اور پورے حق سے... لیکن اس کے لیے میری ایک شرط ہے۔" وہ کسی قدر طنزیہ ہنسی ہونٹوں پر لیے مڑا آنکھوں میں چبھتی ہوئی سی چمک تھی۔

"کہو بیٹا... میں تو انتظار میں ہوں۔" نگار نے دھڑکتے دل کو بمشکل قابو کیا "آپ ماہ رخ کے بجائے ربا کا پرپوزل لے کر جائیں گی میرے لیے۔" وہ اب سنجیدہ تھا حد سے زیادہ۔ نگار نے لڑکھڑانے کی ناکام ایکٹنگ کی شکر ہے صائم کی توجہ نہیں تھی۔

"دل... لیکن... وہ تو عارب..."

"مجھے معلوم تھا... آپ نہیں کرپائیں گی..." وہ پھر سے رخ پھیر گیا۔ نگار کو اس موقع پر حامی بھرے بغیر ہی لوٹنے کو کہا گیا تھا۔ فوری اقرار صائم کو مشکوک کرسکتا تھا' اندر سے دل البتہ خوشی سے چھلانگیں لگا رہا تھا۔

"ایک منٹ..." صائم نے کچھ خیال آنے پر انہیں پکارا تو نگار کا دل کانوں میں دھڑکنے لگا۔

"یا اللہ خیر! اتنی مشکل سے اسکرپٹ یاد کیا تھا۔ اب تو کوئی ڈائیلاگ بچا ہی نہیں۔" وہ ڈرتے ڈرتے مڑیں۔

"عارب کا رشتہ مانگنے سے پہلے کسی نے ربا کی مرضی جانی تھی۔" صائم کا انداز اس مرتبہ خوب تفتیشی تھا۔ نگار نے آسان سوال پر دل ہی دل میں شکر پڑھا۔

"نہیں بیٹا۔ یہ تو بس میری اور تمہارے ابا کی خواہش تھی۔ ربا کی مرضی تو اب معلوم ہوگی۔"

"ہوں ٹھیک ہے۔" وہ بھی جیسے مطمئن سا ہو گیا۔ نگار اب کے تیز قدموں سے باہر نکلیں۔ دیوار سے چپکے عارب کو پورے ہاتھ کی لعنت دکھائی۔ وہ "ہرا" کے انداز میں بازو لہراتا نیچے بھاگ گیا۔

☆ ☆ ☆

اور پھر اسی شام ہی، ماہ رخ جب اپنے کرائے کے مکان میں کتابیں سامنے کھولے اگلے دن کے نوٹس تیار کر رہی تھی، سمنہ بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی تھی۔

"آپی... وہ عطیہ خالہ آئی ہیں۔" اور ماہ رخ نے حیرت سے پلنگ چھوڑا "ساتھ نگار تائی بھی ہیں... اوپر آرہی ہیں۔"

"آ... اچھا..." وہ جلدی سے بستر کی چادر درست کرنے لگی۔

"تم اور ہادیہ کچن سنبھالو گے؟"

"ہاں ہاں... بے فکر رہو..." سمنہ پھر نیچے دوڑ گئی۔ ماہ رخ کا گلابی چہرہ پریشانی سے سفید پڑنے لگا۔ عطیہ خالہ کے ساتھ نگار تائی کی آمد... دل کو عجیب طرح کے وسوسے ستانے لگے۔ عارب کی پلاننگ کس کروٹ بیٹھی تھی، کچھ کہا نہیں جا سکتا تھا۔ لیکن عطیہ خالہ جس محبت اور خفیف سی شرمندگی کے زیر اثر اس سے ملی تھیں۔ اس سے پریشانی کا اثر کسی قدر کم پڑا تھا۔

"ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔" وہ اس کا چہرا پیار سے ہاتھوں میں لیے منت کر رہی تھیں۔ "مجھے معاف کر دو ماہ رخ۔"

"آپ شرمندہ کر رہی ہیں خالہ..." ماہ رخ نے نرمی سے ان کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے... "میں کوئی خفا ہو کر آئی تھی خدانا خواستہ... آپ کی طرف تو بس ربا کے امتحانوں کی وجہ سے چکر نہیں لگایا۔ میں چاہتی تھی وہ فارغ ہو جائے تو آؤں گی۔"

"صرف آنا نہیں ہے، رہنا ہے ہمارے ساتھ..." خالہ بضد تھیں۔

"ہم یہاں بہت آرام سے ہیں خالہ..."

"یہاں صرف آرام سے ہو..." نگار خالہ نے مسکراتے ہوئے اس کی ٹھوڑی اونچی کی۔ "وہاں پورے حق سے رہو گی۔ تمہاری خالہ کو آج یہاں تمہاری ماں بنا کر لائی ہوں۔ تمہاری مرضی اور اس کی اجازت سے تمہیں اپنی گھر کی بہو بنانے..."

"لیکن وہ بات تو..." ماہ رخ سر جھکا کر رہ گئی۔

"وہ" بات نہیں ہے۔ نگار تائی مسلسل مسکرا رہی تھیں۔ "یہ اور بات ہے... میں تمہیں اپنے عارب کے لیے مانگنے آئی ہوں۔"

"جی...؟" اس نے تعجب سے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں پھیلا دیں۔ یہ عارب کا بچہ... کیسا گھنا نکلا... بتایا ہی کچھ نہیں۔

"پچھلی شام اریبہ اور صائم کا باقاعدہ رشتہ طے پا گیا ہے۔" نگار تائی نے خوشی خوشی اس کی معلومات میں اضافہ کیا۔ اور ماہ رخ نے بے ساختہ عطیہ خالہ کی طرف دیکھا۔ اس بے خبری پر تو شکوہ بنتا تھا۔ وہ جواباً کھلکھلا کر ہنس پڑیں۔

"اس اتوار کو باقاعدہ دھوم دھام سے منگنی ہے۔ تمہیں انوائٹ کرنے ہی آئے ہیں۔" عطیہ خالہ نے اضافہ کیا تو وہ اپنی خفا خفا سی نگاہ پر جھینپ کے ہنس پڑی۔

"یوں سمجھو آج ہم پورے تین اہم مشن لے کر یہاں آئی ہیں۔" عطیہ خالہ نے اس بار تفصیل میں جانے کا ارادہ کیا۔

"اتوار کو تم تینوں نہ صرف ربا کی منگنی میں شریک ہو رہی ہو بلکہ منگنی ہوتے ہی اگلے ہفتے کے کسی بھی دن تم واپس میرے پاس آ رہی ہو۔ ربا کی شادی بھی خیر سے اک ماہ بعد یعنی عیدالفطر پہ طے پائی ہے۔ اب ساری تیاریاں تم نے کروانی ہیں میرے ساتھ... اوپر سے رمضان المبارک... میں کہاں کر پاؤں گی اکیلے اتنے کام...

اور ہاں... عارب سے تمہارا رشتہ فی الحال راز رکھا جائے گا۔ مجھے صرف اپنی تسلی کے لیے آج تمہاری مرضی جاننی ہے۔ ربا کی خیر سے شادی ہو جائے تو پھر تم دونوں کی منگنی بھی اسی دھوم دھام سے کریں گے ان شاء اللہ۔

فی الحال صائم کے علاوہ ہم سب گھر والوں کے بیچ رہے گی یہ بات۔" انہوں نے اس بار بنا کسی لگی لپٹی کے صاف بتا دیا۔ ماہ رخ نے ہولے سے پہلے تائید میں سر ہلایا پھر جھکا دیا۔

"یعنی منظور ہے؟" تائی نے گردن جھکا کر اس کا سرخ چہرا پڑھنے کی کوشش کی تو وہ ہنسی نہیں چھپا پائی۔

"مبارک ہو سب کو..." تائی نے جھٹ مٹھائی کا ڈبا کھولا۔

"ارے کوئی عارب کو تو بلاؤ... کب سے نیچے گاڑی میں بیٹھا ہے۔" عطیہ نے پیچھے کھڑی ممنہ کو ہانک لگائی۔

"نہیں خالہ..." پلیز ماہ رخ نے بے ساختہ ان کا بازو پکڑا۔

"ہائیں..." وہ پہلے تو حیرت سے مڑیں۔ اور پھر سمجھ آنے پر سبھی قہقہہ لگا کر ہنس پڑے اور اسی ہنسی خوشی کے ماحول میں نگار تائی نے اسے اپنی انگوٹھی پہنا دی۔

☆ ☆ ☆

"تو ثابت یہ ہوا کہ اس ساری گیم میں بکرا بنے بے چارے صائم بھیا..." ماہ رخ نے تاسف سے سر ہلایا۔ عارب کے سبھی سرپرائز ایک ایک کر کے کھل چکے تھے۔ کنارا ہوٹل کے بند کیبن سے نکل کر ان تینوں نے دریائے چناب کی لہروں کو چھو کر آتی ٹھنڈی ہوا میں گھومنے کا ارادہ کیا۔

"کیا فرق پڑتا ہے یار..." عارب نے گویا شرمندگی زائل کرنے کو کندھے اچکائے۔ "فائدے میں تو پھر بھی رہے ناں۔"

"داد تو اس وقت تم صرف اور صرف عارب حیدر کی فول پروف 'فلاپ لیس' مکمل پلاننگ کو دو جس کی بدولت آج چار لو برڈز..."

"صص... صائم بھیا..." ماہ رخ اپنی چیخ کا گلا گھونٹتی الٹے قدموں پیچھے ہٹ کی طرف دوڑی، سمجھ آنے پر ربا اور عارب بھی لوٹنیاں کھاتے واپس اندر آئے۔

"کک... کہاں... کدھر۔" عارب نے رومال سے پیشانی پونچھتے کھڑکی سے جھانکنے کی کوشش کی۔

"کہاں گئے تھے بھیا؟" ماہ رخ نے سر کے اوپر سے جھانکتے عارب کو تفتیشی نظروں سے گھورا۔

"دوستوں کو منگنی کی ٹریٹ..." اور ٹریٹ تک آتے آتے وہ خود ہی کھسیا گیا۔

"جی ہاں... ڈھیر سارے دوستوں کی سنگت میں وہ ٹریٹ دینے یہیں آئے ہوئے ہیں۔"

"ارے تم عقل سے پیدل ہو عارب..." ربا نے کوسنے شروع کیے۔ "یہ تک معلوم نہیں کیا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں... اوپر سے ہمیں اٹھا لائے ایسے اوپن پبلک اسپاٹ پہ... جاہل ہو قسم سے۔"

"اب ہو گا کیا؟" ماہ رخ کی بھی سٹی گم ہو۔ ربا کی شادی تک ہر حال میں اپنی اور عارب کی نزدیکیوں کو راز رکھنا تھا۔ اوپر سے ربا بھی ساتھ تھی۔

"ہونا کیا ہے۔ مورات تک یہیں۔" وہ تھک کر کرسی پہ بیٹھا۔

"تو ٹھیک ہے۔" ربا اور ماہ رخ نے بھی اپنی اپنی نشست سنبھالی "آئس کریم پہ ٹرخا رہے تھے۔ اب کھانا کھلاؤ خوب مزے دار سا..."

"ندیدی لڑکیاں..." عارب انہیں کچا چبانے کو تیار

تھا۔

"کھانا تمہارے اندر جائے گا اس حال میں۔۔۔"

"کیوں نہیں۔۔۔" ماہ رخ نے شانے اچکائے۔ "بھئی ہمارا تو کوئی ہاتھ نہیں ہے اس فول پروف فلالیس ،مکمل پلاننگ میں۔۔۔" وہ اب اس کی نقل اتار رہی تھی۔۔۔ اور ربا عارب کا پیلا ہلدی چہرا دیکھتے ہنس ہنس کر بے حال تھی۔

"لوگ سمجھتے ہیں جھوٹ بولنے پہ کوئی خرچا نہیں آتا' اس لیے فراٹے سے جھوٹ گھڑ گھڑ کر اس پہ باقاعدہ داد بھی طلب کرتے ہیں۔ بتا دو انہیں۔۔۔" ماہ رخ نے ربا کو آنکھ ماری۔ "پورے ایک عدد ہیوی ڈنر جتنا خرچا آتا ہے۔"

"بہت بول رہی ہو لڑکی۔۔۔" عارب نے ایک بار پھر رومال کا سہارا لیا۔ کم بخت پسینہ ہی خشک ہونے کا نام نہیں لے رہا تھا۔ پکڑے جانے کا خوف اس غریب پہ جوں کا توں حاوی تھا۔

"مستقبل میں بڑے کام پڑنے والے ہیں۔۔۔ "لوگوں" سے۔"

"ابھی دنیا سے پوشیدہ ہے یہ منگنی۔۔۔ لہٰذا غور کیا جا سکتا ہے۔" وہ لب دبائے مسکرا رہی تھی۔

"شرم کرو۔۔۔ میری ماں کی پورے ایک تولے کی انگوٹھی پہ قبضہ کر رکھا ہے۔" عارب نے اس کے دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کیا۔

"ارے ہاں۔۔۔ ایک منٹ۔۔۔" ماہ رخ کو کچھ یاد آیا۔ "وہ پانچ چھ سال والی بات بالکونی سے سنی تھی ناں۔۔۔؟"

"ہاں سچ۔۔۔" عارب نے گردن کھجائی "یار وہ کیا معمہ تھا۔۔۔ پانچ چھ سال والا؟ آئی مین یہ تو بہت زیادہ ہیں۔"

"وہ تو۔۔۔ سمنہ اور ہادیہ کی وجہ سے۔۔۔" ماہ رخ بالکل نیچی آواز میں بڑبڑائی۔ عارب نے مشکوک نظروں سے دیکھا۔ جیسے وہ کچھ چھپا رہی تھی۔

"سمنہ' ہادیہ۔۔۔ کیا؟"

"چھپ چھپ کر باتیں سنتے آپ کو شرم نہیں آتی۔" اب وہ بات گھما رہی تھی۔

"وہ سب بعد میں۔۔۔" عارب نے رعب جھاڑا "صاف صاف بتاؤ کیا معاملہ تھا۔"

"کوئی نہیں۔۔۔" وہ بلاوجہ ہنس دی۔ سخت شرمندہ سی "میں نے سوچا تھا سمنہ اور ہادیہ کو ایف ایس سی تک پڑھا کر بیاہ دوں گی' پھر اس کے بعد۔۔۔"

"ہیں کیوں۔۔۔" ربا نے آنکھیں نکالیں۔ "بے چاری معصوم بچیاں صرف بارہویں تک پڑھیں گی۔"

"ہاں تو۔۔۔ کم ہے کیا۔" وہ لاپروا بننے لگی۔

"لیکن وجہ؟" ربا ابھی بھی نہیں سمجھی۔ عارب نے قہقہہ لگایا۔

"بچیوں کے گریجویشن اور ایم اے تک یہ محترمہ تھرٹی پلس ہو جائیں گی۔۔۔ اور پھر وہی۔۔۔ اچھے رشتوں کا فقدان وغیرہ وغیرہ۔"

"اور میرے پرخلوص جذبے کو نہیں دیکھتا کوئی۔۔۔ چھوٹی بہنوں کی ذمہ داری پوری ہونے تک میرا خود سے عہد۔۔۔" وہ اب تیوری چڑھا کر زبردستی تعریف مانگ رہی تھی۔

"اچھا اور اب؟" عارب کی آنکھوں میں چمک کچھ بڑھی اور لہجہ ذرا سا بدلا۔ ربا نے وہیں کھنکار کر ڈپٹا۔ ماہ رخ کا گلابی پڑتا چہرا بھی پل میں نارمل ہو گیا۔

"بھوک لگی ہے بھئی۔۔۔" اس نے بات بدلی۔

"خود جاؤں۔ آرڈر دینے؟" عارب نے طنز سے ابرو چڑھائے۔

"ہمارا کیا جاتا ہے۔ وہ مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسی "خود ہی پھنسیں گے۔"

"ہم تو ڈوبیں گے صنم۔۔۔" وہ گنگناتا دروازے کی طرف بڑھا۔

"نہیں عارب۔۔۔" وہ دبے دبے چیخی۔ ربا کا قہقہہ نکل گیا۔

"دونوں ایک سے بڑھ کر ہو اللہ قسم۔۔۔" تبھی ویٹر نے خود ہی اندر جھانکا اور عارب موقع غنیمت جان اسے بازو سے پورا اندر کھینچ لایا۔

"ڈنر آرڈر کرنا تھا یار۔۔۔"

"ج... جی جی۔" وہ سٹپٹا کر پیڈ اور پین سنبھالنے لگا۔ ربا اور ماہ رخ نے منہ پہ ہاتھ رکھ کر ہنسی دبائی ہوئی تھی' ویٹر کے جاتے ہی جو فوارے کی طرح چھوٹی۔ اس مرتبہ عارب بھی کھسیا گیا۔ ان دونوں کی ہنسی اب زہر نہیں لگ رہی تھی۔ ماہ رخ کا مسلسل ہنستا چہرا تو بلکہ اندر تک اسے سکون مہیا کر رہا تھا۔ اپنے خوب صورت دانتوں کو آج اگر وہ چاہ کر بھی چھپا نہیں پا رہی تھی تو وجہ سراسر وہ سچی خوشی تھی جو عارب کی صورت نصیب نے اس کی جھولی میں ڈالی تھی۔ حتیٰ کہ پانچ چھ سال کا کڑا انتظار بھی کرنا نہیں پڑا تھا۔

✡ ✡ ✡

"صائم بھیا گھر پر نہیں ہیں...." ماہ رخ کو اپنے موبائل پر عارب کا ٹیکسٹ موصول ہوا تو حیرت سے آنکھیں چندھیا کر دیکھا۔

"تو؟" اس نے جواب لکھا۔

"باہر ہوا بھی بہت ٹھنڈی چل رہی ہے۔"

"جون میں... ٹھنڈی ہوا؟" وہ لب دبا کر مسکراتے پھر شرارت سے آمادہ ہوئی۔

"ارے کمرے سے نکلو... ست کہیں کی... کورنیٹو پگھل جائے گی۔"

"پہلے کیوں نہیں بتایا...." وہ جھٹ پٹ دوپٹا سنبھالتی باہر آئی۔

برآمدے سے مڑ کر کوریڈور میں پہنچی تو عارب میاں سیڑھیوں پر خالی ہاتھ بیٹھے ملے۔

"کہاں ہے... کورنیٹو۔" وہ دونوں ہاتھ کمر پر رکھے کھڑی تھی۔

"پگھل گئی... جون کی گرمی میں...." اس نے دانت نکوس کر بطور خاص جون کہا۔

"اللہ ناں... جھوٹوں سے بچائے قسم سے...." وہ منہ بناتی تھوڑے فاصلے پر ٹک گئی۔

"اور بھوکے ندیدوں سے بھی۔ ابھی گھنٹہ بھر تو نہیں ہوا روزہ کھلے...." وہ کہاں بخشنے والا تھا۔

"کہاں گئے صائم بھیا؟ آپ کی رپورٹنگ بھی ایسی کچھ مصدقہ نہیں ہوتی۔" ماہ رخ کا سارا موڈ ہی آئس کریم کی عدم موجودگی نے خراب کر دیا تھا۔

"دوستوں کے ساتھ چاند رات منانے گئے ہیں' وہ بھی گاڑی لے کر.... لہٰذا آرام سے بیٹھو۔ گیٹ اندر سے بند ہے' ہارن بجنے سے پہلے بھاگنے نہیں دوں گا۔" وہ اب مصنوعی رعب دکھا رہا تھا۔ ماہ رخ دھیرے سے مسکرا دی۔

"بھائی سے بھی ڈرتے ہیں اور...."

"اور...." وہ معنی خیزی سے دہرا رہا تھا۔ آنکھوں میں شوخ مسکراتی سی چمک تھی۔ ماہ رخ نے جھینپ کر نفی میں سرہلایا۔

"کچھ نہیں۔"

"میں تمہیں جھوٹا لگتا ہوں.... سچ مچ؟" وہ اب قدرے سنجیدگی سے استفسار کر رہا تھا' ماہ رخ ہنس پڑی۔

"تم نے سنا نہیں.... جس جھوٹ سے کسی کا بھلا ہوتا ہو' وہ جھوٹ نہیں ہوتا.... اور یہاں تو ایک ساتھ کتنے لوگوں کا بھلا ہوا ہے۔"

"مجھے ایک بات سمجھ نہیں آئی عارب...." وہ بھی یک لخت سنجیدہ ہوئی۔

"ذرا رک کر پوچھنا ڈیئر.... "عارب نے دل پر ہاتھ رکھا "تم میرا نام لیتی ہو تو مجھے باقی سب بھولنے لگتا ہے۔"

"چپ بدتمیز۔" وہ اس کی غیر سنجیدگی پر گلابی پڑ گئی۔ "پلیز سیریس ہو جائیں۔" "گرمیوں میں سیریس ہونے کو مت کہنا...." اس نے ہاتھ کھڑے کیے۔ "میں نے امی سے صاف کہہ دیا ہے' شادی تو اکتوبر کے بعد ہی ہوگی۔"

"اف توبہ...." وہ ہاتھوں پہ سر رکھ کر ہنس رہی تھی۔ "میں بھی ونٹر لوور ہوں.... اور میرے حساب سے دسمبر جنوری بیسٹ ہیں۔ اس لیے آپ اب میری بات سنیں۔"

"لیکن ہنی مون کے لیے اسنو فال...." اس نے انگلی اٹھا کر وارن کیا۔ "وہ بھی ناران کاغان...."

"صائم بھیا اس قصے کی اصلیت نہ جان پائے تو ..."

"اب بھیا کہاں سے آ گئے بیچ میں..." عارب کا موڈ آف ہوا۔

"آپ نے اسی طرح ٹائم ضائع کیا تو آن ہی ٹپکیں گے، پتا چلے آپ تو اس طرف کے دروازے تالے بند کر کے بیٹھے ہیں اور وہ پیچھے والے گیٹ سے اندر بھی آ جائیں۔" ماہ رخ نے نئی نئی تبدیلی کی طرف عارب کی توجہ دلائی۔ کرائے داروں کے چلے جانے پر بیچ کی دیوار ہٹا دی گئی تھی اور تائی وغیرہ قریب دو ہفتوں سے نیچے کے پورشن میں شفٹ ہو چکے تھے۔ شادی کی تیاریاں پورا ماہ رمضان خوب زور و شور سے ہوتی رہیں۔ عید کے دوسرے روز شادی کا فنکشن تھا۔ اور آج سے ربا کو مایوں بٹھا دیا گیا تھا۔ صائم بھیا کو سختی سے اس طرف آنے سے منع کر دیا گیا۔ ویسے بھی دوسری سائیڈ کا گیٹ اوپن ہو چکا تھا۔ گاڑیاں بھی اب اس طرف کے پورچ میں تھیں۔

"اوکے... اوکے۔" وہ ہنس کر متوجہ ہوا۔ اور متوجہ کیا ہوا پورا رخ موڑ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا وہ بھی پورے انہماک سے... اور یہاں ماہ رخ بی بی کی زبان کو تالے لگ گئے۔

"کچھ... کہہ رہی تھیں آپ؟" وہ اس کی غائب دماغی سے محظوظ ہوتے اسی دھیان سے اس کے چہرے پر اپنی گہری نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اندر کی کڑ کڑ سے پریشان ماہ رخ کا دماغ صاف سلیٹ ہو گیا تھا۔

"بھول گئی..." وہ ایک دم بے چارگی سے اتنا ہی کہہ پائی۔ عارب نے ہنستے ہوئے سائیڈ جیب سے اپنا موبائل نکالا۔

"اوکے... تو میں موبائل پہ دھیان لگاتا ہوں۔ تمہارے لیے بولنا آسان ہو گا۔" وہ اس کی سہولت کی خاطر موبائل پہ جھکا لیکن ماہ رخ کو تو وہیں ایک پرانی بات یاد آ گئی۔

"آپ موبائل پہ کیا دیکھ کر ہنستے رہتے تھے؟"

"ہیں... یہ پوچھنا تھا؟" عارب نے ہاتھ روک کر تعجب سے اسے دیکھا۔

"نہیں نہیں، یہ وہ بات نہیں ہے... لیکن مجھے یہ بھی پوچھنا تھا، جب دیکھو آپ موبائل کی طرف دیکھ کر ہنستے رہتے تھے۔"

"لو تم بھی دیکھو..." اس نے خوب لطف لیتے جلدی جلدی کچھ اوپن کرنا شروع کیا۔

شرطیہ مٹھے۔ پنجابی اسٹیج ڈرامہ...

ہا... ماہ رخ نے منہ پہ ہاتھ رکھا "آپ یہ سب دیکھتے ہیں؟"

"ہاں بھئی... ہنسی تو اسی پر ہی آئے گی ناں... بڑا ہنساتے ہیں سچی... خوب فنی کلپس..."

"اور وہ ڈانسز وغیرہ جو..." ماہ رخ کا بس نہیں چل رہا تھا اس بے ہودگی پر اس کا موبائل ہی توڑ ڈالتی۔

"ارے قسم سے وہ سب نہیں دیکھتا... مجھے تو ہنس..." وہ کہتے کہتے رکا "تم بھی دیکھتی ہو؟"

"لاحول ولا..." وہ بھنا گئی۔ "میں کیوں دیکھنے لگی۔"

"روانی تو بڑی تھی تمہارے بتانے میں..." وہ اب ہنستے ہوئے اسے چھیڑ رہا تھا۔

"میں جا رہی ہوں..." وہ تن فن کرتی اٹھ گئی۔

"ارے رکو بابا..." عارب نے بس سیکنڈ کے لیے کلائی پکڑ کر روکتے فوراً چھوڑ بھی دی۔ وہ البتہ رک گئی تھی۔

"چاند رات کو کوئی لڑائی نہیں، اوکے... بیٹھو شاباش..." اس نے کھسک کر جگہ چھوڑی۔ "میری ایسی ویسی نیت ہوتی تو بتاتا ہی کیوں... یہ دیکھو..." اس نے ویڈیو فولڈر نکالا۔ جس میں خطرناک، خبرناک، عمر شریف، کپل شرما شو اور نجانے کتنے اور کامیڈی شوز کے کلپس کی بھرمار تھی۔

"ہنسنے مسکرانے پر تو پابندی نہ لگاؤ یار... میں تو ایسا ہی ہوں۔"

"کبھی سیریس بھی لیتے ہیں کسی بات کو..." وہ نیم رضامندی سی دوبارہ وہیں بیٹھ گئی۔

"لیتا ہوں ناں..." وہ مبہم سا مسکرا دیا۔ "جیسے تم

میرا جھوٹ کہہ رہی تھیں' مجھ سے پوچھو تو زندگی اور موت کا معاملہ تھا میرے لیے... کتنا آسان تھا بھیا کے لیے" تمہیں اپنی ضد کی بھینٹ چڑھانا... "وہ مکمل سنجیدگی کے رنگ میں رنگتے کہیں دور پہنچ گیا۔"

"میں بھی یہی جاننا چاہتی تھی عارب..." ماہ رخ بے دھیانی میں اپنے ناخن کھرچنے لگی۔ "خالہ نے مجھے واپس تو بلالیا' لیکن زندگی بھر ان کی نظروں کے سامنے رہنا' انہیں فیس کرنا' پھر ہمارے رشتے..."

"آسان ہے ماہ رخ..." اس بار وہ رسان سے مسکرایا تھا۔ بھرپور آسودگی دیتی نرم تسلی آمیز آواز میں۔ "اور یہ صرف اور صرف تمہارے ہاتھ میں ہے۔ جو شخص اپنے کیے پر شرمندہ ہو ناں... اسے طعنوں کی چوٹ سے زخمی کرنے کے بجائے کھلے دل سے اس کی شرمندگی اور ندامت کو اپنے اندر سمو لیتے ہیں۔ بھیا نادم ہیں اس لیے نہ صرف خاموش ہیں آج بلکہ الحمدللہ ربا کے ساتھ رشتہ ہونے پر بھی خوش ہیں... ربا کے چہرے کا اطمینان بتاتا ہے کہ دراصل وہی ان کی اصلی خوشی تھی۔ انسان کے مثبت منفی رویوں اور اعمال کا سبب سب سے زیادہ اس کے حالات اور اس کا ماحول بنتے ہیں۔ انسان کے برا بننے کے پیچھے ہمیشہ کسی "وجہ" کا دخل رہا ہے۔ برا کرنے والے سے بجائے بدلہ لینے کے اگر ہم وجہ پر غور کرتے اسے معاف کرنے یا اسے سدھارنے کے طریقوں پر غور کریں تو ہماری زندگیوں میں کتنا توازن آسکتا ہے۔ میں نے سگے ماں باپ کی مکمل توجہ اور محبت پاتے ایک بڑے ہی متوازن ماحول میں نشوونما پائی ہے۔ آج اگر ذہنی طور پر میں خود کو ایک مکمل صحت مند انسان تصور کرتا ہوں تو کریڈیٹ ان حالات کو جاتا ہے جو میرے پروان چڑھنے میں مددومعاون ثابت ہوئے۔ جبکہ عین اسی ماحول بلکہ اسی گھر کا پروردہ ایک اور شخص بالکل الگ شخصیت کا حامل دکھائی دیتا ہے تو ذرا اس کے بھی حالات پہ غور کرو' آٹھ سال کی عمر میں ماں کو کھو دینا... وہ بھی کینسر سے متاثرہ ایک طلاق یافتہ ماں... پھر اسی ماں کے دکھ سے چور باپ کا سہارا تلاش کرنے کے لیے ایک دوسرے گھر آنا لیکن یہاں بھی باپ کی مکمل اور بھرپور محبت کے بجائے اس محبت کے دو شریکوں سے واسطہ پڑنا' ان کے ناپختہ ذہن میں یہی آیا کہ بجائے ان سے مکمل مل کر رہنے کے اپنے آپ کو ایک خول میں بند کر دیا جائے کاش..." عارب نے طویل یک طرفہ گفتگو کے بعد ایک گہرا سانس لیا۔ "کاش کہ امی اور میں... بلکہ ابو بھی... ہم تینوں مل کر شروع سے اس معاملے کو سنجیدگی سے لیتے... خصوصاً میں تو اس لیے بھی خود کو ذمہ دار گردانتا ہوں کہ فورتھ کلاس سے مجھے اندازہ ہونا شروع ہو گیا تھا بھیا کی ذات کے خلا ان کی تنہائیوں' محرومیوں کا... لیکن میں نے دیر کردی۔ بلکہ اب بھی شاید میرا کچھ نہ بگڑتا اگر تم... میری محبت اس پورے معاملے میں انوالو نہ ہوتیں۔ بہرحال' میرا مشورہ یہی ہے کہ تم شروع دن سے اپنا رویہ نہایت متوازن اور معمول کار کھو گی' جیسے کہ ہوا ہی کچھ نہیں تھا تو رفتہ رفتہ وہ بھی ایسے ہو جائیں گے جیسے انہوں نے کچھ کیا ہی نہیں تھا۔ ربا نے بھی پچھلے دنوں مجھ سے یہی مشورہ کیا تھا کہ صائم اور اس کے درمیان شاید پہلا تنازع ہی اسی بات پر کھڑا ہو تو وہ کیا کرے اس موقع پر... وہ شادی سے پہلے ہی اس معاملے پر اس سے کھل کر بات کرنا چاہتی تھی' پھر یہ حق تھا اس کا' اس سے محبت کا دعوا کرنے والا آخر کیوں اور کیسے اچانک راستہ بدلنے پر آمادہ ہو گیا تھا۔ بہرحال میں نے اسے بھی یہی مشورہ دیا کہ جو اندر سے ڈرا ہوا ہے اسے لفظوں سے مزید ٹارچر مت کرنا... اگر وہ وضاحت کے موڈ میں ہوں تو چپ کر کے سنتی رہنا' شرمندہ ہوں تو فراخ دلی سے معاف کر دینا' سوائے ہٹ دھرمی کے ہر رویہ معاف ہے۔"

"تو پھر..." ماہ رخ متجسس ہوئی۔ "کیا کہا تھا بھیا نے؟"

میں نے جاننے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اسے ایک نظر دیکھتے مسکرایا۔ "سسٹر کی خوشی بتاتی ہے کہ سب ٹھیک ہے۔"

"سسٹر نہیں... اب وہ بھابھی بننے والی ہے آپ کی

اور..." ماہ رخ رکی پھر حیرت سے عارب کو دیکھا۔
"کچھ ابٹن ٹائپ خوشبو آ رہی ہے ناں...؟"
"ہاں... اور پھولوں جیسی ملی جلی..." وہ بھی حیران تھا۔ "جی ہاں..." ربا اچانک سیڑھیوں کے پیچھے سے نکلی۔ "کیونکہ یہ ہونے والی بھابی آپ کو وارن کرنے آئی ہے کہ آپ دونوں کے بھاگنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔"
"ہیں کیوں..." ماہ رخ اور عارب ایک ساتھ گھبرا کر اٹھے۔
"صائم وہاں سے نکل چکے ہیں۔ ان کا فون آیا تھا۔ اور تم کب سے کھڑی یہاں بن گن لے رہی ہو۔" عارب نے گھورا۔
"جس وقت انہیں ابٹن اور تمہیں پھولوں کی خوشبو آئی جاہل انسان..." ربا نے اس کی کنپٹی پہ ہاتھ مارا "تمہاری طرح کن سوئیاں لینے کی عادت نہیں ہے مجھے... بالکنی میں بیٹھ کر نیچے والوں کی باتیں سنتے تھے۔" "اب یہ کس نے بتایا؟" عارب نے سیدھے ماہ رخ کی طرف دیکھا وہ زبان دانتوں میں دبا کر دور بھاگ گئی۔
"تم جاؤ... میں ذرا ابھی آتا ہوں۔" ربا کو غائب ہونے کا کہتے وہ ماہ رخ کے پیچھے جانے لگا۔
"مرواؤ گے عارب..." ربا دبے دبے چیخی۔ "صائم آجائیں گے۔"
"ابھی آئے تو نہیں ناں... بھاگو شاباش تمہارے بھی چھپنے کا ٹائم ہو گیا ہے فون پر باتیں کرتی ہے بتاؤں گا بچی کو..." وہ رعب ڈالتے خود اب لان کی طرف بڑھ گیا تھا۔
"میں نے کچھ نہیں کہا بچی..." ماہ رخ ہینڈز اپ کر کے کھڑی تھی۔
"نہیں کہا تو اب کہنا پڑے گا۔" عارب دونوں ہاتھ سینے پہ باندھے خوب حتمی لہجہ اپنائے ہوئے تھا۔ لائٹ کی مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے اس کے چہرے کے تاثرات جاننا ماہ رخ کے لیے مشکل تھا لیکن آنکھیں تو جیسے جگنوؤں کی طرح چمک رہی تھیں۔ مسکرانے پر ذرا سے دانت بھی دکھائی دے گئے تھے۔ ماہ رخ نے گھبرا کر اس کی پشت پر دیکھا۔
"چلی گئی تمہاری سپوٹر..." وہ اب اس کا ذہن پڑھ رہا تھا۔
"اچھا تو مجھے بھی جانے دیں..." بڑی معصوم ریکوئسٹ تھی۔
"ضرور جانے دوں گا۔" وہ مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ "لیکن ایسی حسین رات میں کچھ تو منوانا چاہیے۔"
"کک... کیا؟" وہ اس کے انداز پر سٹپٹا گئی۔
"ایک فرمائش ہے..." عارب نے آگے کو جھکتے لہجہ رومانٹک کیا... ماہ رخ کی نظر کندھے پار سے عین آنکھوں پر آ گئی۔ پیٹ میں بل پڑنا شروع ہوئے۔
"فرمائش؟" دل جیسے وائبریشن پہ لگ گیا۔ بے ساختہ ہی دو قدم وہ پیچھے ہٹی۔
"اونہوں... پہلے وعدہ کرو۔" ہاتھ اس نے آگے بڑھا دیا اور آواز اس لمحے دلیپ کمار اسٹائل میں کھنک سے بھرپور ہو گئی۔ ماہ رخ کا سر اس مدھر انداز پر بے اختیاری شرما کر مدھوبالا کی طرح سائیڈ کو جھکا اور دلیپ جی نے کان کے قریب آکر کہا۔
"خدا کے لیے ماہ رخ... شادی کے بعد کپڑے صرف میری پسند کے پہننا۔"
"وہاٹ...؟" اس نے چیخ کر کہتے بے ساختہ اپنی ڈریس پر نظر ڈالی۔ پچھلے سال کا وہ ایک بڑے چیک والا جامنی اور پیلے رنگ کا سوٹ تھا۔ عارب نے مذاق اڑانے کے انداز میں قہقہہ لگایا۔
"تمہاری عید کی ڈریس خریدنے نکل رہا ہوں... پلیز کل وہی پہننا۔" وہ دور سے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتے بھاگ نکلا اور ماہ رخ نے سخت شرمندگی سے ہنس کر اپنا ماتھا ہی پیٹ ڈالا۔
پھر برا ہوا تیرے ساتھ... عید کا تحفہ بھی کسی کو بے عزتی کے ریپر میں لپیٹ کر نہ ملے... دنیا بڑی قدر ناشناس ہے ماہ رخ احسان... آج بھی تیری خوبیوں تیرے عمدہ ذوق تک افسوس پہنچ نہ سکی۔

✡ ✡

ناول وِلٹ

ندا حسنین

دن میں بدن جھلساتی گرم ہواؤں نے سورج ڈھلتے ہی سمندر کے نیلے ٹھنڈے پانی سے اشنان کیا اور پھر چاندنی کی ردا اوڑھے پورے شہر میں آوارہ گردی کو چل پڑیں۔ فضا میں تیرتے سرمئی بگولوں نے آوارہ گرد ہواؤں کو مترنم بنا ڈالا۔ بادلوں اور شوخ ہواؤں کی چھیڑ خانی دیکھ کر سرمئی رات مسکراتی رہی۔

تارکول کی سیاہ سڑک سیدھی آگے جا کر ناگن کی صورت بل کھاتی بائیں جانب کو مڑ جاتی تھی اور اس کی موڑ پر ناریل کے اونچے اونچے درختوں میں گھرا وہ پرانے طرز کا بنگلا اپنے مکینوں کی عدم توجہ کا شکار نظر آرہا تھا گو کہ بنگلے کے چاروں اطراف کچھ شمعیں دان روشن تھیں، مگر ان کی روشنی انتہائی مدھم تھی۔ بنگلے کی پہلی، دوسری دونوں منازل کی قندیلیں بجھی ہوئی تھیں جو کہ اس بات کی دلیل تھی کہ بنگلے کے مکین دن بھر کی تھکن بھلائے اب اپنے نرم بستروں میں خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے۔ تبھی اچانک جگنو جیسی روشنی روشن ہوئی۔ اور ایک سایہ جو چست و توانا دکھائی دے رہا تھا۔ موبائل ٹارچ کی روشنی میں ہولے ہولے سیڑھیوں سے اترتا نچلی منزل کے ایک کمرے کے سامنے جا کھڑا ہوا۔

دروازے کے ہینڈل پر دباؤ ڈالا اور پھر دھیرے سے دروازہ کھول کر دبے پاؤں اندر داخل ہو گیا۔ سامنے کھڑکی کھلی تھی۔ ٹھنڈی فرحت بخش ہوا کے ساتھ ساتھ چاندنی بھی چپکے سے کھڑکی کی چوکھٹ پھلانگتی کمرے میں محو رقص تھی۔ ٹھیک کھڑکی کے اوپر دیوار پر آویزاں سنہرے ڈائل والی گھڑی رات کے تین بجا رہی تھی۔ سامنے بستر پر ایک کمزور و ناتواں وجود چادر اوڑھے خراٹیں مارتا وادیٔ نیند میں مٹر گشت کر رہا تھا۔ سایہ آہستہ آہستہ بستر کی جانب بڑھنے لگا کہ اچانک ناتواں وجود نے زوردار سیٹی بجائی اور عجب سی آواز منہ سے نکالی۔

"برررر....." سایہ بدک کر چند قدم پیچھے جا ہٹا۔ پھر مزید احتیاط کے ساتھ آگے بڑھا۔ بستر تک پہنچتے ہی وہ ناتواں وجود پر جھپٹ پڑا۔

"اوئی ماں..... بچاؤ، بچاؤ..... ارے کوئی تو بچاؤ۔" ناتواں وجود نحیف نسوانی آواز میں بڑبڑا کر شور مچانے لگا۔

"شش..... شش..... ارے دادی ماں یہ میں ہوں..... آپ کی پوتی رانی..... جانیا۔" وہ زور سے دادی ماں سے چمٹتے ہوئے بولی۔

"ارے جانیا تو..... کم بخت ایسی کیا افتاد آن پڑی کہ آدھی رات کو یوں مجھے ہولا کر رکھ دیا۔" دادی ماں پھولتی سانسوں پر قابو پاتے ہوئے بولیں۔

"افتاد تو نہیں دادی ماں..... مگر ایک ضروری بے حد ضروری بات ضرور آن پڑی تھی۔" دادی ماں کے تجسس کو ہوا دینے کی غرض سے جانیا نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی۔

"ہائے کیسی ضروری بات..... سب خیریت تو ہے ناں پوتی رانی....." دادی ماں بوکھلا کر ہانپتے کانپتے اٹھ بیٹھیں۔ جانیا نے ان کی پشت پر تکیہ ٹکایا اور خود سامنے آلتی پالتی مار کر بیٹھ گئی۔

"کچھ خیال بھی ہے آپ کو اپنی لاڈلی کا یا نہیں.....

شادی بیاہ بھی کرنی ہے یا یونہی اپنی خدمتیں کرواتی رہیں گی ساری زندگی۔" وہ بڑی بوڑھیوں کے خاص ناصحانہ انداز میں ہاتھ نچانچا کر شروع ہوئی۔ دادی ماں سٹپٹا کر رہ گئیں۔

"اے ہائے۔۔۔ کیا بک رہی ہو لڑکی' (اپنی لاڈلی کی شادی) تو تیس سال قبل کروا چکی ہوں۔ اب تو اس کے بچے بھی جوان ہو گئے۔ ہوش و حواس کھو بیٹھی ہو کیا پوتی رانی۔" دادی ماں ہک دک منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے گھورتے ہوئے بولیں۔

"اُفوہ۔۔۔ زارا پھوپھو کی بات نہیں کر رہی میں۔۔۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر جھنجلاتے ہوئے بولی۔

"پھر کس کی بات کر رہی ہو۔۔۔؟" دادی ماں نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

"آپ کی پوتی رانی کی' یعنی کہ اپنی بات کر رہی ہوں۔" جانیا نے نروٹھے پن سے انکشاف کیا۔

"اللہ رے اللہ۔۔۔ کیا زمانہ آگیا ہے۔ اب لڑکیاں

بے شرموں کی طرح خود اپنی شادی بیاہ کی بات کریں گی۔۔۔ توبہ توبہ یہ سب قیامت کی نشانیاں ہیں۔" دادی ماں نے جذبات میں آکر اپنے پوپلے گال پیٹ ڈالے۔

"ڈریں دادی ماں اس دن سے۔۔۔ جب روز محشر خدا آپ سے پوچھے کہ ثریا بانو! تو نے اپنی خدمت گزاری کے غرض سے اپنی پوتی کو گھر بٹھائے رکھا۔۔۔ یہاں تک کہ ان کے بالوں میں سفیدی چمک اٹھی' پر تجھے ان کا خیال نہ آیا۔۔۔ تجھے جہنم کے کس گوشے میں دھکیلا جائے پھر۔۔۔ پھر بتائیں کیا جواب دیں گی اپنی اس خود غرضی کے لیے خدا کو۔" جانیا نے کچھ اس انداز میں دادی ماں کو ڈرایا کہ وہ تصور کی آنکھ سے سارا منظر دیکھنے لگیں۔ بات ختم ہوتے ہی دہل کر بولیں۔

"ہائے بے غیرت۔۔۔ آدھی رات کو جب سارا جہاں نیند میں غرق ہے تو میری نیندیں اڑا رہی ہے جا کر اپنے ماں باپ کو بول' انہیں ڈرا۔۔۔ میں بڑھیا بھلا کہاں گلی گلی تیرا رشتہ ڈھونڈتی پھروں گی۔" دادی ماں نے اپنی جون میں لوٹ کر پوتی رانی کو خوب ڈپٹا۔ پوتی رانی کھسیا گئی اور ان کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے بولی۔

"ارے میری پیاری دادی ماں۔۔۔ میں یہ کب کہہ رہی ہوں کہ آپ محلے محلے میرا رشتہ ڈھونڈیں' آپ بس میرے اماں ابا کے کان میں ڈال دیں کہ پوتی رانی کی عمر ہو گئی ہے شادی کی۔۔۔"

"ہاں ہاں۔۔۔ کیوں نہیں! یہ تو میں کر ہی سکتی ہوں اپنی پوتی رانی کے لیے۔۔۔" دادی ماں ہلکی پھلکی ہوتی ہوئی بولیں پھر اچانک کسی خیال کے زیر اثر ٹھوڑی پر شہادت والی انگلی جمائے بولیں۔ "ویسے کیا کوئی ہے کیا۔۔۔؟"

"واہ واہ دادی ماں۔۔۔ اس عمر میں بھی خوب دماغ چلایا ہے۔ معاملہ آپ کی سمجھ میں آخر آ ہی گیا۔۔۔ آفرین آفرین!" جانیا نے جھومتے ہوئے دادی ماں کی بلائیں لیں۔

"ارے میرے ہاتھ پیر کمزور ہوئے ہیں دماغ تو ابھی بھی صحیح سلامت ہے۔ پھر عمر بھر کا تجربہ ہے۔ اب بھی نہ سمجھوں گی کہ کاہے آدھی رات کو پوتی رانی کے سر پر شادی کا بھوت سوار ہوا ہے۔ اب ایسی بھی باؤلی نہیں میں۔۔۔ ہونہہ!" دادی ماں نے ٹھیک ٹھاک برا مان کر منہ پھیر لیا۔

"ارے ارے میری پیاری دادی ماں' اس گھر میں ایک آپ ہی تو معاملہ فہم' تجربہ کار اور سمجھ دار خاتون ہیں۔ تب ہی تو آدھی رات کو نیندیں حرام کر کے آپ کے پاس اپنا مسئلہ لے کر آئی ہوں۔" جانیا فوراً" دادی ماں کا پاؤں زور زور سے دباتے گھگیائی۔

"پوتی رانی سچ کہوں تو تمہاری نیندیں کسی اور نے حرام کی ہیں۔ البتہ تم نے میری نیند آج ضرور حرام کر ڈالی ہے۔" دادی ماں کا موڈ ابھی بھی بگڑا ہوا تھا۔ بگڑے ہوئے موڈ میں وہ جوتے بھگو بھگو کر مارنے کی عادی تھیں۔

"دادی اماں اب غصہ تھوک دیں ناں۔۔۔ آپ تو میری پکی سہیلی بھی ہیں اور راز دار بھی۔۔۔" جانیا نے جھٹ سے ایموشنل ہتھیار کا استعمال کیا۔ دادی ماں مان گئیں۔

"اچھا بول۔۔۔ کون ہے وہ۔۔۔؟"

"دادی ماں وہ شاہد انکل ہیں ناں جو پچھلی گلی میں رہتے۔۔۔ ارے وہی جن کی ساس آپ کی سہیلی ہیں۔ آپ دونوں اکثر ایک دوسرے سے مل کر محلے بھر کی غیبتیں کرتی رہتی ہیں۔۔۔" جانیا یاد دلانے کے غرض سے حوالے دے رہی تھی۔ "دادی ماں ان کا بیٹا شہروز۔۔۔ اپنے گھر والوں کو میرے رشتے کے سلسلے میں ہمارے گھر بھیجنا چاہ رہا ہے۔" جانیا نے جلدی جلدی تمام تفصیلات دادی کو فراہم کیں۔

"اچھا اچھا شہروز۔۔۔ وہ تو بڑا پیارا بچہ ہے۔ چل ٹھیک ہے میری بچی میں کل ہی تیرے باپ سے کہتی ہوں کہ شاہد کے بیٹے شہروز کو اپنی جانیا سے عشق ہو گیا۔ تم بچی کی شادی فوراً" اس سے کروا دو۔" دادی ماں نے سر ہلاتے ہوئے بڑی سمجھ داری سے کہا۔ جانیا سر پیٹ کر رہ گئی۔

"ارے ایسے نہیں کہنا دادی ماں۔۔۔"

"اچھا پھر کیسے کہنا ہے۔ تم نے ہی تو بتایا ہے مجھے۔" دادی ماں نے معصومیت سے کہا۔

"آپ کہیں گی کہ شہوز کے گھر والے ہماری جانیا کے رشتے کے سلسلے میں گھر آنا چاہ رہے ہیں۔ اس کی نانی نے مجھے اس سلسلے میں بات کی ہے کہ میں تم لوگوں کی رائے معلوم کر کے انہیں بتاؤں تاکہ پھر وہ رشتہ بھیجیں۔" اس نے سارا اسکرپٹ دادی ماں کو سمجھایا۔

"واہ پوتی رانی۔ سارا معاملہ خود ہی طے کیے بیٹھی ہو۔ ہم بھی تمہاری دادی ہیں۔ پہلے اسے کہو اپنی نانی کو بھیجے ہم آپا سے تفصیلی بات کریں گے۔" دادی ماں کو اچانک جلال آگیا۔ خوب رعب سے حکم صادر کیا۔

جانیا کو سر ہلاتے ہی بنی۔

"اب جا کہاں رہی ہو پوتی رانی۔ نیند غارت کی ہے تو ذرا ہاتھ پیر ہی دبا دو۔ ہائے اللہ بڑا درد ہو رہا ہے۔" جانیا کو کمرے سے باہر نکلتا دیکھ کر دادی ماں نے فوراً ہانک لگائی اور چادر تان کر سوتی بن گئیں۔ مجبوراً" جانیا کو آدھے گھنٹے تک پیر دبانے پڑے۔

* * *

وہ فجر کے وقت اپنے اور ثانیہ کے مشترکہ کمرے میں تھکی تھکی داخل ہوئی۔ ثانیہ انگریزی ناول کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔ وہ کتابی کیڑا تھی۔ آج کل کالج کی کلاسز آف تھیں تو ساری رات ناول پڑھتے گزار دیتی تھی۔ اس کے آم کی طرح لٹکے چہرے کو دیکھ کر ثانیہ کو گدگدی ہوئی۔

"پیاری بہنا۔ جس مہم پر نکلی تھیں اس میں کامیابی ملی یا دھتکاری گئی ہو۔"

"کیا آج تک جانیا کسی مہم پر ناکام ہوئی ہے.... اے جل ککڑی بہن، تیری بہن اس مہم پر بھی کامیاب ہوئی ہے۔" لٹکے ہوئے منہ پر اچانک بہار لوٹ آئی۔

"تو پھر منہ کیوں لٹکا رکھا تھا....؟" ثانیہ کو تعجب نے آن گھیرا۔

"دادی ماں نے اپنا کردار نبھانے کی حامی تو بھرلی تھی، مگر نتیجے میں آدھا گھنٹے تک ان کے پیر دابنے پڑے۔" جانیا نے بستر پر گرتے ہوئے منہ لٹکنے کی وجہ بتائی۔

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھیے ہوتا ہے کیا!

"ارے محبت کی ماری بہن ابھی تو دادی ماں نے پھٹکا لگایا ہے۔ ابھی تو اماں ابا تمہیں دانتوں تلے چنے چبوا دیں گے۔" ثانیہ نے جانیا کے تھکے تھکے وجود کو دیکھ کر تجزیہ نگار شاہد مسعود کی طرح ماہرانہ رائے دی۔

"تم مجھے کمزور نہ سمجھو۔ چنے چبوائیں یا گنے، میں اپنے مقدمے سے پیچھے نہیں ہوں گی۔ یہ مقدمہ تو میں جیت کر رہوں گی۔" وہ نڈر لہجے میں کروٹ لیتے بولی۔ صاف لگ رہا تھا اب سونے کی تیاری ہے۔

"ارے ارے رکو.... تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا دادی ماں کے کمرے سے واپس آکر مجھے اپنی داستان محبت سناؤ گی.... چلو اب جلدی سے سناؤ پھر بھلے سوتی رہنا۔" ثانیہ اسے سوتا دیکھ کر ناول رکھتے جھٹ سے بولی اور نیند سے بے حال ہوتی جانیا کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں۔ محبت تو محبت، داستان محبت میں بھی شاید سحر چھپا ہے۔ کوئی نشہ ہے، توانائی ہے.... کہ عاشقوں کو بار بار دہرانے سے دل کو سرور ملتا ہے۔ جانیا نے پٹ سے آنکھیں کھولیں اور جھٹ سے ثانیہ کی جانب کروٹ لی۔ اور اس کے چہرے پر محبت خوشی بن کر دمک رہی تھی۔ ثانیہ نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

"یہ تو تم جانتی ہو کہ میں اور شہوز ایک ہی یونیورسٹی میں پڑھتے تھے۔" جانیا نے سوالیہ انداز میں اپنی داستان کا آغاز کیا۔ ثانیہ نے سر اثبات میں ہلانے پر اکتفا کیا۔

"ہم نہ صرف ایک ہی ڈیپارٹمنٹ میں بلکہ اتفاق سے ایک ہی گروپ میں بھی شامل تھے اور مزے کی بات بتاؤں، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کو بالکل پسند نہیں کرتے تھے۔ وہ شروع سے ہی اکڑو تھا۔ ہر وقت اپنی ذہانت کے زعم میں مبتلا، اوپر سے پرسنالٹی بھی ڈیشنگ تھی بندے کی یعنی سونے پہ سہاگہ۔ اس کا دماغ تو آسمان سے نیچے جاتا ہی نہ تھا۔ کلاس کی لڑکیاں

معمول کی بھی بات چیت کرتیں تو موصوف سمجھتے کہ انہیں شہزادہ گلفام سمجھ کر وہ باتیں کرنے کے بہانے ڈھونڈ رہی ہیں۔ اتنے تکبر سے جواب دیتا انہیں کہ میرا تو دماغ ہی گھوم جاتا۔" جانیا شاید تصور کی آنکھ سے یونیورسٹی کے وہ پرشوخ دن دیکھ رہی تھی۔

"جواب تو وہ دوسری لڑکیوں کو دیتا۔ دماغ تمہارا کیوں گھوم جاتا۔" ثانیہ نے حیرانگی سے استفسار کیا۔

"وہ اس لیے کہ میں بھی تو لڑکی ہوں ناں۔۔۔ کسی لڑکی کی یوں توہین مجھ سے برداشت نہیں ہوتی۔ تم جانتی تو ہو میں اس معاملے میں کتنی جذباتی ہوں۔" جانیا بستر سے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولی۔ اس کے پرجوش انداز کو دیکھتی ثانیہ بھی اٹھ بیٹھی۔

"اچھا۔۔۔ پھر کیا تم نے اس توہین کا بدلہ لیا؟" ثانیہ حیران تھی۔

"ہم جب بھی اسائنمنٹ یا پروجیکٹس بنانے کے سلسلے میں ساتھ بیٹھتے میں اس کی ہر رائے سے شدید اختلاف کرتی بھلے وہ صحیح ہو یا غلط' مگر میں بات اتنی دلیل سے کرتی کہ اسے خاموش ہی ہونا پڑتا اور پھر میں روٹھ کر الگ بھی جا بیٹھتی۔ میں کتنی ضدی ہوں گروپ کے تمام افراد اچھی طرح جانتے تھے۔ ہم سب کو پروجیکٹ ورک' اسائنمنٹ کے سلسلے میں اپنے اپنے حصے کا کام وقت پر کرنا پڑتا تھا۔ میری ناراضی کی وجہ سے کام میں تاخیر ہوتی اور پھر سب کے دباؤ ڈالنے پر مجبوراً"اسے مجھ سے معذرت کرنی پڑتی۔ قسم سے جب وہ منہ بنا کر گھورتے ہوئے مجھ سے سوری کررہا ہوتا تو مجھے بڑا مزا آتا۔ اسے اپنے آگے جھکا دیکھ کر دل کو تسکین مل جاتی۔" وہ فخریہ انداز میں اپنا کارنامہ بتارہی تھی۔ ثانیہ نے مشکوک انداز میں اسے سرتاپیر گھورا۔

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ تم اتنی بے وقوف واقع ہوئی ہو۔ اتنے بھونڈے انداز میں بدلہ لیتی تھیں تم۔ بدلہ لینا ہی تھا تو جب بھی وہ گردن اکڑائے' لمبے لمبے ڈگ بھرتا' لڑکیوں کے دلوں پر بجلیاں گراتا گزرتا تو تم اس کی رہگزر کیلوں کے چھلکوں سے سجادیتیں تاکہ جب وہ شہزادہ گلفام جوکر کی طرح پھسل کر گرتا تو سب لڑکیوں کے دلوں میں ٹھنڈ پڑجاتی۔۔۔" ثانیہ نے فوراً" اپنے شیطانی دماغ پر زور ڈالتے ہوئے سبق سکھانے کی ترکیب نمبر نو دو گیارہ بتائی۔

"اری بے وقوف وہ کیا زمین پر بچھے کیلے کے چھلکے دیکھ نہ لیتا۔" جانیا نے نقطہ اعتراض اٹھایا۔

"جن کی گردنیں اکڑی ہوتی ہیں ان کی نگاہیں کم ہی زمین سے ٹکراتی ہیں بے وقوف لڑکی۔" ثانیہ نے آنکھیں موندے فلسفہ جھاڑا۔ جانیا مرعوب ہوئی۔

"دیکھو بہن میں نے تم سے تمہاری داستان محبت کے بارے میں دریافت کیا ہے۔ داستان نفرت کے بارے میں نہیں!" ثانیہ نے آنکھیں کھول کر اس کے کھلے منہ کو گھورا اور بے زاری سے کہا۔

"کیا تم نے کبھی سنا نہیں۔ محبت کی عظیم داستان کی شروعات اکثر نفرت سے ہوتی ہے۔" جانیا نے بھی اپنی جون میں لوٹتے خوب فلسفہ جھاڑا۔

"اے ارسطو کی جانشین! خدارا اپنی داستان کے نفرت آمیز اوراق جلد پلٹ ڈال۔ ورنہ مجھے نیند آجائے گی۔" ثانیہ نے باقاعدہ جمائیاں لیتے احتجاج کیا۔

"وہ ایک یادگار دن تھا۔ موسم گرما کے دن تھے۔ سورج سوا نیزے پر سوار تھا۔ گرمی اتنی شدید تھی کہ سب چڑچڑائے بیٹھے تھے۔ اوپر سے لوڈشیڈنگ نے رہی سہی کسر نکال دی تھی۔ ہمارے بڑے بڑے کلاس روم مرغی کا ڈربا معلوم ہونے لگے تھے۔ میں لائبریری میں آبیٹھی۔ کلاس کی نسبت یہاں کچھ سکون تھا۔ میں نے اپنے اسائنمنٹ پر کام شروع کردیا۔ ابھی کچھ ہی وقت گزرا تھا کہ اڑتے اڑتے خبر ملی کہ گراؤنڈ میں دو تنظیموں کے درمیان جھگڑا ہوگیا ہے۔ ان دنوں ایسے چھوٹے موٹے جھگڑے آئے دن ہوتے رہتے تھے۔ میں نے اس خبر کو زیادہ اہمیت نہ دی اور اپنے کام میں مصروف رہی۔ کچھ دیر بعد ہی خوب شور اٹھا۔ پتا چلا کہ جھگڑا شدت اختیار کرچکا ہے۔ ہاتھاپائی بھی خوب ہوئی ہے جس کے نتیجے میں دونوں طرف سے لوگ زخمی

بھی ہوئے ہیں۔ انتظامیہ جھگڑے کو روکنے میں ناکام ہو چکی ہے اور مشتعل طلبہ توڑ پھوڑ کرتے اور طلبا کو ہراساں کرتے پھر رہے ہیں۔"

"کہیں یہ اس دن کا ذکر تو نہیں جو خوب ہنگامہ ہوا تھا اور یونیورسٹی میں رینجرز کو بھی بلالیا گیا تھا۔" ثانیہ کو اچانک وہ خوف ناک شام یاد آگئی۔

"ہاں یہ اسی دن کا ذکر ہے... معاملات بگڑتے گئے میں بھی دوسرے لوگوں کی طرح کسی طرح لائبریری سے نکلی۔ ابھی کچھ ہی آگے بڑھی تھی کہ تنظیم کے بپھرے ہوئے نوجوان ہاتھوں میں ڈنڈے اٹھائے چیختے شور مچاتے اسی جانب بڑھ رہے تھے۔ میں الٹے قدموں بھاگی۔ لائبریری کے پچھلے حصے کی جانب مڑ گئی۔ وہ حصہ ویران تھا جھاڑ جھنکار کھلا میدان اور اونچے اونچے درخت... عام دنوں میں اس طرف کوئی نہ آتا تھا۔ عجب عجب سی کہانیاں مشہور تھیں اس حصے سے، مگر میری جان پر بنی تھی۔ میں سارے قصے بھلائے اس میدان کے جھاڑ جھنکاڑ میں گھستی چلی گئی۔ اپنے عقب میں مجھے کسی کے تیز قدموں کی چاپ بخوبی سنائی دے رہی تھی۔" جانیا نے لمحے بھر کو توقف کیا۔ ثانیہ سے لمحے بھر کا یہ وقفہ بھی برداشت نہ ہوسکا۔

"پھر... پھر... کیا ہوا پھر تمہارے ساتھ...."

مجھے کچھ ہوش نہ تھا، میں بس پاگلوں کی طرح بھاگتی چلی جارہی تھی۔ اپنے تعاقب میں آتی قدموں کی آواز مجھے قریب سے قریب تر محسوس ہونے لگی تھی۔ اچانک کسی نے مجھے بازو سے پکڑ کر زور سے کھینچا۔ میرے حلق سے ایک دلخراش چیخ برآمد ہوئی۔ میں خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھی... میں کس کی تحویل میں تھی مجھ میں یہ جاننے کی بھی ہمت نہ تھی۔ میں اس قدر خوف زدہ تھی۔

"جانیا... آنکھیں کھولو...." میری سماعتوں سے مانوس سی آواز ٹکرائی۔ میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں... میرے سامنے شہروز کھڑا مجھ پر برس رہا تھا۔ میرا بازو اس کے مضبوط ہاتھوں میں تھا۔

"تم... تم یہاں کیسے؟" میں بامشکل پوچھ پائی۔

"تمہیں کب سے ڈھونڈ رہا تھا اور پھر میں نے تمہیں پاگلوں کی طرح اس حصے کی طرف بھاگتے دیکھا۔ کئی بار آوازیں دیں، مگر تم نہ جانے کن خیالوں میں گم اندھا دھند بھاگتی چلی جارہی تھیں۔ اتنی مشکل سے ہاتھ آئی ہو... جانیا تم نے مجھے آج ڈرا دیا یار...."

مسلسل بھاگنے سے اس کی سانسیں پھولنے لگی تھیں۔ وہ ہانپتا ہوا مجھ سے مخاطب تھا۔ میں نے بے یقینی سے اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا... "اب چلو جلدی یہاں سے...." وہ فکر مندی سے میرا ہاتھ تھامے واپسی کی راہ پر چل پڑا اور میں کبھی اس کی مضبوط کلائی تو کبھی چوڑی پشت کو حیرانگی سے تکتے سوچتی وہ مجھے یوں دیوانوں کی طرح کیوں تلاش کررہا تھا۔ اتنا فکر مند کیوں تھا... میں بہت کچھ سمجھ کر بھی سمجھ نہیں پارہی تھی۔ جانیا کے لبوں پر ایک خوب صورت مسکان آٹھہری تھی جیسے ابھی وہ ان لمحات میں جی رہی ہو۔

"پھر تمہیں سمجھ کب اور کیسے آیا۔" ثانیہ مبہوت سی پوچھ رہی تھی۔

"واپسی پر جب میں اس کے ساتھ گھر آرہی تھی تو میں نے اس سے پوچھا کہ حالات خراب ہونے کے باوجود وہ گھر کیوں نہیں گیا اپنے...." اس نے ایک نگاہ میرے چہرے پر ڈالی اور فرنٹ اسکرین پر نگاہ جماتے ہوئے کہا۔

"تمہیں چھوڑ کر کیسے جاسکتا تھا میں۔" ثانیہ اس کے جواب نے مجھے گنگ کر ڈالا تھا۔ پھر ہمارا پورا راستہ خاموشی سے کٹا۔ گھر کے باہر گاڑی روکتے ہوئے اس نے مجھ سے بے حد سنجیدگی سے پوچھا۔ "جانیا تمہیں لگتا ہے کہ میں اس طرح کا انسان ہوں کہ کسی کی بلاوجہ ضد اور انا کے آگے جھک جاؤں اور خود صحیح ہونے پر بھی بلاوجہ معذرتیں کرتا پھروں۔" میں بے اختیار اس کی بات پر نفی میں سر ہلا گئی۔ "میں اگر اپنے مزاج سے ہٹ کر چلا ہوں تو صرف تمہارے لیے۔" وہ میری آنکھوں میں جھانکتے کہہ رہا تھا۔

"کیوں۔۔۔!" میرے لبوں سے بے اختیار پھسلا۔

"کیوں کا جواب تم اب اچھی طرح جان گئی ہو۔" پہلی بار اس نے مسکرا کر جواب دیا تھا اور میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اپنا خیال رکھنا۔" وہ ملائمت سے کہہ کر جا چکا تھا اور اس دن مجھے اپنا آپ بدلتا محسوس ہوا تھا۔ محبت کے وجود پر میرا دل ایمان لے آیا۔۔۔

"یار تمہاری کہانی تو بڑی فلمی ہے۔ اس بندے نے انتہائی مشکل گھڑی میں تمہارا ساتھ دیا۔ تب ہی تم اس دن گھر لوٹی تھیں تو اتنی چپ چپ تھیں۔ ہزار سب کے پوچھنے پر بھی یونیورسٹی میں حالات خرابی کے علاوہ کچھ نہیں بتا رہی تھیں۔" ثانیہ اس کی اس دن کی کیفیات سمجھنے کی اب قائل ہوئی تھی۔

"ان دنوں میں عجیب کیفیات کا شکار رہی تھی۔ میرے دل میں شہوز کے لیے جذبات اپنی ہیئت بدل چکے تھے۔ ہماری یونیورسٹی کھلنے پر جب ملاقات ہوئی تو میں پہلے والی جانیا نہ رہی۔ البتہ وہ وہی اکڑو اپنی بات پر قائم رہنے والا گھمنڈی شہوز تھا۔"

"بہت بدل گئی ہو تم۔۔۔ اب مجھ سے بات بات پر الجھتی بھی نہیں ہو۔" ایک دن اس نے کہہ ہی ڈالا۔

"جو شخص اپنی پروا کیے بغیر مجھے بچانے کی ہمت رکھتا ہو اس سے الجھنا بے وقوفی ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر جتایا۔

"صرف بچانے کی نہیں۔۔۔ وہ تمہیں اپنانے اور زندگی بھر ساتھ نبھانے کی بھی ہمت رکھتا ہے۔" اس نے مسکرا کر میرے جملے میں خوب صورت اضافہ کیا۔ میں چند لمحوں تک بھیگی نگاہوں سے اسے بنا پلک جھپکے دیکھتی رہی۔ اس دن اس نے مجھے بتایا کہ وہ مجھے کتنا چاہتا ہے۔ اس کے دل میں میرے لیے پر خلوص محبت ہے۔ اس نے ارادہ کیا تھا تعلیم مکمل ہوتے ہی جاب کے حصول کے بعد وہ اپنا رشتہ میرے گھر بھیجے گا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ عہد کیا تھا کہ بھلے جتنی بھی کٹھنائیاں آجائیں، مگر ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے مخلص رہیں گے۔ باوفا رہیں گے اور وہ اپنے وعدوں میں ہمیشہ سچا نکلا ثانیہ۔ دو ماہ قبل ہی اس کی جاب ایک بہترین فرم میں لگی ہے اور اب وہ اپنا رشتہ میرے گھر بھیجنا چاہتا ہے۔ بس اب دادی ماں جلدی سے ہمارے رشتے کی بات آگے بڑھائیں۔"

جانیا نے بے تابی کے عالم میں آخری جملہ ادا کیا۔ ثانیہ مسکراتے ہوئے اپنی بڑی بہن کے خوشی سے دمکتے چہرے کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں چاہت کے جوت سے جھکتی تھیں اور لب پھولوں کی طرح متبسم تھے لہجہ شہد سا میٹھا۔۔۔ ایسا کیا تھا محبت میں، جو کسی کے بھی وجود کو نکھار ڈالتا تھا۔ جو جام محبت کا ایک گھونٹ بھی پی لیتا وہ محبت، محبت، راگ الاپتا جھومتا رہتا یا پھر بات کچھ یوں تھی کہ انسان کو اس دنیا میں زندہ رہنے کے لیے ہوا، پانی کے علاوہ ایک سچا، مخلص ہمیشہ ساتھ دینے والا اور چاہنے والا ہمراہی یقینی طور پر چاہیے اور ایسا من چاہا ساتھی مل جائے تو محبت اپنی باہیں کھول کر اپنے جام پینے والوں کو بھینچ لیتی ہے۔ جانیا بھی ایک سچا ساتھی، محبوب ہمراہی کے ملنے پر بے حد خوش تھی اور اس کی خوشی اسے مزید معتبر اور خاص بنا رہی تھی۔

ثانیہ نے سچے دل سے اپنی بہن کی خوشیوں کے لیے دعائیں کی تھیں۔ بظاہر اس رشتے میں کوئی نقص، کوئی اونچ نیچ، نظر نہیں آرہی تھی۔ وہ پرامید تھی جانیا اور شہوز کی خوشیوں کے لیے۔ جانیا نہ جانے کب نیند کی وادی میں کھو چکی تھی۔ ثانیہ نے بھی ہولے سے مسکرا کر آنکھیں موند لیں۔

✡ ✡ ✡

شہوز نے اپنی نانی کو کہا کہ "نانی اماں آپ کی سہیلی آپ کو بہت شدت سے یاد کر رہی ہیں اور اگلے دن عصر اور مغرب کے درمیانی وقت میں نانی کی تشریف آوری ہوئی۔ دادی ماں جھٹ سے انہیں اپنے کمرے میں لے آئیں۔ کن سوئیوں کے غرض سے پیچھے پیچھے آئی جانیا کو پچکار کر دادی ماں نے کہا۔

"جا میری پوتی رانی۔ شہوز کی نانی کے لیے خاص اہتمام کرنا۔ کوئی کسر نہ چھوڑنا میری جان۔" جانیا دادی

کے اس حکم پر بظاہر سر خم کرتی کمرے سے نکل گئی مگر اندر ہی اندر بڑبڑاتی رہی مگر اس وقت ان کی ان چٹ پٹی خواہشات کی تکمیل نہ کرنا جانیا کے لیے نقصان دہ ثابت ہو سکتا تھا۔ لہٰذا دل پر پتھر رکھ کر اس نے بازار سے چاٹ، سموسے منگوائے اور گھر میں بنا سوجی کا حلوہ جھٹ سے گرم کر کے پیش کر ڈالا۔ دادی، نانی دونوں ہی نہال ہوئی جا رہی تھیں۔ نانی نے تو پر اہتمام ناشتے کے ساتھ خوب انصاف کیا اور جانیا کی بلائیں لیتے ہوئے بڑے لاڈ سے فرمائش کی۔

"میری بچی اگر الائچی والی چائے بھی پلا دو تو مزا دوبالا ہو جائے گا۔"

"جا پوتی رانی... جلدی سے دو کپ الائچی والی چائے بنا لے آ... اچھا اگر تمہارا دل چاہے تو اپنی بھی بنا لینا۔" دادی ماں نے بڑے شان سے حکم صادر کیا۔ جانیا نے بڑے مودبانہ انداز میں لفظ چبا چبا کر "جی دادی جان" کا نعرہ لگایا۔ دادی جان پوتی رانی کے انداز کو بخوبی سمجھ چکی تھیں سو جلدی سے کھنکارتے ہوئے نانی کی جانب متوجہ ہو گئیں۔ جانیا کو واپس لوٹنے کا اشارہ کیا جا چکا تھا... سو وہ کمرے سے باہر آ گئی۔ کچن میں اس نے خوب پیر پٹخ پٹخ کر چائے بنائی۔ دوسری طرف ثریا بانو نانی سے اچھی طرح تفتیش کر چکی تھیں۔ شہروز کی عادات و فطرت سے اچھی طرح مطمئن ہو گئی تھیں۔ جب کہ نانی نے بھی باتوں باتوں میں جانیا سے متعلق کام کی باتیں ثریا بانو سے اگلوائی تھیں خود جانیا کو دیکھ کر بھی وہ اب کافی مطمئن تھیں۔

"دیکھیں آپا... یوں تو ہم نے کام کی ساری باتیں کر لیں ہیں اور دونوں بچوں سے مطمئن بھی ہو چکی ہیں، مگر یہ بات ابھی ہم دونوں بچوں سے چھپائیں گے۔ ذرا انہیں ہم بھی تو تنگ کریں ناں آپا۔" ثریا بانو نے رازداری سے نانی کے کان میں بات پہنچا دی۔ نانی بھی خوب متفق نظر آئیں۔ نانی کے جانے کے بعد جب جانیا نے ثریا بانو سے تفتیش کے بابت دریافت کیا تو بڑی معصومیت سے بولیں۔

"ارے شہروز کی نانی نے تو رشتے کے متعلق کوئی بات ہی نہ کی۔ اب بھلا بتاؤ میں لڑکی کی دادی ہو کر خود سے کچھ پوچھتی اچھی لگتی..." دادی ماں کے جواب پر جانیا سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"پوتی رانی اب اگر شہروز سے بات ہو تو اسے کہنا کہ نانی کو صحیح سے سمجھا بجھا کر دوبارہ ہمارے گھر بھیجے۔" ثریا بانو سادگی سے کہہ کر کمرے میں چلی گئیں اور جانیا بگڑے موڈ کے ساتھ موبائل اٹھا کر نمبر ملانے لگی۔

✡ ✡ ✡

سلطانہ آج کل بڑی خوش نظر آ رہی تھیں۔ جن معمولی باتوں پر اکثر مزاج برہم اور توپوں کے دہانے کھل جایا کرتے تھے اب اکثر مسکرا کر درگزر کر جاتی تھیں۔ آفتاب احمد بیگم کے مزاج میں در آنے والی اس تبدیلی پر بے حد حیران تھے۔ کیونکہ موصوفہ کا مزاج زیادہ تلخ کم شیریں تھا اور جب جوانی تلخی کے ساتھ گزری تو اب ادھیڑ عمری میں بیگم کا مٹھاس بھرا لب و لہجہ ہضم نہیں ہو پا رہا تھا۔ ویسے بھی اس عمر میں ڈاکٹر نے مٹھاس سے پرہیز کی خاص ہدایت کی تھی سو آفتاب احمد بیگم کی ٹوہ میں لگ گئے اور انہیں جلد ہی علم ہو گیا کہ بیگم کے آج کل اپنی بہن ریحانہ سے تعلقات کافی دیرینہ ہو چکے ہیں۔ یہ دیرینہ تعلقات آفتاب احمد کے لیے الجھن کا باعث تھے۔ کیونکہ تھیں تو دونوں بہنیں مگر ان میں کبھی بنی نہ تھی ہمیشہ ٹھنی ہی رہتی تھی۔ دونوں ہی کا مزاج عرش پر اور سامنے والے کو فرش پر رکھنے کی قائل تھیں۔ قبل اس کے کہ وہ مزید تفتیش کرتے کہ اچانک ایک عرصے بعد مانچسٹر سے آنے والی بڑے بھائی کی کال نے انہیں چونکا کر رکھ دیا۔

✡ ✡ ✡

نانی جیسے ہی گھر میں داخل ہوئیں، انتظار میں ٹہلتیں منورہ بیگم لپک کر ان کے پاس آ پہنچیں۔ یوں تو نانی اور دادی میں پرانی واقفیت تھی، مگر رشتہ جوڑنے کے لیے لڑکی کی عادات و اطوار کو جاننا بھی منورہ بیگم کے لیے بے حد ضروری تھا اور نانی کی طرف سے ملنے والی "سب اچھا ہے" کی رپورٹ نے منورہ بیگم کو کافی حد

تک مطمئن کر ڈالا تھا۔ منورہ بیگم اولاد پر زبردستی فیصلہ ٹھونسنے کی قائل کبھی نہ تھیں اور شہوز تو پھر ان کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس نے جب جانیا کے لیے پسندیدگی کا اظہار کیا تو وہ ہولے سے مسکرادیں۔ جانیا کو انہوں نے چند ایک بار دیکھ رکھا تھا۔ پھر ان کی ماں جب بھی دادی سے ملنے جاتیں جانیا کی تعریف ضرور کرتیں۔ وہ بہت خوش ہو کر بتاتیں کہ جانیا اپنی بوڑھی دادی کا بے حد خیال رکھتی ہے، بہت سادہ مزاج کی بچی ہے۔ ماں کی باتوں سے منورہ بیگم کو اندازہ ہو چکا تھا کہ جانیا میں گھر کو جوڑ کر رکھنے کے گن موجود ہیں۔

شہوز ماں کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے اقرار کو پہچان کر بے حد خوش ہوا تھا اور ابھی نانی نے جانیا کے حوالے سے کافی مثبت رپورٹ دی تھی۔ منورہ بیگم بیٹے کی پسند سے کافی مطمئن اور جلد رشتہ لے کر جانے کی تمنائی تھیں۔

نانی، دادی نے مل کر چند دن شہوز اور جانیا کو کافی تنگ کیا۔ ایک عرصے سے طبیعت خرابی کے باعث چٹ پٹی چیزیں نہ کھانے کی حسرت ان دونوں سے فرمائش کر کر کے پوری کرنے کے بعد آخر آج ثریا بانو اپنے بیٹے آفتاب اور بہو سلطانہ کے ساتھ بیٹھیں بات کا آغاز کرنے کے لیے جملے ذہن میں ترتیب دے رہی تھیں۔

"بیٹے مجھے تم سے جانیا کے حوالے سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" ثریا بانو نے تمہید باندھی۔ آفتاب تو ہمہ تن گوش ہو گئے، مگر سلطانہ بیگم زیر لب بدبدائیں۔

"بیٹا! شاہد صاحب کو تو جانتے ہو ناں.... جن کی ساس اکثر ہمارے گھر مجھ سے ملنے آتی ہیں۔" بات کا آغاز یاد دلاتے ہوئے کیا۔ آفتاب احمد کی آنکھوں میں شناسائی کی رمق دوڑ گئی سر اثبات میں ہلایا تو ثریا بانو نے بات مزید آگے بڑھائی۔

"شاہد صاحب جانیا کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آنا چاہتے ہیں۔ شہوز کی نانی اسی سلسلے میں مجھ سے ملاقات کرنے آئی تھیں۔ وہ ہماری رائے جاننا چاہتی تھیں تاکہ وہ پھر مطمئن ہو کر رشتہ بھیج سکیں۔ بھئی میں نے تو شہوز کے عادات و اطوار کے حوالے سے ساری معلومات حاصل کر لیں۔ مجھے تو لڑکا صورت شکل کے ساتھ ساتھ کردار و عادت کا بھی بے حد اچھا لگا۔ شاہد صاحب کے گھرانے کو تو تم لوگ بھی جانتے ہو بھئی۔ بڑے ہی اچھے لوگ ہیں اب تم لوگ ہاں کرو تو میں انہیں بلاوا بھیجوں۔" ثریا بانو اپنی دھن میں کہے جا رہی تھیں۔ بہو کے چہرے کے بگڑے زاویے ان کی نظروں سے نہیں گزرے تھے۔

"اماں جی آپ نے بھی خوب کہی۔ دونوں بڑھیا خواتین چلی ہیں میری بچی کا رشتہ طے کرنے۔ پرانے وقتوں میں ایسا ہوتا ہو گا اماں کہ دادی نانی رشتہ طے کرتی پھریں۔ اب ایسا نہیں ہوتا۔ اپنی بیٹی کا رشتہ میں خود کروں گی۔ آپ زحمت نہ کریں بس!" سلطانہ بیگم کافی دنوں بعد اپنی جون میں لوٹیں اور لگیں زبان کے جوہر دکھانے۔

"اے ہائے، تیری زبان ہے یا قینچی، جو تڑتڑ بنا کسی لحاظ کے چلتی ہے تو رکنے کا نام نہیں لیتی۔ توبہ توبہ دن بہ دن سلطانہ تو ہٹی کٹی کے ساتھ ساتھ منہ زور بھی بڑی ہوتی جا رہی ہے۔ اے یہ بھی خوب کہی کہ دادی، نانی کا حق نہیں۔ واہ بہو بیگم وہ وقت بھول گئی جب پیدا کر کے ہو ہاہ کرتی بچی مجھ پر چھوڑ دیتی تھی اور خود سارا دن پڑی پڑی بستر توڑتی رہتی تھی۔ تب فرض یاد نہیں تھا جو چلی آئیں حق جتانے۔" ثریا بانو نے ادھار تو کسی زمانے میں نہ رکھا تھا۔ بہو کی زبان درازی پر وہ بھگو کر جوتے مارے کہ آفتاب احمد سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔

"اماں جی جو وقت بیت گیا سو بیت گیا۔ میری بچی کا دو گھڑی جو خیال کیا رکھ لیا ساری عمر اسے اپنی خدمت گزاری پر بھی تو معمور کر رکھا ہے۔ میری پھول جیسی بچی۔ سارا دن ایک پاؤں پر کھڑی آپ کے پلنگ سے لگی رہتی ہے۔ اس پر بس نہیں جو اب چلی ہیں رشتہ طے کرنے۔ اچھی طرح سن لیں جانیا کا رشتہ میں اپنی مرضی سے کروں گی اور کروں گی کیا کر چکی ہوں۔ ریحانہ آپا اپنے بیٹے شیری کے لیے جانیا کا رشتہ مانگ

رہی ہیں ایسا ہیرا لڑکا ہے میرا شیری کہ کیا بتاؤں۔ میں تو فیصلہ کرچکی ہوں کہ جانیا کی شادی شیری سے ہی کروں گی۔" سوتلی تھیلے سے باہر آہی گئی۔ اتنے دنوں سے دونوں بہنوں کے راز و نیاز کا مدعا آج کھل ہی گیا۔ ثریا بانو کے ساتھ ساتھ آفتاب نے بھی چونک کر سلطانہ کو دیکھا۔

"لو بیٹا جی! بالا ہی بالا رشتہ بھی طے ہو گیا۔ یہاں ماں ہی سب کچھ ہو گئی۔ میں تو چلو نہ اختیار رکھتی ہوں نہ حق، مگر تو تو باپ ہے نا۔ تیرا حق بھی کھا گئی تیری بیوی۔" طنز و طعنوں کے نشتر بیٹے کی جانب اچھال کر غیرت دلانے کی کوشش کی۔

"اماں جی! آپ سہولت سے شاہد بھائی کو انکار کردیجیے۔ گھر میں جب ایک بہترین رشتہ موجود ہے تو باہر والوں کو کیوں امید دلائیں۔" آفتاب احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے ثریا بانو کی سماعت پر بم پھوڑا۔ ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"بیٹا تو بھی!" زیر لب اتنا ہی کہہ سکیں۔ آواز میں البتہ حیرانگی کی آمیزش نمایاں تھی۔ سلطانہ بیگم نے فاتحانہ نگاہوں سے صدمے سے دوچار ساس کو دیکھا۔

"ارے اماں شوکت بھائی کا فون آیا تھا کچھ دن قبل میرے پاس۔ وہ اپنے بیٹے عمر کے لیے جانیا کا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ اب خود بتائیں شہروز لاکھ اچھا صحیح مگر کیا عمر سے بڑھ کر ہوگا۔" آفتاب احمد نے بڑے اطمینان سے بھڑکتی آگ میں اپنا حصہ ڈالا۔ ثریا بانو تو کچھ نہ بولیں مگر سلطانہ بیگم کے سر پر لگی تو تلووں پر بجھی۔

"ارے واہ! یہ آپ کے بڑے بھائی کی یادداشت اچانک کیسے واپس لوٹ آئی۔ ایک عرصے سے تو ماں اور بھائی دونوں کو بھلائے بیٹھے تھے۔ اب اچانک بھائی تو یاد آیا ہی آیا بھتیجی نہ جانے کیسے یاد آگئی۔ اور آپ بے وقوفوں کی طرح جھٹ سے ہاں کرنے کو تاؤ لے ہوئے جارہے ہیں۔ شاباش ہے بھئی شاباش!" سلطانہ بیگم کی توپوں کا رخ اب میاں جی کی جانب ہو چکا تھا۔

"تاؤلی تو آپ ہوئی جارہی ہیں۔ جس بہن نے سالوں منہ نہ لگایا وہ آج نہ جانے کیسے صبح شام آپ کے ساتھ جان کھپاتی رہتی ہیں۔ اور جو لڑکا ابھی آپ کو ہیرا لگ رہا ہے۔ بیگم لکھ کر رکھ لیں کوئی بہت ہی بڑا نکما ہوگا۔ آپ کی بہن ہماری کوہ نور جیسی بیٹی کے سر منڈھنا چاہ رہی ہیں۔" ایک عرصے سے ساتھ رہتے رہتے سیدھے سادھے آفتاب احمد کو بھی منہ توڑ جواب دینے میں مہارت حاصل ہو ہی گئی تھی۔ خوب گرج برس کر بول رہے تھے۔

"آپ تو بس جلتے ہی رہیں گے میرے میکے والوں سے۔ امریکہ میں رہتا ہے میرا شیری فیشن ڈیزائنر ہے اور آپ نکما کہتے ہیں اسے 'ارے نکما ہوگا آپ کا عمر۔ تب ہی آپ کے توتا چشم بھائی کو اچانک چھوٹے بھائی کی بیٹی یاد آگئی۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لیں آپ میں اپنی بیٹی کی شادی آپ کے بھائی کے گھر نہیں کروں گی۔" سلطانہ نے بھی سارے لحاظ بالائے طاق رکھتے میدان جنگ میں چھلانگ لگائی۔ بے چارے شہروز کا رشتہ کسی پرانی کمزور عوامی فائل کی طرح دھول مٹی میں اٹ کر دب کر رہ گیا۔ اور اس کے اوپر عمر اور شیری نامی بھاری اسامی کی فائل آٹھہری۔ ثریا بانو خاموش تماشائی بنی بیٹھی دونوں میاں بیوی کی جھڑپ دیکھ رہی تھیں جبکہ کمرے کے باہر کھڑی جانیا سر پکڑ کر وہیں بیٹھ گئی۔

"یک نہ شد دو شد....!" بظاہر سیدھا سادھا منظر آنے والا معاملہ پاناما لیکس کی طرح لٹک گیا تھا۔ دونوں میاں بیوی میں ٹھن چکی تھی۔ اور ٹھنی بھی بہت خوب تھی۔ دونوں ہی اپنے اپنے رشتوں کے ساتھ اپنے اپنے محاذ پر ڈٹے ہوئے تھے۔ شہروز کو جانیا کی زبانی جب سارے حالات معلوم ہوئے تو اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

"وہ تو ہونا ہی تھا۔ بغیر کسی رکاوٹ کے بھی کوئی اچھا کام انجام پذیر ہوا ہے کبھی۔"

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا جیسے تمہیں کوئی پریشانی نہیں ہو رہی' فرق نہیں پڑ رہا۔" وہ مشکوک ہوئی۔

"کیونکہ مجھے یقین ہے۔ ہزار ڈرامے کے بعد بھی تمہیں آنا میرے ہی گھر ہے۔" وہ کچھ دیر قبل ہی گھر

لوٹا تھا۔ بستر پر دراز زیر لب مسکراتا کہہ رہا تھا۔

"حد سے زیادہ خود اعتمادی کبھی کبھی انسان کو لے ڈوبتی ہے۔" جانیا نے چڑ کر کہا۔

"یہ خود اعتمادی نہیں یقین ہے۔ میں نے تمہیں اللہ سے مانگا ہے تو یقین بھی اسی پر ہے۔ فریاد بھی اسی سے کروں گا۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو جانیا...... کیا تم اپنے ان دونوں کزنز میں سے شادی کرنا چاہتی ہو۔" وہ اسے سمجھاتے ہوئے رسان سے پوچھ رہا تھا۔ جانیا نے بے اختیار نفی میں سرہلاتے ہوئے نہیں کہا۔

"نہیں ناں! تو پھر جب تم سے بات کرنے تمہارے والدین آئیں تم اطمینان سے کہہ دینا کہ تم پاکستان سے باہر شادی نہیں کرنا چاہتیں۔ بس ہماری پسندیدگی کے حوالے سے کچھ نہ کہنا ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ زبردستی ضد میں آکر تمہارا رشتہ طے کر دیں۔" جانیا کی ساری پریشانی ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ شہروز نے بڑے اطمینان سے اسے سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ وہ اب خود کو بے حد ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔ اس نے دل ہی دل میں قبول کیا کہ شہروز مضبوط اعصاب کا معاملہ فہم انسان ہے۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اب تک اسے مزید پریشانی میں جھونک ڈالتا یا کوئی نہ کوئی غلط قدم ضرور اٹھوا دیتا اس نے دل ہی دل میں مسکراتے ہوئے دعا کی۔

"اے اللہ جس یقین کے ساتھ شہروز نے مجھے تجھ سے مانگا ہے۔ میں بھی تجھ سے اسے اسی یقین کے ساتھ مانگتی ہوں۔ اسے میرا کر دے۔ میرا نصیب بنا دے۔" وہ کھڑکی پر کھڑی آنکھیں بند کیے دعا کر رہی تھی۔ تب ہی ثانیہ دھڑ سے دروازہ کھولے کمرے میں داخل ہوئی۔

"جانیا۔ تیری لو اسٹوری کا دی اینڈ ہونے والا ہے۔ اماں ابا کی کمرے میں زبردست قسم کی جنگ ہو رہی ہے۔ دیکھتے ہیں اونٹ شیری کی جانب بیٹھتا ہے یا عمر کی جانب۔ تیری شادی تو اب ہو کر رہے گی۔" ثانیہ مزے سے چپس کا پیکٹ خالی کر کے ہاتھ جھاڑتی ہوئی کھڑکی کے سامنے کھڑی جانیا کو للکارتے ہوئے بولی۔

"شادی تو ضرور ہوگی میری......" وہ حتمی انداز میں کہتے ہوئے مڑی۔ فکر نام کی کوئی ایک لکیر بھی اس کی کشادہ پیشانی پر نہ تھی۔

"مگر کسی بدیسی راجہ سے نہیں، بلکہ دیسی راجہ سے۔" اس کے ہونٹ پر عزم انداز میں مسکرائے۔ اور وہ پر اعتماد انداز میں بولی۔

"سو توپوں کی سلامی تیری ہمت پر اے بہن! جو تو ہمارے جنگجو والدین سے ٹکرانے کی ہمت کر رہی ہے۔" ثانیہ نے باقاعدہ ہاتھ پیشانی تک لے جا کر سلامی دی۔

"پیاری ہمشیرہ اب ٹکراؤ نہیں...... جنگ ہوگی جنگ...... اور یہ جنگ جانیا جیت کر رہے گی۔" جانیا نے مصمم ارادے سے کہا اور ثانیہ غش کھا کر بستر پر دراز ہو گئی۔

✡ ✡ ✡

شہروز نے منورہ بیگم اور نانی کو ساری صورت حال سمجھا کر فی الحال رشتے کے حوالے سے کوئی کسی بھی طرح کی پیش رفت سے روک دیا تھا۔

"کیا خبر بیٹا ہم باقاعدہ سے رشتہ لے کر نہیں گئے تو اس لیے وہ ہمارے رشتے کو سنجیدہ نہیں لے رہے۔" منورہ بیگم نے خدشہ ظاہر کیا تھا۔

"نہیں یہ بات نہیں مما...... جب ان کے پاس دو دو بدیسی رشتے موجود ہیں۔ تو وہ بے چارے مجھ غریب رشتے پر کیوں توجہ دیں گے۔ سوچنے کی بات ہے ناں۔" شیروز نے سنجیدگی سے کہا۔

"ہائے میرا بچہ تو خود کو غریب کیوں کہہ رہا ہے۔" نانی کو صدمہ لگا۔

"ارے پیاری نانی جان امریکی شیری اور برطانوی عمر کے سامنے تو بے چارہ پاکستانی شہروز غریب ہی ہے ناں۔" وہ ہنستے ہوئے نانی کا ہاتھ تھام کر بولا۔

"تو کیا شہروز تم جانیا کی محبت سے دستبردار ہو جاؤ گے۔" منورہ بیگم نے بیٹے سے استفسار کیا۔

"اوہو ہرگز نہیں مما...... مگر میں صبر اور ہمت سے

کام لوں گا۔ مجھے یقین ہے جانیا آپ کی بہو بنے گی۔" وہ حوصلے سے مسکراتا کہہ رہا تھا۔ منورہ بیگم نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے مزید حوصلہ دیا۔ جانیا نے جب سے اسے ساری صورت حال بتائی تھی وہ پریشان تو ضرور ہوا تھا مگر نہ جانے کیوں اس کی چھٹی حس اس سے کہہ رہی تھی کہ یہ دونوں رشتے ہوا نکلے غبارے سے زیادہ ثابت نہیں ہوں گے۔ اور آج تک اس کی چھٹی حس نے کبھی دھوکا نہ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ثریا بانو نے احمد صاحب کے انتقال کے بعد جن مشکلات و کٹھنائیوں سے گزر کر اپنے بچوں کی پرورش کی وہ رب جانتا تھا اور ان کا دل۔۔۔ احمد صاحب کاروباری انسان تھے۔ کاروباری حلقوں میں معتبر نام تھا ان کا۔ شوکت، آفتاب اور زارا ابھی کم عمر ہی تھے کہ احمد صاحب دل کا دورہ پڑنے کے باعث چل بسے۔ صدمے سے دوچار ثریا بانو کے لیے یہ وقت قیامت سے کم نہ تھا۔ شوکت کیونکہ تمام اولادوں میں بڑے تھے تو زیادہ ذمہ داری ان ہی پر عائد ہوئی۔ ثریا نے کاروباری معاملات اپنے ہاتھ میں رکھتے ہوئے شوکت کو اپنے ساتھ کھڑا کرنا چاہا مگر شوکت نے پڑھائی کا بہانہ بنا کر انکار کر دیا۔ ایسے میں حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے میٹرک پاس آفتاب نے ماں کا ساتھ دینے کے لیے تعلیم کو خیرباد کیا اور گرتی ہوئی کاروباری ساکھ کو سنبھالنے کے لیے ماں کے ساتھ جت گئے۔ یہ بھی ثریا بانو کی خوش قسمتی تھی کہ انہیں کاروباری سمجھ بوجھ حاصل تھی۔ آفتاب احمد کے ساتھ مل کر دن رات ایک کر کے انہوں نے کاروبار کو دوبارہ اپنے پیروں پر لا کھڑا کیا۔ شوکت احمد اپنی تعلیم حاصل کرتے رہے یہاں تک کہ انجینئر بن گئے۔ ثریا بانو اب مالی طور پر اتنی مستحکم ہو چکی تھیں کہ بیٹی کی شادی با آسانی کر سکیں۔ سو سب سے پہلے وہ اس فرض سے سبکدوش ہوئیں۔ زارا کی شادی کو بمشکل چند ماہ گزرے ہوں گے کہ شوکت اپنی شادی کی فرمائش لیے سامنے آکھڑے ہوئے۔ یہاں تک کہ لڑکی دیکھنے کے جھنجٹ میں بھی ثریا بانو کو نہ ڈالا۔ اپنی یونیورسٹی فیلو رومینہ کو ماں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ رومینہ شکل و صورت کے ساتھ ساتھ مزاج بھی خوب رکھتی تھیں۔ اس بات کا ادراک ثریا بانو کو پہلی ملاقات میں ہی ہو گیا تھا۔ مگر شوکت کی ضد کے باعث انہیں یہ شادی کرنی پڑی۔ شادی کے بعد حالات نے یوں پلٹ کھایا کہ ثریا بانو دل کر رہ گئیں۔ رومینہ سسرال میں چند ماہ رہ کر شوکت کے ساتھ علیحدہ گھر میں منتقل ہو گئیں۔ شوکت مالی طور پر اتنے مستحکم نہ تھے کہ الگ مکان بناتے یہ بھی رومینہ کے گھر والوں کی مہربانی تھی۔ کیونکہ سسرال سے لڑ جھگڑ کر الگ ہوئی تھیں لہٰذا ایک لمبے عرصے تک سسرال سے تعلق بند رہا۔ ثریا بانو کا دل ویسے بھی شوکت احمد سے سخت کبیدہ ہو چکا تھا۔ بڑے بیٹے ہونے کے ناطے انہوں نے کوئی فرض اٹھایا نہ ہی ذمہ داری بلکہ ان کے لیے مزید صدمے کا ہی باعث بنے۔

دوسری جانب آفتاب احمد کے سنجیدہ ذمہ دارانہ رویے کے باعث کاروبار مستحکم ہوتا چلا گیا۔ مشکل وقت گزر چکا تھا۔ ثریا بانو اب آفتاب کے سر پر سہرو سجانے کا ارادہ کیے بیٹھی تھیں کہ اچانک ایک دن شوکت ایک نئے مطالبے کے ساتھ آن پہنچے۔ انہیں باپ کے کاروبار سے اپنا حصہ چاہیے تھا۔ ان کا برطانیہ کا ویزا لگ چکا تھا اور وہ وہاں مستقل سیٹل ہونا چاہتے تھے۔ جس کے لیے انہیں ایک بھاری رقم کی شدید ضرورت تھی۔ ادھر ادھر سے قرضہ لینے سے بہتر ماں سے اپنا حق وصولنا زیادہ مناسب سمجھتے تھے۔ ثریا بانو ان کے اس مطالبے کے آگے سرنگوں ہونے والی نہ تھیں۔ باپ کا کاروبار تو اختتام پذیر تھا۔ کس طرح ان دونوں ماں بیٹے نے ایک ایک پیسہ جوڑ کر دن رات محنت کر کے کاروبار میں لگایا تھا۔ شوکت نے تو مشکل وقت میں کسی طور ان کا ساتھ نہ دیا اور آج بے شرموں کی طرح ہٹ دھرمی دکھا کر حق مانگنے آن کھڑا ہوا۔ ثریا بانو اور شوکت کے درمیان ٹھن گئی۔ مگر

آفتاب نے ماں کو بڑے بھائی کا حق دے کر معاملہ رفع دفع کرنے کا مشورہ دیا۔ ثریا بانو بامشکل راضی ہوئیں۔ قانونی لکھت پڑھت کے بعد کاروبار سے جائز حصہ شوکت احمد کو دے دیا گیا۔ شوکت احمد تو مطمئن ہو کر پردیس چلے گئے۔ البتہ ثریا بانو اور آفتاب ایک بار پھر مشکلات میں پڑ گئے۔ جما جمایا کاروبار ایک بار پھر شدید متاثر ہوا تھا۔ کچھ عرصہ لگا سنبھلنے میں مگر وہ دونوں ماں بیٹے اس مشکل صورت حال سے بھی نکل ہی آئے۔ کاروبار ایک بار پھر سنبھل گیا۔ اس دوران آفتاب احمد کی شادی سلطانہ بیگم سے بھی ہو گئی۔ ثریا بانو اور سلطانہ بیگم کے تعلقات روایتی ساس بہو والے تھے۔ تو تو میں میں' نوک جھوک آئے دن چلتی رہتی تھیں۔ کاروبار اب مکمل طور پر آفتاب احمد کے حوالے تھا۔ حالات نے انہیں البتہ بے حد کنجوس بنا ڈالا تھا۔ وہ پیسہ دانت سے پکڑ کر چلنے کے عادی بن چکے تھے۔ چونکہ ایک پائی پائی جمع کر کے کاروبار جمایا تھا سو ایک ایک پائی پر نظر رکھتے تھے۔ سلطانہ بیگم فطرتاً "تنگ دل' دوسروں کے لیے مگر شاہ خرچ اپنے لیے واقع ہوئی تھیں۔ ہر چمکتی چیز کے پیچھے بھاگنے والی سلطانہ بیگم کی آفتاب احمد کی کنجوسی پر خوب جھڑپ ہوتی۔ مگر دونوں میں سے کوئی بھی اپنے آپ کو بدلنے کا سوچتا بھی نہ تھا۔

آفتاب احمد نے اپنے کاروباری معاملات سلطانہ بیگم سے دور ہی رکھے تھے۔ وہ بخوبی جانتے تھے کہ بیگم کو کاروباری حساب کتاب کا ذرا بھی علم ہو جاتا تو گردن اکڑائے ایک شان سے پورے خاندان میں ڈھنڈورا پیٹتی رہتیں۔ اسی لیے وہ ان معاملات میں بے حد محتاط رہتے تھے۔ نہ گھر کی بناوٹ و آرائش پر توجہ دیتے نہ ہی طرز زندگی پر۔ مالی طور پر بے حد مستحکم ہونے کے باوجود وہ پیسے جوڑ جوڑ کر گھر لاتے۔ البتہ ثریا بانو ان کے تمام معاملات' حساب کتاب سے ضرور باخبر تھیں۔ آفتاب احمد ان سے ابھی بھی ہر معاملے میں صلاح لیتے اور انہیں باخبر رکھتے۔ جانیا اور ثانیہ کے حوالے سے کچھ پراپرٹیز بھی انہوں نے بنا رکھی تھیں۔ مگر سلطانہ ان تمام معاملات سے لاعلم تھیں۔ ان کا سارا دن' کم پیسوں کا رونا راگ الاپتے گزرتا تھا۔ سب کچھ ٹھیک جا رہا تھا کہ اچانک شوکت نے اپنے بیٹے کے رشتے کی بات کر کے پرسکون جھیل میں کنکر پھینکا تھا۔ برطانیہ مقیم ہونے کے بعد سے شوکت نے پہلی بار رابطہ اپنے گھر بیٹے کی ولادت کی اطلاع دینے کے لیے کیا تھا۔ اس کے بعد سے چند ایک بار ہی بات چیت ہوئی۔ ثریا بانو اپنے بیٹے کی فطرت سے بخوبی واقف تھیں۔ وہ بنا کسی غرض کے تعلق بنانے والوں میں سے نہیں۔ ایک طویل عرصے کی جامد خاموشی کے بعد اچانک بھتیجی کا رشتہ مانگنا اچنبھے کا باعث تھا ان کے لیے۔ وہ پچھلے ایک ہفتے سے اسی ذہنی کشمکش میں مبتلا تھیں کہ آفتاب سے کیسے اپنے دل کی بات کہیں کہ بیٹا ہونے کے باوجود وہ اپنی پوتی کا رشتہ اس کے گھر کرنے پر راضی نہیں۔

آفتاب احمد اکثر ان سے اس موضوع پر گفتگو کرتے رہے۔ وہ سمجھ بیٹھے تھے کہ شاید بھائی کو اپنی اب تک کی گئی زیادتیوں کا احساس ہو چکا ہے۔ ورنہ کون اپنے اتنے پڑھے لکھے برطانوی نیشنلٹی کے حامل بیٹے کا رشتہ اتنی آسانی سے کرتا ہے۔ وہ خوش تھے کہ بڑے بھائی نے ان کی بیٹی کو یاد رکھا۔ ان کی خوشی دیکھ کر ثریا بانو چاہ کر بھی کچھ نہ کہہ پائیں۔ البتہ دل ہی دل میں وہ خدا سے دعاگو تھیں کہ جیسے خدشات انہیں ستا رہے ہیں حقیقت ویسی تلخ نہ ہو۔ ابھی بھی وہ جائے نماز لپیٹتے اٹھی تھیں کہ باہر سے کچھ شور سنائی دیا کمرے سے باہر جھانکا تو محمود میاں کو برآمدے میں بیٹھا پایا۔ محمود میاں' آفتاب اور شوکت کے بچپن کے دوست تھے۔ کچھ عرصہ قبل وہ بھی برطانیہ مقیم ہو گئے تو رابطے میں نہ رہے تھے۔ اب لوٹے ہیں تو دوست سے ملاقات کی غرض سے آئے تھے۔

"ارے محمود میاں آئے ہیں؟ ایک زمانے بعد شکل دکھائی بھئی تم نے۔ بھئی جو پردیس جاتا ہے وہیں کا ہو کر رہ جاتا ہے۔" ثریا بانو بھی برآمدے کے صوفے پر براجمان ہوتے ہوئے خوش دلی سے بولیں۔

"ارے خالہ اماں کیا کریں۔۔۔ پردیس کے جھمیلے ہمیں آنے سے روک دیتی ہے۔ ورنہ اس مٹی کی کشش تو بلا کی ہے۔" محمود میاں نے سلام جھاڑتے ہوئے ہنستے ہوئے کہا۔

"ارے رہنے دو محمود میاں۔۔۔ جو اس دیس سے گیا پھر وہ پردیسی ہی ہو رہا۔ پھر نہ مٹی یاد رہتی ہے نہ پیپل کی چھاؤں نہ ماں کی گود۔۔۔" ثریا بانو ہنستے ہوئے بولیں ساتھ ہی سلطانہ کو کچھ اہتمام کرنے کا اشارہ بھی کیا۔ مگر وہ نخوت سے سر جھٹک کر منہ پھیر گئیں۔ آفتاب احمد بیگم کی بدلحاظی کا مظاہرہ دیکھ چکے تھے سو فوراً" جانیا کو پکار بیٹھے۔

"بیٹا' انکل کے لیے کچھ اچھا سا اہتمام کرو۔" سادہ سے حلیے میں سادہ سی جانیا پیاری لگ رہی تھی۔

"آفتاب' بیٹی کا کہیں رشتہ کیا یا نہیں۔" نادانستگی میں محمود میاں کافی بھڑکتا ہوا موضوع چھیڑ بیٹھے۔

"ہاں یار۔ شوکت بھائی کا کچھ دن قبل فون آیا تھا۔ وہ اپنے بیٹے سے جانیا کا رشتہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ بات ابھی پکی نہیں ہوئی مگر میرا ارادہ بھی بھتیجے کے لیے بن چکا ہے۔" آفتاب احمد نے بڑے فخر سے بتانا شروع کیا۔ سلطانہ بیگم کے چہرے کے زاویے مزید بگڑ گئے۔

"اچھا شوکت کے کس بیٹے سے؟ عمر سے یا رافع سے؟" محمود میاں نے کچھ غیر معمولی انداز میں چونک کر پوچھا۔ ثریا بانو کو محمود میاں کا یہ انداز بری طرح کھٹکا۔

"عمر سے۔۔۔ شوکت بھائی نے عمر کا نام لیا ہے جانیا کے لیے۔" آفتاب احمد نے بغور محمود میاں کو دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ دوست کا انداز کچھ عجیب سا محسوس ہوا تھا۔

"اوہ! مجھے شوکت سے یہ امید نہ تھی۔ وہ اپنے بھائی کے ساتھ یہ سب کرے گا میں نے تو خواب میں بھی نہ سوچا تھا۔" محمود میاں کف افسوس سے سہلاتے ماحول میں تجسس کی ہوا کو رنگ دے رہے تھے۔

"کیا بات ہے محمود میاں کھل کر بتاؤ' یوں پہیلیاں نہ بجھواؤ!" ثریا بانو بھانپ چکی تھیں' جو خدشات انہیں ستا رہے تھے وہ سچ ثابت ہونے کو ہیں۔

"دراصل خالہ اماں یہاں آنے سے کچھ دن قبل میری مانچسٹر میں شوکت سے ملاقات ہوئی تھی۔ تب کافی پریشان تھا وہ۔ ایک تو اس کا کام کچھ نقصان میں جا رہا تھا۔ دوسرا اس کے بیٹے عمر نے کسی انگریز سے شادی کر رکھی تھی۔ اور ان دونوں میں خوب جھگڑے ہو رہے تھے۔ نوبت طلاق تک آ پہنچی تھی۔ شوکت نے بتایا تھا کہ عمر کی طلاق ہوتے ہی وہ پاکستان میں کسی ایسی لڑکی سے عمر کا رشتہ طے کریں گے جو صاحب دولت ہو۔ تاکہ شادی کے بعد ملنے والی دولت کو اپنے کام میں لگا کر خسارے سے باہر آسکیں۔" محمود میاں کے انکشاف کے بعد برآمدے میں بیٹھے تینوں نفوس یوں ساکت بیٹھے تھے جیسے ان تینوں کو سونپ سونگھ گیا ہو۔ سب سے پہلے سلطانہ کے چہرے کے تاثرات بدلے اور وہ تمسخرانہ انداز میں بولیں۔

"اچھا ہوا محمود بھائی آپ آگئے یہاں اور ساری رام کتھا سنا ڈالی ہمیں۔ ورنہ آپ کے دوست تو بھائی کی محبت میں بڑے جوش کے ساتھ بیٹی کو قربان کرنے چلے تھے۔"

"سلطانہ بیگم خاموش رہو۔" رنجیدہ سے آفتاب احمد کو سلطانہ بیگم کے اس طنز سے محمود میاں کے سامنے اچھی خاصی سبکی محسوس ہو رہی تھی۔

"دیکھو آفتاب یہ بیٹیاں بہت پیاری ہوتی ہیں۔ ان کی قدر ان کے چلے جانے کے بعد محسوس ہوتی ہے۔ جلد بازی میں تم ان کے نصیب کے ساتھ مت کھیل جانا۔ بہت سوچ سمجھ کر' چھان پھٹک کر رشتہ کرنا بیٹی کا۔" محمد میاں ماحول میں پیدا ہونے والی گرمائش کو محسوس کرتے جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے' مگر جاتے جاتے بھی نصیحت کرنا نہ بھولے۔ شرم سے چور آفتاب احمد فقط سر ہی ہلا سکے۔

"دیکھ لیا اپنے بھائی کی محبت کو۔۔۔ میں نہ کہتی تھی

ایسے تو چشم بھائی جسے ماں کی یاد تک نہ کبھی آئی وہ آج کیسے اپنی بھتیجی پر مہربان ہو گیا۔" ان کے واپس آنے پر سلطانہ بیگم قبل جنگ بجانے بیٹھی تھیں۔ ثریا بانو شرمندگی سے سر جھکائے ہاتھ میں تھامے تسبیح کے دانوں کو گھور رہی تھیں۔ آفتاب احمد نے ایک نگاہ ماں کے وجود پر ڈالی اور وہیں نڈھال سے بیٹھ گئے۔

"بڑا فخر تھا اپنے خاندان پر' اپنے بھائی' بھتیجے پر اور بھائی کے کرتوت دیکھو بھائی کی بیٹی کی کوبلی چڑھانے کو مانگ رہا ہے۔ لعنت ہے ایسے بھائی پر۔ اب میں کہے دے رہی ہوں اپنی بیٹی کی شادی میں اپنے بھانجے سے ہی کروں گی۔ ہر لحاظ سے چھان بین کر چکی ہوں۔ کنوارا' خوبرو جوان' فیشن ڈیزائنر' کینیڈا میں مقیم میرا بھانجا لاکھوں میں ایک ہے۔" سلطانہ بیگم اپنا فیصلہ سنا کر جا چکی تھیں۔ ثریا بانو اور آفتاب احمد کچھ پل وہیں خاموش بیٹھے رہے۔ آفتاب احمد نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"ایسا کیوں کیا اماں بھائی جان نے میرے ساتھ۔" ان کا لہجہ ہارا ہوا تھا۔

"مجھے تو تجھ سے شکایت ہے میرے بیٹے تو نے اس بھائی پر اعتبار کیا ہی کیوں جس نے نہ کبھی بیٹا بن کر دکھلایا نہ بھائی بن کر۔ جو صرف اپنے لیے جیا ہو' جسے صرف اپنے آپ سے غرض ہو۔ جس نے جب بھی ہماری زندگیوں میں دستک دی ایک قیامت ہی برپا ہوتی تب تب۔ یہ سب جانتے ہوئے بھی تم نے ایسے بھائی پر بھروسا کیوں کیا۔" ثریا بانو پھوٹ پڑیں۔ آفتاب احمد خاموشی سے ماں کی کہی گئی ایک ایک بات کو بغور سنتے رہے۔ واقعی ان کے بھائی نے جب جب ان کی زندگیوں میں دستک دی تھی ان پر افتاد ہی آن پڑی تھی۔

"تو نے مجھ سے بھی مشورہ نہ کیا۔ میں اتنے دنوں سے خاموش تھی۔ پوچھا بھی نہیں کہ ماں تو کیوں خاموش ہے' تیری خاموشی مجھے الجھا رہی ہے۔ ارے آفتاب تو پردیسی رشتے کی لالچ میں اتنا اندھا ہوا تھا یا بھائی کی محبت میں۔" ماں نے بڑے پیار سے لال کے منہ کو آئینہ دکھلایا تھا۔ آفتاب احمد شرمندہ سے مزید سر جھکا گئے۔

"ذرا سوچ اگر آج حقیقت نہ کھلتی تو بیٹی کو بربادی کے بعد کیا منہ دکھاتا۔ کس کی محبت میں تو نے ایسی نارسائی دامن میں بھری ہے۔ پردیسی دولت کی محبت میں یا بھائی کی۔" ثریا بانو آبدیدہ ہو گئیں۔

"شوکت نے میری ہی کوکھ سے جنم لیا ہے آفتاب' مگر اس نے اپنی خود غرضی میں مجھے نہ بخشا تو وہ تیری بیٹی کے لیے کیسے کچھ اچھا سوچ سکتا تھا۔ دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں بیٹا' مگر نزدیک جا کر دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ سہانے ڈھول کتنے پھٹے ہیں۔ بیٹی کو پردیس بیاہنے کا ارادہ ترک کر دو آفتاب۔ بیٹیاں نظروں کے سامنے رہتی ہیں تو دل کو ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ مجھے دیکھو زارا کو دوسرے شہر بیاہ کر ترس جاتی ہوں اس کی شکل دیکھنے کو۔" ثریا بانو نے اپنے کپکپاتے ہاتھ آفتاب کے کاندھے پر رکھ کر لرزتے ہوئے کہا۔ تو آفتاب کچھ نہ کہہ سکے۔ ثریا بانو وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ آفتاب احمد خاموش بیٹھے پچھتاوے کی آگ میں جلتے رہے۔

شوکت بھائی کا کردار' ان کا مزاج' ان کی فطرت۔ سب کچھ ان کے سامنے تھا۔ پھر بھی انہوں نے بنا چھان پھٹک کیے حامی بھرنے کا ارادہ کر لیا۔ کس لیے؟ صرف اس لیے کہ بیٹی باہر چلی جائے گی تو آسائشوں بھری زندگی گزارے گی اور کیا خبر انہیں بھی بھائی برطانیہ بلوا لے۔ وہ آسائشوں بھری زندگی تو وہ بھی اپنی اولاد کو فراہم کر سکتے ہیں اتنا کچھ جمع کر چکے ہیں کہ کسی اور کی مدد کی ضرورت نہ تھی پھر بھی وہ مزید کی لالچ میں آ گئے اور یہی لالچ ان کی بیٹی کی زندگی کو ناسور بنا ڈالتی' اس کی خوشیاں چھین لیتی' غلطی ان کی ہوتی بھگتتا بیٹی کو پڑتا۔ آفتاب احمد بے چین سے ہو کر اپنی پیشانی مسلنے لگے۔

"بابا' محمود انکل چلے گئے۔" جانیا لوازمات سے بھرا ٹرے اٹھائے حیرانگی سے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں بیٹا چلے گئے۔" آفتاب احمد نے مرجھائے

ہوئے انداز میں کہا اور مرے مرے قدموں سے اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔ فی الوقت بیٹی کا سامنا کرنے کی انہیں ہمت نہ تھی۔

✡ ✡ ✡

"مجھے یقین نہیں آرہا جانیا کہ تمہارے تایا ایسے بھی ہوسکتے ہیں۔ شکر ہے کہ ان کی حقیقت صحیح وقت پر کھل کر سامنے آگئی۔ تمہارے محمود انکل تو ہمارے لیے فرشتہ ثابت ہوئے۔" شہوز حیرانگی سے کہہ رہا تھا۔ جانیا نے اسے کال پر ساری کہانی سنا ڈالی تھی۔

"مجھے خود امید نہیں تھی ان سے ایسی بلکہ مجھے کیا بابا کو بھی امید نہ تھی۔" بہت دلگرفتہ ہوئے وہ تایا کی اس حرکت سے۔" جانیا اداس تھی۔

"چلو جو بھی ہے۔ ہماری مشکل تو آسان ہوگئی ناں جانیا جب تم نے بتایا تھا اپنی خالہ اور تایا کا تو اس وقت میں بہت پریشان ہوگیا تھا۔ بہت گڑگڑا کر تمہیں رب سے مانگنے لگا تھا' مگر تمہیں میں نے پریشان نہ ہونے دیا۔ تم میری طاقت ہو جانیا۔ تم پریشان ہوجاتیں تو میں کیسے ہمت رکھتا۔" وہ آج کھلے دل سے اعتراف کررہا تھا۔ جانیا کے چہرے پر طمانیت چھاگئی۔ یہ اعتراف محبت اس کے لیے انرجی ٹانک ثابت ہورہا تھا۔ وہ کھل کر مسکرادی۔

"مگر ابھی بھی ایک خطرہ موجود ہے۔ ہمارے درمیان شیری ابھی بھی کھڑا ہے۔ موجودہ صورت حال نے ماما کو مزید شیر بنا ڈالا ہے۔ بابا نے ان کے فیصلے کو مسترد کیا تھا اب بابا کے فیصلے غلط ثابت ہونے پر وہ ضد میں آکر اپنے فیصلے سے پیچھے نہیں ہٹیں گی۔ میں جانتی ہوں ماما کو۔" جانیا نے شہوز کی توجہ دوسرے مسئلے کی جانب دلوائی۔

"ہونہہ! یہ تو میں بھی سمجھ رہا ہوں بلکہ سچ کہوں تو اصل خطرہ مجھے تمہارے خالہ زاد شیری سے ہی تھا کیونکہ تمہارے تایا کا اچانک ایک طویل عرصے بعد رابطہ کرکے آنا "فاناً" رشتہ طے کرنا کچھ کھٹک رہا تھا مگر خالہ کے ساتھ اچھے برے تعلقات بہرحال تمہاری ماما

کے رہے ہیں اور اب تو ان کو مزید موقع مل گیا ہے اپنا فیصلہ سب پر مسلط کرنے کا۔" شہوز نے باریک بینی سے ایک ایک پہلو کا مشاہدہ کیا ہوا تھا۔ جانیا کو ماننا پڑا۔

"تو اب کیا کیا جائے۔۔۔؟ ویسے بابا نے کہا ہے کہ وہ ماما سے بات کریں گے۔" جانیا کو کل رات کی آفتاب احمد کی بات یاد آگئی۔

"پھر ہمیں انتظار کرنا چاہیے تمہارے بابا کے بات کرنے کا مجھے یقین ہے ہمارے حق میں نتائج اچھے ہی ہوں گے۔" شہوز تھوڑا ہلکا پھلکا ہوتے ہوئے بولا۔

"ہم تو ایسے کہہ رہے ہو جیسے ہمارا کیس کسی عدالت میں چل رہا اور تم کسی فاضل وکیل کی طرح نتائج کے منتظر ہو۔" جانیا کو ہنسی آگئی۔

"محترمہ کیس ہی چل رہا ہے ہمارا۔ خدا کی عدالت میں کیس دائر کیا ہے میں نے وہاں بس امید اور نیت اچھی رکھنی ہوتی ہے۔ پھر بگڑی بھی سنور جاتی ہے۔" شہوز نے بڑے جتا کر ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا تھا۔ جانیا کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ہنستی رہا کرو۔ اچھی لگتی ہو۔" وہ دھیرے سے بولا تھا۔ یوں جیسے تصور کی آنکھوں سے اسے سامنے دیکھ رہا ہو۔ جانیا بے ساختہ مسکرا اٹھی۔ نظریں نیچے شرم سے جھک گئیں۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے شہوز کی مخمور نگاہیں اس پل اسے دیکھ رہی ہوں۔

✡ ✡ ✡

"دیکھو سلطانہ میں تمہاری اس خواہش کے خلاف نہیں ہوں۔ میں مانتا ہوں پہلے میں نے تمہاری ضد میں بھائی جان کے بھیجے گئے رشتے پر فوراً حامی بھری' مگر اتنا بڑا دھوکا کھانے کے بعد میں اتنی جلدی کسی پر اعتبار نہیں کرسکتا اور میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ آج میری طرح کل تمہیں بھی کسی ایسی ہزیمت کا سامنا کرنا پڑے۔" وہ بہت رسان سے سلطانہ کا ہاتھ تھامے نرم لہجے میں سمجھا رہے تھے اور پہلی بار سلطانہ ان کی کہی گئی ایک ایک بات بنا کسی اختلاف کے سنجیدگی سے سن رہی تھیں۔

"جانیا مجھے بہت عزیز ہے۔ بہت صابر اور ہمت والی بچی ہے۔ میں اپنی بیٹی کا رشتہ جس کسی سے بھی کروں گا بہت چھان پھٹک کر کروں گا سلطانہ۔"

"میں بھی اپنی بچی کی دشمن نہیں ہوں آفتاب، مگر میں نے بھی بہت سوچ سمجھ کر اس رشتے کو جانیا کے لیے پسند کیا ہے۔ ہم ساری زندگی لڑتے، پاکستان میں بڑھتی مہنگائی کا رونا روتے زندگی گزار چکے پیسوں کی ہمیشہ تنگی رہی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ ہماری بیٹی بھی یہاں ایسی زندگی گزارے۔ کتنی لڑکیوں کو دیکھا میں نے جو یہاں سادہ زندگی بسر کر رہی تھیں اور شادی کے بعد بیاہ کر پردیس میں عیش و عشرت میں زندگی گزار رہی ہوتی ہیں۔ تب سے میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی تھی کہ میں اپنی بیٹیوں کی شادی بھی بیرون ملک مقیم لڑکوں سے ہی کروں گی۔ آپ تو جانتے ہیں ایسے رشتے روز روز نہیں ملتے۔ میری بہن نے جب خود رشتہ مانگا تو کیا کہہ کر منع کرتی میں۔ لوگ تو غیروں میں لڑکی پردیس بیاہ دیتے ہیں۔ میری بہن تو میری اپنی ہے پھر کس منہ سے انکار کرتی۔" سلطانہ کی بات جان کر آفتاب احمد کو کئی افسوس نے ایک ساتھ آگھیرا۔ ان کی کنجوسی اور معاشی بدحالی کے جھوٹے بہانوں نے ان کی بیوی کو بچیوں کے حوالے سے کافی خوف زدہ کر دیا تھا۔ وہ کسی بھی صورت ان کا رشتہ باہر کرنے کی خواہش مند تھیں جب جبکہ وہ اچھے خاصے مالدار انسان تھے، مگر انہوں نے اپنے مال کو تجوریوں میں ہی بند رکھا اور وہ بند مال انہیں کیا فیض دے رہا تھا۔ بیوی بدحالی کا رونا روتی ہمیشہ ان سے ناراض رہی۔ وہ آج اپنے اور سلطانہ کے درمیان سارے اختلافات دور کرنے کا تہیہ کیے بیٹھے تھے سو بہت سوچ سوچ کر ایک ایک لفظ تول کر بولے۔

"سلطانہ تمہارے شوہر نے اتنا کمایا ہوا ہے کہ تمہیں اور ہماری بیٹیوں کو کبھی دوسروں کی طرف دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی اور نہ ہی ہم صرف دولت اور عیش و عشرت دیکھ کر بیٹی کی قسمت کا فیصلہ کریں گے۔ تم اپنی بہن سے کہو کہ جب شیری پاکستان آئے تو کراچی میں ہمارے گھر قیام کرے۔۔۔ میں اس لڑکے کے عادات واطوار، مزاج، کردار کا خود مشاہدہ کروں گا اور اگر وہ میرے معیار پر پورا نہ اترا تو تم بنا خوف کے بہن کو انکار کرو گی۔ بالکل اسی طرح جیسے میری ماں نے اپنی پوتی کے لیے اپنے بیٹے کو نڈر ہو کر آئینہ دکھایا تھا۔" آفتاب احمد نتیجے پر پہنچ کر فیصلہ کرتے ہوئے بولے۔

"آپ بے فکر رہیں آفتاب یہ بات میں پہلے ہی ریحانہ آپا کے کان میں ڈال چکی ہوں کہ شیری اس بار اسلام آباد میں نہیں بلکہ کراچی میں قیام کرے گا۔ وہ راضی ہیں اس بات پر اور وہ اگر ہمارے معیار پر پورا نہ اترا تو میں بنا کسی جھجک کے آپا کو انکار کروں گی۔" سلطانہ نے میاں کا ہاتھ تھام کر مسکراتے ہوئے یقین دلایا۔ آفتاب احمد کو سلطانہ کی طرف سے اس مثبت رویے کی توقع نہ تھی۔ اس خوش گوار تبدیلی پر وہ دل ہی دل میں بے حد خوش ہوئے تھے۔

"اچھا پھر یہ بھی تمہارے علم میں ہو گا کہ شیری پاکستان کب آرہا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔

"بس رمضان میں آرہا ہے پاکستان۔" سلطانہ بیگم بھی مسکرائیں۔

"ارے بھئی۔ رمضان میں دن ہی کتنے رہ گئے پھر۔ اگلے ہفتے ہی تو ہے۔ ایسا کرو یہ کچھ رقم رکھو۔ تمہارا بھانجا پہلی مرتبہ ہمارے گھر آرہا ہے۔ کچھ اچھی سی شاپنگ کر لینا اس کے لیے۔ کم از کم استقبال تو اچھا ہونا چاہیے، مگر یاد رہے یہ استقبال تمہارے بھانجے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ موصوف کو داماد بننے کے لیے کئی امتحان سے گزرنا ہو گا۔" آفتاب احمد ہنستے ہوئے ایک اچھی خاصی رقم سلطانہ کے حوالے کرتے ہوئے بولے۔

"اور یہ امتحان صرف آپ ہی نہیں میں بھی لوں گی میاں جی۔" سلطانہ بیگم خوش تھیں زندگی میں پہلی بار میاں نے اتنا مان دیا، اعتبار دیا، عزت دی، ورنہ ان کی اکثر کار آمد بحثیں بھی لڑائی جھگڑے پہ آکر ختم ہوتیں۔

شام میں دونوں میاں بیوی نے ایک ساتھ اعلان کیا کہ شیری اگلے ہفتے پاکستان آرہا ہے اور وہ یہیں قیام کرے گا۔ اعلان سن کر ثریا بانو مطمئن رہیں انہیں پورا یقین تھا اب کی بار آفتاب کوئی غلط فیصلہ نہیں کرے گا۔ البتہ جانیا پر ڈھیروں حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ ماما' بابا کا اچانک یہ اعلان اس کی سماعتوں میں خطرے کی گھنٹی بجا رہا تھا۔

"ڈیر بہنا... تمہاری تو وکٹیں اڑنے لگ گئیں۔ تمہارا حال تو مجھے پاکستانی کرکٹ ٹیم جیسا معلوم ہو رہا ہے۔ جسے مقابلے سے پہلے بھی مقابلہ درپیش رہتا ہے۔" ثانیہ نے اس کے کان میں کھسر پھسر کی اور سخت قسم کی گھوریوں سے بھی مستفید ہوئی۔

رات جانیا نے شیری کی آمد کی اطلاع شہروز کو دی۔ وہ گہری سانس لیتے ہوئے بولا۔

"آجانے دو اس ولایتی سورمہ کو' بھاگنے کا راستہ اسے ہم دکھائیں گے۔"

"اف! ایک تو تم خیالی پلاؤ بہت بناتے ہو شہروز۔" جانیا چڑ کر بولی۔

"تم کیا مجھے ملا نصیر الدین سمجھ رہی ہو... غلطی کر رہی ہو۔ میں وہ عمرو عیار ہوں جس کی زنبیل میں سارے مسئلوں کا حل موجود ہوتا ہے۔" شہروز واپس اپنی جون میں لوٹ آیا۔ کچھ دیر مزید جانیا سے بات کرنے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آکر بستر پہ دراز ہوگیا۔ دن بھر کی تھکن جانیا کے خبر سناتے ہی اڑنچھو ہوگئی تھی۔ اس پل وہ بے حد سنجیدگی سے آنے والے حالات کے متعلق سوچ رہا تھا۔ جانیا کو تو وہ اپنی باتوں سے بہلا لیتا تھا' مگر یہ شیری کا یہاں آنا اور قیام کرنا غور طلب بات تھی۔ واضح اشارہ تھا کہ جانیا کے والدین اس رشتے کے متعلق بے حد سنجیدہ ہیں۔ وہ چاہتا تو اپنے والدین کو جانیا کے گھر بھیج سکتا تھا' مگر بخوبی جانتا تھا کہ وہ لوٹیں گے تو مایوس ہو کر۔ اس لیے وہ سب سے پہلے اس شخص سے ملنے کا خواہش مند تھا جو اس کے ٹکر پہ کھڑا تھا۔ وہ اب بے چینی سے شیری کی آمد کا منتظر تھا۔

☼ ☼ ☼

ایک ہفتہ چٹکی بجاتے گزرا تھا۔ سلطانہ بیگم نے ماسی کو ساتھ لگا کر پورے گھر کی صفائی کروائی۔ نئے پردے لگوائے' صوفہ سیٹ کا برسوں پرانا کپڑا بدلوایا۔ باورچی خانہ نئے سرے سے سیٹ کروایا گیا۔ رنگ و روغن اور کچھ نئے فرنیچر بھی خریدے گئے۔ شیری کے لیے ایک علیحدہ کمرا سیٹ کیا گیا۔ یہ ساری تیاریاں دیکھ کر جانیا کا منہ دن بہ دن سوکھتا چلا جا رہا تھا۔ ثانیہ اسے مسلسل چھیڑے جا رہی تھی اور ثریا بانو ہر ایک چیز پر نظر رکھنے اور ہر بات سے باخبر ہونے کے باوجود خاموش تھیں۔ آفتاب احمد نے ایک موٹا سا رجسٹر تیار کیا تھا اور نہ جانے اس میں کیا کیا لکھ چکے تھے اور کیا کیا لکھنے والے تھے۔ یعنی کہ ایک عجیب افراتفری والی صورت حال تھی جیسے ملک میں ایمرجنسی نافذ ہوگئی ہو۔

جس دن شیری کی آمد آمد تھی۔ اس دن سلطانہ بیگم نے نئے برانڈڈ شلوار قمیص زیب تن کیا۔ صبح صبح آفتاب احمد نے اپنی گاڑی کی صفائی دھلائی کی اور ــــ ثریا بیگم گھڑی پر نگاہ جمائے صوفے پر ٹک کر بیٹھ گئیں۔ بامشکل پندرہ منٹ گزرے تھے کہ اضطراب کے عالم میں پورے گھر کا چکر لگایا اور پھر صوفے پر ٹک کر بیٹھ گئیں۔ اگلے پندرہ منٹ بعد دوبارہ یہی عمل دہرایا اور پھر صوفے پر آبیٹھیں۔ تیسری مرتبہ چکر کاٹنے اٹھیں تو ثریا بانو ٹوکے بنا نہ رہ سکیں۔

"اری سلطانہ کیوں چکر پہ چکر کاٹی جا رہی ہے۔ ارے ٹک کر ایک جگہ بیٹھ جا۔ تیرے یوں چکر کاٹنے سے وہ کیا نام ہے "جیری" جلدی نہیں آجائے گا۔" سلطانہ نے منہ بنا کر دیکھا اور خفگی سے بولیں۔

"اماں جی جیری نہیں' شیری نام ہے اس کا۔"

"ہاں ہاں! وہی وہی..." ثریا بانو نے ایک نگاہ جانیا اور ثانیہ کے چہرے پر دوڑائی۔ جانیا بے زار اور ثانیہ متجسس بیٹھی تھی۔ اتنے میں اطلاعی گھنٹی بجی۔

"آفتاب آ گئے ہوں گے شیری کو لے کر۔"

سلطانہ بے تابی سے اٹھیں ثانیہ بھی جھٹ ان کے پیچھے لپکی۔ گیٹ کھولا تو سامنے آفتاب احمد پسینے میں بے حال کھڑے تھے۔ سلطانہ نے جلدی سے ان کو آنے کا راستہ دیا۔ اب جو نظر ان کی سامنے پڑی تو حیرت سے منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔ سامنے شیری کھڑا تھا۔ ناریل کے پیڑ کی طرح اونچا اور سوکھا۔ سر کے دونوں اطراف چٹیل میدان تھے اور بیچ سے بل کھاتی سیاہ بالوں کی نہر گزر رہی تھی۔ بائیں کان میں چھوٹی سی بالی اور ابرو کمان کی طرح ترچھی بنی ہوئی تھی قمیص دھنک کی تھی تو پینٹ گھٹنے کے پاس سے پھٹی ہوئی تھی۔ سلطانہ نے پورے تین بار اسے گھور گھور کر سر تا پیر دیکھا۔

"ہیلو سلطانہ آنٹی...!" وہ انہیں مسلسل گھورتا پاکر کھنکارتے ہوئے بولا۔

"اوہ ہاں... ہیلو ہیلو... آؤ اندر آؤ!" سلطانہ گڑبڑا گئیں۔ فوراً" سے راستے سے ہٹیں۔ شیری اندر آگیا۔

"یہ نمونہ ہمارا کزن اور اب ہونے والا بہنوئی ہے۔" ثانیہ سخت صدمے کا شکار تھی ماں کے کان میں گھسی گھسر پھسر کرتے ہوئے بولی۔

"چل چپ کر۔" سلطانہ بیگم نے ڈپٹا اور تیز تیز قدموں سے شیری کے پیچھے لپکیں۔

"ہیلو اولڈ لیڈی!" اندر داخل ہوتے ہی اس نے ثریا بانو کو سلام جھاڑا اور ثریا بانو ہکا بکا سی سر پکڑے بیٹھے آفتاب احمد سے پوچھنے لگیں۔

"اسے کہاں سے اٹھا لائے... آفتاب احمد..."

"ائیرپورٹ سے اماں۔" آفتاب احمد پسینہ ماتھے سے صاف کرتے بے زاری سے بولے۔

"پانی مل سکتا ہے۔" شیری وہیں براجمان ہوتا سب کو دیکھتے ہوئے فرمائش کر رہا تھا۔

"ہائے... پانی مانگ رہا ہے... روزہ نہیں رکھا کیا۔" ثریا بانو نے سر پیٹا۔

"اوہ نو... اولڈ لیڈی... مجھ سے روزہ نہیں رکھا جاتا... اتنی دیر تک میں کھائے پئے بنا نہیں رہ سکتا۔"

وہ صاف انکاری تھا۔ ثریا بانو نے عالم حیرانگی میں آفتاب کو اور آفتاب نے سلطانہ کو دیکھا۔ بے چاری سلطانہ سٹپٹا کر اپنی بھانجی کو حیرت سے تکنے لگیں۔ جانیا کے مرجھائے ہوئے چہرے پر کچھ بہار کھلی۔

"جاؤ سلطانہ... شیری کو اس کا کمرا دکھا دو۔"

آفتاب احمد اس آوارہ بادل کو نظروں سے گم دیکھنا چاہتے تھے۔ "جاؤ بیٹے آرام کرو پانی وہیں مل جائے گا۔" آفتاب احمد کا انداز ایسا تھا جیسے کہنا چاہ رہے ہوں۔ جاؤ بیٹا چہرہ گم کرو۔ "سلطانہ شیری کو لے کر اس کے کمرے کی جانب بڑھ گئیں۔

"تمہاری حالت واقعی پاکستانی ٹیم کی طرح ہے جو اہم میچ ہار رہی ہو اور پھر اچانک ہونے والی بارش اسے بچالیتی ہے۔" ثانیہ نے پھر جانیا کے کان میں گھسر پھسر کی۔ جانیا کے چہرے پر بڑی جاندار مسکراہٹ کھل گئی۔

آفتاب احمد رجسٹر کھولے لکھتے چلے گئے۔

"پہلی ملاقات... انتہائی بری۔"

"شکل و صورت... بامشکل گزارے لائق۔"

"حلیہ... انتہائی بگڑا ہوا۔"

"پہلا تاثر... انتہائی برا۔"

"نجانے آپا نے جو تصویر دکھائی تھی شیری کی وہ ایسی تو نہ تھی۔" سلطانہ کو رہ رہ کر افسوس ہو رہا تھا۔

"پہلے کی دکھائی ہوگی۔ وہ تو بچپن میں بھی ایسا نہ تھا جیسا کہ اب نظر آرہا ہے۔" آفتاب احمد نے آنکھیں موندے موندے جواب دیا۔

"سچ پوچھیں تو مجھے شیری بالکل اچھا نہیں لگا۔ پتا نہیں کیسے آپا کہتی تھیں۔ ہیرا ہے میرا شیری ہیرا۔" سلطانہ نے نقل اتارتے ہوئے کہا۔ آفتاب احمد مسکرادیے۔

"آپ کیا کہتے ہیں... کیا میں آپا کو فون کر کے انکار کردوں۔" سلطانہ شوہر کی جانب کروٹ لیتے پوچھا۔

"نہیں سلطانہ ابھی نہیں۔ کیا خبر بظاہر وہ اتنا اچھا نہ ہو' جتنا وہ دل کا اچھا ہو۔ ابھی تو ہم نے اسے جانا

نہیں۔" آفتاب احمد بہت سوچ کر بولے۔

"کہہ تو صحیح رہے ہیں آپ۔۔۔ ذرا ہمیں شیری کو وقت دینا چاہیے۔" سلطانہ بھی متفق نظر ہوئیں۔

"ایسا کریں۔۔۔ کل اسے مال لے جائیں۔۔۔ بلکہ رکو کل ہم اسے شاپنگ کرانے لے جاتے ہیں۔" آفتاب احمد نے کچھ سوچتے ہوئے سلطانہ سے کہا۔ سلطانہ حیرانگی سے شوہر کو دیکھتی رہ گئیں۔ آفتاب احمد کا نیا روپ انہیں اچنبھے میں ڈال رہا تھا۔

اگلے دن آفتاب احمد کو کسی ضروری کام کی وجہ سے گھر سے جانا پڑا۔ وہ سلطانہ کو شیری کو شاپنگ کرانے کی ہدایت دے کر چلے گئے۔ سلطانہ، ثانیہ اور شیری کے ساتھ مال میں آگئیں۔ شیری نے دل کھول کر مہنگی سے مہنگی شاپنگ کی اور سلطانہ بیگم اپنا سر تھام کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ ہمارے دونوں مسئلے اتنی آسانی سے حل ہوگئے۔ کیا واقعی تمہارا ولایتی کزن گھر میں کسی کو پسند نہیں آیا۔" شہوز کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔

"ارے ہاں ناں کسی کو بھی پسند نہیں آیا۔ یہاں تک کہ ماما کو بھی اپنا بھانجا پسند نہیں آیا۔" جانیہ ہنستے ہوئے بتا رہی تھی۔

"یقین نہیں آرہا یار۔۔۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" وہ ابھی بھی بے یقین تھا۔

"تم اس سے ملے نہیں ناں، ملو گے، دیکھو گے تو خود جان جاؤ گے۔" جانیہ مزے لے کر چھت پر ٹہلتی کہہ رہی تھی۔

"پھر تو ملنا پڑے گا تمہارے ولایتی محبوب سے۔" شہوز نے بھی ہنستے ہوئے کہا۔

"چلو میں اب نیچے جا رہی ہوں، ڈیڈی کو کھانا دینے کا وقت ہو گیا ہے۔" جانیہ کو اچانک خیال آیا تو فوراً رابطہ منقطع کیا۔

"جان۔۔۔ یا!" بہت قریب سے کسی نے اس کے نام کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پکارا تھا۔ وہ چونک کر بے اختیار مڑی۔ سامنے شیری کھڑا تھا۔ سرمئی شارٹس اور سلیولیس نیلی ٹی شرٹ میں وہ بالکل اس کے نزدیک کھڑا تھا۔ سانولا رنگ اندھیرے میں مزید سنولا لگا تھا۔

"چھت پر ہوا کھانے کے لیے آیا ہوں یار۔۔۔ تمہیں کھڑا دیکھا تو پاس آگیا۔ ویسے اب تک تمہیں نزدیک سے دیکھا کبھی نہیں تھا۔ سو آج یہ موقع بھی مل گیا۔" وہ معنی خیز انداز میں کہتا اس کے مزید نزدیک ہوا۔ اس پل وہ کہیں سے بھی پردیس سے آیا بابو نہیں لگ رہا تھا۔ بلکہ گلی محلے کا کوئی لوفر لگ رہا تھا۔ جانیہ نے ناگواری سے اسے دیکھا اور سرعت سے اس کے سامنے سے ہٹ گئی۔

"ویسے مجھے نزدیک سے دیکھنے کی آرزو تمہیں کافی مہنگی بھی پڑ سکتی ہے۔ اس لیے یہاں آئے ہو تو مہمان بن کر رہو۔ زیادہ ہیرو گری تمہیں آنے والے دنوں میں کافی بھاری پڑ سکتی ہے۔" وہ انگلی اٹھائے دھمکی آمیز انداز میں غرائی۔

"ویسے اس انداز میں بالکل جنگلی بلی لگ رہی ہوں۔ آئی لائک وائلڈ کیٹس (اور مجھے جنگلی بلیاں پسند ہیں)" اس دھمکی پر شیری کو چنداں فرق نہ پڑا بلکہ مزید ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ پھر سے اس کے قریب ہوا۔

"کوئی لائیک وائلڈ کیٹس بڑے آئے شاہ رخ خان۔۔۔ شکل دیکھی ہے اپنی یوں لگتا ہے جیسے جالی لیور کو کسی نے توماتجا کر دیا ہو۔ ہونہہ!" اس کی نقل اتارتے، شکل بگاڑتے اچھی خاصی بے عزتی کرتی واپسی کو مڑی کہ اچانک ایک جھٹکے سے اسے رکنا پڑا۔

"ارے جان۔۔۔یا! اتنا تمہیں اسی کوے گنجے جالی لیور کے ہاں ہی ہے یاد رکھنا!" وہ اس کے دوپٹے کا پلو کھینچتے دانت نکوسے چمک رہا تھا۔

"اللہ نہ کرے۔۔۔!" جانیہ نے جھرجھری لی اور ایک جھٹکے سے دوپٹا کھینچتی تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ عقب میں اسے شیری کا واہیات قہقہہ دیر تک سنائی

دیتا رہا۔

٭ ٭ ٭

جانیا' ثانیہ کے ساتھ محلے کی مارکیٹ میں دوپٹے پیکو' اور میچنگ کی چوڑیاں لینے آئی تھی۔ رمضان تیزی سے گزر رہا تھا۔ عید میں دن کم رہ گئے تھے۔ ثانیہ' پیکو کروا رہی تھی۔ اور جانیا قریبی جوتوں کی دکان میں داخل ہو گئی۔ سنہری رنگ کی انتہائی خوب صورت سی نازک سی پمپی اسے بے حد پسند آئی تھی..... مگر قیمت بے حد زیادہ تھی۔ وہ مایوسی سے واپس مڑی' اگلے ہی لمحے اسے چند قدم پیچھے ہٹنا پڑا..... شہروز مسکراتا عین اس کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ یہاں دوست کے ساتھ آیا تھا۔ مگر جانیا کو دیکھ کر اپنی شاپنگ چھوڑ کر وہ اس طرف آگیا۔ کتنے دنوں بعد وہ اسے دیکھ رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح وہ اسے بے حد پیاری لگی۔

"تمہیں یہ پمپی پسند ہے ناں....." شہروز نے پوچھا اور اس کے جواب کا انتظار کیے بنا فوراً" وہ پمپی خرید لی۔

"یہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ۔" پمپی کا بیگ اس کی طرف بڑھاتا وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

"میرا اصل تحفہ تو تم ہو..... نہ جانے تم کب ملو گے مجھے شہروز۔" وہ اداس ہوئی۔

"فکر نہیں کرو..... بہت جلد ملیں گے ہم۔ مجھے یقین ہے اپنے رب پر جانیا۔" وہ پر یقین تھا۔ جانیا نے اسے شیری کی بدتمیزی کے بارے میں بھی بتایا۔ ثانیہ کو ابھی چند اور چیزیں لینی تھیں۔ تب تک جانیا شہروز کے ساتھ آئسکریم پارلر میں آگئی۔ وہ دونوں کی بدقسمتی تھی کہ سامنے سڑک پر گاڑی سے گزرتے آفتاب احمد کی نگاہیں ان دونوں پر ٹھہر کر رہ گئیں۔ چہرہ مارے غصے کے تمتما اٹھا۔ طیش کے عالم میں گاڑی گھر کی طرف واپس موڑی۔ اور سیدھے ثریا بانو کے کمرے میں جا پہنچے۔

"اماں..... آپ نے شہروز کے رشتے کا ذکر کیا تھا۔ سچ سچ بتائیں کس کے کہنے پر کیا تھا۔" انتہائی طیش میں وہ ماں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے۔ ایک سے دو مرتبہ پوچھنے پر پہلے تو ثریا بانو نے ٹال مٹول کیا پھر سب کچھ سچ سچ بتا گئیں۔ پھر دریافت کیا کہ آخر ہوا کیا ہے؟ آفتاب احمد نے کھولتے خون کے ساتھ کچھ دیر قبل دیکھا گیا نظارہ ماں کو کہہ سنایا۔

"دیکھ آفتاب تجھے پہلے بھی سمجھایا تھا۔ اب بھی کہہ رہی ہوں۔ جب شہروز کی صورت اچھا خاصا رشتہ موجود ہے تو کیوں اس شیری نامی عجوبے کو آزماتا پھر رہا ہے۔ خود بتا کیا شیری ہماری جانیا کے قابل ہے۔ کسی طور پر بھی نہیں۔ شہروز کے گھر والے اب بھی رشتہ لے کر آنے کو تیار ہیں۔ اب تو تم جان بھی چکے ہو کہ تمہاری بیٹی بھی پسند کرتی ہے۔ پھر رشتہ طے کرنے میں کیا قباحت ہے۔ تم دونوں بچوں کو جائز رشتے میں باندھ دو تو وہ حدود سے باہر قدم کیوں رکھیں گے۔ اور خود دونوں بچے بھی تو یہی چاہتے ہیں۔ مجھے اپنی بچی پر یقین ہے وہ غلط اطوار کی مالک نہیں' نہ ہی شہروز ایسا لڑکا ہے۔ جب سب کچھ بہترین طور پر اللہ نے تمہارے سامنے لا کھڑا کیا ہے اور پھر بھی جانتے بوجھتے تم انجان بنو۔ تو غلطی تو تمہاری ہے ناں آفتاب۔" ثریا بانو نے بڑے رسان سے انہیں سمجھایا۔

"آپ کی سب بات ٹھیک ہے اماں مگر جانیا نے میرے اعتبار کا خون کیا ہے۔ سزا تو اسے مل کر رہے گی۔ اور آپ بیچ میں کچھ بھی نہیں کہیں گی۔" آفتاب احمد نے دو ٹوک انداز میں کہا اور ثریا بانو کچھ نہ کہہ سکیں۔

٭ ٭ ٭

اگلے دن آفتاب احمد نے جانیا کے سامنے سلطانہ اور ثریا بانو کو مخاطب کرتے ہوئے جانیا اور شیری کا رشتہ طے کرنے کا فیصلہ کیا۔ ثریا بانو نے بیٹے کو تاسف سے دیکھا۔ سلطانہ خود حیران و پریشان تھیں۔ جبکہ جانیا کا چہرہ لٹھے کے مانند سفید ہو گیا۔ آفتاب احمد نے ایک نگاہ جانیا پر ڈالی اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ ثریا بانو نے جان سے عزیز پوتی کو بانہوں میں

بھرلیا۔ سلطانہ الجھی بیٹھی رہیں۔ میاں جی کا فیصلہ خلاف توقع تھا۔ ثانیہ جوش میں اٹھی اور شیری کے کمرے میں جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی۔

"اس فساد کی جڑ کو تو میں آج ہی نکال باہر کرتی ہوں۔" وہ مٹھی بھینچتے تن فن کرتی شیری کے کمرے کے دروازے کے باہر جاکھڑی ہوئی۔ اس سے قبل کہ وہ دروازے پر دستک دیتی۔ اندر سے آنے والی آواز نے اس کے ہاتھوں کو دستک دینے سے روک دیا۔

"ارے اماں' میں نے ایسے ایسے نخرے دکھائے ہیں کہ خالہ اور اس کی بڑھیا ساس اچھی طرح سمجھ چکی ہیں کہ میں کینیڈا پلٹ ہوں۔ ویسے اماں امریکہ میں صرف سات مہینے رہنے سے ہی رشتہ داروں پر رعب بن جاتا ہے۔" شیری اپنی بات پر خود ہی مزے لیتا ہنس رہا تھا۔

"ویسے اماں آپ نے بھی خوب خبر بنائی۔ فیشن ڈیزائنر' فلانا فلانا.... اور میری پرفارمنس بھی ایسی اعلا کہ کیا کہوں۔ خالہ تو میرے آدھے اڑے بال اور پھٹی جینز سے ایسی مرعوب ہوئیں کہ پچیس ہزار کی شاپنگ اب تک کرا چکی ہیں۔ اور میرا کمرا ابھی خوب سیٹ کروایا ہے۔ ایئر کنڈیشن وغیرہ سب لگوایا ہے۔ سارا دن ٹھنڈی ہوا میں بیٹھا رہتا ہوں۔"

"بس اماں تم ایسے ہی ہر دوسرے دن فون کرکے خالہ کو کینیڈا میں میرے عیش و عشرت کے قصے سناتی رہنا۔ کسی صورت پتا نہ چلنے دینا کہ میں وہاں ٹیکسی چلاتا ہوں۔ اور ہاں اب نکاح کرنے پر زور ڈالنا' کاغذات کا مسئلہ بیچ میں لے آنا۔ خالہ کے پاس بہت پیسہ ہے۔ بس کنجوس دونوں میاں بیوی اتنے ہیں کہ پتا نہیں چلنے دیتے۔ بس ایک مرتبہ مرغی ہاتھ آجائے' پھر سارے پیسے نکلواتے رہیں گے ہم ماں بیٹا۔ ویسے ایک بات تو ماننی پڑے گی اماں' ابا کے دوست نے ابا کو' خالو کے بینک' بیلنس جائیداد کے حوالے سے بڑی پکی خبر دی تھی۔ میں نے خود بھی یہاں رہ کر سب کچھ معلوم کروایا ہے۔ ارے بابا میرے کچھ دوست یار' یہاں کراچی میں بھی ہوتے ہیں۔" شیری اپنی دھن میں سارے راز فاش کرتا جارہا تھا جبکہ باہر کھڑی ثانیہ کا چہرہ لال بھبھوکا ہوتا جارہا تھا۔ اس نے "آنا" "فانا" جاکر سلطانہ کو من و عن ساری بات بتائی۔ سلطانہ تو دم بخود رہ گئیں۔

"نہیں آج ہی آپا کو کھری کھری سناتی ہوں کال کرکے۔" سلطانہ نے کہا اور پھر کرکے بھی دکھایا۔ وہ خبر لی ریحانہ آپا کی ان کی سٹی گم ہوگئی۔ اور شیری بھیگی بلی کی طرح شرمندہ شرمندہ سا واپس اسلام آباد بھاگا۔

گھر میں اتنے دنوں سے پھیلی افراتفری ختم ہوئی۔ وہ سب ہی سکون میں آگئے۔ سب سے زیادہ پرسکون جانیا تھی۔

"ویسے بن سچ سچ بتاؤ تم کون سے تعویز گنڈے کرواتی ہوں جو تم یہ آئی مصیبت' آنے سے پہلے ہی ٹل جاتی ہے۔" ثانیہ چٹر چٹر پکوڑے کھاتی بول رہی تھی۔ وہ دونوں افطاری کے بعد چھت پر ٹہل رہی تھیں۔

"ارے پگلی یہ تعویز گنڈے نہیں' میرے نیک اعمال ہیں...." جانیا نے ایک ادا سے کہا۔

"یہ تیرے نیک اعمال نہیں' تیری دادی کی دعائیں ہیں پوتی رانی جو تجھے ہر مصیبت سے بچالیتی ہیں۔" ثریا بانو کب چھت پر آکر ان کے عقب میں آکھڑی ہوئیں۔ دونوں کو ہی معلوم نہ ہوسکا۔

"دادی ماں.... اب تو آپ میری نیا پار کروادیں.... بابا شہوز کا رشتہ ماما' بابا کے سامنے دوبارہ رکھ دیں....." جانیا دادی کو سامنے پاکر خوشی سے پھیلی اور پھر اپنی عرضی پیش کی۔

"پریشان نہ ہو' کرتی ہوں کچھ میری پوتی رانی...." ثریا بانو نے اس کا ماتھا چومتے ہوئے کہا۔

"دادی ماں آپ ذرا جانیا سے فارغ ہوجائیں پھر ذرا میرے مسئلے مسائل پر توجہ دیجیے گا۔" ثانیہ چہکی ثریا بانو اور جانیا دونوں حیران ہوئیں۔

"ہائے تیرے کون سے مسئلے مسائل ہیں لڑکی۔" ثریا بانو نے منہ پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"ارے کوئی ایک ہو تو بتاؤں ناں۔ سب سے پہلے

تو میرے امتحانات، پھر ابھی عید پر مجھے من چاہی سینڈل نہیں مل رہی۔۔۔ بس آپ کی جادوئی دعا اور پیار بھری جپھی مل جائے تو سارے مسئلے دور ہو جائیں۔"
ثانیہ نے بڑی معصومیت کے ساتھ اپنے مسائل گنوائے۔ دادی کو بے ساختہ اپنی پوتی پر پیار آیا۔ وہ ہائے میری بچی کا نعرہ لگائے اسے پیار بھری جپھی دینے لگیں۔ ان کی جان ان دونوں پوتیوں میں ہی تو مقید تھی۔

☼ ☼ ☼

آج چاند رات تھی۔ جانیا مسلسل شہوز سے بات کرنے کی کوشش میں کال ملائے جا رہی تھی۔ شہوز نے اسے بتایا تھا کہ اس کے والد جلد ہی جانیا کے والد سے ان دونوں کے رشتے کے سلسلے میں بات کریں گے۔ اس کے بعد شہوز نے کوئی رابطہ نہ کیا۔ اس نے آفتاب احمد کے رویے سے بھی اندازہ لگانا چاہا مگر ناکام رہی۔ آخر بے بس سی وہ نیچے برآمدے میں آبیٹھی۔
کچھ ہی دیر بعد آفتاب احمد تراویح پڑھ کر گھر آگئے۔ اختتام تراویح تھی۔ مبارک سلامت کے بعد آفتاب احمد نے جانیا کا رشتہ طے کرنے کی خوش خبری سنائی۔
"ارے بھئی کون لوگ ہیں۔ کس سے بچی کی بات پکی کی ہے۔" سلطانہ بوکھلائیں۔
"بھئی میرے بہت عزیز دوست ہیں۔ ان کا بیٹا ہے۔ جولو۔ بہت بہترین اخلاق و کردار کا مالک، مالی طور پر بھی مستحکم بہت اچھا بچہ ہے۔ کل آرہے ہیں وہ لوگ رسم کرنے خود مل کر تسلی کر لینا۔" آفتاب احمد تفصیل بتاتے ہوئے مسکرائے۔ جانیا کے چھکے چھوٹ گئے، ہاتھ پیر پھول گئے۔
"حد کرتے ہیں کل ملنے کے لیے بلا لیتے، رسم کی کیا ضرورت تھی۔" سلطانہ نے سوال کیا۔
"بس میں اپنی بیٹی کی رسم عید کے مبارک دن ہی کروں گا یہ میں نے طے کر رکھا تھا۔" جانیا کو ساتھ لگاتے وہ بغور اس کے پیلے پڑتے چہرے کو دیکھ کر بولے۔
"آپ بھی ناں بس۔۔۔ حد کرتے ہیں۔۔۔" سلطانہ اتنا ہی کہہ سکیں۔

☼ ☼ ☼

جانیا واپس کمرے میں آکر ایک بار پھر کال ملانے لگی۔ بڑی دیر بعد شہوز کی آواز سنائی دی۔ مگر بے حد نڈھال جیسے برسوں سے بیمار ہو۔
"تمہیں کیا ہوا ہے۔" وہ پریشان ہوئی۔
"جانیا میرا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ میں اسپتال میں ہوں بہت تکلیف میں ہوں۔ بہت مشکل سے بات کر رہا ہوں۔" وہ کراہتے ہوئے بول رہا تھا۔ جانیا کا دل دھک سے رہ گیا۔ یہ آن کی آن میں کیا ہونے لگا اس کے ساتھ۔ اس کا رشتہ طے کیا جا رہا تھا۔ اور ادھر شہوز اسپتال میں زخمی تھا۔
"شہوز، بابا نے میرا رشتہ طے کر دیا ہے۔ وہ کل میری رسم کر رہے ہیں۔ اب کیا ہوگا۔ شہوز۔" وہ رو دی تھی ہوئی۔
"جانیا پلیز تم اپنے بابا کو سمجھاؤ۔ بس چند دن اور میں ٹھیک ہوتے ہی خود آؤں گا ابو کے ساتھ۔ پلیز جانیا۔ تم روک لو۔ بس چند دن اور۔۔۔" وہ کراہتا ہوا التجا کر رہا تھا۔ رابطہ اچانک منقطع ہو چکا تھا۔۔۔ جانیا وہیں بیٹھ کر رونے لگی۔ وہ اب کیا کرے کوئی راستہ نظر نہیں آرہا تھا۔ ثانیہ اس کے ساتھ ہی تھی ساری صورت حال جان کر وہ خود بھی پریشان ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

عید کی نماز پڑھتے ہی سب کو عید کی مبارکباد دینے کے بعد آفتاب احمد ثریا بانو کے کمرے میں آگئے۔
"عید مبارک اماں۔"
"آفتاب تو کیوں دل دکھا رہا ہے میری بچی کا۔۔۔" ثریا بانو سخت خفا تھیں ان سے۔
"اس نے میرے اعتبار کا خون کیا ہے اماں۔ اسے معاف نہیں کروں گا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولے۔
"وہ بچی ہے، نادان ہے۔ معاف کر دے اسے۔ اس کی خوشیوں کا خون کر کے دم لے گا کیا۔ کیسا باپ ہے تو آفتاب۔" ثریا بانو کو بیٹے کی ضد پر غصہ بھی آرہا تھا اور افسوس بھی ہو رہا تھا۔

"ماں باپ زیادہ بہتر جانتے ہیں کہ اولاد کی خوشی کس میں ہے۔" آفتاب احمد نے ہمیشہ کی طرح دوٹوک بات کہہ کر بحث ختم کردی۔

عصر کے وقت اطلاعی گھنٹی بجی۔ آفتاب احمد نے دروازہ کھولا۔ مہمان آفتاب احمد کے ہمراہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئے۔ ثریا بانو کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔

"ارے آپا اتنی حیران کیوں ہیں۔۔۔ دیکھو آج ہم مل گئے ناں۔" تائی نے آگے بڑھ کر ثریا بانو کو گلے لگایا۔۔۔ سلطانہ، منورہ بیگم سے خوش اخلاقی سے مل رہی تھیں جبکہ آفتاب احمد، شاہد صاحب اور شہوز کو تشریف رکھنے کی دعوت دے رہے تھے۔

ثانیہ نے جانیا کو آج بڑا دل لگا کر تیار کیا تھا۔ بادامی آنکھوں میں خوب بھر بھر کر کاجل تھوپا۔ یہ موٹا آئی لائنر کنپٹی کو بوسہ دے رہا تھا۔ گالوں پر لالی یوں پھیلی تھی جیسے کسی نے رخسار پر تھپڑوں کی بارش کی ہو۔ گلاب کی پنکھڑی جیسے ہونٹ اپنے حدود اربع سے نکل کر پھیل کر گینڈے جیسے موٹے بھدے ہو چکے تھے جن پر سرخ بھڑکتی لپ اسٹک جمی ہوئی تھی۔ تیل میں چپڑے بالوں کو سیدھی مانگ نکال کر چوٹی میں گوندھا گیا تھا۔

اچھی بھلی جانیا اس وقت ماسی مصیبتے کا روپ دھار چکی تھی۔ ثانیہ نے بڑے سلیقے سے گھونگھٹ ٹھوڑی تک ڈالا اور پھر ہاتھ تھام کر نیچے ڈرائنگ روم میں لے آئی۔ وہاں بیٹھے مہمانوں کو دیکھ کر اس کی چیخ نکل گئی۔

"جانیا تیرا حال واقعی پاکستانی کرکٹ ٹیم والا ہے جو کسی بھی طرح سارے مشکلات جھیل کر فائنل تک رسائی حاصل کرتی ہے اور پھر فائنل میں منہ کی کھاتی ہے۔" ثانیہ نے جانیا کے کان میں کھسر پھسر کی۔

"کیا بک رہی ہو۔۔۔ آخر کیا ہوا ہے۔" جانیا جھنجلائی۔

"کچھ نہیں میری بہن بس صبر۔۔۔ صبر کرو۔" ثانیہ نے تسلی دی اور جا کر مہمانوں کے بیچوں بیچ بٹھا دیا۔ اور خود سائیڈ میں جل تو جلال تو کا ورد کرنے لگی۔ رسم کے لیے شہوز کو ساتھ بٹھایا گیا۔ بڑوں کے کہنے پر گھونگھٹ شہوز نے اٹھایا۔ وہ سب مسکراتے ہوئے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے کہ اچانک فضا میں چیخ ابھری۔

"ہائے اللہ۔۔۔" گھونگھٹ سے نسوانی چیخ بلند ہوئی۔

"ہوئی ماں۔۔۔" شہوز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ سب لوگ ہکا بکا رہ گئے۔ یہ کیا ہوا۔ جانیا گھونگھٹ پلٹ کر پریشان سی سب کو دیکھنے لگی۔ ڈرائنگ روم میں موجود تمام افراد کی چیخ نکل گئی۔

"ہائے پونی رانی۔۔۔ یہ تجھے کیا ہو گیا۔" ثریا بانو ہول گئیں۔ تب آفتاب احمد نے سارا معاملہ کھول کر رکھ دیا۔ آفتاب احمد نے جانیا کا ہاتھ شہوز کے ہاتھ میں تھمایا۔ شہوز نے جانیا کی مخروطی انگلی میں انگوٹھی پہنائی پھر جانیا نے انگوٹھی پہنائی۔ اس دوران شہوز نے دوبارہ جانیا کے مکھڑے کی جانب دیکھنے سے پرہیز کیا۔۔۔ وہ یہ جانتا تھا کہ جانیا بے خبر ہے کہ اس کا رشتہ شہوز کے ساتھ پکا ہو رہا ہے۔ آفتاب احمد نے اس کو ہلکی سی سرزنش کے ساتھ ساتھ جانیا کو بے خبر رکھنے کی بھی ہدایت کی تھی۔ تب ہی کل رات اس نے ایکسیڈنٹ کا ڈرامہ کیا تھا۔ مگر اتنے ڈراموں کے بعد اسے جانیا کی طرف سے ملنے والے اس ڈرامائی سین کی امید نہ تھی۔

"شکر ہے جانیا تیری نیا پار لگی۔۔۔" ثانیہ نے مبارکباد دیتے ہوئے سرگوشی کی۔ ساتھ ہی ان دونوں کی تصویر بھی کھینچ ڈالی۔ تصویر کچھ عجیب تھی مگر یادگار رہتی۔ شہوز نے دل پر پتھر رکھ کر محبت بھری نگاہوں سے جانیا کو دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ جو بھی تھی، جیسی بھی لگ رہی تھی مگر اس کی زندگی تھی۔۔۔ اور زندگی مسکرا رہی تھی۔ وہ بھی مسکرا اٹھا۔ ان کی محبت کہانی آخر کئی رکاوٹوں کے بعد آج تکمیل کو پہنچی۔۔۔ پیار کی رت دونوں بانہیں وا کیے۔ ان دونوں کی منتظر تھی۔

☆ ☆

عائشہ تنویر

"ارے بیٹا' والدین نے پڑھنے بھیجا ہے تو دل لگا کر پڑھنا' تایا کے نقش قدم پر نہ چل پڑنا۔" خالہ بی کی باٹ دار آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی تو یہ کیسے ممکن تھا کہ سامنے بیٹھے حرا کے تایا عاقل احمد مستفید نہ ہوتے۔ بری طرح جلبلا کر انہوں نے خالہ بی کو گھورا تھا اور روئے سخن حرا کی طرف کیا۔

"خالی خولی ڈگریوں کے ڈھیر جمع کرنے سے بات نہیں بنتی' اخلاق اعلا رکھنا بٹیا' والدین کی تربیت پر بٹا نہ لگانا' کل کو لوگ بولیں' والدین نے کیا سکھایا؟" انہوں نے بھی ٹکا کا جواب دیا تھا۔

آخر خالہ بی صرف ان کی زوجہ کی ہمشیرہ ہی نہیں بلکہ سگے چچا کی بیٹی اور بچپن سے کلاس فیلو رہی تھیں۔ ہم عمر ہونے کی وجہ سے دونوں کا ہر جگہ مقابلہ ہوتا اور کوئی ہار ماننے کو تیار نہ ہوتا' آخر دونوں کو خاندان میں پہلا پوتا' پوتی ہونے کا اعزاز جو حاصل تھا۔

خود خالہ بی نغمانہ بیگم' اپنے وقتوں کی گولڈ میڈلسٹ' اور خاندان کی پہلی لڑکی' نازوں پلیں' لاڈوں کھیلیں اور وہ عاقل احمد فیل ہونے والے طالب علموں میں سے تھے۔ اللہ جانے یونیورسٹی تک کیسے جا پہنچے۔

پھر دوسری بے وقوفی یہ کہ دل لگایا بھی تو خالہ بی کی چھوٹی بہن شائستہ بیگم سے' جوان کے چمن میں گل کھلانے آتو گئیں لیکن ساتھ اتنا بڑا کانٹا خالہ بی کے نام کا بھی تھا۔ جو ہر دوسرے روز ان کے گھر آموجود ہوتیں اور بچپن وجوانی کے طعنے دینا نہ بھولتیں۔ اگر بیوی کا ہی رشتہ ہوتا تو وہ ان کی اپنے گھر آمد کب کی بند کر چکے ہوتے لیکن وہ تو دھڑلے سے اپنے دادا کے آبائی گھر آتی تھیں۔ ابھی بھی تایا جی کا وار طنزیہ مسکراہٹ سے سنا اور استہزائیہ بولیں۔

"لو اور سنو' نصیحت بھی وہ کریں ہیں جو خود ساری عمر والدین کا نام ڈبوتے رہے' خیر اچھی بات تو جہاں سے ملے پلو سے باندھ لو' آخیر عمر میں ہی سہی لیکن عاقل احمد کو کچھ عقل تو آئی۔"

"خالہ بی آپ کباب لیں ناں' میں نے چچی کی ترکیب سے بنائے ہیں۔" نقص امن کے ڈر سے تایا کے جواب سے پہلے ہی حرا جلدی جلدی بولنے لگی' چچی بھی ابھی تک نہ آئی تھیں پڑوس سے' ورنہ حرا کو کم از کم اتنی ٹینشن نہ ہوتی' وہ خود سنبھال لیتیں۔

سعودیہ سے تعلیم کی غرض سے یہاں آئے اسے سال ہو گیا تھا لیکن اب تک ان معرکوں کی عادی نہ ہوئی تھی جو باقی سب کے لیے فل تفریح تھے۔

"تم نے بنائے ہیں تو اچھے ہی ہوں گے اور شائستہ تو یوں بھی بہت عمدہ کھانا بناتی ہے' بڑی گنوں والی بہن ہے میری' بس خاندان کے نام پر پہلوئے حور میں۔۔۔۔" آرام سے کباب کھاتے حرا کو سراہتے بھی وہ عاقل احمد کو نہ بھولی تھیں۔ بس اتنا لحاظ کر لیا کہ محاورا پورا نہ کیا۔ لیکن اتنا جملہ بھی عاقل احمد کے نتھنے پھلانے کو کافی تھا۔

"گن تو واقعی بہت ہیں ہماری بیگم میں' خوش اخلاق' سلیقہ مند' نرم دل' میٹھی زبان۔۔۔۔ ورنہ جیسی بچپن سے ان کی صحبت رہی گھمنڈی' تیز مزاج' پھوہڑ

بہن ہمیں تو ڈر ہی رہا کہ بہن پر نہ چلی جائیں۔" تایا جی نے بھی دل کے پھپھولے پھوڑے اور کیا خوب پھوڑے لیکن شکر ہوا کہ اسی وقت شائستہ بیگم آ گئیں اور آتے ہی ماحول کی گرمی محسوس کر کے حرا اور میاں جی کو ٹہلایا۔

"وہ حرا کا جو پارسل آیا تھا' وہ دے دیں اور قریشی صاحب سے مل لیں مسجد کے جنریٹر میں مسئلہ ہے تو بلا رہے تھے۔" علاقے کی مسجد کے انتظام و انتصرام پر وہ دل کھول کر خرچ کرتے تھے بیگم کی بات سن کر وہ فوراً" نکلے' حرا اپنا پارسل لے کر بیٹھ گئی اور خالہ بی پھر شروع ہو گئیں۔

"اللہ جانے آج کل لوگ بنا دیکھے کیسے چیزیں خرید لیتے ہیں۔ ہمیں تو تسلی نہیں ہوتی' اسد نے منگوائی پینٹیں' جگہ جگہ دھاگے نکلے' رنگ اڑے' پھٹی ہوئی پینٹیں میں نے کہا اس سے اچھی تو وہ ہیں جو نکال رہے ہو' کہنے لگا فیشن ہے اماں' لو میں بولی چار دن گھٹنوں کے بل بیٹھ کر رگڑ رگڑ کر پوچا دیتا تھا' گھر بھی صاف ہو جاتا تمہارا فیشن بھی مفت میں ہو جاتا۔" اب وہ اپنے مخصوص انداز میں بہن کو قصہ سنا رہی تھیں۔ حرا نے بمشکل ہنسی ضبط کی تھی۔

☼ ☼ ☼

رازی اپنے لنگوٹیے یار انس کے گھر کے باہر کیاری پر ٹکا بیٹھا تھا۔ شکل ویسے بھی گزارے لائق ہی تھی لیکن اس وقت جو بارہ بجے تھے اس سے تو اور ہونق لگ رہا تھا۔

"مسئلہ کیا ہے آخر؟" انس نے اکتا کر پوچھا تھا۔

"رمضان کا چاند نظر آ گیا ہے۔" اس نے سوال گندم جواب چنا کے مصداق منہ کھولا۔

"تو تو آزاد ہے نا پھر کیا ٹینشن۔" انس نے طنز کیا جو رازی نے کمال صفائی سے ان سنا کیا۔

"اس عید پر مجھے لازمی منگنی شدہ ہونا ہے کیونکہ میرے ابا حضور بھی اس عمر میں چاند رات کو منگنی شدہ ہو گئے تھے۔"

"یہ تو خوشی کی بات ہے تیرے ابا کو اتنی فکر ہے ادھر ہم ہیں کسی کی منگنی کا لڈو کھالیں تو ابا طنز کرنے لگتے ہیں۔" انس ابا سے متاثر ہوا تھا۔

"تو اوئے کیا اچھی بات ہے اس میں کہتے حرا سے منگنی کرلو چچا کی بیٹی ہے ہم نے بھی چچا کی بیٹی سے ہی کی تھی ورنہ اپنی پسند بتاؤ لیکن فوراً" ابھی منگنی کرنی ہے پہلے بتایا ہوتا تو میں کسی کو نظر میں بھی رکھتا ساری عمر تو بنا بہن جی کے کسی لڑکی سے بات نہیں کرنے دی اور اب۔" رازی پھٹ پڑا۔

"تو جب نہیں کوئی پسند تو کرلے چچا کی بیٹی سے۔" انس نے اپنی دانست میں حل نکالا۔

"اسے اسد پسند کرتا ہے جان سے مار دے گا مجھے ایسی کوئی بات تو سوچی بھی نہیں تھی۔ اب اس کا نام بھی کہیں آیا تو ابا اور خالہ نے الگ محاذ کھڑا کر لینا ہے۔" رازی نے خالہ بی کے بیٹے کا نام لیا اور انس ٹھنڈی سانس لے کر رہ گیا۔ وہ بچپن کا دوست تھا اس کے ابا خالہ بی اور ان کے معرکوں سب سے واقف تھا۔

"چل بازار چلتے ہیں شاید کوئی لڑکی مل جائے۔" رازی ایسے بولا جیسے لڑکی نہ ہوئی کوئی چیز ہو گئی۔

"تو اوئے لڑکیاں تاڑنے جائے گا کچھ حیا کر رمضان شروع ہو گئے ہیں۔" انس بدکا۔

"پتا ہے مجھے کتنا شریف ہے پور اسال یوں ہی میں کیا کرتا ہے۔" رازی نے طعنہ مارا۔

"وہ تو شیطان بہکاتا ہے لیکن رمضان میں اپنے سر ایسا گناہ نہیں لینا مجھے۔" انس آرام سے سارے سال کے گناہ شیطان کے سر ڈال بری الزمہ ہوا شیطان اگر قید نہ ہوتا تو ضرور ایک جوتا اسے لگاتا کہ اتنا تو میں نہیں بہکاتا جتنی تیری نیت خراب ہے۔ رازی تپ کر کھڑا ہوا سیاسی رہنماؤں کی طرح ہاتھ لہرا کر ابھی تقریر کا آغاز کرنا ہی چاہتا تھا کہ ایک قیامت آگئی۔

"اووففف۔" دھن دھن کی آواز کے ساتھ لڑھکتا وہ بہت بڑا پتیلا تھا جو سیدھا رازی کی قدم بوسی کو حاضر ہوا تھا۔ پتیلا اتنا بڑا اور وزنی تھا کہ رازی کا پاؤں بری طرح کچلا گیا وہ بے اختیار پاؤں ہاتھ میں پکڑ کر ایک ٹانگ پر ناچنے لگا۔ لیکن اتنی سریلی چیخ یہ رازی کی آواز کو کیا ہوا۔ انس نے حیرت سے ناچتے رازی پر نظر ڈال کر چیخ کا ماخذ دریافت کیا۔ کھلے دروازے میں کھڑی رعنا آنکھیں بند کیے کانوں پر ہاتھ رکھے پوری تندہی سے چیخنے میں مصروف تھی۔ سیڑھیوں والا یہ چھوٹا دروازہ اوپر کا راستہ تھا ان کے کرائے داروں کا وہ برابر میں مین گیٹ استعمال کرتے تھے۔ قصہ کچھ یوں تھا سامنے والی آنٹی نے رعنا کو فون کیا کہ اپنے چھوٹے بھائی کے ہاتھ بڑا پتیلا بھجوا دو اب چھوٹے بھائی علی صاحب چھوٹے ضرور تھے لیکن رعنا کے کہنے میں نہ تھے وہ گلی میں کھیل چھوڑ کر آنے کو تیار نہ ہوئے تو رعنا نے خود ہمت کی اوپر سے نیچے تو آگئی لیکن ایک ہاتھ سے بھاری بھرکم پتیلا سنبھال کر دروازہ کھولنے لگی تو توازن بگڑ گیا اور رازی کے پاؤں کی شامت آگئی۔

"آپ کو زیادہ لگا تو نہیں نا اوہ سو سوری۔" چیخ میں وقفہ دے کر رعنا اب رازی سے گھبرا کر معذرت کر رہی تھی۔

"جی کوشش تو آپ نے پوری کی تھی لیکن بچ گیا میں۔" رازی نے جلبلا کر جواب دیا۔ معذرت کا ایسا جواب سن کر رعنا کا بھی دماغ گھوما۔

"تو آپ کو کس نے ہمارے گھر کی چوکیداری پر رکھا ہے جو دروازے میں جمے تھے۔" رعنا کی چیخ پر گلی کے سارے بچے بشمول اس کے بھائی کے جمع ہو چکے تھے۔

"انس بھائی آپ کے سامنے یہ لڑکا میری بہن سے بدتمیزی کر رہا ہے اور آپ کھڑے دیکھ رہے ہیں۔ پڑوسیوں کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں۔ سات گھر تو ڈائن بھی چھوڑ دیتی ہے۔" علی صاحب بہن سے سات ہاتھ نہیں سات فرلانگ آگے تھے خاموش

تماشائی بنے انس کو ایسا لتاڑا کہ وہ بلبلا اٹھا۔ اس سے پہلے کے وہ کوئی جواب دیتا دوسرے بچے نے زبان کھولی۔

"ہاں تو ڈائن میں ہوتی ہوں گی ناں اخلاقیات' دیو' بھوت تو ایسے ہی ہوتے ہیں۔" سارے بچے اسٹار پلس کے تربیت یافتہ لگتے تھے۔

"چپ کرو تم سب۔" انس دھاڑا تھا لیکن اس کی دھاڑ سے کوئی متاثر نہ ہوا۔

"آپ کا دوست ہمارے محلے کی لڑکی کو لائن مار رہا ہے اور آپ ہمیں ہی چپ کرا رہے ہیں۔" انڈین فلموں کے کسی جذباتی ہیرو کا جواب آیا۔

بارہ' چودہ سال کے ان بچوں کی کتر کتر چلتی زبانیں' ان کا ذخیرۂ الفاظ خود روما کو ششدر کیے ہوئے تھے۔ وہ تو یوں محو تھی جیسے کوئی اسٹیج ڈرامہ دیکھ رہی ہو۔ جبکہ اپنے کردار پر یہ حملہ رازی کو بھڑکا گیا۔

"ہم کچھ نہیں مار رہے' تمہاری بہن ہی مار رہی ہے' کبھی برتن' کبھی طعنے۔"

"زبان سنبھال کر' ہمارے دروازے میں کھڑے ہمیں ہی دھمکا رہے ہیں۔ شریف لڑکے یوں گلیوں' تھڑوں میں نہیں بیٹھے ہوتے' انس بھائی کا لحاظ کر رہی ہوں' ورنہ ڈائریکٹ انکل کو شکایت کرتی' اور تم لوگ بھی یہ فضول ڈائیلاگ بازی بند کرو اور یہ پتیلا سیما آنٹی کے گھر پہنچاؤ۔" روما نے باری باری رازی اور بچوں کو گھور کر سنایا اور دروازہ زور سے بند کرتی اوپر اپنے گھر چلی گئی۔ بچوں نے مشترکہ ہنسی کے ساتھ انہیں دیکھا تو رازی نے الٹا ہاتھ گھمایا۔

"اوئے جاتے ہو دوں الٹے ہاتھ کا' چلی گئی تمہاری باجی' نکلو یہاں سے۔" بچے منہ چڑاتے جا رہے تھے ماحول کی گرما گرمی دیکھ کر انس رازی کو اندر لے آیا تھا۔

"ابھی بنا ہے تیرا ڈرائنگ روم' پہلے نہیں اندر لا سکتا تھا' منہ پر لوفر بول گئی۔" رازی اندر آکر انس پر الٹ پڑا۔

"غلطی تیری ہے' اس نے سوری کہا تو او کے کہتا' بات ختم ہو جاتی لیکن تو نے اپنے ابا کا غصہ نکالنا شروع کر دیا' سارے محلے کے بچوں کو ٹیوشن پڑھاتی ہے۔ سب نے آنا ہی تھا۔" انس نے بھی اس کی طبیعت صاف کی اور ابا کے نام پر اسے دوبارہ اپنی پتا یاد آئی۔

"ہائے میرے ابا' انہیں بھی جلدی پڑ جاتی ہے' مجھے ڈر یہ ہے کہ جلدی میں کوئی ایسا ویسا فیصلہ نہ کر دیں' آخر پوری زندگی کا معاملہ ہے۔" وہ کراہ رہا تھا۔

"یار بات تو ٹھیک ہے اتنی عجلت میں کیا ہو گا' تو یہ روما کو ہی کیوں نہیں دیکھ لیتا جو ابھی ملی تھی باہر۔" اپنے دماغ میں آیا خیال خود انس کو ہی اتنا بھایا کہ وہ جوش سے اس کے قریب آگیا گویا خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری' کیونکہ حیرت سے ایک لمحہ اس کی شکل دیکھ کر رازی نے گھما کر ہاتھ اس کی کمر پر مارا تھا۔

"چوٹ میرے پاؤں پر لگی ہے اور دماغ تیرا اچل گیا ہے' زبان کی دھار دیکھی ہے تو نے اس کی۔"

"تو خود کون سا کہیں کا گلفام ہے' تعلیم پوری ہوئی نہیں ابھی' بس ابا کے کاروبار کا لارا ہے وہ بھی ابا ہی سنبھالتے ہیں' تیرے جیسے نکمے کو لڑکی ملنی کہاں ہے' بس تو چچا کی بیٹی سے منگنی کر کے خالہ کے بیٹے کے ہاتھوں مر' یہی تیرے لیے اچھا ہے۔" تکلیف نے انس کو کھری کھری سنانے پر مجبور کیا تھا۔

"تو یہ حسینہ فالتو ہے اپنے اماں بابا کی' جو مل جائے گی۔" رازی نے طنزیہ پوچھا۔

"ارے ابا کا انتقال ہو گیا ہے اس کے اماں اور چھوٹا بھائی ہے بس اس کی اماں کو بھی رشتہ طے کرنے کی جلدی ہے سو یہاں کام ہو جائے گا پھر تو میرا دوست ہے' سالوں سے ہمارا تعلق ہے ان سے بھی۔ خوب صورت پڑھی لکھی سلجھی لڑکی ہے دیکھ سارے بچوں سے جان بھی اس نے ہی چھڑائی تیری۔" انس کو رمضان کی ابتدا میں یہ نیکی کا موقع ملا تو پورا زور بیان لگا دیا۔

"لیکن۔۔۔" رازی کچھ کہتے کہتے رکا' سامنے سے وہ جا رہی تھی شاید انس کے گھر کسی کام سے آئی تھی۔ انس نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا اور فوراً"

آواز لگائی۔

"روما سوری آج جو بھی ہوا' لیکن تم نے دیکھا کہ ہم نے تو کچھ نہیں کہا تھا۔ بچے ہی.... میرے دوست کا تو انگوٹھے کا ناخن اکھڑ گیا۔" روما کے آتے ہی انس نے معذرت ایسے کی کہ غلطی بھی نہ مانی۔ رازی نے جلدی سے پاؤں میز کے نیچے چھپایا کہ وہاں ایسے کسی زخم کی کوئی علامت نہیں تھی۔

"اوہ رئیلی سوری ناخن اکھڑنے کی تو بہت تکلیف ہوتی ہے اس سے تو بہتر تھا کہ آپ کا سر پھٹ جاتا۔" اس نے بھی انس کے انداز میں افسوس کیا۔

"بچوں نے واقعی بدتمیزی کی میں ڈانٹوں گی انہیں اور اب یہ بات ختم کریں۔" وہ ہوا کے جھونکے کی مانند مسکراتی نکل گئی اور رازی بس دیکھتا رہ گیا۔

"لگتا ہے تیرا تو کام تمام ہو گیا۔" رازی کے انداز پر انس نے شرارت سے تبصرہ کیا تو وہ چونک کر سیدھا ہوا۔

"پھر کیا خیال ہے' بات بڑھاؤں۔" اس نے آنکھیں نچائیں تو رازی کھل کر مسکرایا۔

"ابھی سوچنے دے۔"

* * *

انس کو تو وہ ٹال آیا تھا' لیکن درحقیقت وہ منفرد سی لڑکی اس کے دل کو لگی تھی بلا ارادہ وہ اس کو ہی سوچ رہا تھا' لیکن کتنی دیر گھر میں ابا جان نے پکڑ لیا۔

"میاں کوئی پسند ہے تو بتاؤ ورنہ میں اپنے بھائی کو ملاؤں فون۔" وہ فون ہاتھ میں لیے بیٹھے تھے۔ رازی گھبرا گیا۔

"صبر تو کریں ابا جی۔ بتاتا ہوں۔"

"کیا صبر کروں؟ رمضان آ گئے' چاند رات کو منگنی کرنی ہے اور یہاں لڑکی کا ہی اتا پتا نہیں۔" وہ خفا ہوئے۔

"اچھا میں انس سے بات کر کے بتاتا ہوں۔" اس نے صلح جو انداز میں کہا' لیکن انہیں جھٹکا لگ گیا۔

"انس.... میں نے لڑکی کہا ہے میاں۔"

"جی تو انس کی کرائے دار ہے ناں وہ۔" جھنجلا کر اس نے جواب دیا۔

"یہ انس کب سے وچولن بن گیا' اپنی امی کو لے جاؤ انس کے گھر وہ اس کی والدہ سے بات کر لیں گی' یہ خواتین کے کام ہیں وہ ہی کریں۔" ابا جی نے بات ختم کی اور رازی ان کی بات کا قائل ہو گیا۔ اس ہی رات دو بجے اس نے انس کو میسج کیا۔

"یار تو صحیح کہہ رہا تھا' وہ حسینہ میرا پاؤں ہی نہیں دل بھی زخمی کر گئی ہے' میں اس کے پیار میں ڈوب رہا ہوں۔ ذرا ہاتھ پکڑ کر میری نیا پار لگا دے۔" انس نے فوراً اسے کال کی تھی۔

"کھانا کھایا تھا رات کا؟"

"ہاں۔" اس نے ناسمجھی سے اقرار کیا۔

"کیا کر رہا ہے ابھی۔" انس کی تفتیش جاری تھی۔

"فیس بک پر لگا ہوں۔" اس نے جواب دیا۔

"نہ میرے بھائی تیرا پیار سچا نہیں' عاشق صادق کی تو بھوک مر جاتی ہے' رات کی نیندیں اڑ جاتی ہیں' تارے گن گن کر وہ بے حال ہوئے جاتے ہیں' گرمی سردی سے بے نیاز اور تو یہاں ٹھنڈے کمرے میں اپنے مشغلوں میں لگا ہے۔" انس نے سچے عاشقوں کی علامات گنوائیں تو وہ گڑبڑا گیا۔

"یار میں نے تو دو چار نوالے ہی کھائے تھے اور نیند تو اڑ گئی نا میری' تب ہی جاگ رہا ہوں اور تارے کہاں سے لاؤں اتنی آلودگی ہو گئی کہ اب تو تارے بھی نہیں ملتے۔" رازی نے اپنی صفائی پیش کی۔

"بہانے نہ بنا' لو میرج آسان کام نہیں' اب چھت پر جا اور تارے ڈھونڈ آج بنا سحری کے روزہ رکھ پھر کل دیکھتے ہیں کہ کیا بنتا ہے تیرا۔" انس نے فیصلہ سنایا۔

"اوئے دماغ ٹھیک ہے تیرا تیرے جیسے کی باتوں میں آ کر میں سحری کا ثواب نہیں چھوڑنے والا' اپنے گھر میں تیری کوئی سنتا نہیں اور مجھے بھاشن دے رہا ہے۔ امی کو بھیجوں گا کل تیرے گھر خود ہی آنٹی سے مل کر بات کر لیں گی' بس انہیں یہ نہ پتا چلے کہ تو میرا دوست ہے ورنہ تو میرا کردار اور ذہانت دونوں مشکوک

ہو جائیں گے۔" رازی نے انس کی اچھی طرح طبیعت صاف کی اور جلدی سے فون بند کر دیا تاکہ جوابی کارروائی سے محفوظ رہے۔

سحری میں آرام سے تین پراٹھے ڈکارے اور نماز کے بعد لمبی تان کر سو گیا۔ ارادہ تھا کہ سو کر اٹھے گا تو امی سے بات کرلے گا، لیکن ابا جی کو اس سے زیادہ جلدی تھی تب ہی نہ صرف وہ امی کو سب بتا چکے ہیں بلکہ امی جی انس کے گھر جا کر اس کی امی کے ساتھ بہانے سے روما کو دیکھ بھی آئیں۔ لڑکی ان کے دل کو لگی سو روما کی امی سے رشتہ لانے کی اجازت چاہی، لیکن روما کی امی بھی لگتا تھا جلد بازی میں ان کے ابا کی ہی بہن تھیں۔ بولیں۔

"بہن میرے گھر میں کوئی بڑا مرد تو ہے نہیں جو زیادہ چھان بین کروں ان لوگوں سے ہمارا برسوں کا ساتھ ہے جب یہ ہی آپ کی گواہی دے رہے ہیں تو ٹھیک ہے بس مجھے ذرا استخارے کا وقت دے دیں وہ اچھا آیا تو ست بسم اللہ، رسم کردیں گے ورنہ اللہ حافظ۔" انس سنتے ہی فوراً" آیا تھا۔

"دیکھا میری گواہی پر رشتہ ہو رہا ہے تیرا ابھی بتا دوں نا تیری اصلیت تو سب کچھ دھرا رہ جائے۔" اور اس وقت انس کو ہنس کر برداشت کرنا رازی کی مجبوری تھی، مسکرا کر جواب دیا۔

"درست جناب تو کیا لیں گے آپ۔"

"تیری بلیو ڈینیم اور نئے لوفرز" انس نے بے نیازی سے مطالبہ کیا۔

"تیری بارات آرہی ہے کیا۔" رازی اچھل پڑا تھا۔

"تیری تو آرہی ہے نا اور میں تیرا سالا۔" انس نے آنکھ دبائی اور رازی کھول گیا۔ سب ہی معاملے طے ہوتے چلے گئے۔ آج چاند رات تھی رازی لوگوں نے روما کے گھر جانا تھا۔

عاقل احمد ہمیشہ کی طرح اپنی واحد دشمن کو نہیں بھولے تھے۔ بولے۔ "اپنی بہن کو بھی لے لینا تاکہ ابھی وہ ان کی زبان کے جوہر دیکھ لیں بعد میں دھوکے کی شکایت نہ ہو۔" "انہیں تو کیا شکایت ہوتی، پہلے گھر آتے ہی خالہ بی نے ہر چیز کا یوں جائزہ لیا کہ انہیں ہی شکایت ہو گئی۔

"ماں نے تمہاری دلہن کے لیے بادامی رنگ لیا ہے اور تم یہ لال چڑھا کر بیٹھے ہو، سچ ہے عاقل احمد کی عقل نے تم لوگوں پر بھی اثر کر دیا ہے۔" اس کے پیچ کرتے کو دیکھتے خالہ بی بولے گئیں اور وہ لوگ کان منہ لپیٹے ان سنا کرتے رہے۔ وہاں جا کر علم ہوا کہ روما کی امی خالہ بی کی دوست نکلیں اور ان کی طرح منہ پھٹ۔

"ارے یہ رازی عاقل کا بیٹا ہے تو کتنے سالوں میں ختم کرے گا پڑھائی۔ ابا کی طرح لے کر تو نہیں بیٹھا رہے گا۔"

"مرد کی شکل، عقل کون دیکھتا ہے، نیک، شریف، رزق حلال کمانے والا ہو تو کافی ہے۔ ڈگری کو چاٹنا ہے تم نے تو بنوا لیتے ہیں دو چار۔" خالہ بی کی پاٹ دار آواز آج پہلی بار عاقل احمد کو اچھی لگ رہی تھی، لیکن وہ بھی ان کی ازلی دشمن تھیں ان کے لتے لینا کیسے بھولتیں۔

"اب یہ عاقل احمد کو ہی لے لو، شکل تو چلو اللہ نے بنائی ہے، عقل کے بھی ماٹھے ہی ہیں، لیکن ہیں بہت ادب والے، ساری زندگی پھولوں پر رکھا میری بہن کو جب زندگی میں سکون ہو تو اور کیا چاہیے۔" خالہ بی کی تقریر جاری تھی دوسری طرف اس دن والے بچوں کی بارات دیکھ کر رازی کے پسینے چھوٹ رہے تھے۔

"علی یہ دولہا بھائی تو ہی دیو ہے ناں میں نے پہلے ہی کہا تھا ان کی نیت ٹھیک نہیں۔" کسی بچے کی زبان میں خارش ہوئی۔

"چپ بدتمیز، یہ میرے دولہا بھائی ہیں۔ انہیں کچھ نہ بولنا" انس بھائی کو بول دو جن بھوت دیو۔" اکلوتا سالا میدان میں آیا تو رازی کھل کر مسکرا دیا اب کوئی ڈر نہیں تھا۔ یہ چاند رات بہت خوشیاں لے کر آئی تھی۔

✡ ✡

مصباح علی

ازمیر اور مریم آسٹریلیا کے شہر وکٹوریہ میں رہتے ہیں۔ ان کی اکلوتی بیٹی روائیبہ شادی کے گیارہ سال بعد پیدا ہوئی۔ وہ ایک خوب صورت اور معصوم لڑکی ہونے کے ساتھ والدین کی بے حد لاڈلی ہے۔ وہ اس کی سرپرائز سالگرہ آسٹریلیا کے مشہور نیشنل گرین فورسٹ میں شاندار طریقے سے مناتے ہیں۔ سارا پروگرام جندب ترتیب دیتا ہے۔ جندب کا ہاسٹل ازمیر کے فلیٹ کے بالکل قریب ہے۔ اکثر اوقات وہ ان کے ہاں آتا رہتا ہے۔ ان چاروں کے درمیان دوستی اور خلوص کا رشتہ ہے۔ میرزکا فیصل آباد کے نواحی گاؤں میں مانے ہوئے زمیندار ہیں۔ ان کی والدہ فالج کی مریضہ ہیں۔

میرزکا کے دو بیٹے خیام زکا' حنبل زکا ہیں۔ خیام کی شادی آئمہ سے ہو چکی ہے۔ حویلی میں آئمہ کی حکمرانی ہے۔ آئمہ کے دو بچے ہیں۔ ازلان' اعشال' ازلان لاابالی اور شرارتی ہے جب کہ اعشال رکھ رکھاؤ والی زمیندار لڑکی ہے۔

زینب حویلی میں جدی پشتی خدمت گزار کی حیثیت سے ہے' لیکن دل حنبل زکا کی وجاہت میں بری طرح جکڑا ہوا ہے اور اسی بنا پر وہ اپنے لیے آنے والے رشتے ٹھکرا دیتی ہے۔ ایک دن ان ہی کے طبقے سے تعلق رکھنے والے اصغر نے اسے چھیڑا۔ حنبل نے نہ صرف دیکھا بلکہ بے تحاشا پیٹا۔ اس واقعے نے زینب کو مکمل طور پر حنبل زکا کا اسیر کر دیا ہے۔

شہوز کمال صبرینہ کا شوہر ہے۔ دولت مند ہونے کے ساتھ ساتھ رنگین مزاج بھی ہے۔ صبرینہ سے اس کی پسند کی شادی ہے، لیکن اوپر تلے چار بیٹیوں کی پیدائش نے اسے صبرینہ سے متنفر کردیا ہے۔ اسے بیٹے کی شدید خواہش ہے۔ اکثر صبرینہ اس کے طنز و طعنے کے حصار میں رہتی ہے۔ بیٹیاں باپ کے سخت رویے سے خوف زدہ ہیں۔ باپ کے قریب جانے سے بھی ڈرتی ہیں یہ جرم بھی شہوز صبرینہ کے کھاتے میں ڈالتا ہے۔

اب آگے پڑھیں۔

مکمل ناول

چوتھی قسط

رابی کا زخم خاصا بہتر ہو چکا تھا۔ ٹانکے کھل گئے تھے۔ اس کے سر کے پچھلے حصے پر چوٹ آئی تھی وہ اب بہتر ہونے کے باوجود بھی اس کے گلے کا ہار بنی ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے وہ دس دن سے آؤٹ لیٹ پر نہیں جاسکی تھی جو کچھ ڈسکس کرنا ہوتا عینی سے فون پر کرلیتی تھی۔ عینی نے ایک دوبار گھر بھی چکر لگایا رابی سے بھی ملی تھی کام اور کلائنٹس کے بارے میں مشورے بھی کر گئی تھی۔ اس کا مکمل ارادہ تھا کل سے آؤٹ لیٹ پر جائے گی اور رابی کو اسکول بھیجے گی۔ رابی کو خوش کرنے کے لیے ہی آج وہ اسے لیک ویو لے آئی تھی۔ یہ رابی کی من پسند جگہ تھی راول ڈیم کے ٹھنڈے پانی میں وہیل بوٹنگ اس کا من پسند مشغلہ تھی۔ اسے اسکول کے لیے آمادہ کرنے کے لیے یہی ایک حربہ تھا سو آزمایا۔ جب ان کی گاڑی پارکنگ میں رکی وہ ان سے پہلے وہاں موجود تھا۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر رابی کے باہر نکلتے ہی اس نے دونوں ہاتھ اس کے لیے پھیلا لیے تھے اور وہ جمپ لگا کر گود میں چڑھ گئی۔

وہ گاڑی کو لاکڈ کر کے سیدھی ہوئی۔ چابیاں پرس میں رکھ کر اس کے عقب سے بولی تھی۔

"تمہیں خواب آیا تھا ہم یہاں آرہے ہیں۔"

"جہاں خود سے زیادہ کسی کا خیال ہو' وہاں خواب نہیں الہام ہوتے ہیں۔" اس کے ذومعنی انداز کو وہ نظرانداز کرتی تیز تیز آگے چلنے لگی۔ سیمنٹ کے سرخ ٹائلوں پر ابھرتی اس کی ہیل کی ٹک ٹک مزاج کی برہمی کا بتا رہی تھی' مگر اب اسے اس کے مزاج کی فکر نہیں رہی تھی۔ وہ پوری طرح رابی کے ساتھ محو تھا۔ وہ پانی کے کنارے پر لگی سفید کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ اس نے ایک دوبار مڑ کر پیچھے انہیں دیکھا تھا۔ وہ رابی کو بیٹری سے چلنے والی بے بی گاڑی میں جھولے دلوانے کے بعد بوٹ کی جانب لے گیا۔ اسے آنے کا اشارہ کیا' مگر وہ جمی بیٹھی رہی۔ آنکھوں سے انکار کر دیا تھا۔ بوٹنگ کے بعد رابی سبزہ زار پر فٹ بال سے کھیلنے لگی۔ وہ سبز چائے کے دو کپ لے کر اس کے برابر آبیٹھا۔ ایک کپ اسے تھمایا اور اپنی گھونٹ گھونٹ پینے لگا۔

"کیا بات ہے' چپ چپ ہو۔۔۔ میرا یہاں آنا اچھا نہیں لگا۔"

"نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔"

اس کا انداز روکھا پھیکا سا تھا۔

"مجھے رابی نے کال کر کے یہاں آنے کا بتایا تھا۔۔۔ کوئی الہام و لہام نہیں ہوا تھا۔"

"جانتی ہوں۔۔۔ تم ولی نہیں ہو۔"

"پھر تو یہ بھی جانتی ہو گی میں کیا کہنے والا ہوں۔"

"کیا۔۔۔؟"

اب کے اس نے چونک کر دیکھا تھا آنکھوں میں گہرا تاثر ابھرا۔

"ایک بار ٹھنڈے دل' دماغ سے اس سے مل لو۔۔۔ اس کی بات سن لو۔۔۔ وہ تم سے ملنا چاہتا ہے۔" یک لخت اس کے جبڑے سختی سے بھنچ گئے' آنکھیں اس کی آنکھوں میں جمی تنفر کا تاثر چھوڑنے لگیں۔ "بے شک اس کے جرم کی جو مرضی سزا دینا' اسے گولی مار دینا۔۔۔ مگر سن تو لو۔"

"بنا عدالت کے سزائیں دینا اس کا مشغلہ ہے' میرا نہیں اور تم اس کی وکالت چھوڑ دو۔" وہ جھٹکے سے اٹھی پرس کندھے پر لٹکایا۔ خالی ڈسپوزیبل کپ بن میں پھینکتے آگے بڑھ گئی۔ رابی فٹ بال سے کھیل رہی تھی اس کا بازو پکڑا گاڑی کی جانب بڑھنے لگی۔ رابی چلا رہی تھی۔

"میری بال۔۔۔ میری بال۔۔۔"

"گھر میں ہے۔۔۔" اس کے چلانے کی پروا کیے بغیر وہ تیز تیز چل رہی تھی۔ فٹ بال اٹھا کر وہ پیچھے بھاگتا آرہا تھا۔

"ارے رکو۔۔۔ میں پبلک ٹرانسپورٹ پر آیا تھا' پلیز ڈراپ کر دو۔" وہ گاڑی اسٹارٹ کر کے رکی رہی اس کے لیے پچھلا دروازہ کھول دیا تھا۔ جس کا مطلب تھا "اگر زبان کو قابو رکھ سکو' تو بیٹھ جاؤ۔" وہ پچھلے دروازے کو ہاتھ سے بند کر دوسری جانب سے گھوم کر

برابر آبیٹھا تھا۔ بال پکڑ کر رابی کو گود میں بٹھالیا۔

"یہ میری حق حلال کی کمائی تھی۔" اس نے بال کو دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ "جو تمہاری جلاد ماں پھینک کر آگئی۔" اس نے تنبیہہ نگاہ سے اسے گھورا تھا۔ وہ لبوں پر انگلی رکھتا سٹپٹا کر سیدھا ہو گیا۔ کیونکہ کوئی بعید نہیں تھا۔ وہ دروازہ کھول کر اسے باہر دھکا دے اور گاڑی بھگا کر لے جائے۔

☆ ☆ ☆

تقریباً" آدھے سفر کے دوران ہی پائلٹ کو اندازہ ہو چکا تھا' جہاز کا پچھلا انجن صحیح کام نہیں کر رہا۔ اس نے کنٹرول روم میں رابطہ کیا' ان کے مطابق لینڈنگ تک کوئی مسئلہ نہیں' آرام سے لینڈنگ ہو سکتی ہے۔ جوں جوں جہاز آگے بڑھا رن وے سے ٹریفک کے سگنل آنے لگے۔ دو جہاز آگے پیچھے متعلقہ جگہ پر اتر رہے ہیں۔ فی الحال اس جہاز کے اترنے پر جگہ خالی نہیں تھی۔ رن وے سے ہی پائلٹ کو ہدایت دی گئی۔ اسلام آباد شہر کا ایک چکر لگا لیا جائے' تب تک رن وے بالکل صاف ہو گا۔ جس طرح زمین پر سڑکوں کا جال بچھا ہے' ہر گاڑی اپنی سمت میں سفر کرتی ہے' بھلے سڑک پر ٹریفک ہو' نہ ہو' لیکن فٹ پاتھ پر سواری چڑھانے سے مکمل گریز کیا جاتا ہے' بالکل اسی طرح فضائی راستے ہیں جن میں غیر مرئی سڑکوں کا جال بچھا ہے' جو صرف پائلٹ کو اپنے سامنے فکس انڈیکیٹو میپ (اشارتی نقشہ) کے ذریعے پتا ہوتا ہے۔ اسے پتا تھا شہر کا مزید چکر کاٹنے میں پندرہ سے بیس منٹ لگیں گے۔ پچھلا انجن مسلسل ناقص کارکردگی کی نشاندہی کر رہا تھا۔

پائلٹ کے کہنے کے باوجود کنٹرول روم کا متعلقہ عملہ اس بات پر مطمئن تھا۔ لینڈنگ تک انجن کو کوئی خطرہ نہیں' نہ چاہتے ہوئے پائلٹ نے کچھ دیر جہاز فضا میں رکھا اور شہر کا چکر کاٹا' پرواز لینڈنگ قریب ہونے کے سبب نیچی تھی۔ پچھلا انجن بالکل کام چھوڑ گیا۔ پائلٹ کو اندازہ ہو چکا تھا۔ یقیناً" کوئی حادثہ ہونے والا ہے' وہ تیزی سے ایرپورٹ کی جانب بڑھ رہا تھا۔ تب ہی پچھلے حصے میں آگ لگ گئی۔ مسافروں کو الرٹ کرنے کے سبب ان میں بے چینی تھی۔ کچھ چیخنے لگے۔

مریم کے کندھوں کے گرد ازمیر کی بازو کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ اس نے وحشت سے ازمیر کو دیکھا تھا۔ جس طرح جہاز تیزی سے غوطے لگاتا جا رہا تھا۔ اگر یہ سب تیس برس پہلے ہوتا وہ بے حد انجوائے کرتی۔ عین ممکن تھا باہر چھلانگ لگا دیتی اور جہاز کی طرح خود بھی فضا میں تیرتی۔ تیس برس پہلے وہ ایسی ہی تھی' موت سے نہ ڈرنے والی' خطروں سے کھیلنے والی' لمحے کے تیسویں حصے میں اسے یاد آرہا تھا جب وہ بارہ سال کی تھی اور لیڈی ہیلہ کے ساتھ ایک ہل اسٹیشن پر تھی۔ وہاں اس نے ایر گلائیڈرز اڑانے کی فرمائش کی۔ بہت سے جوان اس کی سواری کر رہے تھے۔ انسٹرکٹر (تربیت دینے والا) کے یہ بتانے کے باوجود "بچے تم چھوٹی ہو' سنبھال نہیں پاؤ گی۔" وہ بالکل نہیں مانی۔ بہت ضد کی تھی۔ بالآخر لیڈی ہیلہ نے ہی انسٹرکٹر سے کہا تھا۔ اسے سمجھادیں' یہ اڑا لے گی۔ پھر ایسے ہی ہوا تھا۔ اس نے ساری رسیاں اپنے بندھوائیں۔ ہیلمٹ پہنا اور پیراشوٹ کے کھلتے ہی وہ کسی پرندے کی طرح فضا میں تیرنے لگی۔ تب اس نے پہلی بار سوچا تھا' وہ یہاں سے گرے تو کتنی چوٹ لگے گی اور کہاں گرے گی۔ وہ پانی میں گرنا چاہتی تھی' لیکن اب جہاز میں بیٹھے اسے گرنے سے خوف آرہا تھا۔ مسافر کلمہ پڑھ رہے تھے۔ ازمیر نے بھی اسے کلمہ پڑھنے کو کہا تھا اور اس کے منہ سے بار بار روائیبہ کا نام نکلا۔ "میری بیٹی اکیلی ہے۔"

"تم کلمہ پڑھو۔ وہ اللہ کے سپرد ہے۔" حادثے کا خوف ازمیر کے چہرے پر بھی تھا۔

سامنے مارگلہ ہلز دکھائی دے رہی تھیں۔ جہاز یک لخت اوپر کو اٹھا۔ مریم نے کلمہ پڑھتے ہوئے ایک نظر ازمیر کو' دوسری نظر اپنی طرف لگے گلاس ونڈو پر ڈالی تھی۔ اس نے پوری طاقت سے اپنی کہنی گلاس ونڈو پر

ماری۔ شیشہ ٹوٹنے کی چھن کے ساتھ ہی تیز ہوا اندر داخل ہوئی۔ پھر کچھ سمجھ نہیں لگی' جہاز کے کسی چیز سے ٹکرانے کی شدید آواز تھی۔ آبادی بچاتے بچاتے جہاز مارگلہ ہلز سے ٹکرا چکا تھا۔

ٹی وی اسکرین پر سوار مسافروں کی فہرست چل رہی تھی۔ ازمیر' مریم کا نام آتے ہی میرز کا کھڑے کھڑے یک لخت دھم سے صوفے پر بیٹھ گئے۔ مسافروں کی اموات کا خدشہ ضرور تھا' مگر تصدیق ابھی نہیں کی جارہی تھی۔ رابطے کے لیے دیے جانے والے نمبرز حنبل ذکا نے نوٹ کیے۔ لائنیں بزی ہونے کی وجہ سے نمبر ملنے مشکل ہوگئے تھے۔ حنبل اور خیام نے اسی وقت اسلام آباد جانے کا پروگرام بنایا۔ بہت سی ڈیڈ باڈیز بری طرح جھلس گئی تھیں جن کی شناخت کے لیے ڈی این اے ٹیسٹ ہورہے تھے۔ کچھ لاپتا تھیں جن کی شناخت ہوگئی تھی۔ وہ لواحقین کے سپرد کی جارہی تھیں۔ دو دن تک ان کی شناخت نہ ہونے کے سبب میرز کا بھی اسلام آباد پہنچ چکے تھے۔ ایک آدھ جلا پاسپورٹ جس پر ازمیر کی تصویر تھی۔ وہ ملا تھا اور ایک جوتا جس پر حنبل ذکا کو گمان تھا۔ "چچی نے یہی پہنا ہوا تھا۔" وہ فورسز نے ان کے سپرد کردیا تھا۔ کئی بے شناخت ڈیڈ باڈیز کی طرح ازمیر اور مریم کی بھی ڈیڈ باڈیز کی شناخت نہیں ہوسکی تھی۔ کیونکہ آگ اس قدر لگ چکی تھی' شناخت مشکل ہی نہیں' ناممکن تھی۔ فورسز نے وہ چیزیں جن پر لواحقین کو یقین تھا' یہ ان کے پیاروں کی ہیں' تابوت میں ڈال کران کے سپرد کردیں تھیں۔ وہ بھی وہ تابوت لے کر فیصل آباد آگئے تھے۔

رضا حیات کو جیسے ہی حادثے کا پتا چلا تھا۔ وہ فوراً ادھر پہنچے تھے۔ ماہم کی منگنی کینسل ہوچکی تھی۔ حادثے کی جگہ پر ہی وہ حنبل ذکا اور خیام سے ملے تھے۔ انہیں یقین نہیں آرہا تھا۔ ان سے ملنے آنے والا دوست ہمیشہ کے لیے دنیا چھوڑ چکا ہے۔ ازمیر کی شادی کے شروع دنوں میں رضا حیات نے کئی بار ان دونوں کے ساتھ سفر کیا تھا۔ جب بھی مریم گاڑی ڈرائیو کرتی' رضا چیخنے لگ جاتے تھے اور کتنی بار ازمیر کو تنبیہہ کی تھی۔

"اپنی بیگم کو سمجھالے' ورنہ تیری موت اس کے ساتھ سفر میں لکھی ہے۔" مریم اس بات پر زور سے قہقہہ مارتی تھی۔

"ہاہاہا۔ یہ تو میں اس لیے تیز چلا رہی ہوں' تاکہ تم آئندہ نہ بیٹھو۔ کیوں ہماری پرائیویسی خراب کرنے درمیان میں گھستے ہو۔" مریم کی ہنسی اپنے جملے کانوں کے پردے ہلا رہے تھے۔ حنبل ذکا کے روائیبہ سے رابطہ کرنے کا کہنے پر انہیں ہوش آیا اور جندب کو کال ملائی تھی۔

وہ کچھ دیر پہلے ہی ہوسٹل پہنچا تھا۔ اپنا بکھرا کمرہ سمیٹا۔ تب ہی موبائل کی بپ بجی۔ رضا حیات کی اس وقت کال کوئی انہونی بات نہیں تھی' وہ اکثر اسی وقت کال کرتے تھے' لیکن جو کچھ انہوں نے بتایا تھا وہ بک دک کردینے کے لیے کافی تھا اور جو کام اس کے سپرد لگایا گیا تھا وہ اس سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔ ازمیر کے ڈی این اے میچنگ کے لیے میرز کا' حنبل' خیام موجود تھے۔ لیکن مریم کی شناخت بے حد مشکل تھی اور جندب سے یہی کہا گیا تھا۔ روائیبہ کا بلڈ سیمپل یا ڈی این اے رپورٹ جلد از جلد بھجوائے اور جتنی جلدی ممکن ہو اسے پاکستان لے آؤ۔ یہ اتنا آسان نہیں تھا جس طرح انہوں نے کہہ دیا تھا' یہ جندب ہی جانتا تھا۔ جس نے اپنی آنکھوں روائیبہ کا حال دیکھا تھا۔

ڈور بیل بجاتے جندب کا ہاتھ لرزہ تھا۔ لیتا فیڈرک نے دروازہ کھولا تھا۔ لیتا کو دیکھتے ہی پہلا خیال آیا تھا۔ وہ انہیں بتا کر چلا جائے' وہ خود ہینڈل کرلیں گی۔ کیونکہ وہ اسے کرب میں نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے ہونق زدہ چہرے کو دیکھ کر لیتا فیڈرک نے پوچھا تھا۔ "سب ٹھیک ہے؟" اس کا سر نفی میں ہلا اور بہ مشکل نکلا تھا۔

"انکل' آنٹی کا جہاز کریش ہوگیا ہے۔" وہ گلاس میں پانی لے کر کچن سے واپس آرہی تھی۔ جندب کا آہستگی سے ادا کیا جملہ بھی اس کے کانوں میں چلا گیا۔ اس کے ہاتھوں سے گلا چھٹا اور چلائی تھی۔

"کیا کہا؟"

جندب "سب ٹھیک ہے" کہتا اس کی جانب بڑھا تھا۔ تب تک وہ نفی میں سرہلاتی دھم سے گھٹنوں کے بل زمین پر گری کانچ کے نوکیلے ٹکڑے اس کے گھٹنوں میں چبھ گئے۔ آہستہ آہستہ خون رسنے لگا۔

جو تے اپنی پہچان کے لیے سائنس کی طرح ڈی این اے ٹیسٹ کے محتاج نہیں ہوتے' اک ان دیکھی تکلیف' غیر مرئی کرب' بے چینی' گھبراہٹ دل میں بھر کر اپنوں کے ساتھ انہونی کا پتا بتادیتے ہیں۔ روائیبہ پر کئی دن سے گھبراہٹ سوار تھی' آج تو باقاعدہ ایک دو بار روئی بھی تھی' لیکن یہ خبر سننے کے بعد کوئی اسے دیکھ کر کہہ نہیں سکتا تھا۔ یہ لڑکی کبھی نارمل تھی۔ چلاتے چلاتے بے ہوش ہو جاتی۔ ہاسپٹل میں اسے کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ فلوریہ کو جیسے ہی خبر ملی وہ فوراً بھانجی کے پاس پہنچی تھی۔ بہن کی ناگہانی موت نے اسے بھی بے حال کر دیا تھا۔ مذہب بدلنے کے بعد بہن کو ڈپٹتے ہوئے کہے گئے جملے۔

"تم برباد ہو جاؤ گی' تم نے یسوع مسیح کو ناراض کیا ہے' ان کی تعلیمات چھوڑ کر دوسرے کو فوقیت دی' اللہ بر انداز ہے' تمہارے لیے زمین تنگ کردے گا' کہیں جگہ نہیں چھوڑے گا۔" اس وقت کانوں میں سیسے کی طرح انڈلتے جارہے تھے۔ ہم غلط الفاظ بولتے' بددعائیں دیتے' یہ کیوں بھول جاتے ہیں جب یہ لفظ اپنے مادی وجود کے ساتھ سامنے کھڑے ہوں گے تو کتنا درد ہوگا۔ اپنے لفظوں کے دیے درد کا اب اندازہ ہو رہا تھا۔

وہ کسی مجسمے کی مانند بیڈ پر بیٹھی تھی۔ اس کے اندر کتنی سسکیاں دم توڑ رہی تھیں۔ خالی خالی نظروں سے لینا فیڈرک اور فلوریہ کو اپنا سامان پیک کرتے دیکھتی رہی۔ چند دن ہاسپٹل رہ کر وہ واپس آگئی تھی۔ طبیعت پہلے سے سنبھل چکی تھی' مگر بالکل گم صم تھی۔ پاکستان سے بار بار میرزکا اور رضاحیات کی کالز جندب کے پاس آرہی تھیں۔ اسے جلد از جلد پاکستان لے آئے اور ان چند دنوں میں اس نے پورے انتظامات کرلیے تھے۔ فلوریہ اور لینا فیڈرک نے اسے بہت

ہمت اور دلاسا دیا تھا۔ فلوریہ ڈیل ڈول میں مریم سے بھاری تھی' لیکن آواز اور انداز بے حد ملتے تھے۔ وہ مریم ہی کی طرح اس کے لیے فکر مند ہوتی نصیحتیں کررہی تھی۔

"تم نے بالکل پریشان نہیں ہونا' اپنا خیال رکھنا ہے' زیادہ دن وہاں نہیں رکنا' بس اپنے ماں' باپ کی قبریں دیکھنا' چند دن رشتہ داروں کے ساتھ گزارنا' پھر آجانا' میں تمہارا انتظار کروں گی' مجھے میربجل سے بہت محبت تھی اور تم اس کی بیٹی ہو۔"

لینا فیڈرک الگ نصیحتیں کررہی تھیں۔ کون سی چیزیں' کہاں رکھی ہیں' کتنے دن کا سامان ہے اور اس کے کان اس سب آوازوں سے الگ اپنی سوچوں کو سن رہے تھے۔ اس کے دل میں اک امید سی تھی۔ شاید یہ سب غلط ہو' وہ سوار ہی نہ ہوئے ہوں' اسے حادثے سے دو دن پہلے کی بات یاد آنے لگی۔ ڈیڈی کہہ رہے تھے۔ "ہمیشہ کے لیے پاکستان رہنے کا پلان کرچکا ہوں' بس اب تمہیں لینے کے لیے آئیں گے۔" ہوسکتا ہے انہوں نے مجھے بلانے کے لیے یہ سب مذاق کیا ہو۔ میں نے بھی تو ایک بار ایسا ہی مذاق کیا تھا۔ اسے ان کی گزشتہ ویڈنگ اینورسری کا دن پوری جزئیات سے یاد آیا۔

"انکل! آپ جلدی سے اسپتال پہنچیں۔ روائیبہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ ایمرجنسی میں ہے' شدید بلیڈنگ ہو رہی ہے۔" ایسی ہی ایک کال جندب نے مریم کو کی تھی۔ یہ صرف ایک کال نہیں تھی۔ دونوں کی موت تھی۔ وہ دونوں اپنے معمول چھوڑ کر انتہائی رش ڈرائیو سے کیئرو کٹورین اسپتال پہنچے تھے۔ ازمیر کی ٹانگوں کی لرزش سے لگتا تھا ان کی دنیا آج ختم ہونے کو ہے۔ بہ مشکل انہوں نے لڑکھڑاتی مریم کو اپنے بازو کا سہارا دے رکھا تھا۔ آواز بالکل ساتھ چھوڑ چکی تھی۔ جندب کیئرو کٹورین اسپتال کے ریسپشن پر مل گیا تھا۔ انہیں ایک کمرے کا اشارہ کیا جہاں روائیبہ انتہائی کیئر یونٹ میں تھی۔ روح نکلتے دو مجسموں نے جیسے کوریڈور عبور کیا' وہ وہی جانتے تھے۔

نیلی چادر اوڑھے وہ اسٹریچر پر لیٹی تھی۔ اس کا ایک بازو اسٹریچر سے لٹک رہا تھا۔ مریم کی ٹانگوں نے بالکل ساتھ چھوڑ دیا۔ ازمیر نے کانپتے ہاتھوں سے اس کے چہرے سے چادر سرکائی۔

"ہیپی ویڈنگ اینی ورسری ٹو یو" (شادی کی سالگرہ مبارک ہو) انہوں نے اسے جھٹکے سے الگ کیا۔ "تم ایسا مذاق بھی کرسکتی ہو۔" انہیں اس پر شدید غصہ آیا۔ آواز' غم و غصے سے کانپ رہی تھی۔ ان کا جی چاہا رکھ کے ایک تھپڑ اس کے لگائیں۔ مگر غیر ارادی طور پر اسے خود میں بھینچ لیا تھا۔ مریم نے اسٹریچر کو تھام رکھا تھا۔ آنکھوں سے پانی نکل آیا۔

"اگر ہم ہارٹ پیشنٹ ہوتے' تو تمہیں یہ مذاق بہت مہنگا پڑتا روائیبہ۔" وہ آہستہ آہستہ کہہ رہی تھیں۔

"یہ سب اس کا آئیڈیا تھا۔"

اس نے کھسیاہٹ میں جندب کی جانب اشارہ کیا تھا اور وہ دانت نکوستے ہوئے اسمتھ کو دیکھنے لگا۔

کیونکہ یہ آئیڈیا جندب کے ذہن میں آیا تھا اور پایہ تکمیل اسمتھ کی وجہ سے ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے والد یہاں ڈاکٹر تھے۔ اس نے منت سماجت کرکے کچھ دیر کے لیے ایک روم لیا تھا۔ یہ بتائے بغیر کہ مذاق کس نوعیت کا ہے۔ مریم نے چاروں دوستوں کو باری باری غصے سے دیکھا تھا۔ "اگر ہم تمہارے ساتھ ایسا مذاق کریں۔" تو... سب کی گردنیں لٹک گئی تھیں۔

"تو کیا واقعی ممی' ڈیڈی نے مذاق کیا ہے۔" پاکستان کی جانب پرواز کے دوران بھی وہ یہی سوچتی رہی۔ یقیناً "یہ ایک مذاق ہے۔"

✡ ✡ ✡

الجھے الجھے سنہری مائل بھورے بال اونچی سی پونی میں بندھے تھے۔ پونی سے کئی لٹیں آزاد ہو کر اس کے کانوں اور ماتھے پر جھول رہی تھیں۔ کالی جینز شرٹ پر فیروزی کاٹن کی جیکٹ پہن رکھی تھی۔ جیکٹ کی آستین کلائیوں سے ہلکی ہلکی اوپر کو سمٹی تھیں۔ اونچی سی سفید گردن میں فیروزی مفلر ٹائی کی طرح جھول رہا تھا۔ اس کی سفید سنہری رنگت پر گال اور ناک کی سرخی بے حد نمایاں تھی۔ بہت رونے کی وجہ سے گہرے آنکھوں کے گوشے سوجے سوجے سے تھے۔ نارنجی بھرے بھرے ہونٹوں کو موتیوں کی سفید لڑی تلے کچلے وہ سب کو باری باری دیکھ رہی تھی۔ انجانے خوف سے کھنچے سانس نے گردن کے نیچے گڑھا سا بنا رکھا تھا۔

ان کی فلائٹ اسلام آباد اتری تھی۔ وہاں سے رضا حیات' عائشہ انہیں لے کر فیصل آباد حویلی آئے۔ اس نے ان سے ملتے ہوئے سب سے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"ممی' ڈیڈی ٹھیک ہیں نا...؟" وہ اسے ساتھ لپٹاتے خاموش رہے اور گاؤں لے آئے تھے۔ یہاں آکر بھی مبہم سی امید تھی' شاید وہ ادھر ہوں... لیکن وہاں... اجنبی جگہ' اجنبی چہرے' اجنبی رشتے' ازمیر تیس سال پہلے جب آسٹریلیا گئے تھے تو فیملی کی تصویریں ان کے پاس تھیں۔ روائیبہ نے وہی دیکھ رکھی تھیں۔ تیس سال میں سب چہرے بدل گئے تھے۔ وہ پلکیں پٹپٹاتے کسی بھی چہرے کو پہچاننے سے قاصر تھی۔ میرز کا اسے دیکھتے ہی والہانہ انداز میں آگے بڑھے۔

"میری بچی... میرے بھائی کی جان۔" انہوں نے اسے زور سے لپٹا لیا اور دھواں دھار روتے ہوئے ازمیر کو یاد کررہے تھے۔ آئمہ بیگم خیام آگے بڑھے' اسے الگ کرتے ہوئے پیار کیا۔ عقیل ذکا نے بھی بڑے ہونے کے ناطے اس کے سر کو تھپتھپا کر بوسہ دیا۔ وہ لکڑی کے مجسمے کی مانند ساکت سب دیکھتی رہی۔ ماں جان بیماری اور صدمے سے اتنی نڈھال تھیں' ان کی گردن بس ایک طرف جھکی رہی اور بہتی آنکھوں سے مشرقی' مغربی حسن کے معصوم امتزاج کو دیکھتی رہیں۔ اس کے چہرے پر ماں' باپ کے نقش کا حسین ملاپ تھا۔ آنکھیں' بال' رنگت' پتلا تیکھا ناک ماں پر تھا۔ چہرے کی بناوٹ' لمبا قد' بھرے بھرے نارنجی ہونٹ ازمیر پر تھے۔ بیٹے کی یاد سے دل مٹھی میں

سمٹنے لگا۔ حادثے کی خبرانہیں حنبل ذکا نے بہت ناپ تول کر، ہمت دلاتے ہوئے بتائی تھی۔ بہت سی احادیث، اقوال سنا کر بھی انہیں کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔ کئی دن میں طبیعت سنبھلی تھی، اب اسے دیکھ کر پورے جسم پر رعشہ طاری ہونے لگا۔ وہ انگلیوں کے اشارے سے اسے اپنے قریب بلا رہی تھیں۔ مگر روائیبہ کا سر چکرانے لگا۔ ہر چیز گھومتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ بے دم سی ہو کر گرنے لگی۔ میرزکا نے فوراً تھام لیا تھا۔ "میری بچی۔" اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں۔

"زینب پانی لاؤ۔" حنبل ذکا نے بھاری آواز میں کہا تھا۔ جندب اس کا سفری بیگ تھامے کھڑا تھا۔ یک لخت ہاتھ سے چھٹا۔ وہ تیزی سے روائیبہ کی جانب بڑھا۔ وہ متفکر سا اس کے چہرے پر جھکا، اس کا گال سہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"روائیبہ، یہ کیا کر رہی ہو۔ میں نے کیا سمجھایا تھا تمہیں۔ پلیز ایسے نہیں کرو، آنکھیں کھولو۔" سب کی موجودگی سے لاتعلق وہ اپنی دھن میں لگا تھا اور کتنی ہی تنقیدی نگاہیں جندب پر اٹھی تھیں۔ وہ جس طرح کے ماحول اور تعلقات سے وابستہ تھے، اس کے لیے قطعاً معیوب نہیں تھا، لیکن رضا حیات سب کی نظروں کا مطلب فوراً سمجھ گئے اور غیر محسوس طریقے سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پیچھے کر دیا۔

"تم اب ہٹ جاؤ۔" جندب نے الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔

"کمال کرتے ہیں۔ ایسے کیسے ہٹ جاؤں، حالت دیکھی ہے اس کی۔" رضا حیات نے تنبیہہ آمیز گھورا تھا۔ اب وہاں سب روائیبہ کو ہوش دلانے میں لگے تھے۔

✿ ✿ ✿

مہاجر پنچھی جیسی وہ لڑکی بالآخر اپنے مجبور نشیمن میں کچھ سنبھل گئی تھی۔ دوپہر سے شام، شام سے سسکتی رات اور پھر رات پر بکھرتی صبح کی کرنیں، یہ وقت کا دیوانہ پن تھا۔ سب کو اپنے اپنے ٹھکانوں پر واپس جانا تھا۔ خیام سے چھوٹی بہن چچا سے ملنے نہ آسکی تھی مگر فوتگی کی اطلاع پر فوراً آئی تھی، ان کے میاں کی طبیعت کچھ خراب تھی، وہ جلد واپس چلے گئے۔ مگر وہ روائیبہ کے انتظار میں رکی تھی۔ اس سے مل کر چند دن بعد اپنے بیٹوں کے ہمراہ واپس چلی گئی۔ رضا حیات کی فیملی بھی چند دن ادھر رکی تھی۔ پھر اپنے گھر جانا ہی تھا۔ جاتے ہوئے وہ اور عائشہ کتنی دیر اسے ساتھ لگائے دلاسا دیتے رہے۔ گرم پانی بہہ بہہ کر اس کے سلکی بالوں میں جذب ہوتا رہا۔

"بیٹا مجھے کبھی خود سے دور مت سمجھنا، کوئی مسئلہ کوئی بات ہو، صرف ایک آواز دے لینا۔ تم میرے عزیز جان۔۔۔" اس سے آگے ان کی آواز ساتھ چھوڑ گئی، گلوگیر لہجہ بالکل بند ہو گیا۔ عائشہ ایک جانب کھڑی رو رہی تھیں۔ تب ماہم ان دونوں کو ڈپٹتے ہوئے بولی۔

"کیا کر رہے ہیں آپ۔" آگے بڑھی اور روائیبہ کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔ "ہماری راوئیبہ تو بہت بہادر ہے، آپ دونوں کی طرح تھوڑی ہے اللہ کے فیصلوں پر رونے والی۔ کیوں۔۔۔ روائیبہ۔" ماہم نے تائید چاہی، اس کے آنسو چھلک پڑے۔

"مجھے اپنے گھر واپس جانا ہے، یہاں نہیں رہنا۔"

"نہیں بیٹا۔" رضا حیات نے اس کے سر کو تھپکا تھا۔ "اب وہاں کون ہے، یہ از میر کا گھر ہے، تمہارا گھر ہے، سب تمہارے اپنے ہیں، تم یہاں بالکل محفوظ ہو۔" وہ آہستہ آہستہ نفی میں سر ہلاتے پلکیں جھپک کر آنسو بہاتی رہی۔

"پلیز۔۔۔ بی بریو۔۔۔" جندب نے آہستگی سے اس کے کندھے کی پشت تھپکی۔ "ہمت نہیں چھوڑنی، اپنا بہت خیال رکھنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔" سر جھکاتے ہوئے وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ ان سب کے جانے کے بعد اسے اپنا آپ بہت اکیلا محسوس ہوا۔

✿ ✿ ✿

لان کی سبز گھاس پر ٹھنڈی ہوا بہہ رہی تھی۔

آسمان پر جگہ جگہ سرمئی بادلوں کے ٹکڑے تیرتے جاتے تھے۔ جن کے کنارے قدرے ہلکے تھے۔ سورج کی کرنیں ان کناروں میں جذب ہو کر چاندی بن گئی تھیں۔ بکھری چاندی میں کہیں کہیں جھلکتا آسمان بہت ہی دلفریب لگنے لگا۔ اس نے کئی دن اس موضوع پر بات نہیں کی اس کا خیال تھا شاید وہ خود پوچھ لے مگر وہ مار گلہ ہلز سے زیادہ سخت بن چکی تھی۔ آج وہ پورے پلان سے آیا تھا۔ بہر حال آج اسے سننا ہی پڑے گا' کیونکہ اس کے ویزے کی تاریخ پوری ہو رہی ہے' اسے واپس جانا ہے۔ ملا جلا موسم دیکھ کر وہ لان میں لگی بید کی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔ وہ چائے بنا کر وہاں ہی لے آئی تھی۔ سردیوں کی خنک ہوا سے سرسوں کے لگے درخت جھومنے لگے۔ فضا میں معمول کے پنچھی تیر رہے تھے۔ چند ایک لان میں گھاس پتوں کو چننے اتر آئے۔ ہوا کے ایک تیز جھونکے سے انگور کی بیل کے زرد پتے ٹوٹ کر بکھرے' وہ بغور پتوں کو دیکھ رہی تھی۔ ننھی کوئل پتے پر لپکی اور کچ کچ کر کے کھانے لگی۔

"کتنے بے بس ہوتے ہیں ٹوٹے ہوئے پتے" ایک جھونکا ہی ان کی سمت بدلنے کے لیے کافی ہوتا ہے' پھر یا تو کسی کے قدموں میں چرمر ہو جاتے ہیں' یا کسی کا رزق بن جاتے ہیں۔" اس کے گہرے انداز پر وہ چونکا' چائے کی چسکی بھر کر "ہوں" کہتے ہوئے کرسی کی پشت سے ٹیک لگالی۔

"پتوں اور انسانوں میں فرق ہوتا ہے' مائی ڈیر! انسان میں جمے رہنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ وہ جھونکوں سے نہ تو چرمرا سکتے ہیں' نہ کسی کا رزق بن سکتے ہیں اگر مصلحت سے کام لیں۔"

"تمیری چائے میں شاید کچھ گر گیا ہے۔ میں نئی لے کر آتی ہوں۔" وہ موضوع بدل کر وہاں سے اٹھنے لگی تھی۔ قریب ہی گھاس پر بیٹھی رابی نے اپنی کالی پونی جھلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ممی! مجھے بھی چائے پینی ہے۔"

"نواں' ہوں.... بچے چائے نہیں پیتے۔" رابی نے اس کی پروا کیے بغیر۔ اسی کی چائے اٹھالی۔ "یہ والی ہی دے دیں۔" وہ اسے روکنا چاہتی تھی' لیکن اس نے رابی کی حمایت کی۔

"لے لینے دو.... کچھ نہیں گرا اس میں۔" وہ جانتا تھا کہ وہ وہاں سے اٹھنا چاہ رہی ہے۔ اس نے اسے روک دیا تھا۔ "بیٹھو تم سے ایک کام ہے۔ اور رابی بیٹا یہ اندر جا کر پیو' اور اسکریبل سیٹ کرو' میں اندر آ کر آپ کے ساتھ کھیلتا ہوں۔" وہ تند نگاہ سے اسے گھورتی سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ تب ہی اسے محسوس ہوا شیر گل گیٹ کھولے کسی سے بات کر رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

وقت کا پنڈولم جھول رہا تھا۔ اس کا مسکر اکر ہنسی' شوخ شرارتیں سب دور رہ گئی تھیں۔ اس غیر مانوس ماحول میں دل کا لگنا بے حد مشکل تھا۔ ماں' باپ شدت سے یاد آتے۔ میرز کا اسے کئی بار اپنے آبائی قبرستان لے گئے تھے۔ وہ بہت دیر وہاں بیٹھی رہتی دل کٹ کٹ جاتا تھا۔ اس دن بھی وہ قبرستان سے آکر بیٹھی تھی۔ رو رو کر آنکھیں سوج جاتی تھیں۔ میرز کا کچھ دیر پاس بیٹھے رہے پھر اٹھ کر اندر چلے گئے۔ انہیں اس کا رونا تکلیف دے رہا تھا وہ تیز قدموں سے لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔ اسے سامنے روتا دیکھ کر پل بھر میں بھول گیا کس کام کی جلدی میں تھا۔ روائیبہ نے جیسے ہی اسے دیکھا ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑ کر پوچھ لیں۔ وہ سامنے آبیٹھا ٹانگ پر ٹانگ جمائی ایک بازو صوفہ کی بیک پر جمالیا۔

"رونا آئے تو رو لینا چاہیے.... اس طرح آنے والا وقت سہل ہو جاتا ہے۔" اس نے گیلی پلکیں اٹھا کر اک نظر اسے دیکھا پھر نگاہ جھکالی حلق بھاری ہونے لگا۔ "زندگی آسان نہیں ہوتی روائیبہ.... بہت کڑی اور تلخ ہوتی ہے' بالکل چاکلیٹ کی طرح..... اپنے میٹھے ذائقے میں کڑواہٹ لپیٹ کر حلق تلخ کر دیتی ہے' لیکن پھر بھی سب اس کے پیچھے بھاگتے ہیں' پسند کرتے ہیں

اس کی تلخیوں اور مٹھاس کو سمجھنے کی کوشش کرو۔"
حنبل دھیمے لہجے میں کہتے ہوئے اٹھا اس کے جھکے سر کو مان بھرے ہاتھ سے تھپک کر ماں جان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا۔ اسے یاد آگیا تھا ماں جان کو معمول کے چیک اپ کے لیے اسپتال لے کر جانا تھا۔
اسے یہاں آئے دو ماہ سے زیادہ عرصہ ہونے کو تھا۔ مگر اس ماحول کی اجنبیت ہنوز برقرار تھی۔ وہ زیادہ تر وقت ماں جان کے ساتھ گزارتی۔ یہاں تک کہ مستقل ان ہی کے کمرے میں رہ رہی تھی۔ پہلے دن اسے ماں جان نے اپنے ساتھ لیٹا لیا تھا بعد میں اس نے خود اس کمرے میں جانے سے انکار کر دیا جو بطور خاص میرزکا نے اس کے لیے تیار کروایا تھا۔ پورے گھر میں ماں جان یا میرزکا تھے جن کو دیکھ کر اسے کچھ حوصلہ ہو جاتا تھا۔ ماں جان اسے اپنے پاس بٹھائے ازمیر کے بچپن کے قصے دہراتیں' اس کی شرارتیں' عادتیں یاد کرتے آنکھیں بھر آتیں وہ بھی ان سے لپٹ کر رونے لگ جاتی۔ سسکیاں ہچکولوں میں بدل جاتیں۔ حنبل ذکا نے کئی بار انہیں ایسے لپٹ کر روتے دیکھا شروع میں نظرانداز کر گیا۔ مگر رونے سے ماں جان کی طبیعت خراب ہو جاتی تھی اسی لیے اس نے ایک دو بار اسے پیار سے سمجھایا مگر روائیبہ کا جب دل پر اختیار نہ رہتا پھوٹ پھوٹ کر ماں جان کے ساتھ رونے لگتی آخر ایک دن حنبل ذکا نے اسے علیحدگی میں قدرے سختی سے ڈپٹا تھا۔
"پلیز روائیبہ' میں آپ سے پہلے بھی کئی بار کہہ چکا ہوں' ان کے سامنے آپ کا رویہ ٹھیک نہیں ہے' میں اپنی ماں جان سے بہت محبت کرتا ہوں' میں نہیں چاہتا وہ روز بیمار پڑیں۔۔۔ آپ کے اس طرح رونے رلانے سے ان کی صحت مزید پیچھے جا رہی ہے۔۔۔ صرف ان کے سامنے احتیاط کیا کریں۔۔۔ پلیز۔" اس کے نپے تلے لفظوں کو سرزنش سے وہ اچھی خاصی ڈر گئی تھی۔ اس کے سامنے ذرا محتاط بھی رہتی رات میں جب وہ ماں جان کے کمرے میں آتا ان کی خیریت پوچھنے۔ وہ اسے دیکھتے ہی باہر بالکونی میں چلی جاتی یا لاؤنج میں جا کر بیٹھ جاتی۔ تاکہ اس سے سامنا نہ ہو۔ چند دن میں ہی حنبل ذکا کو اندازہ ہو گیا تھا۔
وہ فیکٹری جانے سے پہلے تیار ہو کر ماں جان کے کمرے میں آیا تب وہ ان کے پاس بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ اس کے آتے ہی کتاب بند کر کے بالکونی میں نکل گئی۔ اس نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا تھا۔ ماں جان سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے کے بعد خود بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔
"آپ اس دن کی بات پر خفا ہیں۔۔۔" اس نے گردن موڑے بغیر نفی میں سر ہلایا اور نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچ لیا۔ "ایم سوری اگر آپ کو برا لگا۔" وہ کچھ دیر چپ رہا شاید وہ بولے مگر وہ خاموش رہی۔ "میں آپ کے دکھ کو سمجھ سکتا ہوں' لیکن وہ بوڑھی ہیں' بیمار ہیں۔۔۔ برسوں جدائی کے بعد بیٹے کی موت۔۔۔ پھر اسے بار بار دہرانا ان کے لیے بہت اذیت ہے' ہم سب بھی آپ کے اپنے ہیں' کسی سے بھی شیئر کر لیں' اذلان' اعشال آپ کے ہم عمر ہیں ان کے ساتھ بیٹھیں رونا آئے' ان کے ساتھ رو لیں' آپ کا دل ہلکا ہو جائے گا' مگر ماں جان کا خیال کریں۔"
"او کے۔۔۔" اس کی اتنی تمہید پر اس کا آہستگی سے او کے کہنا اسے اچنبھا ہوا' نگاہیں اٹھا کر چند پل اسے دیکھا پھر جاتے جاتے کہا تھا۔
"آپ اپنی اسٹڈی شروع کریں۔۔۔ میں بابا سے اس سلسلے میں بات کرتا ہوں۔" وہ کہہ کر لمبے ڈگ بھرتا جا چکا تھا۔ تب اس نے گردن پھیر کر اس کی چوڑی پشت کو دیکھا تھا۔
"کیا مطلب۔۔۔ میں یہاں کیوں پڑھوں' مجھے واپس جانا ہے۔" وہ کہہ کچھ نہ سکی دل میں سوچتی رہ گئی۔ اس دن اس کی شخصیت سے عجیب سا خوف آیا تھا۔ اسے وہ دنیا کا سب سے برا شخص لگا تھا۔ جو ماں باپ کو یاد بھی نہ کرنے دے۔۔۔ اوپر سے یہاں ایجوکیشن شروع کرے۔۔۔ کیوں۔؟
آئمہ بیگم کا رویہ اس کے ساتھ ہر دن مختلف ہوتا تھا کبھی اس کی معصوم شکل دیکھ کر دل میں ہول اٹھتے۔

آخر وہ ان کی بیٹی جیسی تھی۔ کبھی بالکل اجنبی بن جاتیں۔ یہ سو ہے۔ اعشال فطرتاً ہر کسی سے فری نہیں ہوتی تھی۔ خیام ذکا اپنے آپ میں مگن شخصیت کے مالک تھے آتے جاتے ایک آدھ بار پوچھ لیتے۔

"ہاں بھئی ٹھیک ہو؟" البتہ ازلان تھا۔ گھر بھر کا شوخ، ہنس مکھ بندہ۔ شروع میں تو اس کی ہنسی کو بھی بریک لگی ہوئی تھی لیکن وقت کے ساتھ مزاجاً اپنی بے تکی باتوں پر سب ہی کو ہنسا دیتا۔ پھر روائیبہ اور اس میں ایک چیز مشترک تھی دونوں فطرتاً لاپروا ہونے کے ساتھ کھیلوں کے شیدائی تھے۔ وہ شطرنج، کارڈز، کرکٹ کی نہ صرف آفر کرتا بلکہ کھیلنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

میرز کا جتنا وقت گھر ہوتے اسے اپنے پاس بٹھائے رکھتے اس کی دلچسپیاں پوچھتے، ازمیر کی باتیں کرتے اسے دیکھ کر اپنا بھائی شدت سے یاد آتا تھا۔ اور شدید افسوس کرتے جہاں اتنا عرصہ پاکستان نہیں آیا تھا۔ اب بھی نہ آتا، کم از کم زندہ تو تھا۔ اپنی بیٹی کے سر پر تو تھا۔ کھانا کھاتے ہوئے خاص طور پر اپنے ساتھ بٹھاتے تھے۔ اس کی پلیٹ میں بار بار کھانا ڈالتے۔ حالانکہ وہ مشکل سے معمولی سا کھاتی تھی۔ اور یہ بات صرف حنبل ذکا نے محسوس کی تھی۔ کہ وہ بہت کم اور بہت وقت لگا کر کھاتی ہے، لقمے سے سالن کو الٹ پلٹ کرتی رہتی، بار بار پانی پیتی پہلے پہل وہ اس کی موت سمجھا تھا پھر اندازہ ہو گیا تیز مسالا جات اس کی وجہ ہو سکتے ہیں۔ اس نے نہ صرف بھرجائی بلکہ زینب سے بھی کہا تھا۔

"آپ اس سے پوچھ لیا کریں وہ کیا کھاتی ہے، مجھے لگتا ہے وہ صحیح کھا نہیں پا رہی۔" اس کی فکر بھی بجا تھی گھر میں پہلے ہی پریشانی ہے اوپر سے خالی پیٹ رہ کر بیمار پڑ گئی تو... ایسا ہی عالم چائے پینے کے وقت ایسے محسوس ہوا تھا۔ وہ ہر چسکی کے بعد ایسا منہ بناتی تھی جیسے اپنی زبان چبا رہی ہو، ناگواریت کا تاثر ابھرتا تھا۔

آخر ایک دن اس نے خود ہی پوچھ لیا۔

"آپ کو چائے پسند نہیں...؟"

"پسند ہے... مگر..."

وہ اٹکی تھی حنبل نے استفسار میں نگاہ اس پر جمائی۔ "مگر کیا۔"

"وہ... یہاں کی چائے میری زبان پر چپک جاتی ہے..." اس نے بہت آہستگی سے کہا تھا ازلان برابر بیٹھا چائے میں بسکٹ بھگو بھگو کر کھا رہا تھا چپکنے کی بات سن کر چٹاخ سے بولا۔

"ہیں... آپ کیا سمجھتی ہیں، ہم گوند سے چائے بناتے ہیں۔" حنبل نے اسے بھنوئیں سکیڑتے ہوئے گھورا وہ منہ بناتے چپ کر گیا۔

"آپ کیسی چائے پیتی ہیں؟" اس نے لحہ بھر اس کی جانب دیکھا پھر نگاہیں چائے پر جھکالیں۔

"وہ... ایکچوئلی یہاں کی چائے میں کریم، ملک... کچھ ایسا شامل ہوتا ہے۔" ازلان کو اس کی توجیح بدمزا لگی البتہ حنبل سمجھ گیا۔

"بلیک ٹی لیتی ہیں، آپ؟"

"جی... بلیک یا گرین مگر وہ ملتی نہیں ہوتی..."

"پھر سیدھی طرح کہیں قہوہ... ہمارے ہاں تو بیمار پیتے ہیں وہ..." ازلان کی پھسلتی زبان کو حنبل کی گھرکی نے روکا تھا۔ بمشکل تو وہ کوئی بات کر رہی ہے۔ لقمے دینے لازمی ہیں۔ ازلان کو حنبل ذکا کی گھرکیاں بے حد بری لگتی تھیں اس نے دل میں سوچا۔

"ایک تو اس بوڑھی فطرت چاچے کے ساتھ بندہ دو منٹ بیٹھ نہیں سکتا، گھوریاں ڈال ڈال کر ہی ختم کر دیں۔"

"روائیبہ بی بی! آپ کو پوری دنیا میں صرف سب کانٹیننٹ میں ہی چائے اور کافی میں دودھ ملے گا، ایکچوئلی یہ ایریا بہت عرصہ تک بادشاہوں کے ہاتھوں میں رہا ہے، اور بادشاہ گرم پانی ابال کر رعایا کی طرح کیوں پیتے؟ انہوں نے اپنی برتری کے لیے ہی چائے میں دودھ کا ذائقہ ملایا تھا۔ گھی اور تیز مسالا جات یہ سب اسی برتری کے چکر میں ہیں... بادشاہت تو یہاں سے ختم ہو گئی مگر ان کی عادتیں نسل در نسل منتقل ہو رہی ہیں۔" وہ چائے کے سپ لیتے آہستہ آہستہ بتا رہا تھا۔ کل تک وہ اس کے بارے میں

بہت بری رائے رکھتی تھی۔ ہر بار یہی سوچتی تھی کاش یہ شخص گھر میں نہ آیا کرے' مجھے اس سے خوف آتا ہے لیکن اس وقت اس کے نرم اور دھیمے لہجے نے اسے اپنی رائے بدلنے پر اکسایا "اتنا بھی برا نہیں ہے' کبھی کبھی تو گھر میں رہ سکتا ہے۔"

"بہر حال' آپ جس قسم کے کھانے پسند کرتی ہیں بتادیا کریں' خود پر جبر کیوں کرتی ہیں' یہ گھر آپ کا بھی اتنا ہے' جتنا کہ ہم سب کا....."

زینب چائے کے برتن سمیٹنے آئی تھی۔ حنبل ذکا نے اپنا خالی کپ ٹیبل پر رکھتے ہوئے کہا تھا "زینب بہت اچھی کوکنگ کرتی ہے' آپ اسے بتادیا کریں۔"

روائیہ نے تو صرف اثبات میں سرہلایا تھا البتہ برتن سمیٹتی زینب خوشی سے نہال ہوگئی تھی ایک تو تعریف اوپر سے حنبل ذکا کے منہ سے۔ اس نے سارے برتن سمیٹ کر ٹرے میں رکھے ایک ٹشو کھینچ کر شیشے کی صاف میز کو خواہ مخواہ چمکایا اور خوشی خوشی کچن کی جانب بڑھی تھی آج یقیناً" اس نے بہت دل جمی سے اور ذائقے سے بھرپور کھانا بنایا تھا۔

☆ ☆ ☆

سلویٰ کچھ دنوں سے حویلی آئی ہوئی تھی۔ اس کا رویہ بھی روائیہ کے ساتھ آئمہ بیگم اور اعشال جیسا ہی تھا۔ ازلان ان کے سرد رویے کی وجہ زنانہ جیلسی نکالتا تھا غالباً"۔ اعشال کا رنگ خاصا گندمی' جسم قدرے فربہی اور قد بھی روائیہ سے خاصا چھوٹا تھا نین نقش بھی واجبی سے تھے مگر سلویٰ کا رنگ اچھا خاص صاف تھا۔ جسامت بہت پتلی' پوری پشت کو ڈھانپتے لمبے سیاہ بال' ابھری ہوئی سیاہ آنکھیں مگر روائیہ کی شخصیت پر مریم اور ازمیر کا جو ملاپ چڑھا تھا اسے رنگ نین نقوش سمیت سب میں نمایاں کردیتا تھا۔ پھر آنکھوں کی معصومیت' چہرے کا بھولپن' ساری توجہ کھینچ لیتا تھا۔ وہ دونوں اسے اچھا خاصا نظر انداز کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ اس گھر میں آئے روائیہ کو تقریباً" تین ماہ ہونے والے تھے پھر بھی اجنبیت کی ایک دیوار مسلسل حائل تھی۔

رات کے کھانے کے بعد خیام ذکا اپنے کمرے میں چلے گئے۔ میر ذکا الیکشن کمپئین کے سلسلے میں دو دن سے شہر سے باہر تھے۔ سلویٰ زینب سے چائے کا کہہ کر سٹنگ روم میں آگئی تھی۔ یہاں پر ازلان اور حنبل نے شطرنج کی محفل جما رکھی تھی۔ حنبل اور ازلان کی اچھی خاصی بنتی تھی۔ جب وقت ملتا تھا کوئی گیم لگالیتے تھے پچھلے کچھ عرصے سے چلتی پریشانی میں انہیں ساتھ اس طرح سے بیٹھنے کا موقع ملا ہی نہیں تھا۔ آج بہت عرصے بعد ایسے مل کر بیٹھے تھے۔ ازلان نے شطرنج لگالی۔ آئمہ بیگم بھی ان کی پاس بیٹھی تھیں۔ حنبل نے انہیں کئی بار کہا تھا۔ "آپ جائیں آرام کریں۔"

"میں یہاں ہی ٹھیک ہوں' وہاں تمہارے بھائی کے خراٹے گونج رہے ہوں گے۔" انہوں نے ناگواریت سے کہا تھا کیونکہ کئی دن سے خیام باپ کے ساتھ الیکشن کے سلسلے میں ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ اور آئمہ کو شدید غصہ تھا۔ الیکشن کے لیے کیا باپ خود کم ہے' بیٹے کو بھی ساتھ لگالیا۔ حنبل نے مسکرا کر ان کی بات کو ٹال دیا۔

زینب نے چائے لاکر رکھی۔ اعشال اپنا کپ پکڑ کر سامنے صوفے پر بیٹھ گئی جہاں سلویٰ بیٹھی ان دونوں کی گیم پوری محویت سے دیکھ رہی تھی۔ بار بار نگاہ حنبل کے ہاتھوں سے چہرے تک جاتی تو خواہ مخواہ وجود میں مسکراہٹ پھیل جاتی۔ وہ اس بات سے انجان اپنے مخصوص انداز میں صوفے کی بازو پر کہنی لگائے ایسے بیٹھا تھا دائیں مٹھی پر ٹھوڑی ٹکی تھی انگشت گھنی سیاہ مونچھوں پر رکھے گہری دلچسپی سے مہرے دیکھ رہا تھا۔ اس کے بھرے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی' گلے کی ابھرتی ڈوبتی گلٹی مزید نمایاں ہوگئی۔ حنبل نے گھوڑے (مہرے) سے نظر اٹھا کر ازلان کو دیکھا۔ اس کی بھنچی بھنووں میں خفگی تھی۔ حنبل کی بادامی آنکھیں مسکرائیں اس کا گھوڑا گرا کر تھوڑے سے لب ملے۔

"بہت مزا آتا ہے مجھ سے ہارنے میں....؟"

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اعشال پہلے ہی چاچو کے ساتھ تھی کھڑی ہو کر تالیاں بجانے لگی۔
"واہ' واہ۔واہ' مزا آ گیا۔" کھسیانے ازلان کو چڑانے کا مزا ہی الگ تھا۔
"ہونہہ! مزا آ گیا۔"
اس نے منہ بگاڑ کر نقل اتاری "بہت خزانہ مل گیا نا تمہیں۔" سلویٰ کی دبی مسکراہٹ اعشال کی تائید کرتی محسوس ہوئی وہ تلملا رہا تھا۔
"بھئی نہ تنگ کرو' میرے بچے کو۔" آئمہ اس کی حمایت میں بولیں وہ مزید چڑا۔
"بچہ نہیں ہوں میں۔۔۔ چاچو کے احترام میں ہار جاتا ہوں۔۔۔ جب میں ہرانے پر آیا نہ تو جیت کو ترسیں گے۔" ضبل بند لبوں سے مسکرائے جا رہا تھا۔
"فی الحال تو تم ہار گئے ہو۔" اعشال نے انگوٹھے دکھائے۔
"ہاں ہار گیا ہوں۔۔۔" وہ تپ کے بولا "نہیں بھی ہرانے والی گھر میں موجود ہے' ابھی بلا کر لاتا ہوں روائیبہ کو' اتنا زبردست کھیلتی ہے' یاد ہی کریں گے۔"
لیڈیز حمایت پر وہ جی بھر کر شرمندہ تھا۔ ضبل نے ہلکی سی تھپکی سے اسے نارمل کیا۔
"یار کیا ہو گیا۔۔۔ ایک گیم ہی تو ہے۔۔۔ اچھا جاؤ بلا لاؤ اسے۔۔۔ اس بہانے سب کے بیچ تو بیٹھے گی۔"
"ہاں بے چارہ اکیلا جو مقابلہ نہیں کر سکتا' بڑا آیا بلانے والا۔" اعشال کے لہجے پر ضبل کو قدرے حیرت ہوئی۔
"ویسے۔۔۔ ایک بات ہے۔" ازلان "ویسے" خوب کھینچ کر دوبارہ سے بیٹھ گیا اعشال کو چڑانے کا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔
"چھوٹے دادا کی بیٹی ہے بہت خوب صورت۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔ واہ۔۔۔"
"کیا واہ' واہ۔۔۔" اعشال واقعی چڑ کر بولی تھی "سفید مولی جیسی نام کو کشش نہیں ہے۔"
"اوہ۔۔۔ یو جیلس۔۔۔ ہاہاہا۔" ازلان کے فلک شگاف قہقہے پر سلویٰ کو بھی غصہ آیا۔
"یہ کیوں جیلس ہونے لگی۔۔۔ یہ اس سے زیادہ خوب صورت ہے۔"
"تب ہی سڑنے کی بو آ رہی ہے۔" اس نے ناک سکیڑی ضبل جھنجلا گیا۔
"کیا ہو گیا ہے' تم لوگوں کو۔۔۔ بات کو کہاں سے کہاں لے گئے ہو۔"
"سچ کہہ رہا ہوں چاچو۔۔۔ یہ واقعی اس سے جلتی ہے' اس کے پاس تک تو بیٹھتی نہیں۔ دلاسا تو کیا دینا۔۔۔"
"کیوں' ننھی کاکی ہے وہ جسے گود میں لے کر بیٹھیں' جس جگہ سے وہ آئی ہے' ایسے لوگوں کو دلاسوں کی ضرورت نہیں ہوتی' ماں جان کو متاثر کرنے کی ایکٹنگ کر رہی ہے۔" سلویٰ کے متنفر لہجے پر ضبل ذکا کے چہرے پر تاسف ابھرا تھا۔
"کیا بات ہے سلویٰ۔۔۔ آپ تو کم از کم سمجھ دار ہیں۔۔۔ وہ لمحہ بھر رکا" احساسات جذبات کا تعلق زمین سے زیادہ واقعات سے ہوتا ہے' وہ اس کے ماں باپ تھے۔" پھر اس نے اعشال کو دیکھا تھا۔
"اعشال بیٹا آپ اسے کمپنی دیا کرو' آپ کی تو ہم عمر ہے۔ وہ ایک بہت بڑے فیز سے گزر رہی ہے' گھر' ماحول' فیملی سب کچھ یک لخت بدل گیا ہے اس کا۔۔۔" ضبل کی اس کے لیے حمایت پر سلویٰ پیچ و تاب کھا گئی۔ آئمہ نے اسے نارمل رہنے کے لیے تنبیہہ آمیز گھورا تھا۔
"میں آ جاؤں۔۔۔ اگر برا نہ لگے۔۔۔" وہ سٹنگ روم کے دروازے پر کھڑی تھی' ہونٹ کا کونا سختی سے دبا رکھا تھا ضبل پر نگاہ پڑتے ہی چھوٹا ہونٹ ایسے ہو گیا جیسے ابھی سفید ہتھیلی پھٹ کر نارنجی سندور بکھر جائے گا۔
"اوہ ویلکم' ویلکم' مائی ڈیئر فرینڈ۔۔۔ آئیں۔۔۔" اس کی معصومانہ اجازت پر ازلان باقاعدہ کورنش بجالاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا اور اپنے قریب جگہ بنائی تھی۔ ماں جان دوائیں کھا کر سو گئی تھیں۔ وہ اکیلے بیٹھے بیٹھے

تنگ آگئی باہر نکلی آوازیں سن کر ادھر ہی آگئی۔ یک لخت سب ہی چپ کر گئے تھے اسے خجالت محسوس ہوئی۔ تھوک نگل کر بولی تھی۔

"سوری..... میں نے ڈسٹرب کیا..... میں پھر آجاؤں گی....."

"نہیں، نہیں..... آپ آئیں۔ بیٹھیں....." حنبل فوراً سے بولا تھا۔

"ہم تو آپ ہی کا ذکر خیر کر رہے تھے....." ازلان نے سلویٰ' اشمال کو ذومعنی دیکھتے ہوئے کہا تھا "آپ کے حسن کی بڑی مداح سرائی کر رہی تھیں ہماری خواتین' زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے....." وہ اپنی ہار پر بجائی جانے والی ایک ایک تالی کا گن گن کے بدلے لے رہا تھا۔ روائیبہ کو اردو سمجھ آتی بھی تھی' جھٹکے مارتے ہوئے بول بھی لیتی تھی مگر اتنے مشکل الفاظ۔ "مداح سرائی' قلابے....." اس نے ناسمجھی سے اشمال اور سلویٰ کو دیکھا جن کے چہروں پر ایک ناگواریت کا تاثر ابھر کر معدوم ہو گیا پھر وہ سب کو نظر انداز کیے اپنی باتوں میں مصروف ہو گئیں۔ ان کا رویہ حنبل ذکا کو بھی خاصا برا لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بات کرتا' زینب اندر آئی تھی اور روائیبہ سے کہا تھا۔

"باجی..... ان ہی صاحب کا پھر فون آیا ہے....."

حنبل کی سوالیہ نگاہ زینب سے روائیبہ پر گئی وہ لفظ "ان ہی صاحب" پر چونکا تھا۔ جندب کا اے سی سی اے کا آخری سمسٹر ختم ہونے کو تھا۔ وہ پاکستان ایک ماہ رہ کر واپس وکٹوریہ چلا گیا تھا۔ جب تک یہاں رہا اس سے باقاعدہ رابطے میں رہا تھا۔ آسٹریلیا جانے سے پہلے اپنی فیملی کے ساتھ اسے ملنے آیا تھا اور رضا حیات بہت دیر زندگی کے نشیب و فراز سمجھاتے رہے۔ سب کے ساتھ گھلنے ملنے' تعلیم مکمل کرنے کا مشورہ دیتے رہے وہ جتنی دیر رہے تھے میرزکا مسلسل روائیبہ کے پاس بیٹھے رہے۔ جانے سے پہلے رضا حیات نے میرزکا سے علیحدگی میں کوئی بات کی تھی جس کے بعد میرزکا خاصے الجھے ہوئے دکھائی دیے۔ جندب نے واپس جا کر بھی اپنی مصروفیات سے وقت نکال کر اسے فون کرنا نہیں بھولا تا کہ اس کی ہمت بندھی رہے۔ اس کی کوشش ہی تھی کہ تین ماہ میں وہ خاصی نارمل ہو گئی تھی۔ سب کے پاس خود سے آکر بیٹھ جاتی۔ اب آکر بیٹھی ہی تھی کہ فون آگیا۔ وہ اپنی ٹی شرٹ درست کرتے ہوئے اٹھی۔

"جندب ہوگا۔" کہتے ہوئے دروازے سے باہر نکل گئی۔

"اوہو..... بوائے فرینڈ' دیکھ لی منی کی معصومیت....." سلویٰ نے طنزاً بھنوئیں اچکا کر حنبل سے کہا تھا۔

"سلویٰ آپ بھی....." اس کے جواب میں تاسف بھرا تھا "بہت افسوس ناک ہے آپ کا رویہ۔"

حنبل کو کم از کم سلویٰ سے ایسے رویے کی امید نہیں تھی۔ جو کچھ ہوا وہ ماضی کے ساتھ ختم ہو گیا تھا اور وہ پڑھی لکھی ہونے کے باوجود ابھی تک ماضی میں جی رہی تھی۔ اشمال تو صرف روائیبہ کی کم عمری اور خوب صورتی کی وجہ سے ہی جلیس تھی مگر سلویٰ اور آئمہ کی خار کی وجہ ایک اور بھی تھی۔ برسوں پہلے ازمیر نے ان کی پھوپھی ہاجرہ کو مریم کی خاطر طلاق دی تھی اور ہاجرہ مرتے دم تک اپنے شوہر سے طلاق کے طعنے سنتی رہی تھیں۔ رشتوں کی بہت الجھی ڈور تھی۔ جب ہاجرہ کو باقاعدہ طلاق بھجوائی گئی۔ میرزکا کے سالے ان پر چڑھ دوڑے تھے۔ سلمیٰ کے لیے میکے میں رنجشیں بڑھ گئیں جو کئی سالوں پر محیط رہیں۔ سلمیٰ نے ٹوٹے رشتوں کو پھر سے جوڑا تھا اور اپنی بھتیجی آئمہ کا رشتہ خیام کے لیے مانگ لیا۔ جلدی کے چکر میں خیام کی شادی خاصی کم عمری میں طے ہو گئی تھی۔ خیام کی منگنی کے بعد وہ اکثر دبے لفظوں میں سلویٰ اور چھوٹے بیٹے حنبل کا ذکر بھی کر لیتی تھیں۔ اس وقت وہ دونوں صرف سات آٹھ برس کے تھے۔ سلمیٰ خیام کی شادی سے سال پہلے ہی فوت ہو گئیں۔ لیکن ان کے بعد خیام اور آئمہ نے رشتے کو یاد رکھا تھا اور جب خیام نے باقاعدہ شادی پر زور ڈالا' گھر میں حادثہ ہونے کے سبب بات پھر سے پس پشت چلی گئی۔

"اس میں افسوس کی کیا بات ہے۔" سلویٰ کو حنبل کی حمایت خاصی گراں گزری۔ "بوائے فرینڈ' گرل فرینڈ وہاں کا کلچر ہے' اس کا لباس' چال ڈھال سب انگریزوں جیسا ہی ہے۔۔۔ پھر ماں۔۔۔ بھول گئے آپ۔۔۔ کرسچن۔۔۔"

"کرسچن نہیں' وہ مسلمان ہو گئی تھیں۔" حنبل نے بمشکل غصے کو کنٹرول کرتے اس کی بات کاٹی اور فوراً" اٹھ کر تیز قدموں سے باہر نکل گیا۔ شطرنج بچھی رہ گئی تھی۔ ازلان نے بھی ناگواری سے سب کو دیکھا اور سونے کو اٹھا۔ آئمہ کے چہرے پر غصے سے ایک رنگ آرہا تھا' ایک جارہا تھا' اعشال نے وہاں سے کھسکنے میں عافیت جانی' مگر سلویٰ کو بازو سے پکڑ کر آئمہ نے روک لیا۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی' تمہیں حنبل کے مزاج کا پتا نہیں ہے۔"

"میں نے کوئی بدتمیزی نہیں کی۔" وہ کرختگی سے بولی۔ "وہ خواہ مخواہ میں ہی طرف دار بنا تھا۔"

"اگر وہ طرف دار بنا تھا تو تمہیں بھی بننا چاہیے تھا۔ کم از کم تمہیں اس کی رائے سے اختلاف نہیں ہونا چاہیے۔ کم از کم اس کے سامنے ہی پوز کرلیتیں۔"

"مجھ سے نہیں ہوتی منافقت۔"

"کیا مطلب ہے نہیں ہوتی۔" آئمہ کو اس پر شدید غصہ آیا۔ "مرد کے دل تک پہنچنے کے لیے عورت کو منافق بننا پڑتا ہے' جو کچھ اس کے ماں' باپ نے کیا' وہ ان کے ساتھ ختم ہو گیا اور حنبل ماضی کو کریدنے والا شخص نہیں ہے' آئندہ میں اس کے ساتھ تمہارا اختلاف نہ دیکھوں۔ سمجھیں وہ پہلے ہی شادی کو ٹال رہا ہے' اوپر سے تمہارا رویہ۔۔۔" آئمہ کا بس نہیں چل رہا تھا بہن کا سر توڑ دے یا روائیبہ کو واپس بھجوا دے' جس کی وجہ سے اختلاف کا خطرہ تھا۔ سلویٰ البتہ گردن جھٹک کر جا چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

رت بدلنے پر مہاجر پنچھی غول در غول اپنے دیس کو لوٹنے لگے تھے۔ لیکن ان میں سے کچھ پردیس کے اسیر ہو گئے۔ کچھ راستے میں آئی چٹانوں سے ٹکرا گئے۔ ہاں ان میں سے کچھ کو اپنے چھوڑے آشیانے پھر سے مل گئے تھے۔ کیسے ملے' کب ملے' یہ ان کی پرواز جانتی تھی۔ اس کا ویزہ ختم ہونے کو تھا۔ اس نے اپنا سامان سمیٹنا شروع کردیا۔ شام کے وقت وہ اکثر برآمدے میں نکل آتی' کبھی لان میں نصب پنجروں کے پاس کھڑی رہتی' کبھی کیاریوں کے پاس بیٹھ جاتی۔ اسے اپنی واپسی کے لیے میرزکا سے بات کرنی تھی۔ لفظوں کی ادھیڑبن میں بہت سا وقت گزر جاتا۔ آج کچھ دیر پہلے ہی وہ برآمدے میں نکلی' برآمدے کے ساتھ بنے مہمان خانے سے اسے میرزکا کی آواز سنائی دی۔ ان سے بات کرنے کا موقع اچھا تھا۔ وہ مہمان خانے کی جانب بڑھی۔ دروازے سے اندر جھانکا' اندر میرزکا کے ساتھ کئی اور مرد بھی بیٹھے تھے۔ کوئی میٹنگ چل رہی تھی۔ ان کے فارغ ہونے کے انتظار میں وہ پلٹ کر برآمدے کے اسٹیپس پر بیٹھ گئی۔ وہ عقب سے اسٹیپس اترتا محسوس ہوا۔ وہ باہر جانے کے ارادے سے نکلا تھا۔ اسے مہمان خانے کے سامنے بیٹھا دیکھ کر چونکا اور اپنا رخ باہر کے بجائے مہمان خان کی جانب موڑ لیا۔ کچھ ہی دیر میں میٹنگ ختم ہو گئی تھی۔ ایک ایک کرکے مرد باہر نکلے۔ گیٹ کی جانب بڑھنے لگے۔ کئی نے اس کی موجودگی کو اپنے اپنے انداز میں محسوس کیا۔ وہ معمول کی طرح اپنے ارادے سے اٹھی میرزکا فارغ ہو گئے ہیں' ان سے بات کرنے دروازے کے قریب پہنچی ہی تھی۔ اندر سے حنبل کی کرخت آواز آئی تھی۔

"آپ اپنا آفس یہاں سے شفٹ کریں' اوطاق میں لے جائیں یا ڈیرے پر' مگر یہاں سے ہٹائیں۔"

"کیوں۔۔۔ تمہیں کیا مسئلہ ہے؟" میرزکا کو اچنبھا ہوا۔

"آپ جانتے ہیں' وہ شام کے وقت یہاں باہر ہوتی ہے۔ جانے کون کون منہ اٹھائے آتا رہتا ہے۔"

"کون۔۔۔ روائیبہ کی بات کررہے ہو تم۔۔۔؟"

"ظاہر ہے' وہ ہی نئی ہے' اسے ہی نہیں معلوم ہماری عورتیں اس وقت باہر نہیں آتیں۔"

"یہ کون سی بڑی بات ہے' میں سمجھا دوں گا اسے۔" میرز کا نے توجیح پیش کی۔

"بات اسے سمجھانے کی نہیں ہے' اس کا یہ احسان کم ہے' خاموشی سے رہ رہی ہے' جانے کا شور نہیں ڈال رہی۔۔۔ اس پر پابندی لگانے کے بجائے خود کو پابند کریں' تاکہ وہ سہولت سے رہے۔"

"حنبل تم کبھی کبھی مجھے اپنے باپ لگتے ہو' اس طرح کبھی انہوں نے حکم نہیں دیا' جیسے تم دیتے ہو۔" حنبل کا حکمیہ انداز یک لخت اونچے قہقہے میں بدل گیا۔

"پھر میرا ادب کیا کریں۔" میرز کا نے اسے گھور کر دیکھا۔ "شرم نہیں آتی باپ کو ایسے کہتے۔"

"شرم کی کیا بات۔" وہ مسلسل ہنس رہا تھا۔ "خود ہی تو کہہ رہے ہیں' باپ لگتا ہوں۔" خیر اس نے ہنسی روکی۔ "میں کل لڑکوں کو کہہ دوں گا' آپ کا سامان ڈیرے پر شفٹ کردیں۔۔۔ ٹھیک۔" انہوں نے جان چھڑاتے انداز میں اثبات میں سرہلایا۔ حنبل باہر نکلتے ہوئے ایک بار پھر پلٹا تھا۔

"اور ہاں میں سوچ رہا ہوں' اس کا ایڈمیشن کروا دیں' اپنی اسٹڈی شروع کرے۔"

"ایڈمیشن کیوں۔۔۔ اعشال کی طرح پرائیویٹ کرے گی۔" میرز کا کی رائے پر اس نے کندھے اچکائے۔

"دیکھ لیں۔۔۔ آپ اس سے پوچھ لیں۔" وہ کہہ کر بھاری قدم اٹھاتا باہر نکلا۔ وہ دروازے کے عین سامنے کھڑی تھی۔ اسے دیکھ کر سٹپٹائی گئی۔ وہ بھی لمحہ بھر کے لیے چونکا۔ ابرو سکیڑتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"خیریت۔۔۔"

"ہاں۔۔۔ کچھ نہیں۔" وہ الٹے قدموں برآمدے کے اسٹیپس چڑھ کر تیزی سے اندر چلی گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ سن کر ہکا بکا رہ گئی تھی۔ کوئی اس کی زندگی کا خود مختار کیسے بن سکتا ہے' اس کے بارے میں اتنے بڑے بڑے فیصلے ہونے لگیں اور وہ چپ رہے۔ اسے اپنے کانوں پر یقین آنا مشکل تھا۔ اگر وہ اب بھی چپ رہی تو پھر کبھی نہیں بول سکے گی۔ لیکن وہ اپنے اندر ہمت محسوس نہیں کررہی تھی۔ ماں' باپ کے حادثے نے اسے بالکل توڑ موڑ کر رکھ دیا تھا۔ پھر گھر اور ماحول بدل جانے سے عجیب خدشے وسوسے دل کو مٹھی میں دبوچے رکھتے ایک لفظ بھی کہنے کی ہمت سلب ہورہی تھی۔ اس دن حنبل اور میرز کا کی گفتگو سننے کے بعد اس نے میرز کا سے بات کرنے کے بجائے ماں جان سے کی تھی اور وہ حیرت سے ایسے دیکھنے لگیں' جیسے اس نے دنیا سے کوئی الگ بات کررہی ہو اور پھر بہت دیر سمجھاتی رہیں۔ وہاں کون ہے' کس کے پاس جاؤ گی' یہ تمہارے باپ کا گھر ہے' سب اپنے ہیں اور خاص طور پر کہا تھا یہ ذکر میرز کا سے بالکل بھی نہ کرے۔ ماں جان کو اندر سے خدشہ ہوا تھا' کہیں یہ میرز کا کو کہہ دے' وہ پہلے ہی ازمیر کو پسند نہیں کرتا تھا' کہیں اس کی بیٹی سے چھٹکارا پانے کے لیے جلد از جلد واپس بھجوا دے۔ "یہ تو بچی ہے' بے وقوف' بھلا کہاں جائے گی۔" انہوں نے سمجھانے کے ساتھ خود ہی میرز کا کو ایک دن اپنے پاس بلایا اور بات کی تھی۔

"اس گھر۔۔۔ جائیداد میں جتنا تمہارے بچوں کا حق ہے۔ اتنا ہی ازمیر کی بیٹی کا' وہ یہاں سے کہیں نہیں جائے گی۔ چاہے وہ کہے تب بھی۔۔۔ تم نہیں بھیجو گے۔" سانس توڑ توڑ کر بمشکل ادا ہوئے ان جملوں پر میرز کا تحیر سے ماں کو دیکھ رہے تھے کہ انہوں نے اتنا کمینہ سمجھ رکھا ہے مجھے اور پھر جانے کا کیا ذکر' کہاں جائے گی؟ انہوں نے صرف یہ پوچھا تھا۔

"آپ سے کچھ کہا اس نے۔۔۔ جانے کے بارے میں۔" ماں جان نے منہ کھول کر سانس لیتے ہوئے اثبات میں سرہلایا۔

"ہاں۔۔۔ وہ جانے کی بار بار ضد کررہی ہے۔ مگر وہاں اس کا کوئی نہیں۔"

میرز کا کی پیشانی یک لخت سلوٹوں سے بھر گئی تھی۔

وہ اسی روز پریشان ہو گئے تھے۔ جب رضا حیات نے یہاں سے جاتے ہوئے اپنے بیٹے کے لیے روائیبہ کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ بے شک وہ ازمیر کا بہت گہرا اور پرانا دوست تھا۔ مگر دوستوں کے ساتھ رشتہ داریاں تو نہیں جوڑی جاسکتیں' آج تک خاندان کی کسی لڑکی کی شادی باہر نہیں ہوئی تھی۔ ان کی زمینیں' جائیدادیں آباؤ اجداد سے ویسے ہی چلی آرہی تھیں۔ کوئی خاص تقسیم نہیں ہوئی' نہ ہی سوچا گیا۔ رضا حیات کے منہ سے سن کر انہیں بھی خدشہ ہوا۔

"ہو سکتا ہے وہ کسی لالچ کے تحت کہہ رہا ہو۔"

روائیبہ کا اپنا رجحان بھی اس فیملی سے ملتا محسوس ہوا تھا۔ وہ کئی بار اس سے ملنے آئے تھے۔ فون پر اکثر باتیں کرتے سنا تھا۔ لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں انہیں رشتہ دے دیا جائے۔ میرزکا کے سسرالی خاندان میں ایک سبب یہ تھی' جس کی شادی کا سنا تھا باہر کی ہے۔ اسے کبھی خوش نہیں دیکھا تھا۔ لیکن میر علی کے خاندان میں ابھی تک کوئی لڑکی باہر نہیں گئی تھی۔ پھر وہ ایسا کیسے کر سکتے ہیں' لیکن روائیبہ کی واپسی کی ضد ان کی سمجھ سے باہر تھی۔ انہوں نے ایک دو بار اسے فون پر بھی کسی سے بات کرتے سنا تھا۔ شاید وہ واپس جانے کا ذکر کر رہی تھی۔ لیکن کیوں؟ وہ اچھے خاصے الجھے ہوئے تھے۔ اوپر سے ماں کے بے اعتبار لفظ بھلا وہ کیوں اس کا حق کھانے لگے۔ تب ہی انہوں نے کہا تھا۔

"اور میں کیوں بھیجنے لگا اسے' ازمیر کی بیٹی کا مطلب ہے وہ میری بھی بیٹی ہے ماں جان' میرا اور ازمیر کا اختلاف اپنی جگہ' مگر خدا جانتا ہے میرے دل سے اس کی محبت کبھی ختم نہیں ہوئی تھی اور یہ بچی اس کی نشانی ہے' مجھے اپنی اولاد کی طرح پیاری ہے۔ آپ بے فکر رہیں' وہ کہیں نہیں جائے گی' بلکہ... انہوں نے گہرا توقف کیا۔ "میں اس کی شادی کا سوچ رہا ہوں۔" ماں جان نے چونک کر دیکھا' ایک دم تو سمجھ ہی نہیں آئی۔

"کیا... کہاں... کس سے؟" ان کے تین سوالوں کے جواب میں وہ بہت آہستگی سے بولے تھے۔

"حنبل کی تو طے ہے' کیوں نہ ازلان کی بھی ساتھ کر دی جائے۔" ماں جان نے آنکھیں بند کیں اور سر نفی میں ہلا... "آپ سوچیں ابھی تو ایک تجویز ہے' میں بھی سوچتا ہوں۔" وہ کچھ دیر کے لیے ہی کمرے سے باہر نکلی تھی اور اندر اس طرح کے فیصلے ہونے لگے' وہ دروازے میں کھڑی کھڑی پتھر کی ہو گئی تھی۔ اسے عجیب سا خوف محسوس ہوا' بہت ہمت پیدا کر کے اندر قدم رکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی' میرزکا نے اس کو مسکرا کر دیکھا۔ سر پر ہاتھ رکھ کے باہر نکل گئے تھے۔ ماں جان آنکھیں موندے سوچوں میں ڈوبی تھیں۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا اب کیا کرے' کس سے مدد لے۔ جندب نے بھی دو دن سے کال نہیں کی تھی۔ فلوریہ کا خیال آیا اسے کہے کہ وہ واپس بلا لے۔ وہ انہی سوچوں میں غرق اپنی انگلیاں توڑ موڑ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

گندم کی کٹائی تو ہو چکی تھی' لیکن پھر بھی ڈیرے پر خاصی مصروفیت تھی۔ زمینوں پر تھریشر چل رہے تھے۔ گندم کی بالیوں سے دانہ نکالا جا رہا تھا' جو بوریاں بھر جاتیں وہ گوداموں میں پہنچائی جاتیں اور باقی کی فروخت کے لیے بیوپاریوں کا آنا جانا لگا رہتا۔ یہاں کے کام بھگتا کر وہ شہر جانے کے لیے اٹھا تھا۔ اسے چاولوں کی مل کا چکر لگانا تھا' تب میرزکا نے اسے روکا۔

"حنبل بیٹھو' مجھے تم دونوں سے بات کرنا ہے۔"

"جی..." خیام پہلے ہی ان کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بھی بیٹھ گیا۔ میرزکا نے چند پل سوچا اور پھر ازلان اور روائیبہ کے رشتے کے متعلق ان سے تجویز لی۔ حنبل نے بہت دھیمے انداز میں کہا تھا۔

"ویسے یہ ڈیرے پر کرنے والی بات تو نہیں ہے۔" میرزکا کو اس سے ایسے جواب کی امید تھی۔ ایک کٹیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"گھر پر تینوں کب اکٹھے ہوتے ہیں۔ کبھی ایک ہے' تو دوسرا غائب... اب بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

خیام کچھ سوچ رہے تھے، حنبل نے ٹانگ پر ٹانگ جماتے کرسی سے ٹیک لگائی۔

"جو آپ مناسب سمجھیں، مجھے بھلا کیا اعتراض ہونا ہے۔"

"حالانکہ سب سے زیادہ تمہیں ہی اعتراضات ہوتے ہیں۔" میرز کا کہنا تو یہ چاہتے تھے مگر چپ رہے، اور خیام سے پوچھا تھا۔ "ہاں خیام تم بتاؤ۔" "دیکھ لیں آپ۔ اور پہلے تو اس کی شادی کریں، ایسے ہی فارغ پھر رہا ہے۔" خیام کا اشارہ حنبل کی جانب تھا۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے "ہاں ہاں" کرتے کہا تھا۔ "یہی سوچ رہا ہوں اگر دونوں شادیاں ساتھ کر دی جائیں تو کیسا ہے۔" اب حنبل استہزائیہ مسکرایا تھا۔

"شادی کے لیے وہ دونوں ابھی چھوٹے نہیں ہیں۔"

"شادی کے بعد سب خود ہی بڑے ہو جاتے ہیں۔ ویسے بھی اور کوئی طریقہ نہیں ہے، اسے یہاں روکنے کا۔ جانے کی ضد کر رہی ہے۔"

"وہاں کس کے پاس جائے گی۔ چچا کا تو گھر بھی کرائے کا تھا۔" حنبل کو فکر ہوئی تھی۔

"اتنی اگر اسے سمجھ ہو تو کہتی؟" پھر زور زبردستی بھی نہیں کر سکتے، وہ یہاں کی تھوڑی ہے جو چپ کر جائے گی، باہر کی پیداوار ہے، بہت کچھ پتا ہو گا، ڈر ہے ایمبیسی کو بیچ میں نہ لے آئے، پھر وہ رضا حیات کی فیملی سے اکثر فون آتا رہتا ہے، خواہ مخواہ ہی نہ ورغلانہ شروع کر دیں، وہ کم عمر ہے، اس عمر میں اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی، ہر دوسرا شخص اپنا ہمدرد لگتا ہے، اس خاندان کا خون ہے، عزت ہے ہماری، پردیس تنہا تو نہیں چھوڑ سکتا۔"

"بات تو آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔" خیام نے ہنکارا بھرا، حنبل نے تائیدی سرہلاتے ہوئے کہا تھا۔

"ہاں ٹھیک ہے، آپ ماں جان سے بات کر لیں، وہ اس سے رائے لے لیں گی۔ اذلان سے پوچھ لیں، پھر جیسے مناسب سمجھیں۔"

"ماں جان کیا بات کریں گی۔" میرز کا نے گردن جھٹکی۔ "میں خود طریقے سے بات کر لوں گا اور وہ اس کے ویزے کی ڈیٹ بھی ختم ہونے والی ہے، کل نہ آجائے ایمبیسی سے۔ بڑھواؤ کسی طرح۔"

"وہ آپ بے فکر رہیں۔" حنبل نے ٹانگ سے ٹانگ اتاری، شاید اب اٹھنا چاہ رہا تھا۔ "میں اس کی آسٹریلیا سے کلیرنس کروا لوں گا۔"

"اس کے لیے تو اسے جانا پڑے گا۔" خیام کے کہنے پر حنبل نے استہزا میں گردن جھٹکی تھی۔

"بغیر بندے کے پاسپورٹ بن سکتے ہیں، یہ تو پھر ایک کلیرنس ہے۔ ہو جائے گی۔" اور واقعی ایسا تھا اس نے ایک فون کرنا تھا ایمبیسی کے سیکرٹری اور یہ کام ہو جانا تھا۔ اتنا اثر و رسوخ تھا اور اگر زیادہ مسئلہ بنا تو وہ خود اسے ساتھ لے جائے گا، کلیرنس کروانے۔ لیکن فی الوقت چند ماہ کی ڈیٹ بڑھوائی گئی اور شادی کا مسئلہ حل کر رہے تھے۔ جو ماں جان کسی صورت ماننے کے نہیں دے رہی تھیں۔ اذلان کا پروپوزل ان کی سمجھ سے باہر تھا۔ میرز کا نے کئی بار بات کی مگر ان کا ایک ہی جواب تھا۔ "وہ بہت لاپروا ہے۔"

جمعے کی شام وہ تینوں گھر پر تھے۔ میرز کا بطور خاص حنبل اور خیام کو لے کر ماں جان کے کمرے میں بیٹھے تھے۔ آج وہ ہر صورت فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔ کچھ دیر ادھر ادھر کی باتیں کر کے اپنے مطلوبہ موضوع پر آ گئے۔ ماں جان کے چہرے پر ناگواریت سمٹ آئی تھی۔

"آخر کمی کیا ہے اذلان میں، اس کا ہم عمر، ہم مزاج ہے، خوب صورت ہے، اتنی بڑی جائیداد کا وارث اور کیا چاہیے آپ کو۔" وہ کمرے سے ملحقہ بالکونی میں بیٹھی میگزین پڑھ رہی تھی۔ اندر سے آتی آوازوں پر چونکی، جالی دار پردے سے وہ تینوں بیٹھے دکھائی دے رہے تھے۔ آپوں آپ اس کے کان کھڑے ہو گئے۔ بہت حد تک اسے موضوع بحث کا اندازہ تھا اور اتنا بھی یقین ہو چکا تھا، ماں کم از کم اس حق میں نہیں، پھر وہ کیوں انکار کر کے بری بنے، وہ کچھ عرصے کے لیے یہاں ہے، چلی جائے گی۔ اس بات کا قطعاً اندازہ

نہیں تھا' یہ مسئلہ معمولی نہیں اور اپنے فیصلوں میں مرد کس حد تک زور آور ہو سکتے ہیں۔ اس کے کان ماں جان کے جواب کے منتظر تھے۔ وہ گہرے سانس لیتے ہوئے ایک ہی جملہ کہہ رہی تھیں۔

"نن..... نہیں..... وہ بہت لاپرواہ ہے۔"

"ماں جان' اس عمر میں سب ایسے ہی ہوتے ہیں' جب ذمہ داری پڑے گی' خود عقل آجائے گی' ہماری محبت اور ڈھیل نے اسے ایسا بنا دیا ہے' ٹھیک ہو جائے گا۔" خیام انہیں قائل کرنے کے لیے قدرے آگے ہو کر بیٹھے۔ "اور ویسے بھی' آپ نے دیکھا نہیں' وہ صرف اسی کے ساتھ ہنستی بولتی ہے۔ آپ بے فکر رہیں' وہ دونوں بہت خوش رہیں گے۔" جیسے جیسے بحث سمجھ میں آتی گئی اس کی سانسیں گہری جسم ٹھنڈا ہونے لگا۔ جسم میں سنسنی سی دوڑ رہی تھی۔

"آپ مانیں یا نا مانیں۔" میرزکا قطعیت سے کہنے لگے۔ "اس کے کہنے پر اسے آسٹریلیا تو نہیں بھیجا جا سکتا' وہاں اکیلی کس کے پاس رہے گی۔ وہ عزت ہے اس خاندان کی' خون ہے ازمیر کا' کیسے تنہا چھوڑ دوں' شادی ہو جائے گی' مصروف ہو جائے گی۔"

میرزکا کو کسی کی اجازت نہیں چاہیے تھی۔ اگر چاہتے تو زبردستی نکاح کروا دیتے' جتنے وہ ان دنوں روائیبہ کی جانب سے پریشان تھے۔ مسئلہ یہ نہیں تھا وہ لڑکی تھی۔ مسئلہ یہ تھا کہیں مخالفین اس چیز کا فائدہ نہ اٹھائیں۔ اسے عدالت میں نہ لے جائیں۔ جائیداد کی تقسیم کے لیے مقابل کھڑے ہونے پر اکسائیں' کیونکہ جس طرح آئے روز کوئی افسوس کے لیے آتا رہتا اور پھر جس طرح رضا حیات کی فیملی اس سے رابطے میں تھی۔ ایک زمیندار کے لیے اس کی زمین بڑی طاقت ہوتی ہے' وہ اپنی طاقت کا بٹوارہ کر کے کسی غیر کی جھولی میں ڈالنے سے رہے تھے۔ مگر ماں جان سمجھ کر نہیں دے رہی تھیں۔ وہ بہت دیر چپ رہنے کے بعد آہستہ آہستہ بولیں' آواز نقاہت سے ٹوٹ رہی تھی۔

"تم کوئی اور لڑکا دیکھو۔ خاندان میں کسی سے بات کرو۔"

"اتنی جلدی کہاں سے لڑکا پیدا کروں۔ خاندان میں اس کا ہم عمر کوئی نہیں اور غیروں کو میں کسی صورت نہیں دوں گا اور دوں بھی کیسے۔" یک دم یہ میرزکا کے ذہن میں کوندا لپکا۔ "ازمیر نے خود مجھ سے اس کے رشتے کی بات کی تھی' دبے لفظوں میں رشتے داری کا کہہ رہا تھا۔" ان کے ٹھوس انداز پر دونوں بیٹوں نے حیرت سے دیکھا تھا۔ البتہ ماں جان نے سنتے ہی آنکھیں بھینچ لیں' سر بیڈ کراؤن سے ٹکا دیا۔ باہر بیٹھی روائیبہ کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو گئی تھی' میگزین پر لکھے حروف مٹے مٹے دکھائی دینے لگے۔ دل میں دعا تھی۔ "ماں جان کبھی نہ مانیں۔"

"میں سچ کہہ رہا ہوں ماں جان..... اب کیا مرے ہوئے بھائی کی بات کا بھرم نہ رکھوں۔ کیا کہے گا قیامت کے دن میں اس کی اکلوتی بیٹی نہ سنبھال سکا۔" ان کی ہر دلیل انہیں قائل کرنے سے قاصر ہو رہی تھی۔ انہوں نے اپنا غصہ کنٹرول کرتے ہوئے جبڑے سختی سے دبائے' دونوں بیٹوں کو دیکھا اور فیصلہ کن انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ میرا پوتا بہت لاپرواہ ہے' آوارہ ہے' زمانے کی ہر برائی اس میں ہے' مانتا ہوں' لیکن آپ کا پوتا تو بہت سمجھ دار اور شریف ہے' حنبل سے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے نا آپ کو۔"

اتنا اچانک ان کا فیصلہ بدلنے پر حنبل زکا نے چونک کر باپ کو دیکھا تھا۔ تحیر سے آنکھیں ایسے پھیلی تھیں جیسے کہہ رہا ہو "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟" وہ تو بھتیجے کا پروپوزل لے کر آیا تھا اور یہ فیصلہ..... یک دم تو اسے ان کی ذہنی حالت پر شبہ ہوا۔ اس میں اور روائیبہ میں زمین آسمان کا فرق موجود تھا' نہ صرف عمروں کا' مزاج' انداز کا بھی اور حنبل تو پہلے ہی شادی کے معاملے میں خاصا محتاط ہو رہا تھا۔ اسے اپنے جیسی سمجھ دار' معاملہ فہم شریک زندگی چاہیے تھی اور وہ اتنی چھوٹی..... اور پھر ویسے بھی وہ برسوں سے کسی سے منسوب تھا' پھر ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں' کیسے اپنا آپ

خجل محسوس ہوا۔ باپ کی اس نئی منطق پر دل کھول کر غصہ آیا۔ غیر ارادی طور پر اس کی نگاہ جالی کے پردے سے باہر اس کے ہیولے پر گئی' اس کی آنکھیں سختی سے بند تھیں' نچلا ہونٹ دانتوں میں بھینچا ہوا تھا۔
حنبل کو نئے سرے سے غصہ چڑھنے لگا۔

"ازلان سے زیادہ خوب صورت ہے' بارعب ہے' زمانے کی اونچ نیچ کا پتا ہے' اب میں کوئی انکار نہیں سنوں گا۔" ان کے قطعی جملوں پر اس کے ہاتھوں سے میگزین پھسل گیا۔ سانس بہت تیز تھی' مگر اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اٹھ کر اندر جائے' سب کے سامنے انکار کردے کہ یہ سب غلط ہے۔ اسے ابھی شادی نہیں کرنا' تعلیم مکمل کرنا ہے۔ اسے یہاں رہنا ہی نہیں ہے۔ مگر وہ کرسی پر گڑھی بیٹھی رہی' اس کا ذہن جندب اور فلوریہ کی جانب بھٹک رہا تھا کہ ان سے بات کرے' وہ ہی اس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں۔

خیام ذکا ابھی تک غیر یقینی آنکھیں پھاڑے باپ کا منہ دیکھ رہے تھے' انہیں اپنی سماعت پر دھوکا ہوا تھا۔

"مگر... بابا... حنبل کی منگنی...."

"کیا منگنی...." میر ذکا پہلے ہی تپے بیٹھے تھے' گرج کر بولے۔ "صرف ایک بات تھی' وہ بھی سلمیٰ نے کی تھی' کوئی نکاح نہیں تھا جو ختم نہیں ہو سکتا۔ اب ایک بات کے لیے گھر کی بچی اٹھا کر باہر پھینک دوں۔ سلمیٰ کے لیے کون سا رشتوں کی کمی ہے' کون سا نقص ہے اس میں' کہیں اور ہو جائے گا۔"

"تو کیا کمی مجھ میں ہے' نقص ہے' اسی لیے لاوارثوں کی طرح کسی کے سر پر تھوپ دو۔" گلے میں نمی اٹکنے سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس کا دل یہاں سے بے طرح اچاٹ ہو گیا تھا۔ ممی' ڈیڈی شدت سے یاد آئے۔

حنبل باپ کے بے تکے فیصلے پر الجھن کا شکار تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کن پٹی' پیشانی مسلتے ہوئے اپنے اعصاب نارمل کرنے کی کوشش میں تھا۔ اس نے ایک نگاہ پھر باپ' بھائی پر اٹھائی' وہاں ہنوز وہی انداز تھا۔ اسے اندازہ ہو چکا تھا بابا کا یہ فیصلہ بدلنا اتنا آسان نہ ہوگا۔ ماں جان پر نگاہ جاتے ہی وہ حیران رہ گیا تھا۔ ان کا چہرہ ایسے کھلا تھا جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو' یا وہ اسی بات کی منتظر ہوں۔ وہ انکار بھی کیسے کرتیں۔ اس پوتے میں ان کی جان تھی اور پھر اتنا خیال رکھنے والا' سمجھ دار شخص کہاں ملتا' صرف اس کی منگنی کی وجہ سے اپنے منہ سے نہیں کہہ رہی تھیں جو میر ذکا کے غصے نے فوراً" نکلوا دی انہیں اپنے پوتے پر جی بھر کر پیارا آیا تھا' کانپتی ہوئی لاغر بانہیں حنبل کے لیے پھیلا دیں۔ وہ نیم وا منہ سے نا سمجھی کی کیفیت میں کبھی میر ذکا' کبھی خیام بھائی کو دیکھ رہا تھا' پھر اس کی نگاہ بند آنکھوں والے ہیولے پر گئی' اس کا دماغ ماؤف ہونے لگا۔

ادھر ماں جان اسے اپنے پاس بلا رہی تھیں۔ میر ذکا نے گردن سے اشارہ کرتے آگے بڑھنے کے لیے حوصلہ افزائی کی۔ جیسے کہا ہو۔ "جاؤ مل لو اپنی ماں جان سے' ثبوت دے دو سمجھ داری کا۔" اپنے ہی فیصلے پر ان کا اپنا حلق تلخ ہو گیا تھا۔ فوراً" ہی یہ کہتے ہوئے اٹھے۔

"جو تیاری کروانی ہے' آئمہ سے کروائیں۔ میں جلد اس کام سے فارغ ہونا چاہتا ہوں۔ کل کلاں مجھے کچھ ہو جائے' اس بچی کے سر پر باپ ہے' نا بھائی ہے۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئے۔ خیام بھی مرے قدموں باپ کے پیچھے گئے تھے۔ البتہ حنبل ذکا ماں جان کے قریب بیٹھا تھا۔ انہوں نے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما' پیشانی کو چوما تھا۔

"حنبل.... یہ بات نہیں ہے کہ ازلان لاپروا ہے' وہ بہت اچھا ہے۔" انہوں نے تھکے ماندے سانسوں آہستگی سے بات شروع کی تھی۔ "لیکن آئمہ' ہاجرہ کی بھتیجی ہے' وہ کیسے ازمیر کی بیٹی کو بہو کے روپ میں برداشت کرتی۔ اگر سلمیٰ زندہ ہوتی' تو میں تیرے لیے بھی نا مانتی۔ ازمیر کی غلطی کی سزا اس کی بچی کو مت دینا۔ وہ بہت معصوم ہے۔" کہتے ہوئے ان کے آنسو چھلک پڑے تھے۔ حنبل اتنی دیر سے سوچ رہا تھا۔ اس غلط فیصلے پر ماں جان کو' بابا جان کو سمجھائے گا۔ طریقے

سے قائل کرنے کی کوشش کرے گا۔ ان کے چند جملوں نے سب جھاگ کی طرح بٹھا دیا۔ اس نے میکانکی انداز میں ان کے دونوں ہاتھ تھامتے ہوئے چومے۔ آنسو صاف کیے۔

"ایسا کیوں سوچ رہی ہیں آپ' کوئی غلطی نہیں کی چچا نے۔ اور کسی کی سزا' کسی کو تھوڑی دی جاتی ہے۔ دور کرلیں یہ خدشے۔" حنبل نے انہیں اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ "اور ایک بات بتاؤں آپ کو' آئمہ بھرجائی بالکل بھی کم ظرف نہیں ہیں' دل کی بہت اچھی ہیں وہ' مجھے آج تک وہ غیر نہیں لگیں۔"

"جانتی ہوں۔" وہ اس سے الگ ہوتے دھیما سا بولیں۔ "مگر بدلے کی آگ سکوں کو راکھ کردیتی۔"

سب کے چلے جانے کے بعد وہ کمرے میں آئی تھی۔ اس کی پتھر جیسی آنکھیں ماں جان کے چہرے پر جمی تھیں۔ وہ ان سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہوتی ہیں اس کی زندگی کے فیصلے کرنے والیں۔ وہ اپنا اچھا برا خوب جانتی ہے۔ یہی کہنے کے ارادے سے وہ سامنے بیٹھنے لگی' مگر انہوں نے اشارے سے اسے اپنے پاس بلایا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی وہ ان کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میں ازمیر کی ماں ہوں۔ اور تو اس کی اولاد۔۔۔ میں تجھے دربدر نہیں دیکھ سکتی۔ تیرے بھلے کے لیے یہ فیصلہ کیا ہے' تم قبول کرلو۔" اس نے خفگی سے ماں جان کی آنکھوں میں دیکھا' جو جملے سوچے تھے گڈمڈ ہوگئے۔

☆ ☆ ☆

آئمہ بیگم یہ سنتے ہی ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ برسوں سے ہوا فیصلہ پل میں کیسے بدل گیا۔ وہ تو ازلان کے رشتے کے لیے بمشکل راضی ہوئی تھیں۔ مگر اب بہن کی جگہ ان کی تمام برداشت جواب دے گئی تھی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔۔۔ بابا ایسا کیسے کرسکتے ہیں۔"

"بس ہوگیا ان سے۔۔۔"

"اور آپ نے مان لیا۔۔۔ کچھ یاد نہیں دلایا۔"

"میں کیا کہتا۔۔۔ سب کچھ اتنی اچانک ہوا۔ انہیں خود پتا نہیں چلا' وہ کیا کررہے ہیں۔" خیام سر پکڑ کر بیٹھے تھے۔

"اچھے اچانک ہیں۔ جو خود بخود ہوجاتے ہیں۔" وہ دانت جما کر کچکچائیں۔ "اور حنبل وہ' وہ کچھ نہیں بولا' اسے اعتراض نہیں ہوا۔"

"کیا اعتراض کرتا وہ۔۔۔ اس کے لیے بھی اتنا ہی اچانک تھا' جتنا میرے لیے' حکم صادر کرنے میں بابا نے موقع ہی نہیں دیا' کسی کو بولنے کا۔"

"وہ بول سکتا ہے' بابا کے سامنے صرف وہی بول سکتا ہے۔ کیوں نہیں بولا وہ۔" آئمہ کی تیز ہوتی آواز پر خیام نے زور سے ڈپٹتے ہوئے کہا تھا۔

"اپنی آواز نیچی رکھو' کمرے سے باہر نہ نکلے۔ کہا نا یہ میرے باپ کا فیصلہ ہے اور بس۔۔۔" خیام کے کڑی خفگی سے ڈپٹنے پر وہ کانپیں' آواز میں نمی گھل گئی۔

"ہاں سارے فیصلے آپ کے ماں' باپ کے ہی ہوتے ہیں' یہ باپ کا فیصلہ ہے' پہلا ماں نے کیا تھا۔ میری بہن کوئی لولی' لنگڑی نہیں ہے' جو رشتہ نہیں ہوگا۔ اب تک آپ کی ماں کے فیصلے کی وجہ سے ہی دیر لگی ہے۔ نہیں ارادہ تھا پہلے بتا دیا ہوتا۔ اچھا نہیں کیا یہ بابا نے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" خیام لٹھ مار انداز میں بولے۔ "مزید شکوے نہ سنوں تمہارے منہ سے۔۔۔" آئمہ نے "سوں سوں" کرتے تنفر سے گردن جھٹکی۔

اعشال کا بس نہیں چل رہا تھا' روائیبہ کے چہرے پر تیزاب ڈال دے۔ اس کے نزدیک سارا فساد ہی اس کے حسن کا تھا۔ ازلان کچھ دن معاملے کو سمجھتا رہا۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ پہلے اس کا رشتہ ڈالا گیا تھا۔ وہ تو صرف سلویٰ اور روائیبہ کا مقابلہ کررہا تھا۔ خالہ ہونے کے ناطے سلویٰ بہت اچھی تھی' لیکن چاچو کے لیے اسے روائیبہ ہی بہترین لگی' وہ دادا کی دور اندیشی کا قائل ہوگیا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹھکرائے جانے کی ہتک برداشت کرنا سلویٰ کے بس سے باہر تھا۔ وہ بچپن سے جس خواب کو پرو رہی تھی، وہ لڑی ایک لمحے میں ٹوٹ گئی۔ اس نے تو کبھی خواب میں بھی ایسا نہیں سوچا تھا۔ جب خبر ان کے گھر تک پہنچی، وہ بھنبھناتی ہوئی حویلی آئی تھی۔ پہلے آئمہ سے لڑی جھگڑی، گلے لگ کر روئی، پھر یک لخت ہی کیا سوجھا، سیدھی عنبل کی اسٹڈی میں چلی گئی۔ آبنوسی لکڑی سے مزین الماریوں میں ترتیب وار کتابیں رکھی تھیں۔ سامنے والی دیوار پر لکڑی کی کیلی گرافی سے بہت بڑا سا لکھا کلمہ آویزاں تھا۔ بک ریکس میں کتابوں کے ساتھ کرسٹل کے نفیس ڈیکوریشن اور پھول رکھے تھے۔ ایک کونے میں ساؤنڈ سسٹم فکس تھا۔ چھت کے عین وسط میں بڑا سا نیلے کانچ کا فانوس لٹک رہا تھا۔ جس کی نیلی شعاعیں اس کے نیچے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے آنکھیں موندے عنبل ذکا پر گر رہی تھیں۔ انتہائی خاموشی میں غلام علی کی دھیمی آواز کمرے میں پھیلی تھی، تب دھاڑ سے دروازہ کھلنے پر وہ یک لخت چونکا۔

”سلویٰ... خیریت...؟“

”کیا ہے... یہ سب... وہ زیادہ حسین ہے، کم عمر ہے... یا زمینوں کی پٹاری...“ اس کے جتا جتا کر بولنے پر وہ خاصا حیران تھا۔ آج سے پہلے وہ کبھی ایسے مخاطب نہیں ہوئی تھی۔ عنبل نے ریموٹ اٹھا کر ساؤنڈ سسٹم بند کیا۔

”پلیز سلویٰ... پہلے آپ بیٹھ جائیں۔“ اس نے ہاتھ سے سامنے صوفے کی جانب اشارہ کیا۔ وہ جبڑے دباتے تپ کر بولی۔

”میں یہاں بیٹھنے نہیں آئی عنبل ذکا! اپنی کمائیگی کا تماشا نہیں دیکھنا مجھے، مجھے صرف آپ کا جواب چاہیے۔“

”دیکھیں سلویٰ...“ اس نے دونوں ہونٹ بھینچ کر کھولتے جملے جوڑے۔ ”جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں میرا کوئی عمل دخل نہیں ہے۔“ وہ اب اس کے مقابل کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ تند نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ ”جو باتیں پہلے ہوتی رہیں، اس میں بھی میں غیر جانبدار تھا، میرے اور آپ کے بیچ کبھی کچھ ایسا نہیں رہا جس سے آپ کے کسی جذبے کی حوصلہ افزائی ہوئی ہو، لیکن آپ کا دل دکھا، میں بہت معذرت چاہتا ہوں، میں سچ کہہ رہا ہوں سلویٰ، میرے رشتے کا معاملہ پہلے بھی بڑوں کے ہاتھوں میں تھا اور اب بھی... لیکن ایم رئیلی سوری... ایکسٹریملی سوری... اس سب سے میں خود بہت ڈسٹرب ہوں۔“ سلویٰ کا لال بھبھوکا چہرہ اس سے دیکھا نہیں گیا، اس نے آہستگی سے پہلو بدل لیا۔

”پلیز... پلیز، موقع کی نزاکت کو سمجھیں، چچا اور بابا کے درمیان کیا بات ہوئی، میں نہیں جانتا، میں صرف اتنا جانتا ہوں میرے باپ نے پہلی بار میرے سامنے ہاتھ جوڑے ہیں، میں انہیں مایوس نہیں کر سکتا۔“

عنبل کو اس رات کی پوری بات یاد آگئی تھی۔ جب وہ سونے کے لیے کمرے میں گیا۔ میر ذکا اس سے پہلے ادھر بیٹھے تھے۔ اس کے کچھ بھی کہنے سے پہلے وہ ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

”عنبل میں زندگی میں پہلی اور آخری بار کوئی التجا کر رہا ہوں۔ خدا کے لیے تم انکار مت کرنا۔“

”کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، پلیز ایسے نہیں کریں۔“ اس نے ان کے ہاتھ کھول دیے۔

”میں نے بہت سوچ سمجھ کر ایسا کیا تھا، یہ ضروری ہو گیا تھا۔“ میر ذکا کے کہتے ہی وہ ان سے لپٹ گیا۔

”ٹھیک ہے جو آپ نے کیا۔“

لیکن اس وقت سلویٰ کو یہ سب سمجھانا بے حد مشکل لگ رہا تھا۔

”دیکھیں...“ اس نے رخ پھر اس کی جانب پھیر لیا۔ وہ آنکھیں سکیڑتے ہوئے ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔ ”آپ بہت اچھی ہیں، اور یہ کس نے کہا، آپ خوب صورت نہیں، آپ اس سے زیادہ خوب صورت ہیں، سمجھ دار ہیں، حسن صورتوں میں نہیں کردار میں دکھائی دیتا ہے، پلیز سلویٰ...“ وہ گہری سانس لیتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا تھا۔ ”میری دل سے دعا ہے آپ کو مجھ سے کہیں بہترین شخص ملے

خوش رہیں، پلیز سمجھنے کی کوشش کریں۔"
"ہونہہ۔۔۔" جواباً اس نے زور سے گردن جھٹکی۔
"لیکن میری تمہیں بددعا ہے، تم کبھی خوش نہ رہو حنبل۔۔۔" آج اس نے پہلی بار اسے آپ کے بجائے تم کہا، اسے افسوس ہوا تھا۔ "پار لگتی کشتی کسی رقیب کی ٹکر سے ڈوب جائے نا، وہ تو ڈوبتے ہوئے رقیب کو بھی لے ڈوبتا ہے۔ تم بھی ڈوب جاؤ گے۔" وہ پھیکا سا مسکرایا۔

"اگر سب ڈوب جائیں تو پانیوں میں صرف سناٹا رہ جائے گا، دشمنی، دوستی سب ختم ہو جائے گی۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا، موت کے سناٹوں سے بچنے کے لیے رقیب کو معاف کردیں۔"

"تم نے رقیب دیکھا نہیں ہے نا، اس لیے اتنی بڑی باتیں کر لیتے ہو۔" اس نے گہرا سانس لیا۔ "خدا کرے تمہیں بھی رقیب ملے، پھر تمہارا تماشا دیکھوں میں۔۔۔" اس کے پاؤں پٹخ کر جانے پر وہ تاسف بھرا ہنکارا کھینچتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

وہ پہلے ہی ماں جان کے کمرے میں رہتی تھی، اب اور بھی زیادہ محدود ہو گئی۔ خاموش بیٹھی رہتی۔ ازلان سے بھی بات نہیں کرتی تھی، ساری ساری رات کروٹیں بدلتی اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا یہ سب صحیح ہو رہا ہے یا غلط۔ رات کو نئے سرے سے سوچتی کہ صبح ہی نانا جان سے بات کرے گی، انہیں اس فضول فیصلے سے روکے گی۔ لیکن صبح ہوتے ہی ان کی محبت کے سامنے کچھ بھی نہ کہہ سکتی، ماں جان اس رشتے پر اتنی خوش تھیں اس کی ہمت ہی نہ پڑتی انکار کر سکے، بس اپنی کم ہمتی پر ڈھیروں رونا آتا اور کمرے کے باہر سے خوف آنے لگا اور جب مضبوط قدموں کی چاپ اس کمرے تک بڑھتی سنائی دیتی اس کے اندر تک سہم اتر جاتا تھا۔

رات کو ماں جان کے کمرے میں آنا، ان کے پاس کچھ دیر کے لیے بیٹھنا، طبیعت پوچھنا، باتیں کرنا اس کے پہلے معمول کی طرح ہی تھا۔ اس رات بھی وہ ناک دے کر اندر آگیا تھا۔ اور کرسی کھینچ کر ان کے قریب بیٹھا مزاج پرسی کر رہا تھا۔ غیر ارادی نگاہ بلاوجہ اس پر اٹھی تھی۔ وہ کونے والے صوفے پر لاتعلق سی بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی۔ ماں جان کو دوائیں دیتے ہوئے اسے سیرپ ٹیبل پر دکھائی نہیں دیا تھا حنبل نے گردن ترچھی کیے صرف اتنا پوچھا تھا۔
"ان کا سیرپ۔۔۔؟" وہ میگزین رکھتے ہوئے اٹھی الماری سے بوتل نکال کر اسے تھمائی۔ بوتل پکڑتے ہوئے دونوں کی پوریں خفیف سی مس ہوئی تھیں۔ اس کے فوراً اپنا ہاتھ ہٹا لینے پر حنبل نے بھنوئیں اچکا کر اسے دیکھا تھا۔ اسے عجیب سے خفت محسوس ہوئی تھی۔ وہ بمشکل کچھ دیر وہاں بیٹھا پھر اپنے کمرے میں آگیا۔ اسے ایک پریشانی لاحق ہو گئی تھی کہ اس کی رائے کسی نے پوچھی بھی ہے یا فیصلہ اس پر تھوپا جا رہا ہے۔

☆ ☆ ☆

صبح کی کرنیں پورے گاؤں کو پوری طرح روشن کر چکی تھیں۔ معمول کی زندگی شروع تھی۔ وہی حویلی میں ملازموں کی چہل پہل گفتگو تو کروں کو بھی بہتر موضوع مل گیا تھا۔ خاص طور پر یہ گلزاری۔ آئمہ بیگم کے پاس بیٹھیں خوب ہمدردیاں کرتیں اور تو اور زینب جسے یوم آخرت کی طرح یقین تھا۔ حنبل ذکا اسے کبھی نہیں ملے گا پھر بھی روائیہ آنکھوں میں کھٹکنے لگی۔ حالانکہ جب وہ نئی نئی آئی تھی اس کا انگریزی لباس، بول چال رنگ روپ پر سب سے زیادہ متاثر ہونے والی زینب ہی تھی پھر آؤ بھگت میں بھی پیش پیش رہتی اور خاص طور پر اس لیے بھی کہ حنبل ذکا بہت مہمان نواز تھا۔ اس کے کھانے کے متعلق کوئی بات ہی کر لیتا تھا۔ لیکن اب شادی طے ہونے پر اس کا جی چاہتا اس کے کھانے میں مسالوں کی جگہ زہر ملا دے۔ ناشتے کی ٹیبل پر سب اکٹھے بیٹھے تھے ماں جاں بھی اپنی وہیل چیئر پر تھیں۔ صرف ایک وہ نہیں

تھی۔ میرزکا نے دوبار زینب کو اس کے پاس بھیجا تھا اور دونوں بار زینب نے بنا اسے اٹھائے آ کر کہہ دیا۔

"انہیں ابھی نیند آ رہی ہے' بعد میں ناشتا کریں گی۔" میرزکا کو اس کا جواب خاصا عجیب لگا۔ انہیں محسوس تو ہو رہا تھا کہ اب وہ پہلے سے بھی کم دکھائی دیتی ہے۔ ہر وقت کمرے میں۔ کل بھی کھانے کی میز پر موجود نہیں تھی۔ شادی سے پہلے ایک بار اسے اعتماد میں لینا ضروری تھا پھر جو سو ہو۔ تب ہی انہوں نے زینب سے کہا تھا۔

"جب وہ اٹھیں' میرے کمرے میں بھیج دینا....."

صبح باسی ہو چکی تھی۔ سب معمول کے کاموں میں مصروف تھے۔ وہ ناشتے کے بعد لاؤنج میں اس ارادے سے آئی تھی کہ آج رضا انکل کو کال کر کے یہاں آنے سے روکے گی۔ پھر جندب سے بھی بات کرے گی کہ کوئی اس کے لیے خوار نہ ہو' وہ سب کو مطمئن کر دے گی۔ وہ اپنی جنگ خود لڑے گی۔ وہ یہ سوچ کر فون کی جانب بڑھی تب ہی زینب نے آ کر کہا تھا۔

"بڑے صاحب جی آپ کو کمرے میں بلا رہے ہیں....." وہ میرزکا کے کمرے کی جانب بڑھی۔ ناب گھما کر اندر آ گئی تھی۔ وہ سامنے صوفے پر ہی بیٹھے تھے۔ اسے دیکھتے ہی کھل سے گئے۔ اور پوری خوش دلی سے اپنے پاس بٹھایا تھا۔ آج وہ بہت فراغت سے لگ رہے تھے۔ اس کے حال احوال سے باتیں شروع کر کے اپنے بچپن کے قصوں پر آ گئے۔ ان کے ہاتھ اس کی ایک بڑی کمزوری آ گئی تھی۔ اپنے ماں باپ کی باتیں بہت دلچسپی سے سنتی تھی۔ ازمیر کا ہر من گھڑت قصہ سنا کر اپنا اعتماد اس پر بحال کر لیا تھا۔ انہوں نے اس کے کندھوں پر ہاتھ پھیلاتے اسے اپنے قریب کیا اور بہت نرمی سے بولے تھے۔

"ایک بات بتاؤ گی بیٹا۔"

"جی....."

"میرے فیصلے سے تم خفا ہو.... کمرے سے کیوں نہیں نکلتیں....." وہ ابھی چپ ہی تھی کہ میرزکا پھر سے بول پڑے۔ "دیکھو بیٹا میں تمہارے باپ کا بڑا بھائی ہوں' میرے لیے تم میں اور حنبل میں کوئی فرق نہیں' مجھے صرف تمہارا بھلا عزیز ہے اور حقیقت تو یہ ہے' یہ فیصلہ میرا نہیں بلکہ تمہارے باپ کی خواہش تھی' میں نے تو صرف پوری کی ہے۔" اس کے بے یقین چونکنے پر انہوں نے بات میں دلیل پیدا کی "میں سچ کہہ رہا ہوں' ازمیر کو حنبل بہت پسند آیا تھا' اس نے خود مجھ سے بات کی تھی' لیکن اس کی منگنی کا سن کر چپ کر گیا تھا۔" انہوں نے تاسف بھرا ہنکارا کھینچا "اس کی بڑی تمنا تھی تم یہاں اپنے گھر میں رہو ہمیشہ.... اور میں نے تو اپنے بھائی کی خواہش پر بیٹے کی منگنی کو اہمیت نہیں دی۔"

روائمہ کی نگاہیں میرزکا سے پھسل کر کارپٹ پر گریں۔ گرے کارپٹ پر گلابی پتیوں سے دائرے بنے تھے۔ بھول بھلیوں کی صورت جڑے بڑے بڑے دائرے۔ وہ ان میں گم ہونے لگی۔ میرزکا نے آج اسے اپنا ہم خیال کرنے کی ٹھان رکھی تھی۔ وہ پھر رسان سے بولے۔

"میری جان! جس دن سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے' ازمیر خواب میں مجھے بہت خوش نظر آ رہا ہے' وہ پھول لے کر انتظار میں کھڑا مسکرا رہا ہوتا ہے' اس کی روح خوش ہے۔ اس فیصلے پر.... اور حنبل بہت اچھا ہے' بس تم میں عمروں کا کچھ فرق ہے' ویسے وہ بہت سمجھ دار ہے' اس کے بازوؤں میں اتنا دم ہے' تمہیں زمانے کی سرد گرم سے بچا لے گا۔"

وہ بھول بھلیوں میں بھاگتی تھکنے لگی تھی۔ سوچنے سمجھنے کی تمام صلاحیتیں مفقود ہوتی جا رہی تھیں۔ میر زکاء نے کچھ توقف کے بعد اک بے بس سی سانس کھینچی۔ "بہر حال بیٹا' اگر تم سمجھتی ہو' یہ فیصلہ غلط ہے تو تمہیں پورا حق حاصل ہے' میں فیصلے کا اختیار تمہیں دیتا ہوں' جیسا تم چاہوں گی' ویسا ہی ہوگا۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہے' تم پر' تمہاری خوشی ازمیر کی خواہش سے زیادہ اہم ہے میری جان۔" وہ سو بار انکار کرتی اگر باپ کی خواہش کی پٹی اس کے منہ پر نہ لگا دی جاتی۔

"مجھے بڑا ہونے دیں' پھر دیکھنا ایک قدم بھی آپ

کی مرضی کے بغیر نہیں اٹھاؤں گی۔۔۔۔" اس کے کانوں میں اپنے ہی کہے جملے گونجنے لگے۔ وہ خاموشی سے ہونٹ چباتی رہی۔

"بیٹا میری عقل کا تقاضا تو اسی پر اترتا ہے' باقی تمہاری مرضی' مگر یہ مت بھولنا میں بوڑھا ضرور ہوں' مگر تمہارا بزرگ ہوں اس دنیا کو' دنیا والوں کو تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔۔۔۔" دائروں میں چکراتے اس کا دماغ گھوم گیا۔ وہ بے دم ہو کر گرنے کو تھی۔

"خدا کے لیے' روائیبہ مجھ پر احسان کرنا۔" رات فون پر عائشہ کا کہا جملہ کانوں میں گونجا۔

"تمہاری خاموشی کو کیا سمجھوں' اقرار یا انکار۔" میر ذکا پوچھ رہے تھے۔ اس کی آنکھوں میں گرم سیال نے مرچیں بھر دی تھیں۔ سر "ہاں" میں جنبش کرتا بے حد بھاری ہو گیا۔ اس کے اقرار میں ہلتے سر کو بے اختیار میر ذکا نے اپنے سینے سے "میری بچی" کہتے ہوئے لگا لیا۔

اس کے نرم بالوں کو سہلاتے ہوئے بوسہ دیتے رہے۔

"بہت اچھی تربیت کی ہے ازمیر نے تمہاری' وہ بتا رہا تھا آپ میری بیٹی سے ملیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ واقعی میں حیران ہوں' آسٹریلیا جیسی خود پسند قوم میں اتنی اچھی تربیت۔۔۔۔" انہیں اس کی فرماں برداری دکھائی دے رہی تھی۔ پھٹ جانے کی حد تک دل کی دھک' اور آنکھوں کی سرخی کچھ دکھائی نہیں دی۔ کتنے آنسو ٹوٹ کر ان کے دامن میں جذب ہوتے رہے۔

✡ ✡ ✡

رضا حیات کئی دنوں سے اپنے کاروباری کنٹریکٹ میں الجھے ہوئے تھے۔ ماہم کی منگنی کی رسم سادگی سے کر کے معاملے کو نپٹا چکے تھے۔ حویلی کئی بار جانے کا ارادہ کیا مگر کام کی مصروفیت میں کچھ دنوں بعد پر ٹالتے رہے۔ پرسوں انہیں بہت بے کلی ہوئی بیٹھے بیٹھے روائیبہ کو فون ملا لیا۔ اس نے اپنے پرپوزل کا بتایا وہ

سنتے ہی ہکا بکا رہ گئے۔ انہیں حیرت کے ساتھ شدید غصہ تھا میر ذکا اتنا بڑا فیصلہ اکیلے کیسے کر سکتے ہیں۔ اگر وہ بھائی ہیں تو رضا حیات بھی ازمیر کے بھائیوں جیسے دوست ہیں۔ اور پھر انہوں نے پہلے اپنے بیٹے کے لیے بات کی تھی' اس کا کیا بنا۔ وہ اچھے خاصے آگ بگولا ہوئے تھے اور صبح ہی فیصل آباد آنے کا ارادہ کیا۔ برا عائشہ کو بھی بہت برا لگا تھا' مگر رضا حیات کے غصے کو دیکھ کر انہیں خوف آیا۔ کیونکہ وہ خود عرصہ تک گاؤں میں رہ چکی تھیں۔ زمین داروں کی ذہنیت اور رسم و رواج بہت اچھی طرح جانتی تھیں اور پھر کس طرح دشمنیاں پال لیتے ہیں۔ ادھر جندب کو بھی انہوں نے بتا دیا تھا۔ وہ الگ کھانے کو پڑ رہا تھا۔ تب عائشہ نے رضا کو سمجھایا۔

"تایا اور دوست میں فرق ہوتا ہے' آپ خواہ مخواہ مشکل پیدا نہ کریں۔"

"تایا ہے تو کیا خدا بن گیا ہے۔" رضا حیات چلائے تھے۔ "اس بچی کے ماں' باپ مرے ہیں۔ خود نہیں مری' جس مرضی قبر میں اتار دو۔ میں اس کی مرضی پوچھوں گا' زیادہ کوئی تنگ کرے گا تو ایمبیسی میں بات کر لوں گا' ایسے کیسے وہ زیادتی کر سکتے ہیں۔"

"رضا ہمارا ایک ہی بیٹا ہے' کیوں اس کے لیے دشمنوں کے دروازے کھول رہے ہو۔" وہ بہت پریشان تھیں' جندب اپنا سمسٹر چھوڑ کر یہاں آنے کی بات کر رہا تھا۔ تب ہی عائشہ نے رات کو بہت چپکے سے روائیبہ کو کال کی۔ اس کی ساری بات سننے کے بعد بہت پیار سے سمجھایا تھا۔

"بیٹا اگر تمہارے تایا کہہ رہے ہیں ازمیر بھائی نے ان سے بات کی تھی' تو ضرور ایسا ہو گا۔" انہوں نے جان کر جھوٹ کی آمیزش کی۔ "مجھے لگتا ہے مریم بھی کچھ بتانا چاہ رہی تھی' مگر مہلت نہیں ملی۔ لیکن وہ تمہارے اپنے ہیں' تمہارے لیے بہتر فیصلہ کریں گے' تمہارے انکل اور جندب بلاوجہ غصہ ہو رہے ہیں۔ روائیبہ میرا ایک ہی بیٹا ہے' وہ بھی مدتوں سے باہر ہے' میں نہیں چاہتی وہ خوار ہو۔ تم اگر اپنے منہ سے اپنی

مرضی بتادوگی' مجھ پر احسان ہوگا۔"

"لیکن آنٹی۔۔۔؟" انہوں نے فوراً" اس کی بات کاٹی۔

"خدا کے لیے روائیہ مجھ پر احسان کرنا۔ میں یہ احسان تمام عمر یاد رکھوں گی۔ جندب اپنی ایجوکیشن چھوڑ کر آرہا ہے' پلیز اسے تم روک سکتی ہو۔۔۔ پلیز۔۔۔" وہ بالکل چپ ساکت سی سنتی رہی' وہ کچھ توقف کے بعد پھر سے سمجھانے لگیں۔ "ویسے میں نے دیکھا تھا' تمہارا وہ کزن بہت اچھا لڑکا ہے' خوب صورت اور سمجھ دار بھی ہے' تمہارا اسی میں فائدہ ہے۔۔۔ پلیز روائیہ۔۔۔"

"اوکے آنٹی۔۔۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" اس نے فون بند کردیا تھا۔

میرزکا کے پاس سے آکر اس نے رضا حیات کو کال کی' تب تک وہ فیصل آباد کے لیے نکل چکے تھے اور کچھ ہی دیر میں وہاں پہنچ بھی گئے تھے۔ عائشہ بھی ان کے ساتھ تھیں۔ جب جب ان کی نگاہ روائیہ پر اٹھی ایک التجا' ایک فریاد محسوس ہوئی۔ روائیہ نے اپنی مسکراہٹ سے انہیں مطمئن کردیا۔ رضا حیات کے استفسار پر وہ بہت ٹھوس انداز میں بولی تھی۔ "میرزکا انکل نے پہلے میری مرضی پوچھی تھی' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔"

"لیکن تم فون پر بہت پریشان لگ رہی تھیں۔" رضا چونک گئے۔

"نہیں۔۔۔ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہوگی۔" اس کے ادھر ادھر نگاہیں گھما کر بات کرنے پر رضا کو تشویش ہوئی۔

"ادھر میری جانب دیکھو۔" اس نے ان کی آنکھوں میں دیکھا' زبردستی مسکرائی۔

"کوئی پریشر ہے تم پر۔۔۔ مجھے بتاؤ۔"

"نہیں انکل۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے' مجھے حنبل پسند ہے۔" رضا حیات گہری سانس بھرتے ہوئے چپ کر گئے تھے۔ زیادہ دیر نہیں رکے۔ مگر جتنی دیر رہے اسے سمجھاتے رہے۔

"زندگی کھلونا نہیں ہے۔ کسی کو اس سے کھیلنے مت دینا۔ تماش بین کو ہر بار نئے کرتب دیکھنے کی عادت ہوتی ہے اور انسان اپنا مزاج کرتب کی طرح نہیں بدل سکتے۔" وہ تائیدی سر ہلاتی رہی۔ جاتے ہوئے وہ کہہ رہے تھے۔

"حنبل ایک اچھا انسان ہے' اللہ کرے وہ تمہارے حق میں بھی اچھا رہے۔ کوئی مسئلہ ہو مجھ سے مت چھپانا۔" عائشہ بھی اسے دعائیں دیتی ہوئی گئی تھیں۔

جندب کو جب پتا چلا وہ خود سے راضی ہے۔ اسے کسی صورت یقین نہیں آیا۔ اسے پتا تھا وہ بے وقوف ہے' آسانی سے قائل کیا جاسکتا ہے' مگر اتنی آسانی سے کہ وہ اپنے منہ سے کہے۔ یہ امید نہیں تھی۔ وہ فون پر اس سے جھگڑنے لگا تھا۔ "یہ سب کیا ہے روائیہ' تم ایسا کیسے کرسکتی ہو۔"

"میں ایسا کرچکی ہوں۔"

"یار تم عمروں کا ڈیفرنس جانتی ہو؟ پلیز خود پر یہ ظلم مت کرو۔ پلیز انکار کردو۔"

"جندب یہ میرے باپ کا فیصلہ ہے اور میں انکار نہیں کروں گی۔۔۔ سنا تم نے۔۔۔"

"آر یو میڈ۔۔۔" اس کی آواز غصے سے کانپی۔ "نو۔۔۔ نیور۔۔۔ اٹس امپاسبل روائیہ۔۔۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تمام پاکستانیوں کی عادت ہوتی ہے' اپنی خواہشیں' فیصلے مرے ہوئے لوگوں سے جوڑنے کی' یہ لوگ ایموشنلی ٹارچر کے ماہر ہوتے ہیں' مت آؤ ان کے پریشر میں' کوئی تمہیں نہیں روک سکتا' تم آسٹریلین نیشنلٹی ہولڈر ہو' ایمبیسڈرز تمہارا دفاع کریں گے۔۔۔ پلیز۔۔۔"

"اینڈ یو پلیز۔۔۔ میں ٹھیک محسوس نہیں کررہی' مجھے مزید ڈسٹرب مت کرو۔" وہ اپنی پوروں سے کن پٹی سہلانے لگی۔

"واٹ۔۔۔ میں ڈسٹرب کررہا ہوں۔ بے وقوف لڑکی' تم خود پر ظلم کرکے نہ صرف مجھے' اپنے ماں باپ کی روح کو تکلیف دے رہی ہو۔"

"تم سب مجھے پاگل کردو گے۔" ماں باپ کے ذکر پر وہ چلا پڑی تھی۔ "پلیز فار گاڈ سیک... مجھے میرے حال پر چھوڑ دو... پلیز مجھے اکیلا چھوڑ دو... آخر مجھے اکیلا کیوں نہیں چھوڑ دیتے سب لوگ..." اس کے اندر پکتا غبار یک لخت آنکھوں میں جمع ہو گیا' اک ہجر اس کے چہرے پر اُمڈ آیا۔

"تم... تم رو رہی ہو۔" اس کے لہجے پر وہ بے چین ہو گیا تھا۔ "پلیز مت رو... میں ہوں نا... میں جلد پاکستان آرہا ہوں اور کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا... روائیہ میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں' تمہاری زندگی کے ساتھ کسی کو کھیلنے نہیں دے سکتا۔"

"میں نے کہا نا... مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے' تمہیں اتنی سی بات سمجھ میں نہیں آتی۔" عائشہ کا کہا جملہ "روائیہ میرا ایک ہی بیٹا ہے' میں نہیں چاہتی وہ خوار ہو' مجھ پر احسان کرنا۔" اس کے اندر ہتھوڑے برسا رہا تھا' وہ دھاڑ کر بولی تھی۔

"تم سن رکھو' میں حنبل سے محبت کرنے لگی ہوں' اس سے شادی میرا حق ہے۔ خدا کے لیے آئندہ مجھے فون مت کرنا۔" روائیہ کو خود اپنی آواز لرزتی ہوئی محسوس ہوئی سانسیں نمکین سمندر میں غوطہ زن تھیں۔

"کیا تم سچ کہہ رہی ہو' میں کبھی فون نہ کروں۔" جندب کا لہجہ بے یقین تھا۔ "کیا تمہیں حنبل سے محبت ہو گئی ہے۔"

"ہاں..." اس کے ٹھوس ہاں پر ایک چٹان اس کے دل پر ٹکرائی تھی بہت مشکل سے تصدیق چاہی۔ "کیا واقعی تمہیں مجھ سے محبت نہیں۔" اس کے دل میں ابھی بھی ڈولتی امید تھی کہ شاید اسپیکر سے اس کا قہقہہ ابھرے اور کہے۔ "ارے کنگرو... میں تو مذاق کر رہی تھی۔" مگر وہ توٹل انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں... ہاں... مجھے تم سے کبھی محبت نہیں تھی۔"

"آر یو شیور..." اک آخری تصدیق۔

"کیوں اونچا سننے لگے ہو۔"

"اوکے... اوکے۔" وہ بمشکل اٹکتی سانس کھینچ کر بولا تھا۔ "سچ ہے' یک طرفہ محبت میں طاقت نہیں ہوتی۔ تم نے اسی لیے میرا للی (پھول) کوالہ کو کھلا دیا تھا۔ میرا خوشبو بھرا تحفہ پانی میں بہایا تھا اور میں تمہاری معمولی سی گیند کے لیے سمندر میں اتر رہا تھا۔ میں سمجھ ہی نہ سکا تم گہرے پانی میں میرا ہاتھ چھوڑ کر آگئی تھیں' میں نے برستی بارش میں تمہارے لیے کوٹ اتارا تھا۔ اپنے جوتے اتار دیے تھے' تمہارے پاؤں زخمی نہ ہوں۔ میں اتنا بے وقوف اور احمق ہوں' تمہارے انکار' انکار سمجھ ہی نہ سکا' اب اتنا بھی حق نہیں کہ تمہیں فون کر سکوں۔" اس کی آواز ہر جملے پر کسی سمندر میں ڈوبتی جارہی تھی۔ "اوکے' ڈونٹ وری' میں آئندہ فون نہیں کروں گا۔ خدا کرے تم اپنے فیصلے پر کبھی نہ پچھتاؤ' ہمیشہ خوش رہو' میں تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔"

پانی میں ڈوبتی آواز سمندر کے آخری پتھر سے ٹکرا کر ختم ہو گئی' رابطہ منقطع ہو گیا تھا۔ وہ اندر کو سانس کھینچے بند فون کو دیکھتی رہی۔ اس دن وہ پچھلے صحن میں تنہا بیٹھ کر بہت دیر روئی تھی۔ اسے یاد نہیں پڑتا تھا کہ کبھی اس نے بھی جندب کے لیے ایسی محبت محسوس کی ہو' جیسی وہ کرتا تھا۔ کبھی اس کے حوالے سے کوئی خواب' کوئی خواہش نہیں کی تھی۔ مگر پھر بھی دل بری طرح سے جکڑا تھا۔ بہت ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ بس اسے اتنا پتا تھا۔ اک بار جندب نے کہا تھا۔

"انسان جس سے محبت کرتا ہے' لاشعوری طور پر اس کی فکر کرنے لگتا ہے۔" اور اسے فکر تھی کہ اس کی خاطر وہ اپنا کیریئر چھوڑ کر مت آئے' خوار مت ہو' مگر اسے اس سے محبت نہیں تھی۔ اک دوستی کا رشتہ ضرور تھا۔ جو آج منقطع ہو گیا تھا۔ اسی لیے اسے اپنی بے بسی پر رونا آرہا تھا۔

فلوریہ کو پتا چلا اسے شدید غصہ آیا تھا' اس نے صرف اتنا کہا تھا۔ "آخر ثابت کر دیا نا' تم میر بجل کی بیٹی ہو' اس پر بھی ایشین نے جادو کر دیا تھا' یہ ایشینز جادو گر ہوتے ہیں' تم پر بھی کر دیا ہے' جاؤ مرو' مجھے

کیا۔"

اسمتھ اور میرڈین کو بھی وہ یک دم پاگل لگی تھی۔ اتنی حماقت کی اس سے امید نہیں تھی۔ جندب کے پاس روزانہ افسوس کرنے آتے اور روائیبہ کو فون پر ڈپٹتے اس نے فون اٹھانا چھوڑ دیا۔

☆ ☆ ☆

گرم دوپہر کے بعد پنچھی فضا میں تیر کر ٹھنڈی شام کا لطف لے رہے تھے۔ ڈوبتے سورج کی نارنجی رمق آسمان کے کناروں پر باقی تھی۔ وہ کچھ دیر پرندوں کے پاس ٹہل کر کیاریوں کے پاس بنے ماربل کے اسٹیپ پر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ میں اک پھول تھا' جس کی پتیاں نوچتے ہوئے کانوں میں کبھی جندب کا لہجہ ڈوبتا' کبھی عائشہ کے جملے' پھر میرزکا کے لفظ چپک جاتے۔ اس کی نگاہ اپنے ناخنوں پر ٹھہر گئی۔ وہ بے ڈھنگے سے بڑھ گئے تھے۔ ان پر اب نیل پالش بھی نہیں تھی۔ کتنے سالوں سے وہ نیل پالش ڈیڈی سے لگوا رہی تھی۔ شاید تب وہ آٹھ' نو برس کی تھی۔ مریم کے انداز میں صوفے پر بیٹھ کر کیوٹیکس میں بھگا برش اپنے ناخنوں پر پھیرنے لگی۔ ناخنوں کے ارد گرد کی جگہ' صوفے کا بازو سب بھر دیا۔ چہرے پر جھکتے بال' برش والے ہاتھ سے پیچھے کیے' ماتھے پر لکیر کھینچ گئی۔ ازمیر سامنے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔ یک لخت ہی ہنس پڑے۔

"ادھر آؤ.... میں لگادوں۔" وہ منہ پھلاتے ہوئے آئی۔ انگلیاں ان کے آگے پھیلا دیں۔ انہوں نے پہلے ٹشو سے اچھی طرح صاف کیں۔ پھر احتیاط سے لگائی۔ نفاست سے لگی سرخ نیل پالش پر روائیبہ کھل گئی اور بھاگ کر مریم کو دکھانے گئی تھی۔

"واؤ...." مریم مسکرائی تھی۔ "ازمیر بڑی پریکٹس ہے۔ تمہیں کیوٹیکس لگانے کی' کسے لگاتے رہے ہو؟" مریم کے ذومعنی انداز پر انہوں نے استہزائیہ قہقہہ لگایا۔

"پہلے تو کسی کو نہیں لگائی' مگر اب سوچ رہا ہوں خوب صورت لڑکیوں کے لگانی چاہیے۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" مریم کے ہاتھ میں اسٹیل کا چمچہ تھا۔ انہیں دکھاتے ہوئے کچن سے بولی تھی۔

"میں یہیں سے یہ ماروں گی۔" وہ زور' زور سے ہنس رہے تھے اور روائیبہ ان کے گھٹنے پر چڑھ کر بیٹھ گئی۔

"ڈیڈی.... میں خوب صورت ہوں نا' آپ میرے لگائیں گے نا۔" ان کا چہرہ زبردستی اپنی جانب موڑے' ہاں کہلوا رہی تھی اور تب سے اب تک وہ نیل پالش ڈیڈی سے لگواتی آئی تھی۔ حالانکہ وہ کہتے تھے اب تم بڑی ہوگئی ہو' خود لگاسکتی ہو' مگر وہ ناز اٹھوانے کے لیے انہی سے لگواتی تھی اور اب اتنے مہینے ہوگئے تھے اسے نیلز کی شیپ تک دینی یاد نہیں تھی۔

اس نے دیکھا ڈرائیو وے پر کاہی رنگ کی لینڈ کروزر رکی تھی۔ وہ بہت تھکے انداز میں گاڑی سے نکلا۔ اپنا کوٹ اٹھا کر بازو پر ڈالا' دروازہ بند کرتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔ ایش گرے ڈنر سوٹ میں ملبوس وہ بہت خوب صورت لگ رہا تھا۔ سوٹ پینٹ ہو یا شلوار قمیص اس کی وجاہت پر کھل جاتے تھے۔ وہ پچھلے تین دن سے لاہور گیا ہوا تھا۔ جرمن سے آئے ایک ڈیلی گیشن کے ساتھ میٹنگ تھی۔ بہت جلد جرمنی کے پلانٹ پر کام شروع ہونے والا تھا اور میرزکا اس لیے بھی جلد از جلد شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ کیونکہ اگلے مہینے خیام زکا نے جرمنی جانا تھا۔ جانے انہیں وہاں کتنا وقت لگ جائے۔ اسی لیے گھر میں شادی کی تیاری پر میرزکا زور ڈال رہے تھے۔ وہ معمول کے مطابق ڈرائیو وے سے اپنے پالے پرندوں کے پنجروں کی جانب مڑ گیا۔ ہر پنجرے کے پاس رک کر بغور انہیں دیکھتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ اسلم دودھ کی ڈرمی لے کر اندر آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر ڈرمی ایک ملازم لڑکے کے ہاتھ اندر بھجوائی' خود تیز تیز چل کر خنبل کے پاس آگیا تھا۔ گیٹ کیپری کے علاوہ پرندوں کی دیکھ بھال' خوراک اسلم کے ذمے تھی۔ اس نے کچھ پرندوں کے بارے میں اس سے پوچھا۔ پھر لمبے ڈگ بھرتا کوریڈور کی

جانب بڑھا۔ اس قدآور کی چال لمحوں کو ساکت کردینے کے لیے کافی تھی۔ پل بھر کے لیے پتیاں نوچتا ہاتھ تھم گیا تھا۔ حنبل کی جیسے ہی نگاہ اس پر گئی۔ اسے ایک پل لگا تھا فیصلہ کرنے میں اور اس کے قریب آگیا۔ وہ فوراً" اپنی ٹاپ درست کرتے ہوئے کھڑی ہوئی اندر جانے کو مڑی تھی لیکن گمبھیر آواز۔۔۔

"بیٹھیں۔۔۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنی ہے۔" نے روک لیا۔ اس نے مڑ کر لمحہ بھر اسے دیکھا' آنکھوں میں سرد تاثر لیے بیٹھ گئی۔ وہ بھی کچھ فاصلے رکھتے ہوئے اسٹیپ پر ہی بیٹھ گیا تھا۔ وہ ایسے بیٹھا تھا۔ کہنیاں گھٹنوں پر جمی تھیں اور دونوں ہاتھ آپس میں جڑے تھے۔ اپنے انگوٹھوں پر ٹھوڑی ٹکا رکھی تھی اور انگلیاں آپس میں بند ھی ہونٹوں کے آگے رکھی تھیں۔ اس کی نگاہ لان میں اٹکھیلیاں کرتے سفید موروں کی جوڑی پر رک گئی۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا' پھر دھیمے سے بولا۔

"جو کچھ گھر میں چل رہا ہے' یقیناً" آپ کو معلوم ہو گا۔" اس نے ترچھی نگاہ سے اسے دیکھا' پھر سامنے موروں کو دیکھنے لگا۔ "روائیبہ میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں' پھر ایسے رشتے کی بنیاد میں' جو آپ کے سب سے زیادہ قریب ہو' بالکل بھی نہیں۔" اس کا سر ہلکا سا نفی میں ہلا تھا۔ ایک بار پھر اس کے سپاٹ چہرے کو دیکھا' وہ بھی سامنے موروں کو دیکھ رہی تھی۔ حنبل کی نگاہ بھی موروں پر ہی چلی گئی۔ "یہ جو شادی ہے نا' چند دن کا ساتھ نہیں ہوتا' اور نہ ہی کوئی کھیل۔۔۔" اس نے لمبی سانس لی۔ موروں کو گھاس میں کچھ دکھائی دے گیا تھا' ایک دوسرے کو گدگداتے ہوئے' مل بانٹ کر کھانے لگے۔ "یہ پوری عمر کا بندھن ہوتا ہے اور میں ایک آئیڈیل میرڈ لائف گزارنا چاہتا ہوں' پلیز آپ ریلیکس ہو کر فیصلہ کریں۔" سفید موروں کے چھنچھناتے پنجے' ہری گھاس پر مڑے اور دونوں اپنی کمر ٹکا کر بیٹھ گئے۔ ٹھنڈی شام' ہری گھاس پر سفید موتی نما مور' پورا لان ان کے حسن سے سج گیا تھا۔ حنبل نے اپنے دونوں ہاتھ کھول کر ہونٹوں کے آگے سے ہٹائے' کمر اونچی کرتے ہوئے سیدھا بیٹھ گیا تھا۔

"روائیبہ۔۔۔" وہ پھر مخاطب ہوا۔ "آپ پر کوئی کسی قسم کا پریشر نہیں ہے' اگر آپ ایسا نہیں چاہتیں یا ابھی نہیں چاہتیں۔ یا کچھ اور جو بھی آپ کے دل میں ہے پلیز۔ پلیز آپ مجھ پر اعتماد کرسکتی ہیں۔ میں آپ کا نام تک آنے نہیں دوں گا۔"

اس نے لمحہ بھر رک کر جواب طلب نگاہ اس پر اٹھائی۔ وہ ہنوز سامنے دیکھ رہی تھی۔ لیکن ایک ہاتھ کی انگلیوں کا دوسرے ہاتھ کی نازک ہتھیلی پر دباؤ بڑھتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ ہاتھ کی ہڈیاں خاصی ابھر آئیں۔ حنبل کو اس کی مسلسل خاموشی سے اکتاہٹ ہو رہی تھی۔ فضا میں تیرتے ایک کبوتروں کے غول کا سایہ سفید مورنیوں پر پڑا۔ ایک مورنی میں جان پڑ گئی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی اور لان میں ٹہلنے لگی۔ ٹہلتے ہوئے لان کے دوسرے سرے پر اسے کچھ دکھائی دیا تھا۔ وہ پنجے مارتی' پر جھاڑتی اس کنارے کی جانب چلی۔ دوسری مورنی گردن کرائے انسے دور جاتے دیکھتی رہی۔ "دیکھیں میں یہ سب اس لیے کہہ رہا ہوں' مجھے چچا جان کی گفتگو سے اندازہ ہوا تھا کہ آپ میں قوت فیصلہ بہت کم ہے۔ آپ اپنی مرضی سے کوئی کام نہیں کرتیں۔ یا شاید انہوں نے آپ کو تنہا کیونٹی میں نکلنے نہیں دیا' بہرحال وہ ان کی محبت کا تقاضا تھا یا جو بھی ان کی سوچ تھی مگر روائیبہ' یہ ہماری پوری زندگی کا معاملہ ہے۔ کوئی گراؤنڈ کا کھیل یا چند روزہ پکنک نہیں ہے۔ ابھی فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن بعد میں۔۔۔"

اس کے ہونٹ سختی سے بھینچے تھے اور سر نفی میں ہل رہا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو۔ "پھر کچھ نہیں ہوسکے گا۔" وہ اس کی مسلسل خاموشی سے بے زار ہوچکا تھا۔ بات نئے سرے سے سمجھانی شروع کی۔

"دیکھو روائیبہ۔۔۔ ہم دیہاتی لوگ' بہت سادہ دل ہوتے ہیں' لیکن عورت کے معاملے میں بہت پوزیسو' کنزرویٹو ہوجاتے ہیں۔ ہم عورت کی حفاظت زمین' فصل' جاگیر سے بڑھ کر کرتے ہیں اور عورت بھی وہ جو عزت کی اولین صفوں پر کھڑی ہو۔ اس کی حفاظت کو

زندگی موت کا مسئلہ بنا لیتے ہیں۔" اس نے لمحہ بھر رک کر گہرائی سے کہا تھا۔ "ہم عورت کو مار دیتے ہیں، مگر رسوائی برداشت نہیں کرتے' اس لیے پلیز۔۔۔ پلیز میں بارہا آپ سے کہہ رہا ہوں۔ آپ پر کوئی دباؤ نہیں ہے۔ ریلیکس ہو کر، سوچ سمجھ کر، مجھے بتا دیں۔" ایک سفید مور پنجوں کو پھلانگتا انار کے درخت پر چڑھ گیا تھا۔ سرخ اناری پھولوں کی ہری شاخوں پر جھولتا سفید مور بہت دلکش لگ رہا تھا۔ وہ کچھ دیر جھول کر واپس اپنی مورنی کے پاس آیا' انتظار میں بیٹھی مورنی اب وہاں نہیں تھی۔ چھنچھناتے پنجوں نے ادھر ادھر بھاگ کر اسے تلاش کیا۔ وہ غائب ہو گئی تھی۔ لان میں آنکھ مچولی شروع ہو گئی۔

"حنبل۔۔۔" اس کے دھیرے سے پکارنے پر اس نے میکانکی انداز میں اسے دیکھا تھا۔ وہ تھوک نگل کر جبڑے جماتے استفسار کر رہی تھی۔

"ڈیڈی نے اس ٹاپک پر آپ کے سامنے بات کی تھی۔" اندر پکتے سوال کو بمشکل زبان تک لائی تھی۔ اسے حیرت تھی ڈیڈی ایسا کیسے کر سکتے ہیں۔

"نہیں۔" وہ ٹھوس انداز میں بولا۔ "میرے سامنے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی' ہو سکتا ہے بی ماں جان' خیام بھائی کے سامنے ہوئی ہو' آخر بابا جان جھوٹ کیوں بولیں گے۔ میں نے انہیں کبھی جھوٹ بولتے نہیں سنا۔ ہاں البتہ۔۔۔" وہ قدرے توقف سے کہہ رہا تھا۔ "وہ مستقل پاکستان شفٹ ہونے کا ارادہ رکھتے تھے اور یہ کہا تھا تمہیں لے کر ہمیشہ کے لیے ادھر آجائیں گے۔" اس وضاحت پر چند لمحوں کی پھر خاموشی چھا گئی۔ مور کہیں غائب ہو گئے تھے۔ شاید پنجوں کے پیچھے چھپ گئے یا پھر پچھلے صحن کی جانب چل دیے ہوں' وہ ایسے ہی ادھر ادھر گھومتے رہتے تھے۔

"روائیبہ آپ جانتی ہو۔ ہمارے درمیان ایج ڈیفرنس بہت زیادہ ہے۔ یہ جو گیارہ بارہ سالہ گیپ ہے' وہ یہاں کوئی معیوب بات نہیں' اکثر ایسا ہو جاتا ہے اور بہت اچھی لائف گزرتی ہے' مگر جس کمیونٹی سے آپ آئی ہیں' وہاں کا کلچر' سوچ۔ پلیز' پلیز۔۔۔ ہر چیز کو ذہن میں رکھ کر فیصلہ کریں' میں آپ کے ساتھ ہوں۔" اس کے لہجے میں اعتماد تھا۔ "اور رہی میری بات' تو یہاں کے کلچر کے اعتبار سے یہ کچھ انہونا نہیں ہے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں۔" وہ قطعی لہجے میں اپنی بات مکمل کر چکا تھا۔ بہت دیر سناٹا پھیلا رہا۔ اس کی جواب طلب نگاہیں بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ بمشکل کہہ پائی۔

"اگر میرے ڈیڈی کی خواہش تھی' تو مجھے بھی کوئی اعتراض نہیں۔" وہ اپنی کیپری جھاڑتے ہوئے کھڑی ہوئی' شاید اندر جانا چاہتی تھی۔

"مگر آپ کا اپنا بھی تو کوئی فیصلہ ہوگا۔" اسے اس کی خاموشی کھٹک رہی تھی۔

"میرا ہر فیصلہ میرے ممی' ڈیڈی کرتے تھے۔ اگر میں کوئی فیصلہ کر بھی لوں' وہ صحیح نہیں ہوتا۔" وہ کہہ کر رکی نہیں۔ حنبل کتنی دیر اس کی پشت تکتا رہا۔ اسے اس کی سرد مہری پر حیرت تھی۔ اگر رشتہ ناپسند ہے تو انکار کیوں نہیں کر دیتی اور اگر راضی ہے تو پھر تاثر بے دلی کیوں۔۔۔ صرف غیر ارادا "پوریں مس ہونے پر کتنی ناگواری کا تاثر دیا تھا۔ یہ سب اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

✲ ✲ ✲

وہ جب ووکیشنل ٹریننگ سینٹر سے باہر نکلی۔ اس نے اپنی گاڑی کی رفتار ہلکی کرتے ہوئے اس کے پیچھے لگا دی تھی۔ تین دن پہلے بھی اس نے عینی کو یہاں سے نکلتے دیکھا تھا۔ لیکن تب اس کے ساتھ مشہور زمانہ ایک ماڈل تھی۔ اس کے سامنے وہ عینی کو نظر انداز کر گیا تھا' لیکن آج اس کے پیچھے ہولیا۔ قدرے سنسان سڑک پر مڑتے ہی اس نے گاڑی اس کے سامنے روک دی۔ وہ ٹھٹکی تھی۔ یک لخت اس کا رنگ سفید پڑ گیا۔ وہ دروازہ کھول کر اس کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"کہاں جا رہی ہو' آؤ میں ڈراپ کر دوں۔"

"شکریہ۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔"

"چلی تو تم جاؤ گی۔۔۔ لیکن کہاں' یہ بتا دو۔" اس کی گھبراہٹ پر وہ محظوظ ہو رہا تھا۔ خاصا مسکرا کر بولا تھا۔

"جاب کیوں چھوڑدی۔ کیا پے کا مسئلہ تھا؟"

"خدا کے لیے سر' میرا پیچھا چھوڑ دیں۔ مجھ سے غلطی ہو گئی تھی' جو آپ کے پاس جاب کی۔"

"ایسے کیسے پیچھا چھوڑ دوں۔" وہ تلخ ہو گیا۔ "تم کو اچھی خاصی رقم دی تھی میں نے' جواب میں تم نے کچھ نہیں دیا۔ ہاں بولو۔"

"آپ نے جو چند ہزار دیے تھے' میں سب لوٹا دوں گی۔ آپ کو آپ کی بیوی کا واسطہ' اپنی بیٹیوں کے واسطے۔"

"اے۔۔۔" بیٹیوں کا لفظ سنتے ہی وہ انگشت اٹھا کر تنبیہ کرتا اسے کاٹ کھانے کو ہوا۔ "میری بیٹیوں کا نام اپنی زبان پر مت لانا۔" اس نے حقارت سے دیکھتے ہوئے گردن جھٹکی۔ "ہونہہ۔۔۔ بیٹیوں کے صدقے تمہیں معاف کیا۔" وہ تیزی سے پلٹا اور گاڑی میں بیٹھ زن سے اڑا لے گیا۔ عینی کو اس سے اس معافی کی امید نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا وہ بہت زیادہ ذلیل کرے گا۔

باپ کی وفات کے بعد اس نے وہ گھر چھوڑ دیا تھا اور ورکنگ ویمن ہوسٹل میں آ گئی۔ تعلیم اتنی اچھی نہیں تھی کہ بہترین نوکری ملتی' اسی لیے اس نے ووکیشنل ٹریننگ سینٹر میں داخلہ لیا۔ خود کو بے لباس کرنے سے کہیں بہتر تھا وہ لباس کی ڈیزائننگ اور سلائی سیکھ کر لوگوں کے لباس کا سبب بنے۔ بہت مشکل سے شہوز کمال کا خوف نکلا تھا۔ مگر آج سامنا ہونے پر پھر سے دہل گئی۔ "جب ہوسٹل میں ہی رہنا ہے تو پھر فیصل آباد ہی کیوں۔۔۔ کہیں اور بھی تو رہا جا سکتا ہے۔" اس نے یہ فیصلہ کھڑے کھڑے کیا تھا۔ اپنا کورس مکمل ہوتے ہی اس فیصلے پر جلد عمل کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرزکا نے جلدی میں چلچلاتا جون بھی نہیں دیکھا تھا۔ اور شادی کی اٹھائیس تاریخ طے کر دی تھی۔ کیونکہ ایک طرف خیام زکا نے جرمنی جانا تھا' پھر الیکشن بھی جولائی' اگست تک ملتوی ہو گئے تھے۔ سو جون فارغ تھا' وہ بھی سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ حویلی میں اتنے بڑے حادثے کے بعد شادی ہونی تو سادگی سے چاہیے تھی' مگر عرصے بعد کوئی خوشی آئی تھی اور اذلان اپنی مرضی سے منانا چاہتا تھا۔ چیمہ حویلی برقی قمقموں سے نہا رہی تھی۔ اوطاق اور ڈیرے پر پیلی اور بنج پگڑیاں باندھے بہت سے لڑکے ڈھول کی تھاپ پر بھنگڑے ڈال رہے تھے۔ مہمانوں کی آؤ بھگت حویلی کی شان کے مطابق تھی۔ روایتی اور نت نئے کھانوں کی خوشبو نے ماحول کو مزید گرم کر دیا۔ اوطاق میں گجراتی کرسیاں لگی تھیں۔ جن پر علاقے کے معززین پنڈال کی صورت جمع تھے اور سرخ چنیوٹی پلنگ پر حنبل زکا کے اطراف میرزکا اور رضا حیات بیٹھے تھے۔ جبکہ سامنے اذلان' خیام' شہوز کمال اور بہت سے رشتے دار بیٹھے تھے۔ نکاح کے بعد چھوہارے بانٹتے ہوئے مبارکی کا شور مچ گیا تھا۔ سب باری باری گلے ملے۔ رضا بھی حنبل کے گلے لگ گئے۔ انہیں بطور خاص میرزکا نے بلایا تھا۔ اور یہ رشتہ اپنی ماں کے حکم پر طے کرنے کی معذرت کرتے ہوئے انہیں آنے پر زور دیا۔ ماہم' روائیبہ سے ناراض تھی' اسی لیے نہیں آئی۔ البتہ عائشہ اور رضا دونوں نے شرکت کی تھی۔ دل پر پتھر رکھے وہ کیسے مسکرا رہے تھے وہی جانتے تھے۔ حنبل کو گلے لگاتے ہوئے ان کی آنکھوں میں مرچیں بھر گئی تھیں۔ اس کی پشت کو تھپتھپا کر مبارک دی۔

"ہمیشہ خوش رہو' آباد رہو۔" ان کا لہجہ رندھ گیا۔ نمکین پانی کے پھندے میں وہ کہہ رہے تھے۔ "بیٹا میری بچی بہت معصوم ہے' اس کی عمر ابھی بہت کم ہے۔ کوئی لغزش' کوئی بھول ہو جائے' درگزر سے کام لینا۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں انکل۔" حنبل رسان سے بولا تھا۔ "آپ کی بیٹی اب میری بیوی ہے' آپ بے فکر رہیں۔" وہ بمشکل اثبات میں سر ہلاتے اس سے الگ ہوئے۔

"میرون اور اسکن شفون کا جھلملاتا شرارہ' نگوں

سے مزین فش ٹیل گاؤن، عروسی میک اپ، بھاری زیورات سے لدی سترہ سالہ گھبرائی گھبرائی روائیبہ پر پریوں سا گمان تھا۔ اسکن رنگ پر میرون کامدار شیروانی، سنہرے تلے کا کھسہ اور کلہ پہنے لمبا چوڑا انتیس سالہ حنبل ذکا کسی مہاراجہ کا مقابلہ کرتا روائیبہ کی سنگت میں بیٹھا تھا۔ وہ دونوں مہمانوں کے نرغے میں تھے۔ ازلان کی چہک البتہ سب پر نمایاں تھی۔ جبکہ اعشال چپ چپ تھی۔ ازلان نے کئی بار اسے تصویریں بنوانے کے لیے بلایا، مگر وہ غیر محسوس طریقے سے آگے پیچھے ہو جاتی۔ حنبل نے محسوس کیا تھا۔ وہ اس کے پاس سے گزرنے لگی تو حنبل نے اس کی کلائی پکڑ کر اپنے قریب بیٹھا لیا۔ "یہاں بیٹھو نا، میرے پاس۔۔۔"

آئمہ بیگم پیش پیش تھیں۔ ان کے دل پر جو بھی بیت رہا تھا، مگر وہ اعشال کی طرح ظاہر ہونے نہیں دے رہی تھیں۔ غالباً رشتہ طے ہونے کے بعد حنبل خود آئمہ کے پاس گیا تھا اور ان کے قدموں میں بیٹھ گیا، اپنا سر ان کے گھٹنوں پر ٹکا لیا تھا۔ بالکل ویسے جیسے ماں ہوں۔

"بھر جائی، میں بہت مجبور ہوں، مجھے معاف کر دیں۔" آئمہ کو شروع سے اس سے بہت محبت تھی، بیٹے کی طرح چاہتی تھیں۔ اس کی زندگی سب سے اہم خوشی پر کیسے منہ پھلا لیتیں۔ حالانکہ میکے والوں نے آنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ پھر بھی انہوں نے حنبل کے شانے تھپکے۔

"چل اٹھ۔۔۔ مائیں خفا نہیں ہوتیں۔ مجھے اس گھر کی بھلائی اور خوشی عزیز ہے۔" جب حنبل کو حویلی میں لایا گیا آئمہ نے بڑھ چڑھ کر استقبال کیا تھا اور سجی سنوری اس کی دلہن خود جا کر ماں جان کے کمرے سے لے کر آئیں اور ساتھ بٹھایا۔ حالانکہ زینب کے اچانک تیز بخار کی وجہ سے غائب ہونے پر انہیں اچھا خاصا فرق پڑ رہا تھا۔ مگر انہیں جوش میں محسوس نہ ہوا۔ رسموں کے مطابق سلامی دی، نیگ لیا۔

ماں جان ان کے صوفے سے خاصے فاصلے پر وہیل چیئر پر بیٹھیں گردن لڑھکائے انہیں دیکھ رہی تھیں۔ آنکھیں مسلسل بہہ رہی تھیں۔ ازمیر کی کمی ان کے حواسوں پر سوار تھی۔ حنبل کی نظر جیسے ہی ان پر گئی وہ روائیبہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے اٹھا اور سب کے بیچ سے جگہ بناتا ہوا ان کے پاس آ گیا۔

"آپ کیوں رو رہی ہیں۔" ان کے آگے جھکتے ہوئے اس کا مضبوط لہجہ یک دم رندھ گیا۔ "جانتی ہیں نا، آپ کے آنسو مجھے تکلیف دیتے ہیں۔" روائیبہ کی کلائی چھوڑ کر ان کے آنسو صاف کیے۔ روائیبہ کو دھندلکے کا گمان ہوا تھا۔ اس نے وہیل چیئر کو تھامنے کی کوشش کی۔ مگر وہ کپکپاتے ہوئے زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ اس افسردہ ماحول کو سنبھالنے کی میرذکا میں بھی ہمت نہیں تھی۔ اپنی بے جا انا پر ماں کی ممتا کا امتحان لیا جب انا ٹوٹی تو قدرت کا امتحان۔ وہ من من بھاری قدموں سے آگے بڑھے ان کے وہیل چیئر کو چلاتے اپنے کمرے میں لے گئے تھے۔ زمین پر بیٹھتی روائیبہ کو پہلے ہی آئمہ اور زنیو بڑھ کر تھام چکی تھیں۔ اس سے پہلے کہ مزید رونا دھونا مچے، وہ اسے حنبل کے

کمرے میں چھوڑ آئیں۔

سیمینہ، روائیبہ کے پاس بیٹھی اسے دلاسا دے رہی تھی۔ اس کا اس شادی میں شرکت کا قطعاً ارادہ نہیں تھا۔ سلویٰ کی بات ختم ہونے کا اسے دلی دکھ تھا۔ پھر روائیبہ جس شخص کی بیٹی تھی، اک ان دیکھی سی نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ ماں نے اس کے باپ کی وجہ سے تاعمر طعنے سنے۔ اب بچپن کی سہیلی اس لڑکی کی وجہ سے رد ہوئی۔ اچھا خاصا دکھ تھا۔ مگر شہوز کمال اپنی آئی پر آجائے تو کب سنتا تھا۔ اسے نہ ہاجرہ کے ماضی کا کچھ پتا تھا اور نہ سلویٰ کے۔ اسے غرض تھی تو صرف حنبل ذکا سے۔ اسے اپنا کاروباری تعلق بہتر کرنا تھا۔ جیسے ہی پتا چلا سیمینہ نہیں جا رہی، خوب جھگڑا کیا اور پھر زبردستی لے کر آیا۔ وہ دل میں سلویٰ سے تو شرمندہ تھی ہی آئمہ سے بھی کتراتی رہی۔ حالانکہ آئمہ کو اس کی تمام مجبوریاں سلویٰ نے تب ہی بتا دی تھیں جب اسپتال میں حبہ کو گود میں لیے ریمپ پر سے اترتے دیکھا تھا۔ اس دن شہوز کمال، آئمہ کو اتنا ہی برا لگا تھا جتنا سلویٰ کو۔ اس کی فطرت پر دو حرف بھیجے تھے اور اب شادی میں شرکت پر اسے اچھا خاصا اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ جس مزاج کا بندہ ہے اسی لیے سیمینہ سے ان کا موڈ بہت بہتر تھا۔ ماں جان کو چپ کرواتے حنبل کی اپنی آنکھیں چھلک پڑیں تھیں۔ اس رنج زدہ ماحول کو تبدیل ہونے میں اچھا خاصا وقت لگ چکا تھا۔

پنک گلاب کی آدھ کھلی کلیوں سے حنبل کا کمرہ مہک رہا تھا۔ پنک گلاب نہ صرف روائیبہ کو بے حد پسند تھا، بلکہ حنبل کی اپنی کمزوری بھی تھا۔ چھوٹے چھوٹے گلابی بکے دیواروں پر نفاست سے چسپاں تھے۔ آدھ کھلی کلیوں کی لڑیاں بیڈ کے اطراف جھول رہی تھیں۔ ہر لڑی کے ساتھ ایک ایک مصنوعی کرسٹل موتی کی لڑی بھی ٹنگی تھی۔ چھت پر لگے فانوس سے چھلکتی روشنی کلیوں اور کرسٹل سے منعکس ہو کر روائیبہ پر گرتی اس کے قندھاری حسن کو چار چاند لگا رہی تھی۔ حنبل خاصی دیر بعد کمرے میں آیا تھا۔

ونڈو اے سی کی فل کولنگ اور پھولوں کی مہک نے موسم کی حدت کو یکسر بدل دیا تھا۔ دھیمے دھیمے چھا جانے والے کلون کا جھونکا روائیبہ کی جانب مضبوطی سے بڑھا۔ بیڈ کی پائنتی پر بیٹھتے ہوئے اک ستائشی نگاہ اس پر اٹھی۔ عام طور پر بھاری میک اپ اور ملبوسات سے دلہن اپنی عمر سے کئی گنا بڑی لگتی ہے۔ مگر وہ چونکا دینے کی حد تک معصوم لگ رہی تھی۔

حویلی کی تمام بہوئیں موسم کی مناسبت سے میرون کامدار شال ہر وقت اپنے شانے پر پھیلائے رکھتی تھیں۔ جو انہیں پہلی رات اوڑھائی جاتی۔ حنبل نے بھی سائڈ ٹیبل پر رکھی میرون نفیس سی شال اٹھائی اور کھول کر روائیبہ کے کندھوں پر پھیلا دی۔ اس نے لرزتی پلکیں ذرا کی ذرا اٹھائیں کہ رے چمکتی پتلیوں میں پانی تیر گیا تھا۔

"ویسے تم روتے ہوئے زیادہ حسین لگ رہی ہو۔" آج پہلی بار اس نے اسے آپ کے بجائے تم کہا تھا۔ "آئندہ مت رونا، اتنا حسن دیکھنے کی مجھ میں ہمت نہیں ہے۔" اس نے قریب سرکتے ہوئے اس کے آنسو صاف کر دیے تھے اور رونمائی میں ایک سفید پلاٹینم کی چین اس کی بگلے جیسی سفید لمبی گردن میں باندھی۔ اس چین میں ایک چھوٹا سا سرخ یاقوت پرویا ہوا تھا۔ وہ اس کی گردن کی گہرائی میں اٹک کر جگمگا گیا۔

"روائیبہ، یہ موتی میری محبت کی علامت ہے، جو تمہاری ہر سانس کے ساتھ مسکرائے گا۔ میں ہر سال آج کے دن اس میں ایک موتی کا اضافہ کروں گا اور ایک دن یہ چمک دار مالا ہماری محبت کو خراج دے گی۔"

اس کی پوروں کی گرمائش سے روائیبہ کی سانسیں سمٹ چکی تھیں۔ وحشت سے اسے اپنے دل کی دھڑکن واضح سنائی دینے لگی۔ حنبل ذکا ان وحشت زدہ آنکھوں میں اپنا عکس دیکھنے کا تمنائی تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

☆ ☆

صائمہ قریشی

تم نے احمد ندیم قاسمی کا "گھر سے گھر تک" تو پڑھا ہے ناں؟" ڈم بجلی سے چھت پر چلتے پنکھے کو قہر آلود نظروں سے دیکھ کر عریشہ عظمیٰ سے مخاطب ہوئی۔

"ہاں پڑھا تو ہے۔" عظمیٰ نے ڈائجسٹ پر نظریں جماتے ہی جواب دیا۔

"بس وہی حال ہو گیا یہاں بھی۔" عرشیہ نے اپنے لان کے دوپٹے سے پسینے کو صاف کیا اور متلاشی نگاہوں سے کوئی چیز ڈھونڈنی چاہی جس کو ہاتھ سے چلا کر گرمی کی شدت کو کم کر سکے۔ عظمیٰ ڈائجسٹ کی ورق گردانی میں اس قدر مصروف تھی کے اس کی جھنجلاہٹ کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

"ساری زندگی ایک جوڑے سے تین قیمصیں بنا کر کالی شلوار کے ساتھ ہی پہنتے گزرے گی۔" بیڈ کے نیچے پڑے پھٹے ہوئے کارڈ بورڈ کو پنکھے کی طرح جھولتے ہوئے عرشیہ نے دہائی دی تو عظمیٰ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" عظمیٰ نہ چاہتے ہوئے بھی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"یار کیا ہماری قسمت گھر سے گھر تک ہی محدود ہو کر رہے گی؟" اس کے پوچھتے ہی عرشیہ ہاتھ اٹھا کر انتہائی دل برداشتہ انداز میں بولی۔
"نہیں تم گھر سے نکل کر کسی پیلس میں چلی جانا۔" عظمیٰ نے چڑ کر کہا تھا۔
"پیلس... اونہہ پیلس نہ سہی یار لیکن کم از کم اس سے تو کچھ بہتر ہونا چاہیے ناں۔" عرشیہ نے اپنے اردگرد نگاہ دوڑائی اور ہاتھ کے اشارے سے کہا۔
"صفائی نصف ایمان ہے۔ ذرا اپنے ایمان کو تازہ کرو۔ تو یہ کمرہ بھی کسی محل کا کمرہ معلوم ہوگا۔" عظمیٰ نے اس کی کسی شکایت کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے کہا۔
اس کی عادت تھی ہفتے ڈیڑھ بعد اس کی اس قسم کی دہائیاں عظمیٰ کو ہضم کرنی پڑتی تھیں۔
"اونہہ محل' یہ کٹیا کبھی محل نہیں بن پائے گا۔" عرشیہ نے بستر کی چادر کی سلوٹوں کو پاؤں سے سیٹ کرنے کی کوشش میں مزید خراب کیا تھا۔
"اب مجھے دو ڈائجسٹ..." عظمیٰ نے اس کو دیکھ کر افسوس سے سرہلایا تھا' لیکن اسے کوئی فرق نہ پڑتا تھا۔ منہ بسور کر عرشیہ نے ہاتھ بڑھایا تھا۔
"میں یہ ناول ختم کر کے پھر دوں گی۔" عظمیٰ نے ڈائجسٹ کو مضبوطی سے پکڑا تھا مبادا وہ کھینچ کر پھاڑنے سے بھی نہ ہچکچائے گی اور اس نے کتنے دن لگا کر ساٹھ روپے جمع کیے تھے۔
ڈائجسٹ کا چسکا ان کو ابھی پڑا تھا کوئی تین چار مہینے پہلے اور وہ دل و جان سے سارے کام چھوڑ چھاڑ کر پڑھتی تھیں۔ ایسے میں نہ کھانے کا ہوش ہوتا نہ پینے کا نہ کوئی بات اثر کرتی۔
"نہیں مجھے پہلے دو ورنہ میں دوسرا ڈائجسٹ لاؤں گی تو اس کی ایک جھلک بھی نہ دیکھنے دوں گی۔" عرشیہ نے اسے دھمکی دی۔ وہ دونوں پیسے جوڑ کر ڈائجسٹ لاتی تھیں اور مل کر پڑھا کرتی تھیں۔ اس دفعہ عرشیہ کے پاس ساٹھ روپے جمع نہ ہو سکے تھے۔ ایک تو گرمی' بجلی کا بار بار جانا' اور پھر عرشیہ کا نیا مسئلہ... جو ہمیشہ سے رہا تھا۔

"یہ گھر... یہ گھر بھی کوئی گھر ہے... نہ یہاں اے سی ہے' نہ یہاں کوئی سہولت ہے اور تو اور یہاں تو باتھ روم کے دروازے کی کنڈی بھی نہیں۔" عظمیٰ نے انکار کیا تو عرشیہ کی شکایتیں پھر شروع ہو گئیں۔
"ہاہاہا..." اس کی آخری شکایت پر عظمیٰ کا قہقہہ بلند ہوا۔
"تم اتنی ناشکری کب سے ہو گئی ہو۔" عظمیٰ نے ڈائجسٹ بند کر کے سائیڈ پر رکھا اور عرشیہ سے دریافت کرنے لگی۔
"میں ناشکری نہیں ہوں... بس اس سب سے تنگ آ گئی ہوں۔" عرشیہ نے ہر طرف بکھرے گند' اکھڑے سیمنٹ کی سیل زدہ دیواروں' گڑھے ہوئے فرش کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی۔
"یہ سب تو ایسے ہی تھے ناں۔ لیکن ہم تو خوش ہیں۔ تم بھی خوش تھی ناں۔" عظمیٰ اٹھ کر اس کے پاس آ گئی۔ اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں کہا۔
"میں اب بھی خوش ہوں۔ لیکن..." عرشیہ لب بھینچ کر خاموش ہو گئی۔
"دیکھو عرشی ابا اور اماں کتنی محنت کر رہے ہیں۔ اس مہنگائی کے مشکل وقت میں ہمیں شکر کرنا چاہیے کہ ان حالات میں بھی ابا نے ہمیں چھت تو مہیا کی ہے۔ اور یہ پنکھا ہمارے لیے کسی اے سی سے کم نہیں ہونا چاہیے۔" عظمیٰ نے اسے سمجھایا۔ تو وہ ایک خاموش نظر اس کو دیکھ کر رہ گئی۔
"ایسی بات نہیں ہے یار! میں بھی جانتی ہوں' ابا اور اماں کی محنت کی قدر بھی کرتی ہوں۔ جانتی ہوں کہ ابا کتنی صبح جاگ کر سبزی منڈی جاتے ہیں اور اماں کیسے دوسروں کے کپڑے سی سی کر گزارہ کرتی آئی ہیں۔ لیکن کیا ہم ساری زندگی ایسے ہی محنت و مشقت کر کر کے صرف گزارے ہی کرتے رہیں گے؟" عرشیہ نے عظمیٰ کی طرف دیکھ اس سے پوچھا تھا۔
"محنت و مشقت کرنے والوں کو پھل بھی ضرور ملتا ہے۔ لیکن ضروری نہیں وہ پھل پیسے کی صورت میں

ملے۔ سکون سے بڑھ کر کوئی اجر نہیں۔ ایمان کا زندہ رہنا سب سے بڑا اجر ہے۔ اور تم نے دیکھا ناں سبزی فروٹ کی ریڑھی لگانے کے باوجود ابا کتنے مطمئن رہتے ہیں۔ سلائی مشین پر دن رات محنت کے باوجود اماں کے چہرے پر بھی تھکن نظر نہیں آتی۔" عرشیہ کے مقابلے میں عظمیٰ زیادہ صابر لڑکی تھی۔

چار افراد پر مشتمل اس گھرانے کا تعلق لوئر مڈل طبقے سے تھا۔ مزدوری محنت ان لوگوں کی کل میراث ہوتی تھی۔ ان کے حلقہ احباب میں چیدہ چیدہ لوگوں کے پاس اینٹ و سیمنٹ کے گھر تھے۔ باقیوں نے یا تو جھونپڑیاں لگا رکھی تھیں یا اینٹوں کو گارے سے لیپ کر سر چھپانے کے لیے جگہ بنا رکھی تھی۔

"یوسف ریڑھی والا" اپنے اعلا اخلاق اور صاف نیت کے باعث مشہور تھا' سبزی اور فروٹ کی ریڑھی لگاتا تھا۔ اور ایمان داری سے گاہکوں کو سبزی و فروٹ دیتا تھا۔ اسی وجہ سے بہت سے پیسے والے صرف یوسف ریڑھی والا سے ہی فروٹ یا سبزی خریدتے تھے اور یہی عزت اور بھروسا یوسف ریڑھی والا کی کل کائنات تھا۔

طیبہ درزیانی مشہور تھی۔ اپنے ہاتھ کی نفاست کے باعث اس کی ڈیزائننگ کمال کی ہوتی تھی۔ جو بھی کپڑے کا ڈیزائن وہ ایک بار دیکھ لیتی اس میں اپنی سمجھ شامل کر کے اس کو اتنا بہترین بناتی کہ بعض اوقات بڑے بڑے ڈریس ڈیزائنر کو بھی مات دے دیتی تھی۔

یہ وہ ہیرے ہیں جو ہمارے ملک میں جابجا بے ہوئے ہیں لیکن ان کوئلے کی کانوں کی کھدائی کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

یوسف ریڑھی والا اور طیبہ درزیانی کی دو اولادیں تھیں عرشیہ اور عظمیٰ.... دونوں نے محنت کی اور بچیوں کے پیدائش کے بعد جھونپڑی کو اینٹوں اور سیمنٹ کے دو کمروں کے مکان میں بدل لیا اور پھر آہستہ آہستہ باقی سارا کام کرواتے رہے۔ وقت گزرنے لگا تو مہنگائی بھی بڑھتی رہی اور ضرورتیں بھی۔ عرشیہ اور عظمیٰ بھی بڑی ہونے لگیں تو ان کی پڑھائی.... جوان کے طبقے میں اتنی ضروری نہ سمجھی جاتی تھی۔ لیکن یوسف اور طیبہ نے اس روایت کو توڑ دیا۔

"تمہیں کس بات کی ٹینشن ہے ہم بی اے کے بعد کوئی جاب کر سکتی ہیں۔" عظمیٰ نے عرشیہ کو کہا۔

"ہاہاہا... جیسے ادھر تو ہم نے بی اے کیا اور ادھر ہمیں پرائم منسٹر کی جاب مل گئی۔" عرشیہ نے رک رک کر قہقہہ لگایا اور منہ بسور کر کہا۔

"تم پرائم منسٹر بننا چاہتی ہو...." عظمیٰ کا منہ حیرت سے کھل چکا تھا۔

"نہیں تو... لیکن اتنی جلدی جاب کہاں مل سکتی ہے بھلا۔" عرشیہ پھر گویا ہوئی۔

"لیکن مجھے فکر اس بات کی ہے کہ ہمارے نصیب میں "گھر سے گھر تک" کو عملی جامہ پہنانا ہی نہ لکھا گیا ہو۔ ہماری شادیاں بھی تو کسی ایسے ہی گھر میں ہوں گی ناں" عرشیہ نے جھنجلا کر کہا۔

"اب نصیب میں کیا لکھا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا ناں۔" عظمیٰ نے اسے دیکھ کر انتہائی بے نیازی سے کہا۔

"نصیب کا لکھا بدلا بھی تو جا سکتا ہے ناں؟" عرشیہ نے اس سے سوال کیا۔

"دیکھو عرشی بات پیسے کی نہیں' نہ ہی آسائشوں کی ہوتی ہیں بات ہوتی ہے خوشی کی' اطمینان کی اور سکون کی اگر یہ ساری سہولتیں میسر ہوں ناں تو مجھے گھر سے گھر تک کے سفر میں کوئی اعتراض نہ ہوگا۔" عظمیٰ نے ہمیشہ کی طرح اسے ہی سمجھایا۔ تو عرشیہ لب بھینچ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

اتوار کا دن تھا اور عرشیہ اور اعظمیٰ نے کمریں کس رکھی تھیں آج سارے گھر کی صفائی کرنی تھی۔ یوسف اتوار کو اپنی ریڑھی کی صفائی کرتا تھا۔ خود دھوتا تھا۔ باسی سبزی یا فروٹ ٹوکریوں میں ڈال دیتا تھا۔ گھر میں پکا لیتے یا پھر بانٹ دیتے تھے۔

"ہماری زندگی تو سبزیاں اور فروٹ کھاتے ہی

گزرے گی۔" فرش پر جھاڑو دیتی عرشیہ نے پھر شکایت کی۔

طیبہ صبح سے سلائی مشین کے آگے بیٹھی کچھ سلائی کرنے میں مصروف تھی۔

"ابا سے کہو آج ہم گوشت پکانا چاہتے ہیں۔" عظمیٰ نے سبزی کی ٹوکری اٹھائی اور ایک کونے میں بنے اینٹوں کے چولہے کی جانب بڑھنے لگی کہ عرشیہ نے مدھم آواز میں کہا۔ عظمیٰ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔ لیکن وہ اب دوبارہ جھاڑو کی طرف متوجہ تھی۔ اس کے لب و لہجے میں سے جھانکتی حسرت عظمیٰ کو کچھ محسوس کروا چکی تھی۔

"ابا....." یوسف باہر کی جانب بڑھا تھا کیوں کہ دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس نے پلٹ کر دیکھا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

"آجا بلال پتر.... آجا۔" یوسف نے دروازہ کھولا تو بلال کھڑا تھا۔ بلال خالد موچی کا بیٹا تھا اور عرشیہ کے لیے خاص جذبات رکھتا تھا۔ میٹرک پاس تھا لیکن محنتی لڑکا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک ایک لگن کو واضح کرتی تھی۔

"عظمیٰ پتر تو کیا کہہ رہی تھی۔" اس کو اندر لا کر یوسف عظمیٰ کی طرف متوجہ ہوئے۔

"ابا عرشی کو آج گوشت کھانے کا دل کر رہا ہے۔" عظمیٰ نے کنکھیوں سے عرشیہ کو دیکھا اور شرارت سے بولی۔ اس کے دل میں مچلتی حسرت کو عظمیٰ اپنی شرارت سے زائل کرنے لگی تھی۔

"نہیں تو ابا.... میں نے تو کچھ بھی نہیں کہا۔" عرشیہ نے جھاڑو کو مضبوطی سے پکڑ کر اس کی جانب پیش قدمی کی تھی۔ اور وہ کھلکھلا کر یوسف کے پاس جا کھڑی ہوئی۔ بلال نے بھی مدھم مسکراہٹ کے ساتھ عرشیہ کے بگڑے تیوروں کو دیکھا تھا۔

"کل گوشت لے آؤں گا ابھی تو بہت دیر ہو گئی ہے۔" یوسف نے دونوں بیٹیوں کو محبت و شفقت سے دیکھا تھا۔

"کیسے آنا ہوا بلال پتر؟" یوسف اب بلال کی طرف متوجہ ہوا اور اس کو ہمراہ لیے طیبہ کے پاس گئے جہاں موڑھے رکھے تھے۔ بلال کو موڑھے دیتے ہوئے یوسف نے پوچھا۔

"چاچا یہ دھاگے منگوائے تھے چاچی نے تو بس یہی دینے آیا ہوں۔" بلال کپڑے کے تھیلے کو طیبہ کی جانب بڑھا کر بولا۔

"جیتے رہو بیٹا۔" طیبہ نے تھیلا تھام کر اس کے اندر جھانکا اور اس کو دعا دی جو وقت بے وقت ان کے کام کر دیا کرتا تھا۔

"اور پتر سب خیریت ہے ناں؟ بہت دنوں سے تیرے ابے سے ملاقات نہیں ہوئی۔" طیبہ پھر سلائی کی جانب متوجہ ہوئی تو یوسف نے بلال سے پوچھا۔

"اللہ کا شکر ہے چاچا سب ٹھیک ہے۔" بلال نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

"خالد کو چمڑا ملا کہ نہیں؟ اس نے کہا تھا جوتوں کی مرمت کے لیے چمڑا ختم ہو چکا ہے۔" یوسف نے پھر پوچھا۔

"ہاں چاچا وہ تو مل گیا تھا۔ اب اور بھی آرڈر کیا ہوا ہے لیکن اس کے دام بہت ہیں تو اس لیے ذرا دیر لگ رہی ہے۔" بلال نے مزید بتایا۔

"میرا رسالہ نہیں لائے؟" اس سے پہلے کے یوسف کوئی بات کہتا عرشیہ وہاں آ گئی ہاتھ میں مٹی کی گلاسوں میں شکر کا شربت لیے۔ ان کو دے کر بلال سے پوچھا انداز رعب دار تھا۔

"نہیں ابھی تک مارکیٹ میں نہیں آیا ہے۔" بلال مدھم آواز میں کہنے لگا۔

"مارکیٹ میں نہیں آیا یا پہلے خود پڑھنے لگ جاتے ہو؟" عرشیہ نے آنکھوں کو چندھیا کر کے اس گھورا تھا۔

"میں خواتین کے ڈائجسٹ نہیں پڑھتا۔" بلال نے شربت کا گھونٹ لیا۔

"تم نے خواتین کس کو بولا ہے؟" عرشیہ نے تیزی سے کہا۔

"ان رسالوں کے اوپر یہی لکھا ہوتا ہے کہ یہ

خواتین کے لیے ہیں۔" بلال نے مسکراہٹ دبا کر کہا۔ جبکہ طیبہ اب تیار شدہ شرٹ کو سیدھا کر رہی تھی۔ پورے دن کی محنت اس کے چہرے پر تھکان کو واضح کر رہی تھی۔ شرٹ کو سیدھا کرتے ہی یک دم اس کا چہرہ کھل اٹھا تھا۔

"واہ چاچی کتنا خوب صورت ڈریس بنایا۔" سب سے پہلے بلال کی نظر اس پر پڑی تھی۔

"یہ سارا میرا اپنا ڈیزائن ہے اس میں ذرا سا بھی کسی کے ڈریس کو دیکھ کر نہیں بنایا۔" طیبہ نے بتایا۔

"ماشاء اللہ بہت اچھا بنا لیا ہے۔ کس کے لیے بنایا ہے؟" یوسف نے بھی تعریف کی۔

"یہ میں لوں گی۔۔۔"

عرشیہ نے چمکتی نظروں سے ڈریس کو دیکھا۔

"اور ویسے بھی بلیک مجھ پر زیادہ سوٹ کرتا ہے۔" عرشیہ نے عظمیٰ کے ہاتھ سے ڈریس لیتے ہوئے اس کو پھیلا کر اپنے سامنے رکھا۔ بلیک ڈریس جس پر بنارسی کا خوب صورت کپڑا لگایا گیا تھا۔ مختلف رنگ سے ڈریس کو مزید نکھار آگیا تھا نیٹ کی امبریلہ کٹ بازو کو ربن سے ٹائٹ کیا گیا تھا۔

"دیکھیں ابا جچ رہا ہے ناں مجھ پر۔" عرشیہ نے خوشی سے مچلتے ہوئے یوسف سے پوچھا۔ بلال نے بے اختیار نظروں کو جھکا لیا تھا۔ جبکہ چار لوگوں کی تعریف پر طیبہ پھولے نہیں سما رہی تھی۔

"اچھا چاچا میں بھی چلتا ہوں اب۔" چند پل کے بعد بلال نے بھی رخصت طلب کی اور اٹھ کھڑا ہوا۔۔۔ یوسف اسے باہر تک چھوڑنے آیا۔ طیبہ مشین کی ساری چیزیں اور بکھرے کپڑوں کو سمیٹنے لگی تھی۔

"عرشیہ کے ابا اگر میں شہر کی کوئی ڈیزائنر ہوتی ناں تو یہ جو ڈریس میں نے بنایا ہے ناں یہ کم سے کم بھی دس پندرہ ہزار تک بک جاتا۔" یوسف واپس آیا تو طیبہ نے حسرت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"کیا واقعی؟" یوسف حیران ہی تو ہوا تھا۔

"ہاں۔۔۔" عظمیٰ پر سوچ نگاہوں سے ماں کے خالی ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو اب کپڑوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو بھی سلائی لگا کر یک جا کرنے لگی تھی کے بوقت ضرورت ان کو استعمال میں لایا جا سکے۔

"جو قسمت میں ہوتا ہے مل جاتا ہے عظمیٰ کی ماں۔۔۔ اس پر بھروسا رکھ۔" یوسف نے آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ طیبہ نے اثبات میں سر ہلایا اور اپنے کام میں جت گئی۔

☆ ☆ ☆

"ایک تو مجھے پہلے ہی سبزی کھانے کا دل نہیں اور تو جلا کر پکا۔" عظمیٰ آگ جلاتے مٹی کی ہنڈیا چڑھاتے سوچوں میں گم تھی۔ پاس سارے مسالے جات رکھے تھے ہنڈیا سے جلنے کی بدبو نے اس کے پاس آکر بیٹھی عرشیہ کو متوجہ کیا تھا۔ اس کے گھٹنے کو ہلا کر اس کو احساس دلایا کہ گھی جل رہا ہے اس کو پیاز ڈالنا ہے۔ عظمیٰ نے چونک کر پہلے عرشیہ کو دیکھا اور پھر کٹی ہوئی پیاز اٹھا کر ہنڈیا میں ڈال دی۔

"خیر ہے؟ کن سوچوں میں گم ہو؟" عرشیہ نے کٹے ہوئے ٹماٹر کے پیس پر نمک چھڑک کر منہ میں ڈالا اور منہ چلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"میں کچھ سوچ رہی ہوں عرشی۔" عظمیٰ لکڑی کی چمچے سے ہنڈیا کو ہلاتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ تو نظر آرہا ہے کے میڈم کسی سوچ میں بھی مصروف ہیں۔ لیکن کیا سوچا جا رہا ہے؟" عرشیہ نے دو تین ٹماٹر کے ٹکڑوں پر نمک چھڑکا۔

"یار یہ تو بہت مزے دار ہیں۔" ٹماٹر کا ٹکڑا منہ میں پھر ڈال کر کہا۔

"اب تم یہ سارے نہ کھا جانا۔" عظمیٰ نے اسے جھڑکا۔ اتنی دیر میں دروازے کی دستک نے دونوں کو ادھر متوجہ کیا۔

"ابا شاید غسل خانے میں ہیں جا کر دیکھو کون ہے؟" عظمیٰ نے کٹے ٹماٹروں کی پلیٹ اٹھا کر ہنڈیا میں ڈالے اور اس سے کہا۔ تو ہاتھ میں پکڑے ٹماٹر کے ٹکڑے پر مزید نمک چھڑک کر منہ میں ڈالا اور دروازے کی جانب بڑھی۔

"واپس آؤ پھر بتاتی ہوں کیا سوچ رہی تھی۔" عرشیہ نے جاتے جاتے پلٹ کر اس کو دیکھا تھا۔

"تم؟ پھر کیوں آ گئے؟" عرشیہ نے دروازہ کھولا تو سامنے بلال کو کھڑا پایا۔ تو ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"ہاں' اماں نے آج گوشت پکایا تھا۔" وہ ایک رومال سے ڈھکی ہوئی پلیٹ اس کی طرف بڑھا کر بولا۔ عرشیہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"تو میں اپنے حصے کا تمہارے لیے لے آیا ہوں' تمہارا آج گوشت کھانے کا دل چاہ رہا تھا ناں۔" بلال نے شیریں لہجے میں اپنے آنے کا مقصد بیان کیا تو عرشیہ نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔

"اور تم کیا کھاؤ گے۔" اس نے پلیٹ پکڑتے ہوئے کہا لہجے میں فکر مندی کا عنصر موجود تھا۔

"میرا کیا ہے میں تو ٹماٹر اور سبز مرچ سے بھی کھا لیتا ہوں۔" بلال نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ تو عرشیہ نے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھا۔

"اہاہا... بڑا آیا مجنوں کی اولاد۔" دوسرے پل عرشیہ نے اس کا منہ چڑایا۔

"عظمیٰ سبزی بنا رہی ہے۔ تم میرے حصے کی لے لینا۔" عرشیہ نے فراخ دلی کا ثبوت دیا۔

"نہیں اماں روٹی بنا رہی تھی تو دیر ہو جائے گی۔"

"سبزی بھی تیار ہی ہو گی۔ اب بینگن پکانے میں کون سا گھنٹوں لگتے ہیں۔" عرشیہ اس کے انکار کو اہمیت نہ دیتے ہوئے عظمیٰ کی جانب بڑھی۔ تو بلال بھی گہرا سانس لے کر اس کے پیچھے بڑھا۔

"اور یہ تمہارا ڈائجسٹ۔" بلال نے مسکراہٹ دبا کر بغل میں دبے ڈائجسٹ کو نکال کر اسے تھمانا چاہا۔

"یہ اتنی جلدی کہاں سے آ گیا؟" عرشیہ نے پلیٹ کو اس چھوٹی سی دیوار پر رکھا تھا جو مٹی کے چولہے کے گرد بنائی گئی تھی۔ اور ڈائجسٹ کو جلدی جلدی کھول کر فہرست کو دیکھا۔

"یہ وہ... میں... کچھ دن پہلے لے کر آیا تھا۔" بلال نے اسے بتایا۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو اس وقت؟" اس سے پہلے کے عرشیہ کچھ کہتی عظمیٰ نے بلال کی طرف دیکھ کر اس سے پوچھا۔

"یہ... اس کو آج بینگن کھانے کا دل کر رہا تھا تو وہی لینے آیا ہے۔" اس سے پہلے بلال یہ بتا تا کہ وہ کیوں آیا ہے عرشیہ نے جو کہا بلال کو اس کی تائید کرنی پڑی۔

"اچھا... ہاں بس پانچ منٹ میں تیار ہیں۔" عظمیٰ نے مشکوک نظروں سے عرشیہ کو دیکھا تھا۔

"میرے پاس ابھی صرف پینتالیس روپے ہیں' باقی کے پندرہ روپے میں تمہیں کچھ دن بعد دوں گی۔" عرشیہ نے بلال کو بتایا۔ نظریں رسالے پر جمی تھیں۔

"کوئی بات نہیں تم پینتالیس روپے ہی دے دو باقی پندرہ روپے رہنے دو۔ میں نے دو دن پہلے لیا تھا تو اس کا کرایہ سمجھ لو۔" بلال نے ہنستے ہوئے کہا تو عرشیہ نے **خشمگین** نگاہوں سے اسے دیکھا۔ اگر وہ پندرہ روپے کی رعایت نہ دیتا تو یقیناً" اس کا حال برا ہونا تھا۔

"ویسے تم دونوں اپنے ڈائجسٹ کرائے پر دے دیا کرو فائدہ ہو گا۔" عظمیٰ نے پلیٹ میں بینگن ڈال کر دیے تو بلال نے قدم بڑھاتے بڑھاتے قدرے مسخرے پن سے ان کو مشورہ دیا اور ہنستے ہوئے باہر نکل گیا۔

"آئیڈیا برا نہیں ہے ویسے۔" عظمیٰ نے کٹا ہوا دھنیا ہنڈیا میں ڈالا اور میتھی کو ہتھیلی پر مسل کر ڈالا اور ہنڈیا کو چولہے سے اتار دیا اور عرشیہ سے کہا۔

"کون سا آئیڈیا۔" عرشیہ ڈائجسٹ کی ورق گردانی میں مصروف تھی۔

"رسالوں کو کرائے پر دینے کا۔" عظمیٰ نے کہا تو عرشیہ چونکی۔

"ساٹھ کا رسالہ لے کر دس روپے میں کرائے پر دیں تو مہینے میں اگر چار لوگ بھی لیں تو چالیس روپے تو ہو گئے۔" عرشیہ نے بھی دلچسپی ظاہر کی۔

"ہاں ناں اور رسالہ پڑھنے میں تو تین چار دن سے زیادہ نہیں لگتے اور اس کے بعد رسالہ سمجھو بے کار ہو گیا۔ تو اگر ہم رسالے کو بے کار ہونے سے بچا لیں تو...؟" عظمیٰ نے مزید پرجوش لہجے میں کہا۔

"زبردست پلان... روٹی بنالیں پھر سارا طے کرتے ہیں۔ کالج میں تو لڑکیاں مرمٹیں گی اگر دس روپے میں رسالہ مل گیا تو اور کیا چاہیے۔" عرشیہ نے بھی کہا۔

"لیکن ایک پلان اور بھی ہے میرے ذہن میں۔" عظمیٰ نے کہا تو عرشیہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"تم ہمیشہ کہتی ہو کے ہمارے حالات بدلنے چاہئیں۔ گھر کی حالت بہتر ہو اور ہم اپنی چھوٹی چھوٹی ضروریں پوری کر سکیں۔" عظمیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور اس سے استفسار کیا۔ عرشیہ نے حیرانی کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا۔

"اماں کتنے عرصے سے لوگوں کے کپڑے سی رہی ہیں۔ لیکن بمشکل پانچ چھ لوگ ہیں جو ان سے کپڑے سلواتے ہیں۔ آج جو اماں نے ڈریس بنایا ہے وہ کسی ڈیزائنر ڈریس سے ذرا بھی کم نہیں ہے۔" عظمیٰ کی آنکھوں میں ایک چمک اور لہجے میں ایک امید کی جھلک عرشیہ کو حیران کر چلی تھی۔

"تو...؟" عرشیہ کچھ کچھ سمجھ چکی تھی کے عظمیٰ کیا کہنا چاہ رہی ہے۔

"تو یہ کہ اماں ڈریس بنائیں اور اگر ہم ان کو بیچا کریں تو؟ کالج میں یا کسی ویب سائیڈ پر، آج کل آن لائن شاپنگ کا دور دورہ ہے۔" عظمیٰ کے ذہن میں پلتا خیال عرشیہ کو حیران کر گیا۔

"کیا ہم کر سکیں گے؟" عرشیہ نے سوال کیا۔

"اب تک ہم نے کوشش ہی نہیں کی اگر ہم کوشش کریں اماں کا یہ ہنر ہمیں مالا مال کر سکتا ہے۔" عظمیٰ نہایت پر امید اور پر جوش ہو رہی تھی۔

"لیکن ہم ڈریسز آن لائن پبلش کیسے کر سکتے ہیں؟ ہمارے پاس نہ تو کمپیوٹر ہے نہ فون... نہ ہی کوئی اور سہولت..." عرشیہ کو عظمیٰ کا آئیڈیا پسند آیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں بہت سے سوال بھی اٹھے۔

"بلال ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اس کے پاس تو موبائل ہے ناں اور اگر ہم نیت باندھیں گے تو اللہ کوئی نہ کوئی وسیلہ بھی بنا دے گا۔" عظمیٰ حد درجہ مثبت انداز سے سوچ رہی تھی۔

"پھر پہلے ہم کالج سے شروع کرتے ہیں۔ کل ہی یہ والا ڈریس لے کر جاتے ہیں اور سب کو دکھاتے ہیں۔" عرشیہ نے بھی جب گہرائی میں سوچا تو یہ کام نہایت کار آمد لگا۔ دوسرے لمحے وہ طیبہ کا بنایا گیا ڈریس دینے کے لیے خود ہی راضی ہو گئی۔ عظمیٰ نے محبت بھری نظروں سے بہن کو دیکھا جس کی آنکھوں میں بہت سارے چھوٹے چھوٹے خواب ہر دم جھلملاتے رہتے تھے اور جو بڑی ہونے کے باوجود بچوں کی سی طبیعت کی مالک تھی۔

اور پھر عظمیٰ روٹی پکانے لگی اور عرشیہ باقی چیزیں سیٹ کرنے لگی۔ بلال کا لایا گیا گوشت اس نے سلور کی پرات میں ڈال کر آگ پر گرم کرنے کے لیے رکھا۔ اس کے چہرے پر ایک انوکھی مسکراہٹ ابھری تھی... بلال کی ان کہی محبت نے اس کے دل کے تاروں کو چھیڑا تھا۔

✡ ✡ ✡

دوسری صبح عرشیہ نے سارے رسالے طیبہ کے سلائی کیے گئے تھیلے میں ڈالے اور ڈریس کو طے کر کے ایک دوسرے تھیلے میں ڈالا۔ عظمیٰ نے اپنے رجسٹر سے پانچ چھ صفحوں کو پھاڑ کر ان کو فولڈ کیا اور آدھے فولڈ صفحوں کو پھر دہرا کیا۔ کارڈ بورڈ کا ٹکڑا جس کو عرشیہ نے پنکھے کے طور پر استعمال کیا تھا۔ اس کو دہرا کر کے اس کا کور بنایا۔ ایک کپڑے ٹکڑے کو لیا اور سائیڈ پر سلائی لگا کر ایک نوٹ بک بنالی۔ آٹے کو پانی میں گھول کر کپڑے کو کارڈ بورڈ پر چپکا دیا۔

"یہ لو... نوٹ بک تیار کر دی میں نے اس پر سارے رسالوں کے نام اور کون سے مہینے کا ہے لکھ دو اور جب بھی جو لے گی رسالہ تو ساتھ اس کا نام اور ڈیٹ بھی لکھ لینا..." عظمیٰ نے نوٹ بک عرشیہ کے حوالے کر کے اس کو ہدایت دی۔

"واہ زبردست۔" عرشیہ نے نوٹ بک پکڑ کر بے اختیار تعریف کی۔

"اور اس ڈریس کی قیمت۔" عرشیہ نے نوٹ بک کو

رسالوں والے تھیلے میں ڈال کر پوچھا۔
"میں سوچ رہی ہوں اماں کو ابھی نہ پتا چلے۔۔۔ اگر ڈریس کسی نے لے لیا تو پھر سارے پیسے اماں کو دے دیں گے۔ کتنا خوش ہوں گی ناں۔" عظمیٰ نے کہا تو عرشیہ نے بھی تائید کی۔
"لیکن ڈریس کی قیمت کا کیسے اندازہ ہوگا؟" عظمیٰ نے فکر مندی سے کہا۔
"ایسے کرتے ہیں ڈریس سب کو دکھانے کے بعد سب سے پوچھیں گے کے اس کی قیمت کا اندازہ لگائیں۔ ایسے پتا چل جائے گا اور جس نے سب سے مہنگا بتایا بس وہی قیمت فائنل کرلیں گے۔" عرشیہ نے بڑے پتے کی بات کی تھی۔
"ہاں ایسے ہی کرنا پڑے گا۔" عظمیٰ نے ہاں میں ہاں ملائی۔
وہ دونوں کالج پہنچیں تو فری پریڈ میں عرشیہ نے ڈریس کو نکالا۔ تو ہر طرف سے تعریفی کلمات اور تحسین آمیز جملے ہر طرف گونجنے لگے۔
"کس کا ڈریس ہے؟"
"کہاں سے لیا؟"
"کتنے کا ہے؟"
"کیا وہاں ایسے اور ڈریسز بھی ہیں۔" عرشیہ درمیان میں اور اس کے چاروں طرف لڑکیاں مکھیوں کی طرح بھنبھنانے لگیں۔
"اس کی قیمت کا اندازہ لگاؤ۔" عظمیٰ نے با آواز بلند کہا۔
"پانچ ہزار۔۔۔" ایک آواز پر عرشیہ کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
"نہیں یار۔۔۔ پانچ کا نہیں کم از کم سات ہزار کا تو ہوگا ناں رینز اور بنارسی کا میٹریل بھی تو دیکھو۔" کسی اور نے کہا۔ عظمیٰ نے عرشیہ کو دیکھا۔ جو آنکھیں پھیلائے منہ کھولے یہ سب دیکھ رہی تھی۔
"عرشیہ کتنی قیمت ہے اس کی؟" ایک دوسری لڑکی نے برائے راست عرشیہ سے پوچھا۔
"سات ہزار پانچ سو۔" عرشیہ بے ساختہ بولی تو عظمیٰ نے سر پیٹ لیا۔
"مروا دیا اس پاگل نے۔" عظمیٰ نے اسے گھورا۔
"میں اگر پانچ ہزار دوں تو مجھے دو گی؟" دوسرے پل اس نے ان سب کو حیران کردیا۔
"ویسے اس کی قیمت سات ہزار ہی ہونی چاہیے لیکن میرے پاس زیادہ نہیں ہیں۔"
"کیا ہم آرڈر کرسکتی ہیں؟" اس لڑکی نے تو باقاعدہ بیگ اٹھا کر پیسے نکال لیے تو دوسری لڑکیوں نے سرد آہ بھر کر آرڈر کرنے کا کہا۔
"ہاں کرسکتی ہیں آرڈر۔" عظمیٰ نے انتہائی خوش دلی سے کہا۔
عرشیہ نے وہ ڈریس دے کر پانچ ہزار روپے لے لیے تھے۔ زندگی میں پہلی بار انہوں نے اتنی رقم ایک ساتھ دیکھی تھی۔ وہ بھی اپنی ذاتی۔۔۔ اپنی محنت کی۔ عظمیٰ نوٹ بک اٹھا کر آرڈر کرنے والی لڑکیوں کے نام لکھنے لگی۔۔۔ لیکن فرط جذبات سے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ خوشی ہی ایسی ملی تھی۔
"اگر آپ کو رسالے پڑھنے کا شوق ہے تو ہم کرائے پر رسالے دیتے ہیں۔" عرشیہ نے اعلان کیا۔
"مجھے دو۔۔۔ مجھے دو۔۔۔" اب ہر طرف یہ تکرار جاری تھی۔
"دس روپے سات دن کے لیے۔" عرشیہ نے کہا۔
"واہ زبردست۔۔۔" بہت سی لڑکیوں نے اس کو بھی سراہا۔ یوں انہوں نے ڈائجسٹ بھی کرائے پر دے دیے۔۔۔ اور مزید لڑکیوں کو بھی بک کرلیا۔ اب سب لڑکیاں اپنی اپنی کلاس کی جانب بڑھ چکی تھیں۔
"ہم گھر چلیں۔" عظمیٰ نے عرشیہ سے کہا۔ جس کے ہر اک عضو سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔
"ابھی دو پیریڈ باقی ہیں ناں۔" عرشیہ نے منہ بنا کر انتہائی بے دلی سے کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بمشکل وقت گزار کر وہ دونوں گھر پہنچیں تو طیبہ ایک اور ڈریس کو تقریباً تیار کر چکی تھی۔ عرشیہ اور

عظمیٰ دونوں مسکراہٹ کو چہروں پر سجا کر طیبہ کے پاس آئیں۔ اس نے حیرانی سے دونوں کے کچھ مشکوک انداز کو دیکھا تھا۔

"کیا بات ہے....." ڈریس کی سائیڈ سے فالتو کپڑا کاٹتے ہوئے ان کی طرف ذرا کی ذرا نگاہ کی اور پوچھا۔

"آپ کے لیے ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔" عرشیہ نے کہا۔

"تم دونوں کا رزلٹ آگیا ہے؟" طیبہ نے پرمسرت لہجے میں پوچھا۔

"نہیں.... ابھی تو امتحان ہی نہیں ہوئے۔" عظمیٰ نے ہنستے ہوئے کہا۔

"پھر؟ کیا کوئی لاٹری نکل آئی ہے۔" طیبہ نے مذاق اڑانے کا سا انداز اپنایا تھا۔

"کچھ اسی قسم کی خوش خبری ہے لیکن ابا تو آلیں پھر بتائیں گے۔" عظمیٰ نے مزید تجسس کو پھیلایا۔

"میرے پاس بھی ایک خوش خبری ہے۔ اب کے طیبہ نے ان کو تنگ کرنا چاہا۔

"وہ کیا؟" دونوں یک زبان بولیں۔

"خالد بھائی نے بلال کے لیے عرشیہ کا رشتہ مانگا ہے۔" طیبہ نے شرارت بھری مسکراہٹ سے عرشیہ کو دیکھا۔

"کیا؟" وہ چلا اٹھی۔

"ابا نے کیا کہا؟" عظمیٰ بے حد خوش ہوئی تھی۔

عرشیہ کا دل بھی یک دم دھڑکا تو تھا لیکن اس نے کمال مہارت سے قابو پایا تھا۔

"یہی کہا کہ سوچ کر بتائیں گے.... ویسے بلال تو ہمیں بہت پسند ہے اور انہوں نے بہت محبت سے رشتے کی بات کی ہے۔" طیبہ نے ان دونوں کو ساری تفصیل بتائی۔

"السلام علیکم....." اتنی دیر میں یوسف بھی آگیا تو اس کے ہمراہ بلال بھی تھا۔ عرشیہ کو یکدم ہی شرم نے آ گھیرا تھا۔

"وعلیکم السلام...." طیبہ نے سلام کا جواب دیا۔

"کیسی ہیں چاچی۔" بلال نے ایک نظر عرشیہ کو دیکھا تھا اور طیبہ سے مخاطب ہوا۔

"ٹھیک ہوں۔ تم کیسے ہو؟"

"میں بھی ٹھیک ہوں' چاچی وہ جو آپ نے گلابی سلک کہا تھا وہ نہیں ملا۔ میں کل شہر جاؤں گا تو لے آؤں گا۔" بلال نے طیبہ کو بتایا۔

"کوئی بات نہیں' اتنا جلدی نہیں چاہیے اگر گئے تو شہر تو لے آنا۔" طیبہ نے کہا۔ عظمیٰ اتنی دیر میں یوسف کے لیے پانی لے کر آگئی۔ بلال کو بھی دیا۔

"تمہارے ابا آگئے ہیں اب بتاؤ کیا خوش خبری ہے۔ بلال بھی سن لے گا۔" طیبہ سلائی مشین کے اردگرد بکھرے کپڑوں کو سمیٹنے لگی۔ تو عرشیہ اور عظمیٰ کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اماں کل جو ڈریس آپ نے بنایا تھا ناں۔" عظمیٰ پرجوش انداز میں بولنے لگی۔

"ہم نے وہ بیچ دیا۔" عرشیہ نے یک دم کہا۔

"کیا؟ بیچ کہاں دیا؟ اور کب؟" طیبہ حیرت سے چلائی تو یوسف اور بلال بھی متوجہ ہوئے.... اور پھر عظمیٰ اور عرشیہ نے کالج کی ساری داستان ان کو سنا دی۔ جہاں ان کو حیرت ہوئی وہاں طیبہ کو ایک خوشی بھی ہوئی جب عرشیہ نے پانچ ہزار کا نوٹ طیبہ کے ہاتھ میں رکھا تو اس نے بے اختیار یوسف کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر بھی ایک مسکراہٹ اور حیرانی نہایت واضح تھی۔

"اماں جس کے پاس بہت سارے پیسے ہوتے ہیں ناں ان کے لیے پانچ ہزار پانچ روپے جیسے ہوتے ہیں فٹ سے نکال کر دے دیے' ذرا نہ سوچا' ایک ہم ہیں جن کو پانچ روپے بھی پانچ ہزار لگتے ہیں۔ دیتے ہوئے ہزار بار سوچنا پڑتا ہے۔" عرشیہ نے ہنستے ہوئے حسرت آمیز انداز میں کہا تو بلال نے اس کی طرف دیکھا' ہنسی میں بھی تاسف چھپا محسوس ہوا تو یک دم وہ گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"اور اماں ہمارے پاس جو بھی رسالے تھے ناں ہم نے وہ سارے اب کرائے پر بھی دینے شروع کیے ہیں اور یہ بلال کا آئیڈیا ہے۔" عظمیٰ نے مسکراتے ہوئے

بتایا۔ بلال نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر مسکرا دیا۔

"واہ میری بیٹیاں تو بہت سمجھ دار ہو گئی ہیں۔" طیبہ نے یوسف کی طرف دیکھا اور ان دونوں کی تعریف کی۔

"اماں ایسے ڈریس اور بھی بنانے ہیں۔ مختلف طریقوں کے 'الگ الگ ڈیزائن کے۔ ہمیں بہت سی لڑکیوں نے کہا ہے اور ہر ڈریس پر پانچ چھ ہزار تو ضرور مل جائیں گے۔" عظمیٰ نے ان کو ساری تفصیل بتائی۔

تو طیبہ اور یوسف کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"میں نے تو کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ میری سلائی کے اتنے پیسے بھی مل سکتے ہیں۔" طیبہ کو ابھی تک یقین نہیں آرہا تھا۔

"اچھا چاچا اب میں چلتا ہوں۔ ابا نے کہا تھا کے واپسی پر دکان دیکھتا آؤں اور پھر چمڑے کا بھی پتا کرنا ہے۔" بلال نے اجازت لی اور وہاں سے اٹھ گیا۔

طیبہ 'یوسف اور عظمیٰ باتوں میں مشغول ہوئے تو عرشیہ 'بلال کے پیچھے گئی۔

"اللہ حافظ....." وہ دروازے تک پہنچا تو عرشیہ نے مدھم آواز میں کہا۔ اس نے یک دم پلٹ کر دیکھا۔ اس کی آمد سے بے خبر تھا یا شاید..... انجان بننے کی اداکاری تھی۔

"ایک بات پوچھوں؟" بلال نے اسے دیکھا محتاط نظروں سے..... اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"کیا تمہارے لیے پیسے بہت اہمیت رکھتے ہیں؟" بلال کے سوال پر وہ حیران ہوئی تھی۔

"پیسے کی اہمیت سے انکار تو نہیں کیا جا سکتا ناں۔" عرشیہ نے آہستگی سے کہا۔

"تمہارے لیے اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے؟" بلال نے صرف اس کی مرضی جاننی چاہی۔

"بہت زیادہ تو نہیں' لیکن پیسے کی اہمیت تو بہر حال ہے ہی۔" عرشیہ جان چکی تھی کہ در پردہ وہ اس سے کیا اگلوانا چاہ رہا ہے۔

"اور....." کچھ کہتے کہتے وہ رک گیا۔

"اور؟" عرشیہ نے پوچھا۔

"محبت.....؟" بلال نے فقط ایک لفظ کہا۔

"کیا محبت؟" عرشیہ سمجھنے کے باوجود نا سمجھ بنی ہوئی تھی۔

"میری خواہش تھی کے ہمارے درمیان..... کے تعلق کا نام..... محبت ہو۔" بلال نے مدھم آواز میں رک رک کر اپنی بات مکمل کی۔ عرشیہ نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "میرے پاس پیسہ نہیں ہے کہ اپنی محبت کی قیمت ادا کر سکوں۔" عرشیہ کی کچھ دیر پہلے کی باتوں سے بلال کے اندر ایک سنجیدگی اتر آئی تھی۔ اس سے پہلے بھی بہت دفعہ ایسا ہوا کہ بلال نے محسوس کیا تھا کہ عرشیہ کے لیے پیسہ بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اور ابھی تو اس نے کھل کر اس بات کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"تمہیں کس نے کہا کے میں محبت کی قیمت لگا رہی ہوں؟" عرشیہ نے کہا تو بلال کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔

"محبت کی قیمت پیسے سے نہیں لگائی جاتی ہے پاگل انسان۔" عرشیہ نے اس کی زرد رنگت کو حیرت سے دیکھا اور مسکرا کر شرمگیں لہجے میں کہا۔

"محبت تو انمول ہوتی ہے اور میں اتنی بھی بے وقوف نہیں ہوں کہ انمول چیزوں کی قیمت طے کر کے اس کو بے مول کر دوں....." عرشیہ مزید گویا ہوئی تو بلال کے چہرے پر اب ایک اطمینان جھلکنے لگا تھا۔

"میں سوچ رہا تھا کہ تم..... میرا ساتھ قبول نہیں کرو گی میری محبت میں پیسہ نہیں صرف خلوص ہے..... ورنہ میں تمہیں ایک اچھی خبر سنا چکا ہوتا۔" بلال نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا اور مسکرا کر کہا۔

"کون سی اچھی خبر؟" عرشیہ اس کی ساری بات کو نظر انداز کر کے اچھی خبر پر چونکی تھی۔

"میں نے شوز ڈیزائن کیے تھے۔ اور ان کو ویب سائیٹ (Ebay) پر لگایا تھا۔ وہاں سے کسی شوز ڈیزائنر نے مجھ سے کانٹیکٹ کیا ہے....." بلال نے اسے بتایا۔

"یہ تو بہت بڑی خبر ہے اور تم چھپاتے پھر رہے ہو۔" عرشیہ نے اسے گھورا تھا۔ تو بلال کھسیانا سا ہنس دیا۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں؟" عظمیٰ کی شوخ آواز نے عرشیہ کو سٹپٹا دیا۔

"بلال شوز ڈیزائنر بن گیا ہے... وہی بتا رہا ہے۔" عرشیہ نے عظمیٰ کو بتایا۔

"زبردست... تبھی ہمیں بھی ایسے آئیڈیاز دیے جا رہے تھے۔ اب ہم مل کر کچھ کرتے ہیں تم شوز ڈیزائن کرو ہم ڈریس ڈیزائن کرتے ہیں مل کر بوتیک بنائیں گے اور زندگی عیش سے گزاریں گے۔" عظمیٰ نے چٹکی بجا کر کہا تو وہ دونوں ہنسنے لگے۔

"کھڑے کھڑے ہی مستقبل طے کر لیا۔" بلال نے کہا۔

"تم دونوں بھی تو یہی کر رہے تھے ناں۔" عظمیٰ کا لب و لہجہ ذو معنی تھا۔

"لگتا ہے اس عید پر ہماری موجیں ہونے والی ہیں۔" عرشیہ نے شوخی سے کہا۔

"وہ کیسے؟" عظمیٰ نے پوچھا۔

"ڈیزائنر جوتے 'ڈیزائنر کپڑے... واہ واہ کیا بات ہے۔" عرشیہ نے کہا تو بلال اور عظمیٰ دونوں نے اسے گھورا۔

"پہلے روزے تو رکھو..." بلال نے کہا اور باہر نکل گیا کہ وہ اب لیٹ ہو رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

رمضان کے شروع ہوتے ہی عرشیہ نے دن رات بہت سی دعائیں مانگی تھیں۔ ایمان کی' نیک راہ کی' محبت کی' روشن مستقبل کی۔

اور پھر دعاؤں کے سچ ہونے کی تدبیریں بھی ہونے لگی تھیں۔

عید نے اس کی زندگی بدل دی تھی... بلال کے نام کی ایک چاندی کی انگوٹھی اور بلال کے ہاتھ کی بنی چپلیں... ایک سادے سوٹ کے ساتھ اس کو محبت دان کر گئے تھے۔

طیبہ نے بہت سارے سوٹ تیار کر رکھے تھے اور اب وقت بدلنے کے لیے پر تول رہا تھا... سوٹوں پر قیمتوں کے ٹیگ لگا دیے گئے تھے۔

اب تو ہر دن عید ہونے والا تھا ہر پل' ہر لمحہ محبت سے لبریز ہو چکا تھا... محنت نے پھل سے نوازا تھا... اور محبت نے ساتھ دیا تھا۔

"تمہیں پتا ہے ہمارے بوتیک کا نام کیا ہوگا؟" طیبہ کے بہت سارے سوٹ فروخت ہو چکے تھے۔ اور اس میں بلال بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا کہ کپڑا لانا اور دھاگوں کے لیے بلال ہی ان کی مدد کیا کرتا تھا۔ ایک کمرے میں ایک لکڑی کو دیوار کے ساتھ لگا کر وہاں ہینگرز لگانے کی جگہ بنائی گئی تھی۔ بلال دیکھنے کے لیے آیا تو عرشیہ نے اسے بتایا۔

"کیا نام ہوگا؟" بلال نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"ڈیزائنر محبت" عرشیہ نے پرجوش انداز میں بتایا تو بلال کا بے ساختہ قہقہہ بلند ہوا۔

"یہ کیا نام ہوا۔" اپنی ہنسی روک کے وہ اب پوچھنے لگا تھا۔

"اس لیے کہ یہ سارے ڈیزائن ہم بہت محبت سے بنا رہے ہیں۔ اس میں ہماری محبت شامل ہے۔" عرشیہ نے جذبات میں ڈوبی آواز کے ساتھ اسے بتایا۔

"اور ہمارا ساتھ بھی۔" بلال نے مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔ تو عرشیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

"زبردست نام ہے... ڈیزائنر محبت۔" بلال نے تعریف کی تو عرشیہ کے چہرے پر آسودہ مسکراہٹ نے احاطہ کیا۔

"اب اس محبت کو... میرا مطلب ہے بوتیک کو بہت ہی بہترین بنانا ہے۔" عرشیہ نے کہا۔

"اور محبت کو بھی..." بلال نے کہا۔

"ہاں..." عرشیہ شرمگین لہجے میں بولی... بلال مسکرانے لگا تھا۔

دونوں کی گہری مسکراہٹ میں مستقبل کی روشنی جھلملا رہی تھی اور "ڈیزائنر محبت" کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔

☆ ☆

مکمل ناول

ریحانہ آفتاب

"سیمیں!" ناہید نے کچن سے نکلتے سیڑھیوں پہ نظر ڈال کر آواز لگائی۔

"سیمیں کہاں ہو' آواز تو دو۔" چائے کی ٹرے چھوٹی سی ڈائننگ میز پر رکھتے انہوں نے ایک بار پھر آواز دی۔

چائے کے انتظار میں بیٹھا سہام علوی اتنا اچھا نہیں تھا کہ وہ آنسہ سیمیں کے انتظار میں چائے ٹھنڈی کروا کر بااخلاق اور مہذب ہونے کا ثبوت دیتا۔ اس نے اپنی چائے نکال اور پلیٹ میں شامی کباب اور کھانا شروع ہو گیا۔

"ذرا انتظار نہیں ہوتا۔ صبر کرلو' سیمیں آجائے تو ساتھ شروع کرتے ہیں۔" ناہید نے سرزنش کی۔ فورک میں کباب کا ٹکڑا پھنسائے منہ کو لے جاتے سہام علوی کے ہاتھ اک پل کو رک گئے۔

"آپ چونچلے اٹھائیں اس مہارانی کے۔ دنیا بھر کی تائی' چاچی یتیم بھتیجی کے ساتھ نوکروں کا سا سلوک کرتی ہیں۔ آٹھ آٹھ آنسو رونے پہ مجبور کردیتی ہیں اور ایک آپ ہیں۔ نوکروں اور سوتیلوں والی فیلنگ مجھے آتی ہے..... آپ کے سگے بیٹے کو اور وہ مہارانی....."

"لڑکے! کیا واہی تباہی بک رہا ہے۔" ناہید ہول کر اس کی فراٹے سے چلتی زبان کو روک گئیں۔

"اتنی پیاری اور معصوم سی بچی ہے۔" وہ بری طرح فریفتہ تھیں۔ سہام علوی جل بھن گیا۔

"ہاں اتنی معصوم بچی ہے کہ اس کی خدمت میں پیش کرنے کو آپ چائے اور لوازمات سجائے بیٹھی ہیں اور محترمہ کا دور دور تک پتا نہیں۔" وہ جل کے بھسم ہی تو ہو گیا۔

"اتنی تو غیر ملکی پولیس بھی مجرم کے پیچھے نہیں پڑتی ہو گی لڑکے جتنا تو اس بے چاری کے پیچھے پڑا رہتا ہے۔ چائے سیمیں نے دم پہ چڑھا رکھی تھی..... کباب بھی اسی نے فرائی کیے اور یہ پاستا پھاستا' جو تو منہ بھر بھر کے کھا رہا ہے..... یہ سب اسی نے بنایا ہے۔ میں نے تو بس میز لگائی ہے....." وہ واقعی پلیٹ بھر کر چکن پاستا کھا رہا تھا۔ ایک لمحے کو برا سا منہ بنا کر رہ گیا مگر پاستا کھانا نہ چھوڑا کہ بہت مزے کا بنا تھا۔

"اب ساری ناچٹ کر جانا کچھ اس بے چاری کے لیے بھی بچا دو' جس نے محنت سے بنایا ہے۔" اسے دوبارہ پلیٹ میں پاستا نکالتے دیکھ کر ناہید خود کو ٹوکنے سے باز نہ رکھ سکیں۔

"دیکھا اسی لیے آتی ہے مجھے آپ سے سوتیلوں والی فیلنگ۔" اس کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ دوبارہ پلیٹ بھرلی۔

"مجھ سے زیادہ آپ کو اس کا خیال رہتا ہے۔" وہ پاستا کھاتے بولنے سے باز نہیں آ رہا تھا۔ کھانا بھی جاری تھا اور ساتھ ہی گلے شکوے کا تڑکا بھی لگا رہا تھا۔

"آ گئی چچی جان!" سیڑھیوں سے کپڑوں کا ڈھیر دونوں ہاتھوں میں سنبھالے محترمہ سیمیں صاحبہ "آنا فانا" رونما ہوئیں۔

"آؤ بیٹھو! اور سکون سے چائے پیو۔" ناہید نے اس کو پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"چچی جان میں نکال لیتی نا چائے' آپ نے کیوں زحمت کی۔" وہ کرسی سنبھالتی کچھ شرمندہ تھی۔ ناہید بھی اب سکون سے بیٹھ گئی تھیں۔ حماد صاحب

دوست کی طرف گئے ہوئے تھے ورنہ چھٹی کے دن وہ بھی ساتھ ہی ہوتے تھے۔

"جتنی دیر آپ کپڑے اتارنے کے بہانے لگا کر آئی ہیں نا اب تک بے چاری چائے کا دم بھی نکل چکا ہوتا۔" چائے کی سپ لیتے اس کی زبان میں پھر خارش ہوئی۔ اور یہ مرض کوئی آج کا تھوڑی تھا جو سیمیں چونکتی۔ وہ چپ کر کے ناہید کی پلیٹ میں چیزیں نکالنے لگی۔

"اگر تمہارے میزائل ختم ہو گئے ہوں تو میں کام کی بات کروں۔" ناہید کو اسے چپ کرانا ہمیشہ مشکل لگتا تھا۔ کیونکہ وہ یکطرفہ گولہ باری کرتا تھا' سیمیں تو ہمیشہ سرینڈر ہی کیے رہتی تھی۔ کبھی مقابل کھڑی ہی نہ ہوئی۔

"ارشاد والدہ محترمہ!" اس کے کون سا پیروں میں پانی پڑتا تھا۔

"رمضان المبارک شروع ہونے والی ہے' پہلا روزہ ستائیس یا اٹھائیس تاریخ کو متوقع ہے۔ سیمیں تم آج لسٹ بنا لو رمضان المبارک کی گروسری کی' ہم کل گروسری کی خریداری کرنے چلیں گے۔ پھر گھر کی صفائی بھی کروانی ہے۔"

"بہتر چچی جان میں رات ہی لسٹ تیار کر لوں گی۔ صفائی بھی پرسوں سے شروع کروا دوں گی۔ فائزہ کے ساتھ مل کر۔" وہ سعادت مندی سے سر ہلا رہی تھی۔

"ڈرامہ کوئن نے ان ہی چالاکیوں سے میری بھولی بھالی ماں کو قابو میں کیا ہوا ہے۔" وہ دل ہی دل میں بڑبڑا کے رہ گیا۔

"یہ کون سا پاک بھارت مذاکرات کی بات تھی جو آپ نے مجھے کشمیر کی طرح سائیڈ لگا دیا۔" وہ پھڑکا۔

"میں منتظر تھی کہ تمہاری زبان میں ابھی تک ہلچل کیوں نا ہوئی اور ہم نے خیر سے دو چار جملوں کا تبادلہ بھی کر لیا۔" ناہید مذاق اڑاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ سیمیں کے لبوں پہ بھی چور مسکراہٹ پھیل گئی ناہید کو تو کچھ نا کہہ سکتا تھا۔ مگر سیمیں کو تیکھی نظروں سے گھورنا اس نے اپنا قومی فریضہ جانا وہ سٹپٹا کر سر جھکا گئی۔

"کل آفس سے جلدی آجانا' ہم سپر اسٹور چلیں گے۔" ناہید نے چائے کی سپ لیتے کل کے متعلق ابھی انفارم کر دیا۔

"میں جاؤں گا آپ لوگوں کے ساتھ سپر اسٹور؟؟"

اسے کوفت ہوئی۔ ناہید نے ناک سے چشمہ اوپر کیا اور پھر تفصیلی۔ "گھورنے" کا عمل کیا۔

"نہیں تمہارا کیا خیال ہے' ہم مہینے بھر کا راشن لے کر آٹو ٹیکسی کی منتیں کریں!" اب کے سہام علوی جس کی زبان کے آگے واقعی خندق تھی اس مرحلے پر اسے چپ سادھنا پڑی۔

"چچی جان سپر اسٹور میں بیڈ شیٹس بھی بہت اچھی آئی ہوئی ہیں۔ عید کے لیے بیڈ شیٹس بھی وہیں سے لے لیں گے۔" سیمیں صاحبہ اگر ایٹمی نسخہ بھی ایجاد کر لیتیں تو بھی سہام علوی نے اس سے اختلاف ہی کرنا تھا ابھی کیسے چپ رہتا۔

"کوئی نہیں صرف گروسری کی شاپنگ پہ جاؤں گا میں..... بیڈ شیٹس اور کپڑوں کی شاپنگ آپ لوگ پھر کسی دن جا کر کر لیجئے گا۔" وہ اختلاف کا علم بلند کرتے اٹھتے ہوئے بھی زبان کے جوہر دکھا گیا۔ سیمیں تو چپ کر گئی۔ ناہید نے بھی قابل اعتنا نا جانا۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز چچی جان اور سیمیں تیار کھڑی تھیں۔ سہام علوی جلدی کا شور ڈال رہا تھا۔ تب ہی ناہید کی بیسٹ فرینڈ چلی آئیں۔

"ارے کہیں جا رہے ہو۔ تم لوگ؟" وہ اپنا پرس رکھ کر آرام سے بیٹھ چکی تھیں۔

"بہو سے تھوڑی کھٹ پٹ ہو گئی تو اسے چار باتیں سنا کر تمہاری طرف آ گئی۔ راستے میں بیٹے کو فون پر بھر کے آئی ہوں۔ اب بیٹا گھر آئے گا تب ہی بلاوے پہ جاؤں گی۔" بلقیس صاحبہ اپنا پلان سنا رہی تھیں۔ سیمیں کو گروسری کی شاپنگ کا معاملہ کھٹائی میں جاتا لگا۔ سہام علوی الگ کلس کے رہ گیا۔ پچھلے اک گھنٹے

سے وہ ان دونوں کا انتظار کر رہا تھا۔ اور جب دونوں تیار ہو کر نکلنے لگیں تو بلقیس صاحبہ بہو سے لڑ کے ٹپک گئیں۔

"تو پھر میں واپس آفس جاؤں۔" سہام علوی' ناہید سے استفسار کر رہا تھا۔ منہ بن چکا تھا۔

"اس وقت دوبارہ آفس جا کر تم نے اپنی دوسری ماں کو خط لکھنا ہے۔" ناہید جلبلا ہی تو گئیں۔ تب ہی دھیمی آواز میں غصہ نکالنے لگیں۔

"پاپا کہیں گے تو لکھ بھی دوں گا۔ بلکہ میں تو سوچ رہا ہوں' پاپا کو مشورہ دیتا ہوں دوسری شادی ہی کر لیں۔ کم از کم مجھے ماں تو مل جائے گی۔" وہ بھی سیر پہ سوا سیر تھا۔ ناہید کو سیکنڈ میں چراغ پا کر گیا۔

"ڈھونڈ لو دوسری ماں' دونوں باپ بیٹا گھر کے باہر چبوترے پہ بستر لگایا کرنا۔" ناہید کون سا کم تھیں۔

"کتنی حاکم مزاج ہیں آپ' آہ میرے مظلوم پاپا۔" اس نے مزید پیٹرول ڈالا۔

"یہ رونا تم اپنے پاپا کے سامنے ڈالو جا کر' بے چارے برسوں بعد اک ہمدرد پا کر جی اٹھیں گے۔" ناہید نے ناک پر سے مکھی اڑائی۔ وہ منہ بسور کے رہ گیا۔

"ساری زمین' جائیداد اپنے نام کروا کر میری پاپا کے پر کاٹ کر اب آپ انہیں اڑان کی نوید دے رہی ہیں؟" سیمیں خاموشی سے یہ نوک جھونک سن رہی تھی۔ سہام علوی ہو اور گولا باری نہ ہو ایسا شاذ ہی ممکن ہوتا تھا۔ جب خود اس کا موڈ نہ ہو۔ ورنہ وہ ہر گھڑی تیار کامران ہیں ہم کی تفسیر تھا۔

"شاپنگ کا تو بتائیں۔" وہ جھنجلایا۔

"اب بلقیس اتنے دنوں بعد بہو سے لڑ کر آئی ہے۔ اس کی دکھ بھری داستان سنے بنا اسے بھگا تو نہیں سکتی۔"

"یعنی پروگرام کینسل۔ اوکے ٹاٹا!" خواری سے بچنے کے خیال سے سکون کی سانس لے کر وہ آگے بڑھنے لگا' مگر ناہید نے اس کی شرٹ پکڑ کر پیچھے سے کھینچ دی۔ لامحالہ اس کے بڑھتے قدم تھم گئے۔

"اڑیل گھوڑے' کینسل کیوں۔ دن کم رہ گئے ہیں۔ آخر کے دنوں میں سب کچرا ہی ملے گا اسٹور پر۔ سیمیں تیار ہے۔ تم دونوں چلے جاؤ' میں بلقیس کو ٹائم دیتی ہوں۔" یہ ہدایت سن کر اس کا منہ بن گیا۔

"چلو مصیبت... آ... آں... میرا مطلب آنسہ محترمہ سیمیں جی!" اس کے منہ سے نکل گیا' مگر ناہید کی نظروں کی حدت پہ اس نے فوراً" زبان کی لگام کھینچی۔ سیمیں چپ چاپ اس کے پیچھے چلنے لگی۔

✡ ✡ ✡

مال میں آکر وہ تو لاتعلق بن کر کھڑا ہو گیا اور سیمیں اکیلی ٹرالی گھسیٹتی چیزیں دیکھ دیکھ کر ٹرالی میں بھرنے لگی۔ اسے افسوس ہونے لگا کہ وہ منع ہی کر دیتی تو بہتر تھا۔ کل ناہید کے ساتھ ہی آجاتی تو وہ اس کی مدد تو

کرتیں۔ سہام علوی تو الٹا جلدی جلدی کا شور ڈال کر اس کے ہاتھ پاؤں پھلا رہا تھا۔

"اور کتنی دیر لگاؤ گی کیا سسرالیوں کا راشن بھی اکٹھا کر رہی ہو؟" اس سے مزید ضبط نا ہوا تو اسے گھورنے لگا۔ سیمیں کا دم خشک ہونے لگا۔

"میں جا کے گاڑی میں بیٹھ رہا ہوں۔ تمہارے ساتھ دو قدم آگے، دو قدم پیچھے چل چل کر میری ٹانگیں جواب دینے لگی ہیں۔ جب تم اپنا کیٹ واک کا شوق ٹرالی کے ساتھ پورا کر لو تو مجھے کال کر لینا۔ سامان پیک کرنے آجاؤں گا۔" اپنی بات کر کے یہ جا وہ جا۔۔۔ سیمیں جو اس کے جملوں کے درمیان کچھ کہنے کے لیے کئی بار منہ کھول بند کر رہی تھی اسے آخر منہ بند ہی کرنا پڑا کہ وہ اسے بولنے کا موقع دیے بغیر ماڈل کی چال چلتا کی چین انگلیوں میں گھماتا سپر اسٹور سے نکل رہا تھا۔

سیمیں نے اک اداس نظر اس کی پشت پہ ڈالی۔ ٹی وی ڈراموں ناولز میں پڑھے کتنے ہی خوب صورت منظر نگاہوں کے سامنے آکر رقص کرنے لگے۔ کزنز کی نوک جھونک، شرارتیں، کھلکھلاہٹیں، لڑنا جھگڑنا، روٹھنا منانا اور ان سب کے درمیان چوری چوری چلتا پیار۔۔۔ تنہائی پانے کے لیے لوگ ہزار جتن کرتے ہیں اور اک سہام علوی تھا جو جا کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔

تنہائی اور دل گداز جملوں کے لیے۔ محبت کا ہونا ضروری ہے اور ان کے بیچ محبت تھی کب۔۔۔ سیمیں اک یتیم و یسیر لڑکی تھی، جو والدین کی حادثاتی موت کے بعد چچا چچی جان کے گھر پل کر بڑی ہوئی تھی۔ سہام علوی کو اپنی تنہا بادشاہت میں اس کی آمد کبھی پسند نہیں آئی تھی۔ وہ کھلم کھلا بے زاری کا اظہار کرتا تھا، ہر بار ناہید اس کی ڈھال بن جاتی تھیں۔

سہام علوی اپنی ہزار بدتمیزیوں کے باوجود اس کے دل کا مکین بن بیٹھا تھا۔ وہ اسے چپکے چپکے چاہنے لگی تھی تو ضروری تھوڑی تھا کہ وہ بھی اپنی محبت میں بٹوارا کروانے والی کو اس قابل گردانتا۔ وہ رج کے جلے دل کے پھپھولے پھوڑتا تھا۔

سیمیں نے اپنی ناکام حسرتوں کو پٹاری میں بند کر کے سائیڈ پہ پھینکا اور پھر سے لسٹ نکال کر چیزوں کو چیک کرنے لگی کہ کچھ رہ تو نہیں گیا۔ وہ پھر سے چیزوں کی طرف متوجہ ہو گئی۔ کاؤنٹر پہ بل بنوا کر وہ بیڈ شیٹس کے لیے دوسرے پورشن میں جا رہی تھی۔ تب ہی سامنے ریسٹورنٹ کے گلاس پہ نظر پڑی تو اس کے بڑھتے قدم ٹھٹک گئے۔ بڑی ہی طرحدار حسینہ ادائے دلربائی سے اسٹرا منہ میں ڈالے جوس انجوائے کر رہی تھی۔

وہ کوئی اتنی حسین پری چہرہ نہیں تھی کہ وہ اسے دیکھ کر ٹھٹک جاتی۔ اس منظر کو ٹھٹک کر دیکھنے کی وجہ سہام علوی تھا جو اس حسینہ کے مقابل بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے موڈ کی خوش گواریت کو دور سے ہی محسوس کیا جا سکتا تھا۔ چہرے پہ چمک اور لبوں پر مسکراہٹ تھی۔ سیمیں کو تو حسرت ہی رہی تھی کہ وہ کبھی اسے دیکھ کر مسکراتا۔ اس پہ نظر ڈالتے ہی اس کی تیوری چڑھ جاتی تھی۔

جانے اس کی نظروں کا ارتکاز زیادہ تھا یا سہام علوی کی حس تیز اس نے بھی اسے گلاس وال سے اپنی طرف دیکھتے دیکھ لیا تھا۔ تب ہی اگلے سیکنڈ میں سیل فون اٹھا کر اس نے کی پیڈ پہ انگلیاں چلائی تھیں اور اگلے ہی لمحے سیمیں کے سیل فون کی میسج ٹون بجی تھی۔

"آرہا ہوں، دس منٹ ویٹ کرو یا مزید کیٹ واک کر لو سپر اسٹور میں۔" میسج پڑھ کر سیمیں نے بے ساختہ گلاس وال کی طرف نظر ڈالی تھی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ وہ بے ساختہ پلٹ کر اندر کو چل دی تھی۔

✡ ✡ ✡

وہ دونوں سامان کے پیکٹس اٹھا کر اندر آئے تو ناہید انہیں لاؤنج میں ہی مل گئیں۔

"ارے، بڑی جلدی آگئے تم لوگ۔" ڈھیروں پیکٹس دیکھ کر ناہید بے ساختہ سراہنے لگیں۔

"جلدی، کچھ تو خوف الٰہی کھائیں والدہ محترمہ،

پورے چار گھنٹے تیرہ منٹ اور پچیس سیکنڈ لگے ہیں ہمیں اس گھر کی دہلیز پہ دوبارہ قدم رکھے۔" مضبوط کلائی میں بندھی بلیک رسٹ واچ دیکھتے وہ احتجاج کا پرچم تھامے کھڑا نظر آیا۔

"چار گھنٹے ہوئے ہیں نا' چالیس گھنٹے تو نہیں۔ سامان بھی تو دیکھو دنیا جہان کا ہے۔" ناہید اسے گھورنے کا فریضہ انجام دے کر پیکٹس کھولنے لگیں۔

"فائزہ... بچوں کو پانی پلاؤ!" ناہید نے ملازمہ کو آواز دی۔ وہ پانی کا گلاس اور بوتل لیے چلی آئی ناہید اک اک چیز کو دیکھ کر سراہ رہی تھیں۔

"شاپنگ میں اس نے کوئی مدد کی یا صرف زبانی جمع ہی خرچ کرتا رہا۔" ناہید دوزانوں بیٹھی سیمیں سے مخاطب تھیں جو پیکٹس کھول کھول کر انہیں چیزوں کی کوالٹی چیک کروا رہی تھی۔ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ شاید جھوٹ کا سہارا ہی لے لیتی' مگر سہام علوی کی عقاب نظریں اسی پر جمی تھیں۔ اس نے چپ رہنے میں ہی عافیت جانی۔

"مدد اس نے کیا خاک کروانی ہے۔ یہ تو الٹا تمہیں اور ہولا رہا ہوگا۔" ناہید نے اس کے جواب کا انتظار کیے بنا خود ہی اس کے اوصاف میں جملے کہے تو سہام علوی پھڑپھڑا کے رہ گیا۔

"سوتیلے بچوں سے بھی زیادہ ناقابل اعتبار ہوں میں آپ کے لیے... بولتی کیوں نہیں کہ میں نے تمہاری کتنی مدد کی... تم تو اک جگہ ٹرالی لیے بے وقوفوں کی طرح کھڑی تھیں۔ وہ تو میں ہی تھا جو بھاگ بھاگ کر اک سے دوسری ریک تک چیزیں اکٹھی کر رہا تھا۔"

اس قدر تیزی سے جھوٹ کا پل سہام علوی جیسا شاطر دماغ رکھنے والا ہی تعمیر کرسکتا تھا۔ سیمیں تو ہکا بکا منہ کھولے اس کے چہرے پہ بکھری "جھوٹ کی سچائیاں" ہی دیکھتی رہی۔ اتنا پکا رنگ تھا جھوٹ کا کہ کوئی گھاگ شخص بھی دھوکا کھا لیتا' مگر مقابل بھی اس کو جنم دینے والی ناہید تھیں' جو سیمیں کے ہکا بکا روپ کو دیکھ کر فوراً" معاملے کی تہہ کو پہنچ گئی تھیں۔

"بولونا!" ناہید کی "مشکوک نظروں" کی زد میں خود کو دیکھ کر وہ اس پہ بگڑنے لگا۔

"آں... ہاں... چچی جان سہام نے بہت مدد کی' ٹھیک کہہ رہے ہیں یہ۔" وہ جلدی سے اس کی پڑھائی ہوتی پٹی میں آگئی۔

"تم تو جھوٹ نا بولو سیمیں' جیسے میں تو اسے جانتی نہیں۔" ناہید نے سیمیں کو چپ کراتے پھر رخ روشن اپنے صاحبزادے کی طرف کیا۔

"باجی کام ختم ہو گیا ہے تو میں جاؤں؟" فائزہ بھی اس تکرار پہ مسکراتی ناہید سے استفسار کر رہی تھی۔

"ہاں جاؤ' فریج میں کھانے پینے کی کچھ چیزیں پیک کر کے رکھی ہیں وہ لیتی جاؤ اور کل ٹائم پہ آنا ہے فائزہ' آج بھی تم بہت دیر سے آئی ہو۔ کل سے صفائی شروع کرنی ہے۔ چند روز رہ گئے ہیں روزے میں۔" ناہید فائزہ کی طرف مکمل طور پہ متوجہ تھیں۔ ہدایت نامہ جاری تھا۔ فائزہ شدومد سے سرہلا رہی تھی۔

"فکر نہ کرو باجی' کل ٹائم پہ آجاؤں گی۔ چلتی ہوں' اللہ حافظ!" فائزہ یقین دہانی کروا کر کچن کی طرف بڑھ گئی۔

"یعنی اب چند دن تک گھر حشر کے میدان جیسا نقشہ پیش کرے گا۔ کوئی بھی چیز جگہ پر نہیں ملے گی۔" سہام علوی کو ساری کہانی سن کر کوفت ہوئی۔

"تو تمہارا کیا خیال ہے' گھر کی صفائی نا ہو' مکڑی' کیڑے مکوڑوں' کاکروچ کو دعوت دے کر مستقل مہمان ٹھہرا لوں کہ آئیں اور اسے اپنا آبائی گھر بنالیں۔" ناہید نے ناک کے وار کیا۔ وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

"گھر کی بکھری حالت دیکھ کر مجھے کوفت ہوتی ہے۔" اس نے اپنی مجبوری بیان کی۔

"تو پھر... میں نے جن مخلوقات و حشرات کے نام لیے ہیں جا کر ان کے کانوں میں کہہ دو کہ وہ نہایت خاموشی سے ہمارے گھر سے نکل جائیں۔" ناہید کی حس مزاح پہ سیمیں تو لب دبا گئی اور وہ لب بھینچ کے رہ گیا۔

"میں انہیں کیسے کہہ سکتا ہوں' وہ کوئی میری بات سننے سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔" اس نے جیسے علمیت کی دھاک بٹھانا چاہی۔

"اپنی لاچاری کا رونا کہیں اور ڈالو اور ہمیں "ان کاؤنٹر" کی تیاری کرنے دو۔"

اس کرما گرم گولا باری پہ ایسا کم ہی ہوتا تھا کہ اک طرف کا ٹینک خاموشی اختیار کر جائے' ورنہ تو اکثر دونوں طرف سے گھن گرج کے ساتھ جواباً "گولے داغے جاتے تھے" مگر کبھی کبھی مقابل کے میزائل پھس پھسے ثابت ہو کر اسے قدم پیچھے ہٹانے پہ مجبور کر دیتے تھے۔ جیسے ابھی سہام علوی لاجواب ہو کر چاروں خانے چت ہو گیا تھا۔

✡ ✡ ✡

اگلے روز فائزہ صبح سویرے ہی چلی آئی تھی۔ گھر کے تمام پردے' کشنز کور' چاندنیاں نکالی جا چکی تھیں۔ جالے اترنے لگے تو بے چاری مکڑیاں چھپنے کو بھاگی بھاگی پھرنے لگیں۔ سیمیں بار بار گھڑی کی اور دیکھ رہی تھی۔ ناشتا کرنے کے بعد سہام علوی جو اپنے کمرے میں گھسا تو ابھی تک نکلا نہیں تھا۔ ورنہ اس وقت تک تو وہ آفس جا کر لنچ کی تیاری کرتا تھا جانے آج گھر پہ کیوں موجود تھا۔

"باجی' سہام صاحب کا کمرا ہی رہ گیا ہے۔ وہاں بھی جھاڑو مار دوں تو میرا کام تو پورا ہو جائے۔ پھر میں بھی گھر کو جاؤں۔" فائزہ کی دہائی پر سیمیں کو ناچار سہام علوی کے کمرے کی طرف پیش قدمی کرنی پڑی۔ ناہید کی یاد دہانی تھی کہ آج ہی پردے اترنے اور جالے اتارنے کا کام سرانجام دے دیا جائے۔

ناہید تو بلقیس صاحبہ کے بلاوے پر ان کی دکھ بھری داستان سننے گئی تھیں جو کل ان کے بیٹے کے آنے کے بعد کے واقعات سے پر تھا اور وہ "مہم" میں جتی ہوئی تھی۔ کام تو فائزہ کر رہی تھی۔ وہ بس نگراں بنی اسے ہدایت دے رہی تھی وہ جینز اور بنیان میں ملبوس لیپ ٹاپ پہ اپنے پروجیکٹ میں بزی تھا۔

"او جی!" فائزہ بی جی وار بنی سہام علوی کے کمرے میں دستک دے کر گھسی تھی۔

"صاحب جی! آپ کے کمرے میں جھاڑو مارنے آئی ہوں۔" فائزہ نے دانت نکوستے ہوئے کہا۔

"جھاڑو مارنے 'نان سینس!" فائزہ کے اس "انداز بیاں" سیمیں پہلے ہی اوٹ میں ہو گئی تھی۔ وہ بھی سخت بدمزا ہوا۔

"ابھی تھوڑا کام ہے مجھے!" اس نے چلتا کرنا چاہا۔

"باجی کا حکم ہے' آج ہی سارے کام کروں ورنہ وہ غصہ ہوں گی۔" فائزہ نے صاف ہری جھنڈی دکھا کر دھڑا دھڑ پردے بھی اتارنا شروع کر دیے۔ اس کی نفیس طبیعت کھڑکیوں کو برہنہ دیکھ کر سخت مکدر ہوئی۔ وہ جو ابھی مزید اک گھنٹہ کام کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ ناچار اپنا بوریا بستر لپیٹنے لگا۔

"باجی کا تو جواب نہیں۔ باجی نے سارے ہٹلر اکٹھے کر رکھے ہیں۔" وہ درپردہ ناہید کو سراہ کے رہ گیا۔ فائزہ دانت نکوس کے رہ گئی۔ وہ شرٹ پہنتے ہوئے لیپ ٹاپ بیگ میں ڈال کر کمرے سے نکل گیا۔

"ابھی تم نے ایسی گھڑی نہیں پہنی کہ مجھے نظر نا آؤ۔" وہ جو دیوار سے لگ کر اس کی نظروں سے اوجھل ہونے کی کوشش کر رہی تھی پکڑے جانے پہ خفیف سی ہو گئی۔

"پروجیکٹ کا باقی کام آفس جا کر کرلوں گا۔ مما کو بتا دینا آفس جا رہا ہوں۔" سہام علوی کے سامنے اس کی زبان ویسے ہی تالو سے لگ جاتی تھی اب بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ سر بھی نہ ہلا سکی۔

"میں لوٹوں تو میرا کمرا اے ٹو زی پرانی حالت میں ملے۔ اک بھی چیز ادھر سے ادھر ہوئی تو تمہاری خبر لوں گا۔" دھمکی دے کر یہ جا وہ جا۔ سیمیں نے سکون کا سانس لے کر اس کے کمرے میں قدم رکھا اور باقی سارا وقت اس کا اس کے حکم کی تعمیل کرتے گزر گیا کہ کوئی بھی چیز ادھر سے ادھر نہ ہو۔

✡ ✡ ✡

چھٹی کا دن تھا۔ ناہید اور سیمیں کی صبح تو معمول کے مطابق ہوتی تھی۔ حماد صاحب اور سہام علوی ذرا لیٹ ہی اٹھتے تھے۔ آج بھی ناہید اور سیمیں ٹائم پہ ناشتے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی تھیں۔

سیمیں افطار و سحر کی کئی چیزیں بنا کر فریز کر رہی تھی۔ شامی کباب' رول' سموسے' دہی بڑے سب گھر کی چیزوں سے بنا کر محفوظ کر لیتی تھی۔ کیونکہ باہر کی چیزیں کچھ خاص سب کو پسند نہیں تھیں۔ سیمیں کو فائنل پیپرز سے فراغت ملی تو وہ اور دل جمعی سے چیزوں کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔ ناہید واری صدقے ہوتے' سراہتے ہوئے اس کا ہاتھ بھی بٹا رہی تھیں۔

"آپ لوگ بیکری یا سپر اسٹور کیوں نہیں کھول لیتیں۔ اگر دنیا کی ساری عورتیں آپ دونوں جیسی ہو گئیں تو بے چارے سپر اسٹور اور پکوڑوں' سموسوں والوں کو تو کھولتے تیل میں ڈوب مرنا پڑے گا۔" اس دن وہ گھر پہ مایونیز اور چکن اسپریڈ بنا کر محفوظ کر رہی تھی ناہید اس کی تعریف میں رطب اللسان تھیں کہ باہر سے یہ ہی چیزیں مہنگے داموں ملتی تھیں جب کہ گھر میں صفائی ستھرائی کے ساتھ سستے میں چیزیں بن گئی تھیں۔ یہ سب ملاحظہ کرتا سہام علوی' سیمیں کی واہ واہ پہ جلبلا کے رہ گیا تھا۔

"بیٹا تم جیسے لوگ جو باہر کی غلاظت پسند کرتے ہیں انہیں گھر کی صاف ستھری چیزیں کب اچھی لگیں گی۔ دنیا کے باسی مصنوعی فلیور اور رنگ کے عادی ہو گئے ہیں اور تم تو ان میں سرفہرست ہو۔ کھاؤ گے نا جب باہر چوہے کے گوشت کے سموسے تب گھر کے سموسوں کی قدر آئے گی۔" حال ہی میں ناہید نے سب کو نیوز دکھائی تھی کہ کیسے سموسے سے چوہے کی دم نکلی تھی۔ اس کی طبیعت مکدر ہوئی' مگر اس نے تعریفی جملے نہیں کہے اس وقت بھی سیمیں کچن کی ڈائننگ میز پہ سامان سجائے مصروف تھی۔ ناہید اس کا پورا ہاتھ بٹا رہی تھیں تب ہی حماد صاحب اخبار اٹھائے وہیں چلے آئے۔

"بھئی بیگم! جلدی سے ناشتا دے دو' بڑی بھوک

لگی ہے۔" وہ کرسی پہ بیٹھتے ہی شروع ہو گئے۔

"بڑی جلدی صبح ہو گئی۔ دن کے ایک بجنے والے ہیں۔" ناہید نے تیکھی چتونوں سے گھورنے کا عمل مکمل کیا۔

"ہاں... آں... وہ آج... ذرا آنکھ نہیں کھلی۔" حماد صاحب منمنائے تو سیمیں مسکراتے ہوئے اٹھی تاکہ ان کا ناشتا بنا سکے۔

"سیمیں بیٹا! آج اگر پراٹھا مل جائے تو..." حماد صاحب جتنے جوش سے شروع ہوئے تھے ناہید کی عقابی نظروں کو خود پہ دیکھ کے ان کی زبان لڑکھڑا گئی۔ وہ بے چارہ سا منہ بنا گئے۔

"کیوں آج کیا خاص بات ہے؟" ناہید نے جرح کی۔

"وہ آج چھٹی تھی تو..." وہ ہکلائے۔

"چھٹی ہے تو شوگر کولیسٹرول کو بھول کر پراٹھا کھا کر سیلیبریٹ کریں اور باقی کے چھ دن ڈاکٹر کی دوا' ہے نا..." ناہید کی فہمائشی نظروں پہ وہ منہ بسورنے لگے۔

"دل چاہ رہا تھا تو کہہ دیا۔" وہ معصوم سی شکل بنا گئے۔

"قابو میں رکھیں اپنے بہکتے دل کو۔" ناہید نے خبر لی۔ ان کی محبت بھری نوک جھونک پہ ہنسی کے باوجود سیمیں کو ان پہ ترس آنے لگا۔

انسانی صحت بھی کیا چیز ہے۔ انسان ساری عمر کھانے کے لیے کماتا ہے اور جب کما لیتا ہے تو کھانے کے لیے صحت نہیں ہوتی۔ من پسند چیز نظروں کے سامنے ہوتے ہوئے بھی شوگر' کولیسٹرول' ہائی بی پی کی وجہ سے چیزوں کو حسرت سے صرف دیکھ سکتا ہے کہ وہ اس کے لیے زہر قاتل بن چکی ہوتی ہیں۔

"کوئی پراٹھا وراٹھا نہیں۔ کولیسٹرول ہائی ہے۔ سیمیں انہیں براؤن بریڈ شوگر فری جیم اور دودھ کے ساتھ دلیہ دو۔" ناہید کے حکم پر حماد صاحب اسے معصومیت سے دیکھنے لگے کہ شاید وہ ان کی کوئی مدد کرے۔

"چچی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں چاچو۔ رمضان بھی آرہا ہے اس میں یوں بھی ناں' ناں کر کے بدپرہیزی ہو ہی جاتی ہے۔ ابھی تھوڑا سا کنٹرول کر لیں' پرامس پہلی سحری میں آپ کو خستہ کرارا سا پراٹھا کھلاؤں گی۔ چچی جان کی بھی نہیں سنوں گی۔" وہ اتنی محبت سے بچوں کی طرح بہلا رہی تھی کہ ناہید کی آنکھوں میں جہاں میاں کی بے بسی پہ پانی آنے لگا وہیں سیمیں کی محبت نے انہیں مسکرانے پہ مجبور کر دیا۔

"جیتی رہو' میری چندا... لاؤ اپنی چچی جان کا مینو' وہی دے دو' لیکن دیکھو اپنا پرامس نا بھولنا۔" وہ لامحالہ ہتھیار ڈالتے مان گئے کہ یہ محبت بھری سختی ان کے مفاد میں ہی تھی۔ ورنہ یہ ہی ناہید اور سیمیں تھیں جو ان کی ہر ہر فرمائش پہ گھنٹوں جتی رہتی تھیں۔

"بالکل نہیں بھولوں گی۔" وہ ان کے لیے ناشتا بنانے لگی۔ ناہید اور حماد صاحب ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔

"کل ساتھ والی بلڈنگ سے ایک خاتون آئی تھیں۔ نئے لوگ ہیں۔ شفٹ ہوئے کچھ عرصہ ہوا ہے۔ اب میں تو سب کی ٹوہ میں رہتی نہیں۔ اس لیے انہیں دیکھ کر حیرانی ہوئی۔"

"کام کی بات بتاؤ بیگم' محترمہ آئی کس سلسلے میں تھیں۔" حماد صاحب کو تفصیل سے چڑ ہوتی تھی اور وہ غیر ضروری تفصیل جب اجنبیوں کے لیے ہو۔ "پہلے تو وہ مجھ سے ہمارے گھر کے متعلق تفصیلات لیتی رہیں پھر بتایا کہ اصل میں وہ اپنی سیمیں کے لیے اپنے بیٹے کا رشتہ لے کر آئی ہیں۔ ناہید سیاق و سباق سے پوری روداد سناتی تھیں۔ میز پہ ناشتا رکھتی سیمیں کے ہاتھ اک پل کو رکے تھے۔ اگلے پل وہ چائے نکالنے لگی۔

"اچھا پھر..." حماد صاحب نے ٹرے اپنی طرف کی۔

"کیا پھر..."

"بیگم یہ تمہاری بڑی بری عادت ہے' پوری غیر ضروری باتوں کا تذکرہ کر کے کلائمکس میں سسپنس ڈال کر چپ بیٹھ جاتی ہو۔" گلہ ہوا۔

"اوہو پھر کیا۔ میں نے کہہ دیا ہم نے سیمیں کا رشتہ پہلے ہی طے کیا ہوا ہے۔" ناہید' حماد صاحب کے اتاولے پن پہ جلدی سے بولیں۔ سیمیں نے بے طرح چونک کر ناہید اور حماد صاحب کی طرف نظر اٹھائی' مگر نظر سامنے کھڑے سہام علوی سے جا ملی جو کچن کی دہلیز پہ کھڑا تھا۔ اس کی صبح بھی یقیناً "ابھی ہوئی تھی۔ سہام علوی کی آنکھوں میں بھی تجسس جاگا تھا۔ یقیناً" اس نے بھی ساری گفتگو سن لی تھی۔

"بالکل ٹھیک کیا۔" حماد صاحب سراہ رہے تھے۔

"آیئے ابا کے نقش قدم پہ چلنے والے۔۔۔ آپ کی صبح بھی خیر سے ہو ہی گئی۔ ناہید کی نظر اس پہ پڑی تو وہ شروع ہو گئیں۔ وہ بالوں میں ہاتھ پھیر کر ڈائننگ میز کی طرف قدم بڑھا گیا۔

"آجاؤ بیٹا' چھٹی کے دن ناشتے کے ساتھ جلی کٹی سننے سے ثواب ملتا ہے۔" حماد صاحب دزدیدہ نظروں سے ناہید کو دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ شاید ادھر سے کوئی جوابی حملہ ہو سہام علوی مسکرا کر اپنی چیئر سنبھال گیا۔ ان کی نوک جھونک میں وہ بات دب گئی تھی' لیکن سیمیں کے ذہن سے بات چپک گئی۔ آخر چچی جان اور چچا جان نے اس کی بات کہاں طے کی ہے بارہا اس کا جی چاہا چچی جان سے پوچھے' مگر شرم مانع آرہی تھی۔

"جلدی سے ناشتا دے دو' چیز سینڈوچ اور کافی۔۔۔ تھوڑی دیر بعد بنانا شیک بھی چاہیے مجھے۔" سہام علوی نے مینو کارڈ سنایا۔ سیمیں تو سر ہلا کر جت گئی ناہید نے تیکھی نظروں سے دیکھا۔

"رحم کرو بچی پہ' پہلے ہی صبح سے لگی ہوئی ہے رمضان کی تیاری میں۔"

"ہاں تو جلدی سے شادی کر کے رخصت کریں اسے تاکہ اپنے میاں کے گھر جا کر مہارانی بن کر بیٹھی رہے۔" سہام علوی نے جل کے کہا۔ بے ساختہ گرم کافی کے چھینٹے سیمیں کی کلائی پہ پڑے اس نے لب بھینچ کر سسکی اندر دبائی۔ حماد صاحب کو اچھو لگ گیا تھا جسے چھپانے کو وہ چائے کا مگ لبوں سے لگا گئے۔

"سیمیں کہیں نہیں جائے گی ہمیشہ میرے پاس رہے گی۔" ناہید نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ابھی تو آپ کہہ رہی تھیں رشتہ طے کر دیا ہے۔" ابرو اچکا کے یاد دلایا۔

"ہاں طے کر دیا ہے' لیکن رخصت تھوڑی کروں گی۔" ناہید پزل پھیلائے بیٹھی تھیں۔

"یعنی گھر داماد رکھنے کا ارادہ ہے آپ کا۔۔۔ اس کے ساتھ اب اس کے میاں کو بھی برداشت کرنا ہوگا۔" وہ احتجاجاً "چلایا۔ سیمیں پھیکی سی ہو گئی۔

"فضول نہ بولو۔" ناہید نے گھرکا۔

"اگر ایسا ہوا تو میں کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا آپ اپنے سارے شوق پالتی رہیے گا۔" اس نے جل کے کہا۔

"شوق سے۔" ادھر چنداں پروا نہیں تھی۔ ناہید کام مکمل کر کے اٹھ کر چل دیں۔ اس نے خفگی بھری نظر حماد صاحب پہ ڈالی۔ وہ مسکراتے ہوئے بے چارگی سے شانے اچکاتے رہ گیا۔

"سب آپ کی غلطی ہے' جو میرے پلے اتنی ظالم ماں ڈال دی۔" اس نے حماد صاحب کو لپیٹے میں لیا۔

"حق ہا!" وہ افسردگی سے ہنکارا بھر کے رہ گئے۔

"نہ اب کون سا دیر ہو گئی' جاؤ ایشوریا' کرینا کو ماں بنا لو۔" ناہید کسی کام سے پلٹ کر آئیں تو گولے داغنے سے باز نہ رہیں۔ حماد صاحب ان کی اچانک آمد پہ سٹپٹا گئے۔

"بزنس کا اگلا ٹرپ ہندوستان ہے ٹرائی کروں گا۔ میرے پاپا میں کون سی کمی ہے جو ایشوریا' کرینا انکار کریں گی۔" دوسری طرف وہ کون سا ہار ماننے کو تیار تھا۔

"آہ تم دونوں' ماں بیٹا میرے نازک دل کا خیال کرو۔ اس عمر میں کرینا' ایشوریا کا نام لے کر کیوں میرا بائی پاس کروانے کے موڈ میں ہو۔" حماد صاحب کی دہائی خاصی مزے دار تھی۔ سب کے لبوں پہ ہنسی آگئی۔

☆ ☆ ☆

آج رویت ہلال کمیٹی چاند دیکھنے بیٹھے گی' دیکھو دوربین لے کر بھی ان کو نظر آتا ہے چاند یا نہیں۔"
ناہید آرام دہ حالت میں بیٹھی تھیں۔ سیمیں بھی ان کے انداز پہ مسکرا دی۔ کچھ برس قبل کمیٹی نے رات کے گیارہ بجے چاند نظر آنے کا اعلان کیا تھا تب سے ناہید انہیں رگیدنے لگی تھیں۔
"شکر ہے سارے کام ہو گئے۔ صفائی ستھرائی اور تم نے سب کچھ بنا کر فریز بھی کر لیا۔ تم میرے لیے کسی نعمت سے کم نہیں۔ اتنا تو سگی بیٹی بھی نہیں کرتی جتنا تم میرا ساتھ دیتی ہو۔" ناہید اکثر و بیشتر اس کی تعریف کر جاتی تھیں اور وہ مزید دل جمی سے گھریلو امور سر انجام دیتی تھی۔ اسے تو آج تک محسوس ہی نہیں ہوا تھا کہ یہ اس کا اپنا گھر نہیں۔ ناہید اور حماد نے اسے کبھی بھتیجی سمجھا ہی نہیں۔ بس اگر اک سہام علوی اس پہ طنز کے نشتر نا چلاتا تو شاید وہ کبھی جان ہی نا پاتی کہ یہ اس کا گھر نہیں۔
وہ تین سال کی تھی۔ جب اک حادثے میں اس کے والدین اور دادی ابدی سفر کو سدھار گئے۔ دونوں بھائیوں کا مشترکہ کاروبار تھا۔ جس کی ساری ذمہ داری حماد صاحب پہ آ پڑی تھی۔ انہوں نے جہاں سیمیں کو باپ بن کر پالا وہیں چچا بن کر اس کے حصے کی رقوم ہر ماہ بینک میں جمع بھی کرنے لگے۔ جس کی خبر اسے کبھی نہیں ہو سکتی تھی اگر جو ناہید اور حماد اسے نہ بتاتے اور یہ سلسلہ آج تک جاری تھا۔ اسے تو اپنے والدین کی شکل تک یاد نہ تھی' نہ ہی اس نے کبھی اکاؤنٹ اور پیسوں کا حساب کتاب لیا۔ وقتاً" فوقتاً" حماد ہی اسے بیلنس بتاتے رہتے تھے یا بزنس میں انویسٹ کرتے تو ان کے کہنے پہ چیک سائن کر دیتی۔
اس نے بارہا حماد صاحب سے کہا تھا کہ وہ اپنے اکاؤنٹ میں سارے پیسے ٹرانسفر کر لیں' مگر وہ بااصول انسان تھے۔ یتیم بھتیجی کے ساتھ کسی قسم کی ناانصافی کر کے جہنم کی آگ میں جلنا نہیں چاہتے تھے۔ انہوں نے ہمیشہ یہ ہی سمجھا تھا ان کے ایک نہیں دو بچے ہیں سیمیں اور سہام۔

ناہید جس طرح نوکر چاکر ہونے کے باوجود اپنی بیٹی کو سگھڑ دیکھنا چاہتی تھیں ان ہی خطوط پہ انہوں نے سیمیں کی تربیت کی تھی اور اس میں سیمیں نے ان کا بھرپور ساتھ دیا تھا چند دن پہلے ہی ماسٹرز کے فائنل پیپرز سے فری ہوئی تھی۔ ہر چیز میں طاق تھی۔
"شرمندہ نہ کریں چچی جان' یہ آپ اور چچا جان کا بڑا پن ہے جنہوں نے مجھے سر اٹھا کر جینا سکھایا۔ ورنہ اک یتیم و یسیر بچی کے ساتھ کیا سلوک ہوتا جو آپ جیسے فرشتہ صفت لوگ نہ ہوتے تین سال کی بچی کو کیا عقل ہوتی ہے۔" وہ متشکر تھی۔
"بھئی صاف سیدھی بات ہے تم میری سگی اولاد جیسی ہو اور میں تمہیں ہمیشہ اپنے پاس ہی رکھوں گی تم چوں کرو چاہے چاں۔" ناہید نے محبت بھری دھونس سے کہا تو وہ مسکرا دی۔
"میں بھی آپ لوگوں کے بنا کہاں رہ سکتی ہوں' چچی جان.... مجھے تو بناوٹی لوگوں کو دیکھ کر ہی وحشت ہوتی ہے 'کجا ان کے بیچ رہنا۔'" اس نے جھرجھری لی۔
"تم کہیں جاؤ گی تب نا.... ارے سیمیں کیوں نہ آج مال کا اک چکر لگا لیں دیکھ لیتے ہیں کیسی ورائٹی آئی ہوئی ہے کپڑوں کی۔ پھر ٹیلر کے ہزار نخرے بھی ہوتے ہیں۔" ناہید کو سکون سے بیٹھنا کبھی پسند نہیں رہا تھا۔
"چلو اٹھو' فوراً" چلتے ہیں مال۔ سہام تو گھر پہ ہی ہے اسے ساتھ چلنے کو کہیں گے تو ناں۔ نہیں ہی کرتا رہے گا۔ ساتھ چلا تو سکون سے کچھ لینے نہیں دے گا۔ جلدی جلدی کا شور الگ کرے گا۔ ایسا کرو اس سے گاڑی کی چابی لے آؤ۔ تم ڈرائیو کر لینا پریکٹس میں رہو گی تو تمہارا کانفیڈنس بھی بڑھتا رہے گا۔"
ناہید اٹھ کر تیار ہونے چل دیں۔ وہ چند لمحے بیٹھی رہ گئی۔ سہام علوی سے بات کرنا اور بھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈالنا اسے اک ہی مثال لگتی تھی' مگر ناہید کا حکم تھا وہ لاچاری سے اٹھی اور اس کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

✡ ✡ ✡

دروازے پہ کئی بار دستک دی' مگر جواب ندارد۔

اس نے احتیاط سے لاک گھمایا اور دروازہ کھلتا چلا گیا۔ وہ شاید سو رہا تھا۔ کمرے میں مکمل تاریکی تھی۔ وہ کئی لمحے بے حس و حرکت کھڑی رہی تب جا کے آنکھیں اندھیرے میں دیکھنے کے قابل ہوئیں۔ اس کی بے آرامی کے خیال سے اس نے لائٹ نہیں جلائی۔

رومال، والٹ اور ریسٹ واچ کے ساتھ اسے چابی بھی نظر آگئی تھی۔ آگے بڑھ کر دبے قدموں چلتے اس نے احتیاط سے چابی اٹھائی اور مٹھی میں دبا کر پلٹنے لگی۔

"کیا چرا کے بھاگ رہی ہو۔" اچانک آواز پہ وہ اک دم سے ڈر گئی تھی۔ ہلکی سی چیخ بھی نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے سائیڈ پہ رکھے دونوں لیمپ روشن ہو گئے۔ سیمیں نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ بلیو جینز، وائٹ بنیان میں وہ اپنی گلابی ڈوروں والی آنکھیں اسی پہ جمائے نیم دراز تھا۔ شاید کچی نیند سے جاگ گیا تھا۔

"چیخی کیوں؟" اسے گھورتے ہوئے سوال ہوا۔

"وہ... آپ نے اچانک کہا تو..." وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔ سب کے سامنے وضاحت و بلاغت سے مقابل کو چت کر دینے والی سہام علوی کے سامنے ہکلانے لگی تھی۔

"کیا چرانے آئی تھیں؟" سہام علوی نے سائیڈ پہ رکھی چیزوں پہ اک نظر ڈالی۔ والٹ، رومال، رسٹ واچ سب اپنی جگہ موجود تھا۔ اس نے بے ساختہ والٹ اٹھایا۔ جس میں سے نوٹ جھانک رہے تھے۔ سیمیں اس کے والٹ اٹھا کر دیکھنے پہ سخت برا مان گئی۔ شاید وہ سمجھ رہا تھا وہ اس کے والٹ سے پیسے چوری کر رہی تھی۔

"میں گاڑی کی چابی لینے آئی تھی۔ چچی جان نے کہا تھا آپ سے لے آؤں، کئی بار دروازہ بجایا۔ آپ نے رسپانس نہیں دیا تو اندر آ گئی۔ آپ کی نیند ڈسٹرب نہ ہو اس لیے بنا آواز کیے پلٹ رہی تھی۔ چابی لے کر۔" اس نے مٹھی کھول کر اس کے سامنے کی۔ گلابی ہتھیلی پہ گاڑی کی چابی پڑی تھی۔ چہرے پہ کسی حد تک غصے کے رنگ تھے۔

سہام علوی نے اک نظر اس کی ہتھیلی اور دوسری نظر اس کے بگڑے تاثرات پہ ڈالی۔ پہلی بار اس کے چہرے پہ کوئی تاثر دیکھنے کو ملا تھا۔ ورنہ وہ اس کی جلی کٹی پہ کوئی تاثر نہیں دیتی تھی۔ اس کے سامنے، اتنا طویل جملہ بھی شاید اس نے پہلی بار ادا کیا تھا۔

"میں چابی لینے آئی تھی۔ آپ کے والٹ سے پیسے چرانے نہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"میں نے کب کہا کہ تم میرے والٹ سے پیسے چرانے آئی تھیں۔" وہ حیران ہوا۔

"آپ کے انداز نے، جس طرح آپ نے والٹ اٹھا کر چیک کیا۔" اس کا منہ پھول گیا تھا۔ سہام علوی لب دانتوں تلے دبا کے رہ گیا۔

"ضروری تو نہیں والٹ پیسوں کے لیے ہی چیک کیا ہوا۔ اس میں میری ضروری چیز بھی ہو سکتی ہے۔" وہ اس کی غلط فہمی دور کرنے لگا۔ مزاج کے برخلاف۔

"آپ کی چیزوں سے مجھے کیا لینا دینا۔" وہ برا مان کر پلٹنے لگی تھی۔

"چابی کس لیے اٹھائی ہے، کہاں کی تیاری ہے۔" اگلے ہی لمحے اس نے جتا دیا کہ وہ اس کی چیز اٹھا کر جا رہی ہے۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

"مال!" اس نے اختصار سے کام لیا۔

"اور ڈرائیو کون کرے گا تم؟" وہ بال کی کھال نکالنے والا تھا۔ آسانی سے کہاں جان بخشنے والا تھا۔

"جی!" وہ جان چھڑانا چاہ رہی تھی۔

"جو بلی کے بچے کو بچاتے ہوئے اپنا ایکسیڈنٹ کروا بیٹھے میں ایسے اناڑی ڈرائیور کو اپنی گاڑی نہیں دے سکتا ٹھوکنے کے لیے۔ جاؤ... آ رہا ہوں۔ ساتھ لے جاؤں گا۔" کہنے کے ساتھ اس نے ہتھیلی پھیلائی، واضح اشارہ تھا چابی دو۔ سیمیں کو ہتک عزت کا احساس ہوا۔ اس نے اپنی ہتھیلی میں موجود چابی کو اس کی ہتھیلی پہ منتقل کر دیا اور کمرے سے نکل گئی۔

✡ ✡ ✡

"کیا ہوا چابی لے کر نہیں آئیں۔" لاؤنج میں ہی اسے ناہید مل گئیں۔ انہوں نے کپڑے چینج کر لیے

تھے اور تیار بھی ہو چکی تھیں۔
"جی سہام ساتھ چل رہے ہیں۔" اس نے ہولے سے کہا۔
"چلو خیر ہے جو خود راضی ہو گیا۔ جاؤ تم بھی جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ۔ ورنہ یہ جلدی جلدی کا شور ڈالے گا۔ طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس کی آفس سے جلدی آکر سو گیا تھا۔"
"چچی جان میری اکاؤنٹ میں کیا اتنے پیسے ہیں کہ میں ایک گاڑی لے سکوں....؟" ناہید بول رہی تھیں جب اچانک اس نے اپنی بات رکھی۔ ناہید اک دم سے چونک گئیں۔
"تمہارے اکاؤنٹ میں اتنے پیسے ہیں کہ کئی گاڑیاں لے سکتی ہو، لیکن ایسی کیا ضرورت پیش آگئی۔" ناہید اس کی اچانک ڈیمانڈ پہ حیران تھیں۔ وہ بڑی صابرو شاکر تھی کبھی بلاوجہ اسراف نہیں کرتی تھی اب اک دم اچانک سے گاڑی کی بات پہ ناہید کا چونکنا بجا تھا۔
"میری اپنی گاڑی ہو گی تو کوئی اناڑی ڈرائیور کہہ کر اپنی گاڑی کی چابی واپس تو نہیں لے گا۔ یہ کہہ کر میں اس کی گاڑی ٹھونک دوں گی۔" وہ منہ بسورتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"سہام نے یہ بکواس کی تم سے؟" ناہید اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔ وہ انگلیاں چٹخانے لگی۔
"سچ ہے نا چچی جان، پچھلی بار ایکسیڈنٹ کے باعث ڈینٹ پڑنے پہ کتنی باتیں سنائی تھیں۔ اپنی گاڑی ہو گی تو کوئی باتیں تو نہیں سنائے گا نا۔" وہ انہیں اپنا ہمنوا بنانا چاہ رہی تھی۔
"بات تو تمہاری درست ہے۔ گھر میں اک اور گاڑی آجائے گی تو ہمیں دونوں باپ بیٹے کی منتیں تو نہیں کرنا پڑیں گی۔ جہاں دل چاہے گا ہم ماں بیٹی خود چلی جائیں گی۔" ناہید پر سوچ انداز میں بول رہی تھیں۔ سیمیں ان کے افکار پہ خوش ہونے لگی۔
"ویسے بھی پرانی والی گاڑی ذرا تنگ کر رہی ہے موز میں بھی نہیں۔ اسے بیچ کر اور پیسے ملا کر گاڑی لے لیتے ہیں۔" ناہید تائید چاہ رہی تھیں۔
"بالکل ٹھیک چچی جان۔" اس نے شدومد سے سر ہلایا۔
"میں آج ہی اکاؤنٹ سے پیسے نکال لیتی ہوں۔" وہ پرجوش ہو گئی۔
"میری بھولی بیٹی، تھوڑی سی چالاکی سیکھو، کبھی اپنے اکاؤنٹ سے پیسے نہ نکالو۔ ہمیشہ میاں کے اکاؤنٹ پہ نظر رکھا کرو۔ عقل مند عورت اپنے پیسے بچاتی ہے... میں آج ہی سہام سے کہتی ہوں وہ دوسری گاڑی دیکھے شوروم میں۔"
"ہیں!" وہ جو ناہید کی نادرو نایاب نصیحت پلو سے باندھ رہی تھی، سہام علوی کا نام سن کر نکو سی بن گئی۔
"تیار ہیں آپ لوگ، چلیں؟" اسی لمحے شیطان کا نام لو والی مثل ثابت کرنے کو سہام علوی آدھمکا۔ مسٹرڈ جینز پہ اس نے بلیک شرٹ پہن رکھی تھی بے حد ہینڈسم لگ رہا تھا۔
"جاؤ سیمیں جلدی سے تیار ہو کر آؤ۔" ناہید بھی چونک گئیں۔
"یہ ابھی تک تیار نہیں ہوئی۔" اس نے کوفت سے سیمیں کو دیکھا۔
"یونہی چلو شاپنگ پہ جا رہے ہیں کسی کے ولیمہ پہ نہیں۔" صاف جتایا گیا وہ انتظار نہیں کرے گا۔ سیمیں نے شکایتی نظروں سے ناہید کو دیکھا۔
"تم کیا بردکھوے کو جا رہے ہو جو نک سک سے تیار پرفیوم کی آدھی بوتل انڈیل کے آگئے۔" ناہید کی دوبدو بولنے پہ وہ بے ساختہ مسکرا دیا۔
"قسم سے ماں کم، ساس زیادہ لگتی ہیں۔ کبھی تو جان بخش دیا کریں میری۔" وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر پیشانی تک لے گیا۔
"وہ دن دور نہیں جب ساس بن کر دکھاؤں گی۔" ناہید نے دھمکی دی۔
"اللہ میری بیوی کو آپ جیسی ظالم ساس سے بچائے۔" اس نے بھی شرارت سے تنگ کرنے کی انتہا کر دی۔

"بہو کی خیر ہے بیٹا، تم اپنی خیریت کی دعا کرو۔" ناہید جواباً "مورچہ سنبھال چکی تھیں۔ سیمیں نے کھسکنے میں ہی عافیت جانی۔ ورنہ دیر پہ اور منہ بگاڑتا۔

☼ ☼ ☼

"قریب ہی میرے فرینڈ کا ریسٹورنٹ ہے۔ آپ لوگ فری ہو کر مجھے کال کر لیجئے گا۔" انہیں مال کے سامنے ڈراپ کر کے وہ بھی باہر نکل آیا تھا۔ ٹائر میں ہوا کم محسوس ہو رہی تھی وہ ٹائر چیک کرنے لگا پھر مطمئن ہو کر سیدھا ہو گیا۔

"چلو ٹھیک ہے۔" ناہید سیمیں کے ساتھ آگے بڑھنے لگی تھیں۔

"ہیلو سہام جانی' کیا حال ہیں؟" وہ دونوں پلٹی ہی تھیں جب جوش بھری آواز اور انداز مخاطب پہ دونوں بے ساختہ مڑی تھیں جینز اور شارٹ شرٹ میں دوپٹے سے بے نیاز وہی طرحدار حسینہ سہام علوی کی گاڑی سے کمر ٹکائے کھڑی تھی۔ سیمیں نے اسے پہچان لیا تھا۔ سہام علوی نے بے ساختہ ناہید اور سیمیں کی طرف دیکھا تھا جو اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ اس کی نظروں کے تعاقب میں حسینہ نے بھی ان پہ نظر ڈالی۔

"کون ہیں' یہ لوگ؟" وہ انہیں دیکھتے سہام علوی سے استفسار کر رہی تھی۔

"مما ہیں میری!" سہام علوی نے ہولے سے کہا تھا۔

"ملواؤ گے نہیں؟" دوسری طرف ناز سے پوچھا جا رہا تھا۔ ناہید خود ہی چند قدم چل کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھیں۔

"میں ناہید حماد' سہام کی مما اور یہ سیمیں میری بھتیجی اور آپ۔۔۔" ناہید کی کھوجتی نظریں اس حسینہ سے ہوتی سہام علوی پہ جا ٹکیں۔

"میں ثمر ہوں' سہام کی کلاس فیلو رہ چکی ہوں' کافی عرصہ بعد چند ماہ قبل دوبارہ اسی طرح مال کے باہر ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے تو مجھے پہچانا نہیں۔ میں نے ہی اسے اپنا تعارف کروا کر یاد دلایا کہ میں اسے کبھی بھول ہی نہ سکی۔" ثمر کے انداز میں بے حد لگاوٹ تھی وہ جس بے تکلفی سے بول رہی تھی ناہید کو ذرا اچھی نہ لگی۔

"ہم ذرا شاپنگ کر لیں۔" ناہید نے جان چھڑانا چاہی۔

"جی ضرور آنٹی۔ میں کب سے سہام سے کہہ رہی تھی کہ آپ سے ملوا دے اور دیکھیں آج کیسے اچانک آپ سے ملاقات ہو گئی۔ آپ شاپنگ کریں پھر تفصیل سے آپ سے ملاقات ہو گی۔" سیمیں کو مکمل نظرانداز کیے وہ ناہید سے گویا تھی۔ ناہید نے اک تفصیلی نظر سہام علوی پہ ڈالی وہ کچھ گڑبڑا سا گیا۔ دونوں میں سے کسی کا دل شاپنگ پہ نہیں لگا وہ بے دلی سے چیزیں دیکھ رہی تھیں۔ اچانک چاند نظر آنے کا اعلان ہو گیا تو وہ دونوں کچھ بھی لیے بنا مال سے باہر آ گئیں۔ ناہید سہام کو کال کر رہی تھیں وہ بے دلی سے چوڑیوں کے اسٹال کے پاس آ کر کھڑی ہو گئی۔ ریڈ کلر کی چوڑیاں بے حد حسین لگ رہی تھیں وہ بے ساختہ اٹھا کر دیکھنے لگی۔ دل میں بے ساختہ خواہش جاگی تھی یہ چوڑیاں سہام علوی اسے پہنائے۔ عالم تصور میں وہ دیکھ بھی رہی تھی کہ وہ اس کی کلائی تھامے چوڑیاں پہنا رہا ہے' مگر پھر اک دم سے کہیں سے ثمر آ کھڑی ہوئی تھی۔ وہ دل مسوس کے اس منظر سے نکل آئی تھی۔ جانے کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی ثمر اور سہام کے بیچ کوئی کیمسٹری تھی۔

"اچھی لگ رہی ہیں تو لے لو۔" ناہید اس تک آئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں موجود چوڑیوں کو پسندیدگی بھری نظروں سے دیکھ کر کہہ گئیں۔

"اتنی بھی خاص نہیں ہیں۔" اس نے بے دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے چوڑیاں رکھنا چاہیں۔

"کوئی نہیں اتنی تو پیاری ہیں۔ اپنی پسند سے بھی لے لینا۔ یہ میری پسند سمجھ کر لے لو۔" ناہید کے اصرار پہ وہ چپ رہ گئی۔ کیا کہتی کہ ان چوڑیوں کو دیکھ کر اسے اپنی تشنہ خواہش یاد آ گئی۔ اسی باعث تو وہ ان چوڑیوں کو لینے میں تامل کر رہی تھی' مگر ناہید نے پیسے

ادا کر کے چوڑیاں اسے تھمادیں۔

✡ ✡ ✡

پہلی سحری تھی۔ معمول سے پہلے اٹھنے کے باوجود بھی وہ کچھ بوکھلائی ہوئی تھی۔ وہ تو ناہید اس کی مدد کو آئیں تو اسے کچھ تقویت ہوئی۔

"وقت زیادہ نہیں ہے سحری میں۔ اپنے چچا جان اور سہام کو بلالاؤ۔" ناہید سویاں بھونتے ہوئے بولیں تو وہ سرہلا کر حکم کی تعمیل کو چل دی۔

"یقیناً" ہٹلر نے تمہیں ہمارے سروں پہ ڈھول بجانے کے لیے بھیجا ہوگا' لیکن دیکھو ہم پہلے ہی اٹھ گئے۔" حماد صاحب اسے راہداری میں ہی مل گئے۔ ان کا رخ کچن سے ملحق ڈائننگ ہال کی طرف ہی تھا۔ وہ بے ساختہ مسکرادی۔

"چچا جان وہ سہام...." وہ اس کے کمرے میں جانا نہیں چارہی تھی تب ہی اس نے مدد کے لیے انہیں کہنا چاہا کہ وہ اسے جگادیں۔

"ہاں' ہاں وہ اپنے کمرے میں ہوگا' جگادو.... میں ذرا تمہاری چچی جان کی خبر گیری تو کرلوں...." حماد صاحب تیزی سے آگے بڑھ گئے تو وہ لمبی سانس لے کر اس کے کمرے کی طرف آگئی۔

"دروازہ کھلا ہے۔" پہلی دستک پہ ہی آواز آئی تھی۔ وہ اس وقت جاگ رہا تھا۔ وہ حیران ہوتی لاک گھما کر دروازہ وا کرگئی۔ کمرے کی لائٹ بند تھی' لیکن لیمپ آن تھا جس کی وجہ سے بیڈ پہ خواب ناک ماحول تھا۔ سہام علوی ہینڈز فری کانوں میں لگائے نیم دراز تھا۔

"سیمیں ہے؟" غالباً" وہ فون پہ بزی تھا اور دوسری طرف سے دستک پہ پوچھا گیا تھا تب ہی وہ بتا رہا تھا۔ سیمیں اپنا نام سن کر اک دم سے سمٹ گئی۔ سہام علوی کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔

"سحری کا وقت ہوگیا ہے۔ چچی جان نے کہا ہے آپ کو بلالاؤں۔" اس نے آنے کا مقصد گوش گزار کیا۔

"آرہا ہوں۔" اس نے جواب دیا تو سیمیں دروازے سے پلٹنے لگی۔

"سوئٹی میں آرہا ہوں نا سحری اور نماز کے بعد پھر بات کریں گے' کب سے جانے نہیں دے رہیں تم۔" دروازہ بند کرتے سیمیں کی سماعت نے سہام علوی کے محبت بھرے جملے اور پھول بکھرتے لفظ سنے تو اس کی آنکھوں میں جلن ہونے لگی۔ تو اس کا اندازہ درست تھا۔ دوسری طرف یقیناً" ثمر تھی۔ خود کو سنبھالنے اور سب کا سامنا کرنے کی ہمت کرنے میں اسے کچھ لمحے لگے تھے۔

"کیا ہوا سہام نہیں آیا؟" ناہید اسے اکیلے آتے دیکھ کر پوچھنے لگیں۔

"آرہے ہیں۔" وہ تیزی سے فریج کی طرف بڑھ گئی تھی۔ ناہید نے اس کی پشت کو بے ساختہ دیکھا تھا۔

"وقت کم ہے' کہاں رہ گیا یہ لڑکا۔ جب سکون سے سحری نا ہوسکے تو فائدہ ہمیں کچن میں اتنی محنت کرنے کا۔" ناہید کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ انہوں نے بے ساختہ اپنا سیل فون اٹھایا۔

"آجائے گا تم تو شروع کرو۔" حماد صاحب پلیٹ میں چیزیں نکالنے لگے۔ سیمیں بھی پانی کی بوتل میز پہ رکھ کر بیٹھ گئی۔

اسی لمحے سہام علوی ہال میں داخل ہوا۔ "پہلی سحری مبارک!"

"تمہیں بھی!" حماد صاحب نے ہی جواب دیا تھا۔ سیمیں تو کچھ کہنے کے قابل نہ تھی۔ ناہید اسے بغور دیکھ رہی تھیں۔

"یہ اس پہر فون پہ تم کس سے بات کررہے تھے؟" ناہید کے اچانک کہنے پہ حماد صاحب کے ساتھ وہ بھی چونک گیا۔ اس کی غصیلی نظر بے ساختہ سیمیں پہ پڑی تھیں۔

"اس بے چاری نے کچھ نہیں بتایا مجھے۔ میں نے ابھی تمہیں بلانے کے لیے کال کی تو پیغام ملا آپ کا مطلوبہ صارف دوسری لائن پر مصروف ہے۔" ناہید

نے اس کی نگاہ کو دیکھتے سیمیں کی پوزیشن کلیئر کرنے کے ساتھ اسے جتا بھی دیا۔ اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔

"کوئی دوست ہوگا، تم کیوں غصہ کررہی ہو، آلو گیا ہے نا۔ سحری کرو سب ٹائم کم ہے۔" حماد صاحب نے ماحول کو گمبھیر تا کو محسوس کیا تو بے ساختہ بول اٹھے۔ سب اپنی اپنی جگہ سوچوں میں گم سحری کرنے لگے۔ سہام علوی کی خاموشی سیمیں کو بہت چبھی تھی۔

✡ ✡ ✡

"حماد مجھے سہام کے انداز بدلے بدلے لگ رہے ہیں۔" نماز عصر کے بعد ناہید لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی تھیں۔ سیمیں کچن میں افطاری کی تیاری کررہی تھی۔ حماد اور سہام علوی بھی رمضان ٹائمنگ کے مطابق آفس سے جلدی لوٹ آئے تھے۔ دونوں عصر کے لیے مسجد کو گئے ہوئے تھے۔ ان دونوں نے بھی نماز عصر ادا کی تھی۔ پھر سیمیں تو کچن میں افطاری کی تیاری، میں لگ گئی۔ حماد صاحب مسجد سے لوٹے تو ناہید کے پاس ہی لاؤنج میں بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں جب ناہید نے فکر مندی سے بے ساختہ کہا۔

"کیا مطلب۔ کیسے انداز؟" حماد صاحب چونک گئے۔

"مجھے لگ رہا ہے، سہام کسی لڑکی میں دلچسپی لے رہا ہے۔" ناہید نے کہتے کے ساتھ کل ثمر سے سرراہ ہوئی ملاقات کا بھی تذکرہ کردیا۔ سب سن کر حماد صاحب بھی سوچ میں پڑ گئے۔

کل سے ناہید متفکر تھیں۔ انہوں نے سیمیں کو ہمیشہ سہام کی دلہن کے روپ میں دیکھا تھا۔ لیکن کل ثمر سے مل کے پھر سحری کے وقت سہام کا نمبر مصروف دیکھ کر ان کی چھٹی حس جاگ گئی تھی۔ کچن سے آتی سیمیں اپنا نام سن کر چونک کر چپ کھڑی رہ گئی۔ وہ پوچھنے آئی تھی کہ پکوڑوں میں ہری مرچیں زیادہ ڈالے یا کم سب بھول بھال گئی۔ اسی دم سہام علوی بھی لوٹا تھا۔ سیمیں کی پشت کو دیکھ کر اس نے کان ناہید کی بات پہ لگا دیے تھے۔ سب سن کر وہ بھی ایک ثانیے کو بت بن گیا تھا۔

اس نے بے ساختہ سیمیں کو دیکھا تھا۔ سیمیں کی نظر بھی ایک ثانیے کو اس سے ملیں۔

"تمہاری تشویش بھی اپنی جگہ بجا ہے۔ لیکن اس کا بہتر جواب تو سہام علوی ہی دے سکتا ہے۔ میرا خیال ہے، اب ہمیں بچوں سے بات کرلینی چاہیے۔ سیمیں کے پیپرز بھی ختم ہوگئے ہیں۔ عید پہ دونوں کی منگنی رکھ لیتے ہیں۔"

حماد صاحب کہہ رہے تھے۔ سہام علوی نے ان دونوں کی طرف پیش قدمی کردی تھی۔ ناہید اور حماد صاحب نے چونک کر دونوں کو دیکھا۔ دونوں نے یقیناً ان کی باتیں سن لی تھیں۔

"میں سیمیں سے شادی نہیں کروں گا۔" صوفے پہ بیٹھتے ہوئے سہام علوی نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔ ناہید اور حماد صاحب جہاں اس کے بے لچک انداز پہ ٹھٹک گئے۔ وہیں اپنی بے عزتی پہ سیمیں سے مزید کھڑا رہنا دوبھر ہوگیا۔

میں نے دیکھا نہیں کوئی موسم
میں نے چاہا تمہیں لمحہ لمحہ

وہ پلٹ کر کچن کی طرف چلی گئی تھی۔ لاؤنج میں کیا باتیں ہورہی تھیں اسے خبر نہیں تھی۔ سہام علوی اس کی مزید کن لفظوں میں بے عزتی کررہا تھا۔ وہ جاننا نہیں چاہتی تھی۔ وہ اپنے کام میں دھیان لگانے کی بارہا کوشش کررہی تھی۔ اسے خبر تھی سہام علوی کو وہ کبھی اچھی نہیں لگی تھی۔ وہ اس کے طنزو تشنوں کی زد میں ہی رہتی تھی مگر ان سب کے باوجود وہ پورے کروفر سے اس کے دل کا مکین بنا بیٹھا تھا۔ جس جوش و خروش سے اس نے رمضان کی تیاریاں کی تھیں اب اتنی ہی بے دلی سے امور انجام دے رہی تھی۔

افطاری میں سب اپنی اپنی سوچوں میں گم بیٹھے تھے۔ سیمیں نے ناہید اور حماد صاحب کے چہرے پر گمبھیر خاموشی دیکھ کر اس میں کچھ پوچھنے کی ہمت نا

ہوئی۔ وہ خود کو چور محسوس کر رہی تھی۔ اسی لیے اذان ہوتے ہی کھجور منہ میں رکھتے ہی نماز کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کسی نے اسے روکا نہیں تھا۔ نماز کے بعد میز سمیٹنے کے خیال سے آئی تو اسے حیرانی ہوئی ساری افطاری جوں کی توں پڑی تھی۔ گویا کسی نے بھی چیزوں کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ اس کا دل مزید بوجھل ہوگیا۔ مانگنے والے کی صدا آنے لگی تو اس نے تمام چیزیں پیک کرکے اسے تھمادیں۔

نماز کے بعد مسجد سے لوٹ کر جب سہام اور حماد صاحب بھی اپنے کمروں میں چلے گئے تو اسے مزید عجیب لگا۔ ناہید تو کمرے سے نکلی نہیں تھیں۔

اس نے خود کو کمپوز کیا۔ وہ رونی صورت بنا کر سہام علوی کو یہ کبھی نہیں جتانا چاہتی تھی کہ وہ عرصے سے اس کے عشق میں مررہی ہے اور اب جب کہ اس نے اسے ریجیکٹ کردیا ہے تو وہ ٹوٹ گئی ہے۔ فقط اک منٹ لگا تھا اسے خود کو مضبوط بنانے میں۔ اگلے ہی لمحے اس نے ساری زودرنجی' اداسی بے دلی کو سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔

وہ رات کا کھانا پہلے ہی تیار کرچکی تھی۔ سلاد رائتا بنا کر اس نے بڑے اہتمام سے کھانا لگایا تھا۔ ناہید کو اس کی فکر تھی تب ہی وہ چلی آئی تھیں' مگر اسے نارمل دیکھ کر انہیں بے حد حیرانگی ہوئی تھی۔

"میں آپ کو بلانے ہی آرہی تھی چچی جان' آئیں' کھانا کھالیں۔ چچا جان اور سہام کو بھی بلالیں۔" عشا کی اذان ہونے والی تھی۔ حماد صاحب اور سہام بھی چلے آئے تو کھانا شروع ہوگیا۔

"مما' آپ ثمر کے گھر کب جائیں گی' اس کی فیملی سے رشتے کی بات کرنے۔" سہام علوی نے اک نظر اس پہ ڈالی تھی پھر ناہید پہ نظر جمادی۔ اک اسی لمحے اس کا امتحان تھا۔ جس میں اسے سرخرو ہونا تھا۔ اس نے خود پہ کنٹرول کیا اور معمول کی طرح چمچہ پھر کر یخنی پلاؤ بمشکل نگلنے لگی۔ حماد صاحب بھی خاموشی سے ناہید کو دیکھ رہے تھے۔ جن کے چہرے پہ غصہ نمودار ہونے لگا تھا۔

"میں نے کہہ دیا کہ مجھے وہ لڑکی ذرا پسند نہیں آئی اور بہو کے روپ میں تو کبھی اسے قبول نہیں کرسکتی۔" ناہید نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"تمہاری شادی سیمیں سے ہوگی' بس۔" ان کے حتمی انداز پہ سہام علوی نے کھا جانے والی نگاہ اس پہ ڈالی۔

"جب سہام کی دلچسپی سیمیں میں نہیں تو تم کیوں ضد کررہی ہو۔ ایسی شادی کا کیا فائدہ جس میں سیمیں خوش نہ رہ سکے۔" حماد صاحب سمجھ داری سے کہتے ناہید کو ضد سے باز رکھنے کی سعی کررہے تھے۔

"آپ نے اس لڑکی کو دیکھا نہیں اس لیے کہہ رہے ہیں مجھے اس لڑکی کے رنگ ڈھنگ اچھے نہیں لگے۔ وہ گھر بسانے والوں میں سے نہیں ہے۔" ناہید نے صاف لفظوں میں انکار کی وجہ بتادی۔

"اگر آپ صرف اس ضد میں ثمر کو ریجیکٹ کررہی ہیں کہ میں آپ کی سیمیں کے لیے مان لوں گا تو یہ آپ کی بھول ہے۔" وہ چراغ پا ہوگیا۔ سیمیں نے ہاتھ میں پکڑا چمچہ بے ساختہ پلیٹ میں رکھ دیا۔

"ایکسکیوز می' مسٹر سہام علوی! آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے۔ آپ کی رائے۔ لیکن مجھ سے بھی تو پوچھ لیتے کہ کیا میں آپ سے شادی کرنے کو مررہی ہوں؟" سیمیں کے اچانک تیز لہجے میں' اس کا نام لے کر مخاطب کرنے پر سب ہی ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگے۔

"چچی جان کی محبت ہے جو انہوں نے آپ سے اپنی خواہش کا اظہار کیا۔ اگر چچی جان نے مجھ سے پہلے پوچھا ہوتا تو میں آپ سے پہلے انکار کردیتی۔ میں آپ کے امیج پہ پوری نہیں اترتی تو اسی طرح آپ میرے آئیڈیل پہ۔ میں نے آپ کی جلی کٹی ہمیشہ چچی اور چچا جان کی محبت میں برداشت کی۔ لیکن اب میں آپ کو مزید اجازت نہیں دوں گی کہ آپ مجھے ذلیل کریں۔ آپ نے جس سے شادی کرنی ہے کریں۔ مجھے آپ میں رتی برابر دلچسپی نہیں۔"

وہ بے حد غصے اور تلخ لہجے میں اس کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈالے ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ وہ شاکڈ کی کیفیت میں آنکھیں پھاڑے اسے اس کے غصے کو محسوس کر رہا تھا۔ سیمیں انوار جو اس کے سامنے کبھی اونچی آواز میں بولتی نہیں تھی آج اسے اس کی اوقات یاد دلا رہی تھی۔

"میں آپ اور چچا جان کی محبت میں جان دے سکتی ہوں چچی جان لیکن اپنے مغرور بیٹے کے سامنے مجھے دو کوڑی کا نا کریں۔ سیمیں انوار اتنی ارزاں نہیں کہ ثمر جیسا بیسٹ رکھنے والے اسے ریجیکٹ کریں۔"

ناہید اور حماد صاحب کی طرف لجاجت سے دیکھ کر کہتی آخر میں اس کی استہزائیہ نظر سہام علوی پہ آرکی تھیں وہ جیسے صدمے سے مرجانے کی پوزیشن میں تھا۔

"زبان سنبھال کے بات کرو۔" سہام علوی کو اس کی باتیں اور نظریں چراغ پا کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"آپ بھی!" وہ اک اک لفظ پہ زور دے کر بولی وہ لب بھینچ گیا۔ ناہید اور حماد صاحب خاموش تماشائی بنے دونوں کو جھگڑتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا۔

"چچی جان میں صرف آپ کی محبت میں اب تک چپ تھی میں نے آپ کو کبھی ماں کہا نہیں لیکن سمجھا ضرور ہے۔ آپ کا ہر فیصلہ آنکھیں بند کر کے مان لوں گی، آپ میری شادی کسی کالے چور سے کردیں میں اف نہیں کروں گی۔ مگر سہام علوی سے کبھی نہیں، کسی قیمت پہ نہیں۔" وہ حرف حرف پہ زور دے کر اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ ماحول میں جیسے اک دم سے سناٹا چھا گیا تھا۔

"حماد کل ثمر کے گھر چلنے کی تیاری کریں اور ساتھ ہی ہمارے لیے الگ گھر کا انتظام بھی.... میں کسی ناپسندیدہ بہو اور نافرمان بیٹے کے ساتھ نہیں رہوں گی۔" ناہید کے اچانک فیصلے پہ جہاں وہ کھڑی کی کھڑی رہ گئی تھی وہیں حماد صاحب بھی چونک گئے۔

"آپ بھتیجی کی محبت پہ بیٹے کو قربان کر رہی ہیں۔" سہام علوی پھٹ پڑا۔

"نافرمان اور ناعاقبت اندیش بیٹے کو، تصحیح کرلو۔" ناہید نے تلخ لہجے میں کہا تو وہ لب بھینچ گیا۔ سیمیں ہال سے نکل گئی۔

"تم نے سیمیں جیسی ہیرا لڑکی کو ٹھکرا کر جس لڑکی کا انتخاب کیا اگر وہ تمہیں ذرا بھی ثمر دے گی تو سمجھ لینا تمہاری ماں بے وقوف عورت تھی۔ تم نے سیمیں کو ٹھکرا کر میرے پرورش کو کٹہرے میں لا کھڑا کیا.... میں تمہیں اس کے لیے بہترین لڑکا ڈھونڈ کر دکھاؤں گی۔ جسے ہیرے کی پہچان ہوگی۔" سیمیں کے کانوں تک بھی ناہید کے جملے آرہے تھے لیکن وہ خود کو نارمل پوز کرتے سب کے لیے چائے بنانے لگی تھی۔ اپنی ارزاں ہستی پہ رونا آرہا تھا۔ سہام علوی نے اس کی ذات کو جس طرح دو کوڑی کا سمجھ کر اسے دھتکارا تھا اس پہ اس کی انا بلبلا گئی تھی۔

انا کی جنگ میں ہم جیت تو گئے لیکن
پھر اس کے بعد بہت دیر تک نڈھال رہے

✡ ✡ ✡

اگلے روز ناہید اور حماد صاحب بے دلی سے ثمر کے ہاں جانے کو تیار ہو گئے تھے۔ مٹھائی اور فروٹس کے ٹوکرے سہام علوی نے پہلے ہی تیار کروا کر گاڑی میں رکھوا لیے تھے۔

"ارے رکیں تو.... مجھے لیے بنا جا رہے ہیں آپ لوگ۔" وہ تینوں نکل ہی رہے تھے جب سیڑھیاں اترتی سیمیں کی آواز انہیں رکنے پہ مجبور کر گئی۔ وائٹ سوٹ پہ بڑا سا دوپٹا لیے وہ تیزی سے سیڑھیاں طے کر رہی تھی۔

"تم بھی چل رہی ہو بیٹا" حماد صاحب کو جیسے جھٹکا لگا۔

"کیوں چچا جان میں اس گھر کی فرد نہیں....؟ پہلے کب اس گھر کے کسی معاملے سے الگ رکھا گیا ہے۔ جو اب رہوں۔" وہ قریب آکر مسکرا رہی تھی۔ اس نے صرف لائنر اور نیچرل کلر کی لپ اسٹک لگائی تھی۔ عام دنوں میں بھی اس کی یہ ہی تیاری ہوتی تھی۔ اس وقت

بھی وہ حسین ہی لگ رہی تھی۔ سہام علوی نے اس کے مسکراتے چہرے کو اک نظر دیکھا تھا پھر سب سے آگے نکل گیا۔

"دیکھ رہے آپ اس کے تیور۔" ناہید نے حماد صاحب سے جیسے گلہ کیا۔ ان کی نظریں سہام علوی کی پشت پہ تھیں جو دور جا رہا تھا۔

"بھول جاؤ سب اور بچوں کی خوشی میں خوش رہو۔" حماد صاحب نے انہیں جذباتی ہونے سے روکا۔

"اتنا غصہ نا کریں چچی جان۔" سیمیں نے بھی مسکراتے ہوئے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور انہیں لے کر آگے بڑھنے لگی۔

ثمر کے گھر ان کا کوئی خاص استقبال نہیں ہوا تھا۔ ثمر کی ماں ثمر جیسی ہی تھی۔ شادی شدہ بہنیں موجود نہیں تھیں۔ لیک چھوٹا بھائی اور والد ان کے استقبال کو موجود تھے۔ ناہید کو تو ثمر پہلے ہی پسند نہیں آئی تھی۔ ثمر اور اس کی فیملی سے مل کے حماد صاحب بھی چپ سے ہو گئے تھے۔ انہیں ناہید کا شور کرنا سمجھ میں آگیا تھا مگر بیٹے کی مرضی تھی سو چپ ہونا پڑا۔

ثمر ناہید، حماد صاحب سے بظاہر بڑی تمیز اور لگاوٹ سے ملی مگر اس کے انداز میں مصنوعی پن صاف نظر آرہا تھا۔ سیمیں کو اس نے ہاتھ ملانے کے قابل بھی نہیں گردانا۔

"یہ سیمیں ہے، میری بیٹی اور اس کی اہمیت سے ہمارے گھر میں کسی کو انکار نہیں۔"

ناہید نے ثمر کو صاف لفظوں میں جتا دیا تو وہ "جی جی میں بھول گئی" کہتی بادل ناخواستہ سیمیں سے ہاتھ ملا گئی۔ سب کے اٹھنے سے پہلے منگنی اور نکاح کی تاریخ طے ہو گئی تھی۔ سنڈے کو منگنی کی رسم اور عید کے دن نکاح طے ہوا تھا۔ سب کچھ سہام علوی اور ثمر نے طے کر لیا تھا تو ناہید کو کیا اعتراض ہونا' انہوں نے بھی عندیہ دے دیا۔

✲ ✲ ✲

"تمہاری مما نے سیمیں کو کچھ زیادہ سر چڑھا رکھا ہے سہام، میں بتا رہی ہوں، میں اسے بالکل برداشت نہیں کرنے والی۔ ہاتھ ملانا کیا بھول گئی، تمہاری ماں نے مجھے ذلیل کر دیا اور وہ بھی اس لڑکی کے لیے جس کی شادی وہ تم سے کرنا چاہ رہی ہیں۔ مجھے تو اس میسنی کی شکل سے چڑ ہونے لگی ہے۔" ثمر رات کو کال پہ سہام علوی کو اپنے خیالات سے آگاہ کر رہی تھی۔

"مما کو بہت محبت ہے اپنی بھتیجی سے 'ڈونٹ وری اباؤٹ اٹ' اس کی بھی شادی ہو ہی جائے گی کسی نا کسی سے... تمہیں اسے برداشت نہیں کرنا پڑے گا۔"

سہام علوی اسے سمجھا رہا تھا، لیکن ثمر کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

"تمہاری مما کو میں پسند نہیں تو وہ سب کچھ بے دلی سے لائیں۔ اتنے کم فروٹس' اتنی سی مٹھائی بھلا رشتہ ایسے طے ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں تو تمام فیملی ممبرز کے جوڑے اور گولڈ کی چیزیں بھی آتی ہیں۔ میری بہنوں نے جب پوچھا کہ کیا آیا سسرال سے تو یقین کرو مجھے اتنی شرمندگی ہوئی جب وہ مجھ پہ ہنس رہی تھیں۔" ثمر کا لہجہ دکھی ہو گیا۔

"تو تم نے مجھے پہلے بتانا تھا نا تمہارے ہاں کیا کیا چلتا ہے۔ میں نے تو اپنے طور پہ کیا... "سہام علوی کو اس کی سبکی پہ افسوس ہوا۔

"اب آگے سے بتا دوں گی... یونو کہ اگر سب اچھا ہو گا تو میرے گھر میں تمہاری ہی واہ واہ ہو گی۔" ثمر بے حد شاطر انداز میں اسے ٹریپ کر رہی تھی اور سہام علوی ہاں میں ہاں ملا رہا تھا۔

✲ ✲ ✲

منگنی میں چند دن ہی رہ گئے تھے۔ حماد صاحب کے سمجھانے پہ ناہید بے دلی سے ہی سہی، لیکن تیاری کرنے لگی تھیں۔ منگنی کا جوڑا انہوں نے سیمیں کے ساتھ جا کر پسند کیا تھا جو سہام اور حماد صاحب کو بھی بے حد پسند آیا تھا کہ چوائس تو دونوں کی ہی لاجواب ہوتی تھی۔

"شکر ہے بیگم تم نے دل سے کدورت نکال کر ہو

کے لیے بہترین چیز پسند کی۔" حماد صاحب بے ساختہ سراہ گئے۔ ناہید بھیکی ہنسی ہنس دیں۔

"برا تو کبھی کسی کے لیے نہیں سوچا اور سہام تو اپنی اولاد ہے۔ بہت ارمان تھے اس کی شادی کے لیکن...." ان کی آواز لڑکھڑا گئی تھی۔ حماد صاحب ان کا درد محسوس کر رہے تھے۔ ایک ماں کو شکست ہو گئی تھی ایک بیٹے نے ماں کے دل کو ٹھیس پہنچائی تھی۔

"اگر بچے اچھی چیز کا انتخاب کرتے ہیں نا حماد صاحب تو ماں کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔ وہ اپنی پسند بھول جاتی ہے' لیکن جب بچہ جان بوجھ کے فضول چیز کا انتخاب کرے تو ماں کا دل ٹوٹ جاتا ہے۔ اس خیال سے کہ یہ چیز میرے بچے کو نقصان پہنچائے گی۔ وہ اپنی بات رد ہونے پہ نہیں بچے کے ٹوٹنے کے خیال سے بکھر جاتی ہے۔" وہ نم آواز میں اپنے محسوسات بیان کر رہی تھیں۔ حماد صاحب کو بھی اعتراف تھا کہ ناہید کی کبھی غلط سوچ نہیں رہی۔ وہ بھی ان سے متفق تھے۔

"ایک بچے نے اپنی ضد کرلی تو کیا ہوا' تم سیمیں میں سارے ارمان پورے کرلینا وہ بھی تو ہماری بچی ہے۔" حماد صاحب نے بہلایا تو وہ مسکرا دیں۔

"ہاں ماشاء اللہ بڑی صابر بچی ہے۔ مجھے اب سمجھ آرہا ہے کہ مجھے اس سے اتنی محبت کیوں ہے۔ اللہ کو پتا تھا میری سگی اولاد مجھے تکلیف دے گی۔ تب ہی اللہ نے آپ کی بھتیجی کی محبت میرے دل میں ڈالی۔" ناہید برملا اعتراف کر رہی تھیں اور سب کچھ سنتا سہام علوی سائیڈ سے گزر گیا۔

✡ ✡ ✡

"یہ اتنا بکواس ڈریس پسند کیا ہے تمہاری ماں اور تمہاری سو کالڈ کزن نے میرے لیے۔" ثمر کی چیخ اور صدمے سے مشابہ آواز نکلی تھی۔ جملے کے اختتام پہ ثمر نے بے حد حسین جوڑا گولہ بنا کر سہام علوی کے منہ پہ مار دیا تھا۔

"ثمر!" اس کی حد درجہ بدتمیزی پہ وہ اک لمحے کو ہکا بکا رہ گیا۔ ناہید نے اس سے بول چال بند کر رکھی تھی صرف کام کی باتیں کر رہی تھیں۔ صبح ہی انہوں نے کہا تھا کہ وہ ثمر کو ڈریس دکھا کر فٹنگ چیک کروا لیے تاکہ پہنتے وقت کوئی دقت نا ہو۔ اسی باعث آفس سے واپسی پہ وہ ثمر کی طرف چلا آیا تھا۔ ثمر کی شادی شدہ بہنیں' ان کے میاں بھی آئے ہوئے تھے۔ رمضان ہونے کے باوجود سب لنچ کرنے میں بزی تھے۔ سہام علوی کو یہ سب دیکھ کر بے حد عجیب لگا تھا۔

اسے یاد تھا' وہ شروع سے بھوک کا کچا تھا۔ ایک بار اس نے ناہید کو صاف لفظوں میں کہہ دیا تھا کہ وہ روزہ نہیں رکھ سکتا۔ ناہید نے سمجھایا تھا' مگر اس کی ناں' ہاں میں نہیں بدلی سحری کا وقت گزر گیا۔ اس نے روزہ نا رکھا۔ صبح اٹھ کر جب اس نے ناشتے کے لیے کچن میں کھانے کے لیے کچھ ڈھونڈا تو اسے دودھ کا پیکٹ تک فریج میں نا ملا۔ ناہید نے فریج لاک کر کے چابی اپنے پاس رکھی ہوئی تھی۔ کھانے پینے کی تمام چیزوں پہ لاک لگا ہوا تھا۔ ناچار اسے سارا دن بھوکا رہنا پڑا تھا۔ افطار کے وقت ہی کھانے کو ملا تو حماد صاحب نے جتا دیا کہ "بیٹا اس سے بہتر ہے روزہ رکھنے کی عادت ڈال لو تاکہ ثواب بھی مل جائے۔" وہ چپ رہ گیا تھا۔ اسے ناہید کی خاموش کار کردگی کی سمجھ آگئی تھی۔ اگر جو وہ ڈانٹتی ڈپٹتیں تو شاید وہ باغی ہو جاتا' مگر انہوں نے خاموشی سے جتا دیا تھا کہ روزہ بھلے نا رکھو' کھانے کو بھی کچھ نا ملے گا۔ تب سے اس کی روزہ رکھنے کی عادت بن گئی تھی۔

لیکن یہاں چھوٹے سے لے کر بڑے تک کو دستر خوان پہ دیکھ کر اسے عجیب لگا تھا۔ خود ثمر کا چہرہ چغلی لگا رہا تھا کہ وہ بھی کھا پی کے بیٹھی ہے۔ سب ہی اسے جس طرح اشتیاق سے دیکھ رہے تھے اسے اس پہ بھی الجھن ہو رہی تھی۔ وہ جلد سے جلد ڈریس چیک کروا کے نکلنا چاہ رہا تھا' لیکن ثمر نے ڈریس دیکھتے ہی جیسا ری ایکٹ کیا تھا اس پہ اس کے ہوش اڑ گئے۔ اس نے لاؤنج میں بیٹھے لوگوں کی طرف دیکھا۔ ان سب کی نظریں بھی ان کی طرف جمی تھیں اور لبوں پہ مسکراہٹ تھی غالباً" سہام علوی کی حالت سے حظ اٹھا

رہے ہوں۔

"جب تم نے بتایا تمہاری ماں اور کزن میرے لیے شاپنگ کرنے گئی ہیں تب ہی میں سمجھ گئی تھی کچھ فضول ہی آئے گا میرے لیے۔ میں ناپسندیدہ جو ہوں۔" ثمر جھکوں پھکوں رونے لگی۔ سہام علوی جو اس کے انداز پہ غصے میں آگیا تھا اس کے رونے پہ کچھ نرم پڑنے لگا۔

"کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ میں تمہارے ساتھ جاکر ڈریس لیتی؟" وہ آنکھوں میں آنسو بھر کے پوچھ رہی تھی۔ سہام علوی کو اس کی ڈیمانڈ میں کوئی جھول نا لگا۔

"اب میں ان چاہی ہوں تمہاری ماں کی تو اس میں میرا کیا قصور۔۔۔ کیا میری خواہش نہیں کہ میں اپنی منگنی میں خوب صورت لگوں، منگنی میں بھلے صرف گھر کے لوگ ہوں، لیکن فرینڈ کو تصویریں تو واٹس اپ کروں گی نا۔۔۔ کیا کہیں گی سب۔۔۔ کسی تھرڈ کلاس چوائس ہے میرے فیانسی کی۔" وہ اس مہارت سے لفظوں سے کھیل رہی تھی کہ سہام علوی جیسا بندہ بھی اسے پکڑ نہیں پا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے تم تیار رہنا افطار کے بعد میں تمہیں پک کرنے آجاؤں گا خود چل کر اپنی پسند سے ڈریس لے لینا۔"

"نہیں سچ۔۔۔؟ تم ناراض تو نہیں ہو گئے۔۔۔ رہنے دو میں یہ ہی پہن لوں گی۔ تمہاری ماں اور کزن کو برا لگے گا۔ وہ میرے خلاف تمہیں اور باتیں سنائیں گی۔ میں ان چاہی جو ہوں۔" ثمر کی اداکاری دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی تو مکالمہ پہ عش عش کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔

"کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ تمہیں پسند نہیں آیا تو کوئی بات نہیں۔ میں آجاؤں گا۔ ٹائم پہ تیار رہنا۔" سہام علوی اٹھ کھڑا ہوا۔

"ثمی کچھ زیادہ ہی کر دیا تھا تم نے؟" سہام علوی کے جانے کے بعد اس کی بہن نے اسے سرزنش کی۔

"ہاں مجھے بھی احساس ہو گیا تھا۔ تب ہی تو آنسو بہانے پڑے۔" ثمر نے بھی اپنی اداکاری پہ خود کی پیٹھ تھپتھپائی۔

"بڑی اونچی جگہ ہاتھ مارا ہے ہم سب تو سہام کو دیکھتی رہ گئیں۔" دوسری بہن بھی سراہنے لگی۔

"تم سب کے ٹٹ پونجیے میاں کو دیکھ کر ہی سبق سیکھا ہے۔ اس لیے جب اچانک سہام نظر آیا تو مجھے بھی اسے گھیرنے کا خیال آگیا۔ تھوڑی سی لگاوٹ سے دیکھ کیسے دام میں آگیا کہ ماں سے ٹکر لے کر مجھ سے شادی کر رہا ہے۔" ثمر شان تفاخر سے گردن اکڑائے بیٹھی تھی۔

"یہ تو واقعی کمال کر دیا تم نے۔۔۔ خیر تم مردوں کو رجھانے میں ثانی نہیں رکھتیں۔" ان کی گفتگو کا انداز ظاہر کر رہا تھا کہ وہ سب کس طبیعت کی تھیں۔

"ہاں کافی سے دوستی رہی گھومنا پھرنا رہا' لیکن سہام جیسی موٹی آسامی کے لیے سب کو سائیڈ کر دیا۔ وہ باسط تو پاگل نکلا جان ہی نہیں چھوڑ رہا تھا' تو یہ نمبر بلاک کرنا پڑا اس کا۔" وہ اپنے نام نہاد عاشق سے بے زاری کا اظہار کر رہی تھی۔

"ویسے ڈریس تو بہت حسین ہے تم نے منع کیوں کیا پہننے سے؟" اس کی بہن جاننا چاہ رہی تھی۔

"اس کی ماں اور کزن کے لائے ڈریس کی تعریف کر کے پہن لیتی۔۔۔ اچھی بھی لگتی تو اس کی ماں اور کزن اس کی نظر میں اور مہان ہو جاتیں۔ ابھی تو اس کے دل میں یہ ہی ہو گا کہ چوں کہ میں اس کی ماں کی ناپسندیدہ ہوں اس لیے وہ میرے لیے اچھی چیز پسند نہیں کر رہیں۔ اس کا دل ماں اور کزن سے خراب ہو گا اور میری دھاک بیٹھے گی انگریزوں کا فارمولا ہے ڈیوائڈ اینڈ رول (توڑو اور حکومت کرو) ثمر ٹانگ پہ ٹانگ چڑھا کر بیٹھ گئی۔

"واہ' واہ کیا دماغ پایا ہے۔" بہن داد دے کے رہ گئی۔ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

☆ ☆ ☆

"ڈریس کی فٹنگ ٹھیک ہے؟" افطار کے بعد سیمیں سب کے لیے چائے لے آئی تو ناہید سہام علوی سے استفسار کر رہی تھیں۔ وہ میز پہ ٹرے رکھے سب

کی چائے بنانے لگی۔

"ثمر کو ڈریس پسند نہیں آیا۔ میں ابھی اسے دوسرا ڈریس دلوانے لے جاؤں گا۔۔۔ وہ اپنی پسند سے لے لے تو اچھا ہے۔" سہام علوی اک لمحے کو چپ رہ گیا تھا' لیکن ناہید جواب جاننا چاہ رہی تھیں تب ہی اسے سچ بتانا پڑا۔ جس ماں سے وہ ہر وقت پر مزاح جملوں کا تبادلہ کرتا رہتا تھا اب ان ہی کے آگے سوچ سوچ کے بولنا پڑ رہا تھا۔ اس کی بات پہ اک لمحے کو سناٹا چھا گیا تھا۔ ناہید چند لمحے تک کچھ بول نا سکیں سیمیں بھی خاموشی سے سب کے کپ میں چینی مکس کرنے لگی۔

"جیسا تم دونوں کو مناسب لگے۔ وہ ڈریس واپس کردوں گی۔" ناہید کو دکھ تو ہوا تھا مگر انہوں نے اپنا لہجہ نارمل رکھا ہوا تھا پھر ان کا رخ حماد صاحب کی طرف ہو گیا۔

"حماد' آج کل میں ذرا ایک گاڑی تو شوروم سے نکلوالیں پرانی کو ری پلیس کردیں۔ مجھے اور سیمیں کو آنے جانے میں دقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے جیسے ابھی ہمیں بھی ابھی شاپنگ کے لیے نکلنا تھا۔" سیمیں نے سب سے پہلے حماد صاحب کو چائے تھمائی تھی۔ پھر ناہید کو۔۔۔ چائے کا مگ تھامتے ہوئے ناہید نے حماد صاحب سے کہا اور وہ اک لمحے کو پر سوچ انداز میں گھیر گئے۔

"کیسی باتیں کر رہی ہیں مما؟ کیوں غیریت جتا رہی ہیں۔ میں آپ لوگوں کو ڈراپ کردوں گا۔" اب سیمیں نے چائے سہام علوی کو تھمائی مگ لیتے سہام علوی نے اس پہ اک سرسری نگاہ ڈالی تھی۔

"لیکن ابھی تو تمہیں ثمر کو شاپنگ پہ لے جانا ہے۔" ناہید نے یاد دلایا۔

"وہ بھی ہماری فیملی کا حصہ بننے جا رہی ہے۔ میں آپ لوگوں کو ڈراپ کردوں گا پھر اسے شاپنگ کروا دوں گا۔" کے کہنے پہ حماد صاحب بھی متفق ہو گئے۔

"ایسا ہی کرلو ناہید' سہام ٹھیک کہہ رہا ہے۔"

بہتر! لیکن ایک گاڑی کی ضرورت ہے۔ ہم کب تک اس کے محتاج رہیں گے کل کو اس کی بھی زندگی ہوگی۔ یہ ہماری وجہ سے ڈسٹرب ہوتا رہے گا تو نا اسے اچھا لگے گا نا اس کی بیوی کو۔" ناہید نے سمجھ داری سے سارا معاملہ سامنے رکھا تھا۔ جس سے اتفاق تو سب کو تھا اس کے باوجود سہام علوی خفگی سے سیمیں انوار کو دیکھنے لگا۔ اس کے خیال میں یہ آگ اسی کی لگائی ہوئی تھی۔

"مما آپ غیریت برت رہی ہیں میں آپ کا سگا بیٹا ہوں۔" در پردہ وہ بھتیجی اور بیٹے کا فرق واضح کر گیا۔ اس ساری گفتگو کو سنتی وہ اپنا مگ لے کر صوفے پہ بیٹھ گئی۔ وہ ناہید سے گلہ کر رہا تھا۔

"جب تمہاری ماں کے لائے ڈریس تمہاری ہونے والی بیوی کو پسند نہیں آئے تو تمہارے ساتھ ہماری انوالمنٹ اسے کیسے پسند آئے گی۔ تمہیں ہمارا پابند دیکھ کر اسے اچھا نہیں لگے گا۔" ناہید نے دانائی سے اسے آئینہ دکھایا۔

"اگر ثمر کی جگہ اس وقت سیمیں آپ کی بہو بن رہی ہوتی تب بھی آپ یہ سب ہی بولتیں؟" وہ جل گیا۔ اس سارے قصے میں اپنا نام سن کر سیمیں کے چہرے پہ دبا دبا غصہ جھلکنے لگا۔

"گھر توڑنے اور گھر جوڑنے والی میں فرق ہوتا ہے بیٹا۔" ناہید کی استہزائیہ مسکراہٹ نے اسے لب بھینچ لینے پہ مجبور کردیا۔

"شاید لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں' بیٹے کی پسند ماں کو کبھی قبول نہیں ہوتی خواہ وہ پری جیسی اور فرشتہ صفت ہی کیوں نا ہو۔" وہ ناہید کے انداز پہ جھنجلا رہا تھا۔ ثمر کا فیڈ کیا ہوا کام کرنے لگا تھا۔

"اوروں کا تو پتا نہیں' لیکن مجھے کھرے اور کھوٹے کی پہچان ہے۔ اور یہ تجزیہ کسی حد تک آتو رہا ہے سامنے۔ تمہارے لب و لہجے سے جس طرح بغاوت کی بو آرہی ہے یہ اسی تبدیلی کی مرہون منت ہے جو تمہاری زندگی میں آئی ہے۔ جو تمہیں ماں پہ بھی انگلی اٹھانے پہ اکسا رہی ہے۔ میں تب ہی تو نہیں چاہتی کہ مقدس رشتوں کا تصادم ہو۔ تب ہی تو دانائی سے چلنا چاہ رہی ہوں۔" ناہید بے حد سنجیدگی سے گویا تھیں۔ سہام علوی اک لمحے کو لاجواب ہو گیا۔ اسے بھی

محسوس ہو رہا تھا اس کے لہجے اور سوچوں میں فیملی کے لیے کڑواہٹ آنے لگی ہے۔ ایسا کیوں ہو رہا تھا وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

"میں جلد ہی شو روم سے کار نکلوانے کی کرتا ہوں۔ ابھی تم لوگ تیار ہو جاؤ' سہام کے ساتھ چلی جاؤ۔" حماد صاحب نے جب دیکھا کہ موضوع پھر تلخی کی جانب گامزن ہے تو انہوں نے جلدی سے کہا۔

ناہید خاموشی سے چائے پینے لگیں۔ سہام علوی کی اچٹتی نگاہ صبح کا اخبار پڑھتی سیمیں پہ پڑی جو اس کی اور اس کی ماں کے بیچ دراڑ کی وجہ بن گئی تھی۔ اگر یہ نا ہوتی تو شاید ناہید کبھی ثمر کے لیے انتہا پسند نا ہوتیں۔ وہ تلخی سے سوچ کے رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"ہیلو سوئیٹ ہارٹ!" ثمر چہکتی مٹکتی اپنے دروازے سے نکلی تھی اور دلفریب انداز میں فرنٹ سیٹ پہ بیٹھتے اس کے قریب ہونے کی کوشش کرنے لگی۔ سہام علوی اس کے جینز اور ٹاپ پہ ہی الجھن میں تھا کجا کہ اس کا اتنا لبھانے والا انداز دیکھ کر سٹپٹا سا گیا۔ پیچھے بیٹھی سیمیں تو ونڈو سے باہر دیکھنے لگی۔ جب کہ ناہید کی نظر باریکی سے اس کی بے تکلفی پہ تھیں اس کی نظر ابھی پچھلی نشست پہ نہیں پڑی تھیں اور سہام علوی کو اسے انفارم کرنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔ وہ آتے ہی شروع ہو گئی تھی۔

"شاید آج کے لڑکوں کو ایسی ہی بے حیائی اٹریکٹ کرتی ہے۔ یہ ہی چیزیں فیسی نیٹ کرتی ہیں تب ہی تو سیمیں جیسی لڑکی ان کے دل و دماغ پہ گھر نہیں کر پاتیں۔" ناہید نے لمبی سانس لے کر اک نظر سیمیں پہ ڈالی تھی جو چہرے پہ معصومیت و حیا لیے کھڑکی سے باہر نظر جما کر خود کو مصروف ظاہر کر رہی تھی۔

"موڈ کیوں آف ہے جانو۔" ثمر سے چپ رہنا شاید بہت مشکل تھا۔ اس نے سہام علوی کا ہاتھ تھامنا چاہا تھا تب ہی اس کا ارادہ بھانپ کر اس نے گیئر سے ہاتھ

ہٹا لیا تھا۔

"مما کو سلام کرو!" سہام علوی کو اسے احساس دلانا ہی پڑا۔ ثمر بری طرح چونک کر بے ساختہ گردن گھما کر انہیں دیکھنے لگی۔ بلاشبہ وہ باکمال اداکارہ تھی' مگر اک لمحے کے لیے اس کے چہرے پہ اپنی بے حیائی پہ شرمندگی کی بجائے جو غصہ نمودار ہوا وہ سہام علوی سے بھی مخفی نہ رہ سکے۔

"تم نے مجھے انفارم تو کرنا تھا۔" سلام دعا کو بھول کر وہ سہام علوی کی کلاس لے رہی تھی۔ ناہید کی جتاتی نظریں سہام علوی پہ تھیں جیسے کہہ رہی ہوں دیکھا کہا تھا نا۔

"کیا ہم ساتھ شاپنگ پہ جا رہے ہیں؟" ثمر ناہید اور سیمیں کو خاطر میں لائے بنا سہام سے ہی سوال جواب کر رہی تھی۔

"سہام ہمیں ڈراپ کر دے گا۔ پھر تم دونوں آرام سے شاپنگ کر لینا۔ میں نے منع بھی کیا تھا سہام کو' لیکن اس کی ضد تھی۔" ناہید کو سبکی محسوس ہو رہی تھی۔ اس کا انداز کھل رہا تھا۔

"ارے نہیں' ساتھ میں شاپنگ کریں گے۔ کوئی مسئلہ نہیں' مگر یو نو آنٹی کپلز کی خواہش ہوتی ہے نا کچھ ٹائم اکیلے میں اسپینڈ کرنے کی۔" ثمر بے حیائی سے میٹھے لفظوں میں بظاہر مسکرا کر جتا گئی تھی کہ انہوں نے ساتھ آ کر رنگ میں بھنگ ڈالا ہے۔

"بالکل' سہام علوی آئندہ احتیاط کرے گا بیٹا!" ناہید کو اک دم سے شرمندگی نے آگھیرا۔ ان کی گاڑی' ان کا بیٹا اور وہ کل کی لڑکی اپنی چلا رہی تھی۔ سہام علوی کو بھی ثمر کی باتیں نامناسب لگی تھیں اور جب ناہید نے بھی جتا دیا تو وہ کچھ بولنے کے قابل نا رہا۔

"جو ڈریس پسند نہیں آیا وہ سہام کو واپسی میں دے دینا بیٹا! میں واپس کروا دوں گی۔" ناہید نے کام کی بات کر کے رخ پھیر لیا تھا اور ثمر جو ڈریس کرن کی شادی میں پہننے کا پلان لیے بیٹھی تھی جلبلا گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا بات ہوئی سہام! تمہاری ماں تو ہماری چوکیدار

ہی بن گئی ہیں اور وہ تمہاری گونگی کزن۔۔۔" م علوی نے ناہید اور سیمیں کو مال میں ڈراپ کر کے دوسرے مال کا رخ کیا تھا۔ دونوں مال آس پاس تھے۔ مال میں قدم رکھتے ہی ثمر کی جھنجلائی آواز نکلی تھی۔

"چوکیداری کی کیا بات ہے۔ ہمیشہ سے میں ہی ڈراپ کرتا رہا ہوں مما اور سیمیں کو۔" اسے اس کا انداز سمجھ نہیں آیا۔

"پہلے کرتے تھے پہلے کی بات اور تھی تب میں نہیں تھی تمہاری زندگی میں۔۔۔ میں نے اتنا کچھ پلان کر رکھا تھا کہ شاپنگ کے بعد ڈنر پھر لانگ ڈرائیو پہ جائیں گے، لیکن تمہاری ماں اور کزن ہیں تو۔۔۔" ثمر کہہ رہی تھی اور سہام علوی کو ناہید کے خدشات اور جملے یاد آنے لگے جو انہوں نے ساتھ چلنے سے قبل کہے تھے۔

سہام علوی عجیب مخمصے میں پڑ گیا تھا۔ یہ سچ تھا کہ جب سے ثمر اس کی زندگی میں آئی تھی وہ الجھا الجھا رہنے لگا تھا۔ ثمر کی زیرک نظریں اسی پہ تھیں۔

"آئے نو، تمہیں میری باتیں بری لگ رہی ہیں کہ میں تمہاری ماں کے لیے ایسا بول رہی ہوں، لیکن میں کیا کروں کہ تم سے اتنی محبت ہے کہ میں تمہیں کسی سے شیئر نہیں کر سکتی۔ تمہاری ماں سے بھی نہیں۔" ثمر لہجے میں مصنوعی اداسی اور دلگرفتی سمو کر اسے گرفت میں لے رہی تھی اور وہ آ بھی گیا تھا۔

"خود ہی بتاؤ میں کچھ غلط خواہش کر رہی ہوں اگر تمہارے ساتھ رومانٹک ڈنر کرنا چاہ رہی ہوں تو۔۔۔ شادی سے پہلے یہ سب ہی تو فیسی نیٹ کرتا ہے۔ ان میں ہی چارم ہے۔" وہ محبت بھری چاشنی سمو کر بول رہی تھی اور سہام علوی اتنی محبت پہ چپ رہ گیا۔

"تم اور ثمر ساتھ رہو۔ ہم ٹیکسی سے گھر چلے جائیں گے۔ فکر نا کرنا۔" اسی لمحے ناہید کا ٹیکسٹ اس کے نمبر پہ آیا تھا وہ ناہید کی سمجھ داری پہ چپ رہ گیا۔ تو گلہ کر رہی تھی اس کی ماں چوکیداری کر رہی ہے جب کہ وہ تو خود انہیں موقع دے رہی تھیں۔ خود ہی مقابلے کی کشمکش سے دور جا رہی تھیں۔ وہ کچھ الجھ سا گیا تھا۔ "کون ٹھیک ہے، کون نہیں؟" ثمر نے بڑی مشکلوں سے ایک لاکھ کا ڈریس پسند کر لیا تھا جو سہام کو کچھ خاص پسند نہیں آیا تھا، مگر ثمر کی پسندیدگی پہ اس نے اپنے کریڈٹ کارڈ سے پے منٹ ضرور کر دی تھی۔

"تو اب نیا مرغا پھانسا ہے؟" وہ دونوں ڈنر کے لیے مال کے ریسٹورنٹ میں جا رہے تھے جب اچانک سے اک لڑکا نکل کر ان تک آیا۔ ثمر کے چہرے کا رنگ اک پل میں اڑ گیا تھا۔

"ایکسکیوز می!" سہام علوی نے بے حد حیرانی سے مقابل کھڑے بندے کو دیکھا وہ اس کا ہم عمر ہی تھا۔ جو غصیلی نظروں سے ثمر کو دیکھ رہا تھا۔

"سہام یہ لوفر ہے پہلے بھی اس نے مجھے بہت تنگ کیا ہے اور ابھی بھی۔۔۔ جاتے ہو یہاں سے یا پولیس بلواؤں۔" ثمر اسے کھا جانے والی نظروں سے گھور رہی تھی۔ سہام علوی بھی اسے دیکھ رہا تھا۔

"تو وہ ناگن ہے جو صرف ڈسنا ہی جانتی ہے۔" مقابل اس پہ اک نفرت بھری نظر ڈال کر چلا گیا تھا۔

"کیا مسئلہ ہے؟" سہام علوی کو یہ آنا "فانا" ہوئی مڈبھیڑ سمجھ نہیں آئی۔

"لعنت بھیجو۔ ایسے کتنے ہی سڑک چھاپ پیچھے پڑے رہتے ہیں۔" ثمر نے شکر ادا کیا کہ زیادہ تماشا نہیں ہوا۔

وہ دونوں ڈنر کر کے نکلے تو ثمر نے آئس کریم اور پان کی فرمائش کر دی۔ ان سب میں اتنا ٹائم لگ گیا کہ جب اس نے ناہید کو فون کر کے پک کرنا چاہا تو انہوں نے اطلاع دی کہ وہ ٹیکسی کر چکی ہیں اور گھر جا رہی ہیں ثمر کو ان سے جان چھٹنے پہ خوشی ہوئی۔ کافی دیر سڑکوں پر آوارہ گردی کر کے ثمر کو اس کے گھر کے باہر ڈراپ کر کے وہ گھر لوٹا۔

✡ ✡ ✡

رات ثمر کی باتوں نے اسے حیران کر دیا کہ وہ جس پارلر سے تیار ہونا چاہ رہی ہے اس کے ریٹس بہت ہائی ہیں تو پیسے وہی ادا کرے۔ وہ جانتا تھا ثمر کے گھر کے مالی حالات کچھ اچھے نا تھے۔ اس نے ہامی بھر لی تھی۔ لگے

ہاتھوں ثمر نے یہ بھی خواہش ظاہر کردی تھی کہ منگنی میں اس کی ماں اور بہنوں کے لیے گولڈ کی کوئی نہ کوئی چیز بھی ہونی چاہیے۔ چھوٹا بھائی غلط صحبت میں بیٹھ رہا ہے تو اسے اپنے آفس میں نوکری پہ رکھ لے۔ وہ جانے اور کیا کیا بول رہی تھی تب ہی اسے کال موصول ہوئی کہ کوئی باسط اس سے ملنا چاہ رہا ہے۔

حیران ہوتے ہوئے اس نے اجازت دے دی تھی اور جب مال والا بندہ سامنے آیا تو وہ اک پل کو دنگ رہ گیا۔ اس نے غصہ کرنا چاہا اسے نکلنے کو کہا مگر باسط نے چند لمحوں میں ثمر کا کچا چٹھا کھول کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ سہام کو پھر بھی یقین نہ آیا تو باسط نے اپنی اور ثمر کی سیلفی دکھائیں۔

''سر یہ ایک نمبر کی دھوکے باز لڑکی ہے صرف لڑکوں کو بے وقوف بناتی ہے۔ آپ کے پاس پیسہ ہے تب ہی شادی کر رہی ہے آپ کو اب بھی میری باتوں پہ یقین نہیں تو میں آپ کے سامنے اسے کال کرتا ہوں' آپ خود سن لیں۔'' باسط نے کہنے کے ساتھ ہی ثمر کو کال ملائی تھی اور چند لمحوں بعد سہام علوی نے جو باتیں سنیں وہ اس کے ہوش اڑا دینے کے لیے کافی تھیں۔ باسط اسے غیرت دلا رہا تھا۔ اکسا رہا تھا اور وہ بھڑک کر سب کچھ کہہ گئی تھی۔

''ہاں میں نے سہام علوی کو پھانسا ہوا ہے اور اس سے شادی بھی کروں گی کیونکہ وہ تمہاری طرح ٹٹ پونجا نہیں ہے۔ تم لاکھ اسے میرے خلاف بھڑکاؤ' جب وہ اپنی ماں کو میرے لیے اگنور کر رہا ہے تو تم کیا چیز ہو۔'' اسپیکر سے آئی ثمر کی آواز اسے عرق ندامت میں ڈبو گئی تھی۔ اس نے باسط سے سیل فون لے کر کال کاٹ دی تھی۔

''سن لیا آپ نے سب... آپ اچھے انسان ہیں۔ میں صرف اسی لیے آپ کا بھلا کرنا چاہ رہا تھا۔ ایسی عورتیں گھر نہیں بساتیں اور ایسی عورت کے لیے اپنی جنت کو نہ ناراض کریں۔'' باسط جانے کیا کیا کہہ کر جا چکا تھا۔ سہام علوی کرسی پہ گرنے کے انداز سے بیٹھ گیا تھا۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔

اس کی نظر نے واقعی دھوکا کھایا تھا۔ اس کی ماں ٹھیک ہی کہتی رہی' لیکن جو اس نے شروع کیا تھا اسے ختم بھی تو کرنا تھا۔ ثمر کو اس کا اصلی چہرہ دکھانے کے لیے اس نے اس سے مل کر فرضی کہانی سنائی تھی۔

''یو نو' گھر میں سب اس شادی سے خوش تھے۔ گزشتہ واقعہ جو میری لاپروائی سے مما کے ساتھ پیش آیا اس پہ پپا غصہ ہو رہے ہیں۔ پاپا کی شرط ہے میں سیمیں سے شادی کرلوں ورنہ وہ مجھے عاق کردیں گے' لیکن میں نے گھر چھوڑنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ میں تمہیں نہیں چھوڑ سکتا۔ اس وقت میرے اکاؤنٹ میں صرف دو لاکھ پڑے ہیں باقی سارے پیسے پپا کے اکاؤنٹ میں ہوتے ہیں۔ جس سے مجھے کچھ نہیں ملے گا۔'' ثمر یہ سب سنتے ہی بدک گئی تھی۔ سہام علوی اسے اپنی جھوٹی کہانی میں رنگا دیکھنا چاہ رہا تھا' مگر جو سچ تھا وہ سامنے آہی گیا۔

''تم پاگل ہوگئے ہو سہام... زندگی فلم تھوڑی ہے جو ہم پہاڑوں میں جاکر بسیں... تم لکڑیاں کاٹ کر لاؤ اور میں آگ پھونک پھونک کر کھانا بناؤں... توبہ...'' ثمر نے جھرجھری لی۔

''زندگی فائیو اسٹار ہوٹل میں عیش کرنے کا نام ہے۔ تم اپنے والدین پہ کیس کرو۔ عدالت جاؤ' وہ کیسے تمہیں کچھ نہیں دیں گے۔ تم اکلوتی اولاد ہو ان کی... اس عمر میں تمہارے ماں باپ سٹھیا گئے ہیں جو اس طرح کی حرکت کر رہے ہیں... سارا کچھ قبر میں لے کر جائیں گے یا اس مسکینی سیمیں کے نام کریں گے۔'' ثمر اپنی تربیت کا علی الاعلان ثبوت دے رہی تھی۔ گالیوں اور فحش زبان میں اپنے پڑھے لکھے ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھی اور وہ چپ کرکے سن رہا تھا۔ اصل میں وہ اپنی آنکھیں کھولنا چاہ رہا تھا۔ جو جانے کیسے کچھ وقت کے لیے بند ہوگئی تھیں۔ صرف اس لیے کہ اس نے اپنے دماغ سے سوچنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ وہی دیکھتا تھا جو ثمر دکھا رہی تھی۔ وہی سنتا تھا جو وہ سناتی تھی۔ اس گھڑی حقیقتاً'' وہ خود کو بے حد بے وقوف گردان رہا تھا۔ جو اک عورت کے ہاتھ الو بن گیا تھا۔ اسے اپنے

تاج کا نگینہ بنانے چلا تھا جو اس کے ماں باپ کو گالیاں' بددعائیں دے رہی تھی اور۔۔۔ اس کا ہاتھ اٹھا تھا اور ثمر کا چہرہ گھوم گیا۔

"یہ تماچا صرف اس لیے کہ تم پھر کسی باسط اور سہام کو ٹریپ نہ کر سکو اور صد شکر میری ماں کی دعاؤں کا جس نے مجھے تم جیسی سطحی عورت سے بچالیا۔" سہام علوی نفرت بھری نظر ڈال کر پلٹ گیا تھا۔ اسے بنا سوچے سمجھے انتخاب کا صلہ مل گیا تھا اور جیسے اس کے ناتواں کندھوں سے اک نادیدہ بوجھ اتر گیا۔

☼ ☼ ☼

گھر آیا تو ناہید اور حماد کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ سیمیں دھیمی مسکان سجائے بیٹھی تھی۔ وہ بھی پرسکون انداز میں بیٹھ گیا۔ یوں لگ رہا تھا عرصہ بعد فیملی کا ساتھ نصیب ہوا ہو۔ وہ جیسے ہلکا پھلکا ہو گیا تھا۔ ورنہ تو ہر وقت تمہاری ماں یہ تمہاری کزن وہ۔۔۔ سن سن کر اس کے کان پک گئے تھے۔ اب وہ پرسکون تھا اسے سمجھ آگئی تھی رشتہ وہی اچھا جس میں سکون ہو۔

"مٹھائی کس خوشی میں کھائی جا رہی ہے؟" میز پہ پڑے مٹھائی کے ڈبے سے گلاب جامن اٹھا کر منہ میں ڈالتے اس نے استفسار کیا۔

"تم آج بھی تراویح میں نہیں تھے؟" حماد صاحب نے سرزنش کرنے والی نظریں اس پہ جمادیں۔

"سوری پاپا! کل سے آپ کو کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" وہ جھٹ کان کی لو چھو گیا۔

"بتائیں نا والدہ محترمہ' مٹھائی کیوں کھلا رہی ہیں۔ جب کہ آپ تو میرے پیا کے منہ سے چینی کا ذرہ بھی نکال لیتی ہیں۔" اس کے بدلے لب و لہجے پہ سب ہی اک پل کو دنگ رہ گئے تھے۔

"میری فرینڈ رفعت نے اپنے بیٹے سفیان کے لیے سیمیں کا رشتہ مانگا ہے۔ تم تو مل چکے ہو۔ سفیان سے۔۔۔ آسٹریلیا میں ڈاکٹر ہے۔ رشتہ بہت اچھا ہے۔ ہم نے بس فارمیلٹی کے لیے سوچنے کا وقت لیا ہے کل انہیں ہاں کردوں گی کال کرکے۔"

ناہید کہہ رہی تھیں اور اس کی نظریں بے ساختہ سیمیں انوار پہ اٹھ گئی تھیں۔ بے ریا چہرے پہ دھیمی مسکان سجی تھی۔ دونوں پیر صوفے پہ مڑے ہوئے تھے۔ دوپٹا سلیقے سے لیا ہوا تھا۔ اس نے آج تک اسے عریاں لباس یا لاپروائی سے دوپٹا لیتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ بے حد حسین تھی مگر اس نے کبھی کوئی گری ہوئی حرکت نہیں کی تھی۔ ناہید اور حماد صاحب سے آج تک اونچی آواز میں اسے بولتے نہیں سنا تھا۔ ان کے کسی فیصلے کے خلاف قدم اٹھاتے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی اسکول' کالج' یونیورسٹی میں کسی لڑکے سے دوستی کرتے نہیں پکڑا تھا۔ بلکہ اس کے نمبر پہ اگر کوئی تنگ کرتا تو وہ حماد صاحب کو فون لا کر دے دیتی تھی کہ چچا جان اسے ذرا ڈانٹ تو لگا دیں تاکہ جان لے کہ کسی فی میل کا نمبر نہیں اور جب حماد صاحب اس اگلے کی خبر لیتے تو بعد میں وہ ان کے جملوں کو دہرا کر کتنا ہنستی تھی۔ یہ وہ بے ریا لڑکی تھی جس کا نام سنتے ہی اس نے فٹ ناں کر دی تھی۔ اور جلدی سے ثمر کو پکڑ کر سامنے کر دیا تھا۔ اور ہاتھ کیا لگا تھا۔ ماں کا دل دکھانے کی کسک۔۔۔ اک سطحی لڑکی سے والدین کو گالیاں سنوانے کا گناہ۔

"کیوں ناہید یہ سہام ثمر کے ساتھ سیمیں کا نکاح بھی رکھ لیں؟" حماد صاحب سب کی رائے چاہ رہے تھے۔ اور سہام علوی مزید چپ نا رہ سکا۔

"میں نے ثمر سے رشتہ توڑ دیا ہے۔ اب کوئی منگنی اور نکاح نہیں ہوگا۔ آپ سب ٹھیک تھے' میں ہی غلط تھا۔ امید ہے میرے غلط انتخاب کی پاداش میں مجھے مزید شرمندہ نہیں کریں گے۔" وہ بدقت بول کر اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ سب تحیر سے اک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ اس کے لہجے کی ٹوٹ پھوٹ نے انہیں حیران کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھوں پہ بازو رکھے نیم دراز تھا جب اس کے پیر پہ کسی کا لمس محسوس ہوا۔ اس نے آنکھوں پر سے بازو ہٹا کر دیکھا۔ وہ ناہید تھیں۔ اس نے پیر سمیٹ لیے

اٹھتے ہوئے بے ساختہ ان کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ ان کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا۔

"ناراض ہیں آپ اپنے بیٹے سے؟" اس کی آنکھیں گلابی ہونے لگی تھیں۔ نظریں ناہید پہ تھیں جو محبت و شفقت سے اسے تک رہی تھیں۔

"کون ماں اپنے جگر گوشے سے ناراض رہی ہے؟ بس چپ ہو گئی تھی۔" وہ پر درد مسکراہٹ سے کہہ رہی تھیں۔ ان کی آنکھیں بھی جھلملانے لگیں۔ سہام علوی کو اپنی ساری بدتمیزیاں یاد آنے لگیں۔

"مجھے معاف کردیں۔" ناہید کو وہ بہت ٹوٹا بکھرا لگا۔

"کردیا میری جان۔" وہ بے ساختہ اس کی پیشانی چوم گئیں۔

"وہ بالکل ویسی ہی نکلی مما جیسا آپ نے کہا تھا۔ آپ اسے پہچان گئی تھیں۔ مگر مجھے پہچاننے میں تھوڑی دیر لگی۔" بنا پوچھے وہ انہیں سب بتا رہا تھا۔

"محبت کرتے تھے اس سے؟" ناہید کو اس کا ملول چہرہ دکھی کر رہا تھا۔

"نہیں۔" لہجہ قطعی تھا۔

"پھر!" ناہید کو اس کا چہرہ دکھ دے رہا تھا۔

"وہ یونیورسٹی فیلو تھی۔ بس ہیلو ہائے تھی۔ یونیورسٹی کے بعد کوئی رابطہ نہیں تھا۔ پھر اک دن مال میں ملی تو گفتگو کا آغاز ہوا۔ اس نے پسندیدگی کا اظہار کیا کہ وہ مجھ میں انٹرسٹڈ ہے' یونیورسٹی کے زمانے سے۔ میں اسے اس اینگل سے نہیں دیکھتا تھا۔ لیکن وہ میرے لیے جینے مرنے کی باتیں کرنے لگی تو میں اس کی باتوں میں آنے لگا۔ جب آپ نے سیمیں سے شادی کی بات کی تو میں نے بلا سوچے سمجھے اس کا نام لے لیا۔ اور پھر جو ہوا وہ سامنے ہے۔" وہ ہولے ہولے پوری سچائی گوش گزار کرنے لگا۔

"سیمیں سے بھاگنے کی وجہ...... اتنی بری لگتی ہے کہ اس سے شادی سے بچنے کے لیے تم نے ایک فضول لڑکی کا انتخاب کرلیا۔" ناہید کو حیرانی ہو رہی تھی۔

"پتا نہیں اسے آپ میری جیلسی کہہ لیں یا تنگ نظری مجھے سیمیں سے ہمیشہ اک عجیب طرح کی چڑ رہی۔ جب سے وہ ہمارے گھر آئی۔ آپ کی محبت ہمیشہ اس کے لیے مجھ سے بڑھ کے محسوس ہوتی رہی اور اسی چڑ میں جب آپ نے اس کا نام لیا تو مجھے غصہ آگیا۔ جس لڑکی سے میں چڑتا تھا اس سے شادی کیسے کرسکتا تھا۔"

"میں تمہیں اتنا بے وقوف نہیں سمجھتی تھی۔ اک بلاوجہ کی چڑ میں تم نے نقصان کا فیصلہ کرلیا۔" ناہید حیرت سے اسے دیکھ رہی تھیں اور وہ کچھ نا بول سکا کہ یہ بے وقوفی تو بہرحال اس سے ہوئی تھی۔

"تم کیسے سوچتے ہو وہ تمہاری محبت میں شریک بن کر آگئی۔ اس تین سالہ بچی کی محرومی کو بھی تو سوچو۔ اسے تو ماں' باپ کا سایہ بھی میسر نا تھا۔ محبت تو بانٹنے کا نام ہے۔ تم اتنے تنگ دل کیسے ہوگئے؟" ناہید اسے الجھن بھری نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ کوئی گرہ تھی جو کھل نہیں رہی تھی۔

"ہم انسان بہت خود غرض ہیں۔ مجھے بیٹی کی شدید خواہش تھی لیکن تمہارے بعد سالوں اللہ نے دوبارہ خوش خبری نہیں دی۔ ڈاکٹر نے مژدہ سنایا کہ اب میں دوبارہ ماں کا مرتبہ نہیں پاسکتی۔ مجھے سیمیں سے بہت محبت تھی۔ بھابھی سے زیادہ میں اسے اپنے پاس رکھتی تھی۔ وہ بھی بھابھی سے زیادہ مجھ سے چمٹی رہتی تھی۔ ضد کرکے میرے ہاتھوں سے کھانا کھاتی۔ بھابھی اکثر کہتی تھیں۔

"ناہید' سیمیں تو مجھے اپنی نہیں تمہاری اولاد لگتی ہے' اور میں ہنس کر کہتی تھی کہ یہ میری ہی اولاد ہے۔ بھابھی' بھائی اور تمہاری دادی کسی رشتے دار کی دعوت پہ جارہے تھے۔ سیمیں سو گئی تھی۔ اسے میں نے روک لیا تھا۔ اور وہ سفر سب کا آخری سفر بن گیا۔ یوں سیمیں کی ذمہ داری مجھ پہ آپڑی۔ تب مجھے اللہ کی حکمت سمجھ آئی۔ کیوں اللہ نے مجھے دوبارہ ماں بننے کی سعادت نہیں دی۔ میری بیٹی کی کمی کو سیمیں نے پورا کیا۔ وہ اتنی اچھی بچی ثابت ہوئی جتنی میں اپنی بیٹی کو دیکھنا چاہتی تھی۔

میں نے اور حماد نے ہمیشہ تم دونوں کی شادی کا خواب دیکھا کیونکہ ہم نہیں چاہتے تھے کہ جس بچی نے بچپن میں یتیمی کا دکھ سہا اسے کسی انجانے لوگوں کے حوالے کریں۔ کبھی سوچا ہی نہیں کہ ہماری فیملی میں کوئی کمی آئے گی۔ لیکن سوچا ہوا پورا کب ہوتا ہے۔ سفیان بہت اچھا لڑکا ہے۔ سیمیں بہت خوش رہے گی اس کے ساتھ۔ ان شاء اللہ!"

وہ پوری توجہ سے ناہید کی باتیں سن رہا تھا آخری جملوں میں سیمیں سے دوری کے خیال سے وہ دکھی ہوگئی تھیں۔ اور ان کے آخری جملے پہ وہ بے چین ہوگیا تھا۔

"آپ اس رشتے سے انکار کردیں۔" وہ ایک دم سے کہہ گیا۔

"کیوں؟"

"سیمیں کو مجھ سے شادی پہ منالیں۔" وہ اک دم سے کہہ گیا تھا۔ ناہید اسے چونک کر دیکھنے لگیں۔

"مجھے اس سے اتنی چڑ نہیں ہے جتنی اس کی آسٹریلیا جانے اور شادی کا سن کر بے چینی ہورہی ہے...... میں گھر میں اس کی موجودگی کا عادی ہوگیا ہوں اور سب سے بڑھ کر مجھے ایسی بیوی چاہیے جو میرے والدین کی پسندیدہ ہو۔ جو ان کی مجھ سے زیادہ عزت کرے۔ لیکن مجھے ڈر لگ رہا ہے کہ وہ انکار کردے گی۔ میں نے اسے بہت ستایا ہے۔ اس نے منہ پہ کہہ دیا ہے کہ وہ مجھ سے شادی کسی قیمت پہ نہیں کرے گی۔" وہ جوش سے بولتے بولتے اک دم سے چپ ہوگیا تھا۔ ناہید پہ وہ بند گرہ کھل گئی تھی۔ وہ دھیمے سے مسکرائیں اور اک دم سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے آئیں۔

حماد صاحب بیڈ سے ٹیک لگائے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ انہوں نے ماں بیٹے کو ہاتھ میں ہاتھ ڈالتے آتے بے حد حیرانی سے دیکھا تھا۔ ناہید اسے بیڈ پہ بٹھا کر لاکر کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ حماد صاحب نے استفہامیہ بھری نظروں سے سہام کو دیکھتے ابرو اچکا کے سوال کیا۔ وہ شانے اچکا کر لاعلمی کا مظاہرہ کرگیا۔ ناہید پلٹیں تو ان کے ہاتھ میں اسکول، کالج کی کچھ نوٹ بکس تھیں جسے بیڈ پہ رکھ کر انہوں نے اس کے صفحے پلٹنا شروع کردیے تھے۔ حماد صاحب بھی دلچسپی سے قریب آگئے تھے۔

"یہ ہے میری بیٹی کی دلی کیفیت۔ جو ایک پاگل لڑکے کا نام نوعمری سے اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر لکھتی رہی ہے۔ کتابوں، کاپیوں میں اس پگلی نے اپنی محبت کو چھپا رکھا ہے برسوں سے۔"

ناہید نے کچھ صفحے کھول کر ان دونوں کے سامنے رکھے تھے۔ وہ سیمیں کے اسکول، کالج کی کچھ نوٹ بکس تھیں۔ جس میں جابجا سیمیں سہام علوی ساتھ ساتھ لکھا ہوا تھا۔ کہیں پینسل سے، کہیں پین سے۔ سہام علوی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

"جو خواب میں نے، تمہارے پپا نے دیکھا وہ یہ پاگل لڑکی بچپن سے دیکھتی آرہی ہے۔ میں اپنی بیٹی کی دلی کیفیت کبھی عیاں نا کرتی جو تمہارا دل نا پڑھ لیتی۔ تم پہ بھی منکشف ہوچکا ہے کہ تم بھی اس کے بنا نہیں رہ سکتے۔" ناہید مسکراتی ہوئی کہہ رہی تھیں اور اسی لمحے سہام علوی کو اپنی بے چینی کا عنوان مل گیا تھا۔

"واہ بھئی! بڑے لکی نکلے تم تو۔ ہمارا نام تو کبھی نا لکھا تمہاری ماں نے۔" حماد صاحب شرارت سے چھیڑ رہے تھے۔ وہ جھینپ سا گیا۔

"لیکن وہ اس کی تھیں۔" وہ تذبذب کا شکار تھا۔

"وہ سب اک انا پرست لڑکی کے الفاظ ہے۔ جو اپنی ذات کے کچلنے پہ نکلے تھے۔ عورت محبت میں مٹنے کو تیار ہوجاتی ہے لیکن جب مرد اس کی انا پروار کرتا ہے تو وہ آہنی بن جاتی ہے۔ سارے جذبوں کو اپنے اندر دفن کرلیتی ہے۔ وہ صرف اپنا بھرم رکھے ہوئے ہے۔ کیا مجھے پتا نہیں وہ کتنی چپ سی ہوگئی ہے۔" ناہید اس پہ حقیقت عیاں کررہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

"مما آپ نے رفعت آنٹی کو ہاں کردی۔ سفیان کے رشتے کے لیے۔ سب سحری کررہے تھے جب

اچانک سے سہام علوی نے پوچھا تھا۔ سیمیں کا منہ کو جاتا نوالہ اک لمحے کو خلا میں رکا تھا۔ اگلے ہی لمحے اس نے نوالہ منہ میں رکھا تھا۔ لیکن اس اک پل کا ٹھٹکنا سہام علوی کے لبوں پہ مسکراہٹ بکھیر گیا تھا۔ جسے اس نے لب دبا کر کنٹرول کیا۔

"نہیں آج کہہ دوں گی۔" ناہید نے چائے پیتے ہوئے معمول کی طرح جواب دیا تھا۔ سیمیں کے چہرے پہ ایک سایہ سا لہرایا تھا۔

"یاد سے کریجئے گا۔ اور ان سے کہیں عید کے فوراً بعد شادی رکھ لیں۔ شادی کے بعد آپ دونوں کو عمرہ کروانے لے جانا چاہتا ہوں۔" اس کے اچانک بولنے پہ سیمیں نے ایک نظر ناہید پہ ڈالی تھی جو پر سوچ تاثرات سجائے بیٹھی تھیں۔

"سیمیں کو بھی لے چلو نا عمرہ پہ!" حماد صاحب نے بھی گفتگو میں حصہ لیا۔

"نہیں بابا اب یہ سیمیں سفیان بن کر اپنے میاں کے ساتھ ہی جائیں گی عمرہ پہ!" آسٹریلیا میں ڈاکٹر ہے اتنا تو کما ہی لیتا ہوگا کہ آپ کی سیمیں کو عمرہ کروا سکے۔" اس کے چڑاتے الفاظ پہ سیمیں نے اس پہ اک غصیلی نظر ڈالی تھی۔

"سیمیں سفیان!" زیر لب دہرا کے وہ کھول کے رہ گئی۔

"میں مر بھی نہیں رہی آپ کے ساتھ عمرہ پہ جانے کے لیے۔" سیمیں تڑخ کر بولی تھی۔ سب سے ہنسی چھپانا مشکل ہو گیا تھا۔ سہام علوی کے قہقہے باہر آنے کو بے تاب ہو گئے۔ مگر وہ پکا سا منہ بنا کر بیٹھا رہا۔

"مرنا بھی مت جانے کے لیے۔ شوہر کے ساتھ ہی زیب دیتا ہے۔" اس کے لبوں پہ پر شرارت مسکراہٹ تھی۔ سیمیں کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔ خود پہ کنٹرول کر کے اس نے شکایتی نظروں سے ناہید کو دیکھا۔

"میری بیٹی اپنے شوہر کے ساتھ ہی جائے گی، تم اس کی فکر میں مت گھلو۔" سیمیں انوار کو یہ یقین دلانے کے لیے کہ وہ اس کے ساتھ ہیں ناہید نے سہام علوی کو ٹکڑا توڑ جواب دیا۔

"جلد سے جلد کریں اس کی شادی ہمارے گھر کی پہلی شادی ہوگی۔ نام تو ہمارا ہوگا۔ میں خود سب بہت اچھا ارینج کروں گا لوگوں کو مدتوں یہ شادی یاد رہے گی اور آپ دونوں کو بھی گلہ نہیں ہوگا کہ آپ کی چہیتی سیمیں کی شادی میں کوئی کمی رہ گئی۔ پھر یہ جانے اور آسٹریلیا والے۔"

نہایت معصوم بن کر اس نے اس کی جان جلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ غضب ناک نظروں سے اس نے سہام علوی کے ہشاش بشاش چہرے کو دیکھا تھا۔ وہ پہلے کی طرح اس کی جان کے پیچھے لگ گیا تھا۔ وہ آج بھی یہ ہی چاہتا تھا وہ جلد سے جلد یہاں سے چلی جائے۔ خود رشتہ ختم ہونے کا سوگ اس نے چند گھنٹے منایا تھا۔ اور اب اس کی شادی کے پیچھے پڑ گیا تھا۔

"آپ کو میری شادی کی اتنی جلدی کیوں پڑی ہے۔ آپ اپنی کر لیں نا کل ہی۔" اس سے مزید برداشت نا ہوا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے، تم جاؤ گی تو میری بیوی آئے گی۔ تم کو بھی تم سے بہت ایشو تھا۔ کزن ہے، تمہیں پسند تو نہیں کرتی۔ تم سے کیا بات کرتی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔ آدھا وقت تو ایسے مطمئن کرنے میں لگ جاتا تھا۔ لیکن اب میں نے سبق سیکھ لیا ہے، تمہارے بعد ہی دوسری لڑکی ڈھونڈوں گا تاکہ میرا جینا تو حرام نا ہو، تمہاری وجہ سے..... بچپن سے تم میرے والدین کی محبت شیئر کر رہی ہو۔ بیوی سے بھی تمہارے نام کا طعنہ سنتا رہوں۔ اب تم اتنی بھی اچھی نہیں ہو۔" وہ نہایت بے مروتی سے اس کے محبت بھرے دل پہ برچھیاں چلا رہا تھا۔ سیمیں سے مزید بیٹھنا دوبھر ہو گیا تو وہ سحری ختم کرتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"توبہ تم دونوں کی لڑائی دیکھ کر تو میری ہنسی نہیں رک رہی تھی۔ ہنسی چھپانے کو چائے پی تو منہ بھی جل گیا۔" حماد صاحب محظوظ ہوتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ سیمیں کے واک آؤٹ پہ تینوں ہنس پڑے تھے۔

"وہ رو پڑے گی اور نا ستاؤ اسے' میری بچی بہت معصوم ہے۔" ناہید' سہام کے پلان پہ چل تو رہی تھیں مگر انہیں سیمیں پہ بھی ترس آ رہا تھا۔

"پلیز مما! محبت کو تھوڑا سا سائیڈ پہ رکھیں۔ آپ اسے مجھ سے بہتر جانتی ہیں اگر ابھی آپ نے یا میں نے اس سے شادی کی بات کی تو وہ ضد میں کبھی نہیں مانے گی۔ مانے گی بھی تو خود ترسی کا شکار ہو کر' آپ کی محبت کا خراج دینے کو..... ہمیں اسے خود احساس دلانا ہے کہ وہ اپنے دل کے ساتھ ناانصافی کر رہی ہے۔" وہ لجاجت سے ناہید کو سمجھا رہا تھا۔ اس کے کہنے پہ ناہید اور حماد صاحب ڈرامہ کرنے کو تیار ہو گئے تھے جس میں سب کو مزا آ رہا تھا۔ سیمیں کا بھڑکنا جتا گیا تھا کہ وہ سہام علوی سے کتنی محبت کرتی ہے۔

"ویسے سوچ رہی ہوں رفعت کو کال کر ہی دوں۔" ناہید نے پرسوچ نظروں سے سہام علوی کو دیکھا۔

"اوہ نو مما!" سہام علوی کا منہ بگڑا۔

"انکار کے لیے۔" ناہید کو اس کی بے چینی اچھی لگی تھی۔ ناہید کے چہرے پہ معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ حماد صاحب کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ وہ جھینپ گیا۔

✡ ✡ ✡

پھر وہی لمبی دوپہریں ہیں' پھر وہی دل کی حالت ہے
باہر کتنا سناٹا ہے اندر کتنی وحشت ہے

دل شکن سوچوں سے بچنے کے لیے نماز و قرآن سے ملی فرصت کے اوقات میں وہ کوئی نا کوئی کام نکال کر بیٹھ رہی تھی۔ مگر کسی کام میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ سحر و افطار کی رونق لیے دن گزر رہے تھے مگر دل میں بے سکونی تھی۔ ناہید نے بتایا تھا۔ رفعت جلدی منگنی کی انگوٹھی پہنانے آ رہی ہیں۔ اور وہ مزید بے کل ہو گئی تھی۔ ستائیسویں کی عبادات میں وہ گڑگڑا کر اللہ سے اپنے دل کے سکون کے لیے دعا کر رہی تھی۔

کوئی اج دا سجدہ لب جاوے
میں ہتھ چاواں رب من جاوے

آج چاند رات متوقع تھی۔ وہ اپنا وارڈروب بکھرے بلا مقصد اسے سیٹ کر رہی تھی۔ وہ صرف خود کو مصروف رکھنے کے جتن کر رہی تھی۔ سہام علوی اس کی شادی کو لے کر جس طرح اٹھتے بیٹھتے پلان کر رہا تھا۔ بار بار سفیان کا نام اس کے نام سے جوڑ رہا تھا اسے سخت اذیت ہو رہی تھی۔ وہ جس کے سپنے دیکھتی آ رہی تھی۔ وہی اس کی شادی جلد سے جلد کروا کر جان چھڑانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا۔ وہ جیولری کا باکس نکال رہی تھی تب ہی اس کے ہاتھ وہ چوڑیاں لگی تھیں۔ ریڈ خوب صورت چوڑیاں' جنہیں دیکھتے ہی اسے خیال آیا تھا کہ سہام پہنائے' ناہید کے اصرار پہ اس نے چوڑیاں رکھ لی تھیں۔ چند لمحے وہ چوڑیوں کو دیکھتی رہی۔ اس کی آنکھوں میں پانی بھر آیا تھا۔

غم لگتا ہے ابھی دل نے تعلق نہیں توڑا
یہ آنکھ تیرے نام پہ بھر آتی ہے اب بھی

اک دم سے ہاتھ میں موجود چوڑیوں کو اٹھا کر اس نے دیوار پہ دے مارنا چاہا تھا۔

"ارے رے!" سہام علوی کی اچانک آواز پہ اس کے ہاتھ ہوا میں معلق رہ گئے۔

"یہ اتنی پیاری چوڑیاں کیوں توڑ رہی ہو۔" وہ اس تک آیا تھا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے اس کے ہاتھ سے چوڑیاں لے لیں۔

"یہ وہی چوڑیاں ہیں نا جو اس دن مال سے لی تھیں۔ اس دن بھی عجیب سے تاثرات تھے چوڑیوں کو لے کر..... راز کیا ہے۔ آئی نو' تمہیں چوڑیاں بہت پسند ہیں' اک بھی چوڑی ٹوٹ جائے تو تم دکھی ہو جاتی ہو۔ لیکن کئی دنوں سے نوٹس کر رہا ہوں تمہاری کلائی سونی ہیں۔" چوڑیوں کو بغور دیکھتے وہ آخر میں اس کی کلائی پہ نظر جمائے رہ گیا' سیمیں تو اسے کمرے میں دیکھ کر ہی حیران ہو گئی تھی کجا کہ اتنا دوستانہ رویہ دیکھ کر اسے بلا کا غصہ آیا تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر چوڑیاں لینا چاہی مگر اس کا ارادہ بھانپ کر سہام علوی نے اپنا ہاتھ دور کر دیا تھا۔

"میری چوڑیاں واپس کریں۔" مقابل بیٹھے سہام

علوی کو گھورتے ہوئے چوڑیوں کے لیے ہاتھ بڑھایا۔
"پہلے میری بات کا جواب دو۔" وہ اڑا ہوا تھا۔
"میرے پاس آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں۔" انداز میں ناگواری تھی۔
"چوڑیاں کیوں توڑ رہی ہو؟" جرح ہوا۔
"میری مرضی!" وہ چڑ گئی۔
"جب توڑنی تھی تو لی کیوں تھی اور حسرت سے کیوں دیکھ رہی تھیں۔" وہ کسی طور اس موضوع سے پیچھے ہٹنے کو تیار نظر نہ آرہا تھا۔ اسے خبر نہیں تھی اس کا اصرار سیمیں کو کتنا درد دے رہا تھا۔ سیمین کی آنکھیں جھلملانے لگی تھیں۔ انا کا پرچم بلند کرتے کرتے وہ اندر سے ٹوٹ گئی تھی۔
"بولو نا؟" وہ کسی بھی لمحے رو پڑتی۔ سہام علوی کو ضبط کرتی اس نازک لڑکی پہ بے حد پیار آنے لگا۔
"کیونکہ اب سے میں آپ کے نام کی چوڑیاں اب کبھی نہیں پہنوں گی کم عمری سے یہ اسٹوپڈ حرکت کرتی آرہی ہوں تب ہی جب اک چوڑی بھی ٹوٹتی تھی تو درد ہوتا تھا۔ لیکن اب سے ساری اسٹوپڈ حرکتیں چھوڑ دی ہیں میں نے۔" فرط جذبات میں وہ وہ سب بھی کہہ گئی جو شاید عام حالات میں کبھی نا کہہ پاتی۔ سہام علوی کے لبوں پہ بڑی جاندار مسکراہٹ پھیل گئی۔
"جان گیا تھا۔ ان چوڑیوں کے قصے میں بھی کہیں نا کہیں میرا ذکر ہی ہوگا۔" وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ سیمیں اک دم سے چپ ہو گئی تھی۔ بے خودی میں نکلے لفظ اسے لب دانتوں تلے دبانے پہ مجبور کر گئے تھے۔
"نکلیں میرے کمرے سے پلیز۔ میں آپ کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی۔" وہ جھنجلائی ہوئی تھی۔
"اب ساری زندگی یہ ہی شکل دیکھنی ہے' عادت ڈال لو۔" وہ اس کے غصے سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔
"میں نے مما سے کہہ دیا ہے ہماری شادی کی تیاری کریں۔"
"میں کبھی آپ سے شادی نہیں کروں گی' ثمر گئی تو آپ کو میرا خیال آگیا۔" وہ غصہ تھی۔ اہانت کے احساس سے سلگ رہی تھی۔ سہام علوی کو اسے مزید تنگ کرنا اچھا نا لگا۔
"سیمیں مجھے کبھی احساس نا ہوا کہ تم میرے لیے کتنی اہم ہو۔ تم سے ہمیشہ چڑتا رہا۔ کیونکہ تم میرے والدین کی محبت میں میری شراکت دار بن کر آگئی تھیں۔ اک عجیب طرح کی چڑ ہوتی تھی۔ تم سے جب مما نے تم سے شادی کا کہا تو ازلی چڑ میں انکار کر دیا۔ ثمر خود میری طرف بڑھی تھی۔ مجھے اس سے محبت ٹائپ کوئی چیز نا تھی۔ ہاں اس سے رشتہ جوڑنے کے خیال سے میں خود بدل رہا تھا ——— اپنوں سے دور ہو رہا تھا۔ مجھ پہ اس کی اصلیت بھی کھل گئی۔ اور میں نے جان لیا کہ شادی اس سے کرنی چاہیے جس کے لیے فیملی اہم ہو' جسے دلوں کو جوڑنا اور مکینوں کے دلوں میں گھر کرنا آتا ہو۔ جو مجھے میری ماں کے خلاف نا بھڑکائے۔ اور جب میں نے سنجیدگی سے سوچا تو مجھے خبر ہوئی کہ میں جو کوالٹی اپنی لائف پارٹنر میں دیکھنا چاہتا تھا وہ تو تم میں پہلے سے موجود تھی۔ اور میں اسے ثمر میں ڈھونڈ تا رہا۔"
"اگر محبت نہیں تھی تو آپ کے لیے "سویٹی" کیوں تھی وہ۔" وہ منہ بگاڑ کر اسے ٹوک گئی۔ اس کے اسٹائل سے وہ ہنس پڑا۔
"بس وہ عادت ہے تو۔۔۔ ورنہ کوئی لوشو کا انٹینس نہیں تھا' صرف لفظ تھے۔" وہ پوزیشن کلیئر کر رہا تھا۔
"آدھی آدھی رات بات ہوتی تھی اس سے؟" وہ بدگمان تھی۔
"صرف اس رات بات ہوئی۔ جب تم سحری کے لیے بلانے آئی تھیں۔ بائی گاڈ۔ وہ بھی اسے کوئی ایشو تھا اور وہ فیور چاہ رہی تھی۔" وہ اسے ہر طرح سے مطمئن کر کے اس کا دل اپنی طرف سے صاف کرنا چاہ رہا تھا۔ وہ کچھ بولی نہیں مگر آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔
"اپنی محبت جب کسی اور کے ساتھ نظر آئے تو کتنا درد ہوتا ہے جانتے ہیں آپ؟" وہ جھلملاتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ سہام علوی کئی لمحے اس کی شفاف

آنکھوں میں تیرتی نمی کو محبت سے دیکھتا رہا۔

"جان گیا ہوں' آشنائی ہوگئی ہے اس درد سے۔ جب مما نے تمہارے رشتے کا بتایا تب ایسا ہی درد محسوس کیا میں نے بھی تب ہی تو اسی رات مما سے کہہ دیا کہ وہ تمہارے رشتے کے لیے منع کردیں۔ اور انہوں نے کر بھی دیا۔ یہ سارا ڈرامہ صرف تمہیں احساس دلانے کے لیے تھا کہ تم غصے میں اپنا نقصان نا کرو۔ مجھے بھی احساس ہوگیا ہے کہ میں تم بن نہیں رہ سکتا۔ ثمر سے جڑنے کے بعد ایک عجیب سی بے سکونی تھی۔ جو اس کے جاتے ہی ختم ہوگئی۔ وہ بے سکونی اسی لیے تھی کہ میں خود کو اپنے جذبوں کو جان نا سکا جو جانے کب سے چڑ کی شکل سے محبت میں بدل گیا۔" وہ منہ کھولے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

"ڈمبلیوی!" وہ ہولے سے مسکرایا تھا۔

"میں' میری فیملی یہ گھر تمہارے بنا نامکمل ہیں ہوسکے تو مجھے معاف کردو۔ میں نے تمہارا دل دکھایا۔" وہ کان کی لو کو چھو گیا تھا۔ یہ اتنا لمبا چوڑا آدمی کان پکڑے بیٹھا تھا۔ اس نے اس کے ہاتھ سے کان چھڑایا۔ اسے ناہید کی مبہم باتیں یاد آرہی تھیں جو انہوں نے صبح ہی اس سے کی تھیں کہ وہ کوئی بھی فیصلہ جذبات میں آکر نا کرے وہ چاہ کر بھی اس گھر کے مکین سے دوری کا فیصلہ نہیں کرسکتی تھی۔ ماں کی گود باپ کی شفقت اور محبت کرنے کا گر اس نے اس گھر کے مکینوں سے سیکھا تھا۔ وہ خاموش سے چوڑیوں کو دیکھنے لگی تھی۔

"اب سے چوڑیاں پہنانے کا کام مجھ پہ چھوڑ دینا۔" سہام علوی بے ساختہ اس کا ہاتھ تھام گیا تھا۔ سیمیں نے اپنا ہاتھ چھڑانا چاہا مگر اس کی گرفت مضبوط تھی۔

"تم نے اپنی ایک اسٹوپڈ حرکت تو بتادی۔ دوسری مجھے پہلے سے پتا ہے۔ اور کون کون سی اسٹوپڈ حرکتیں کرتی رہی ہو۔" وہ شرارت سے مسکراتے ہوئے چوڑیاں پہنا رہا تھا۔ سیمیں کو یہ سب خواب لگ رہا تھا۔ اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت جیسے ختم ہونے لگی تھی۔ اس نے مزاحمت کرکے کلائی چھڑانا چاہی مگر گرفت مضبوط تھی۔

"اسٹوپڈ حرکت؟" وہ متعجب تھی حیران نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"وہی نوٹ بکس پر اپنے نام کے ساتھ میرا نام لکھنا۔" وہ بے حد شریر مسکراہٹ سے اس کے علم میں اضافہ کررہا تھا۔

"جی!" سیمیں کی آنکھیں تحیر سے پھیل گئی تھیں۔

"جی!" اس نے بھی اسی کے انداز میں اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا۔

"آپ کو کیسے؟" اس کی آواز لڑکھڑا گئی۔

"مما نے سنبھال رکھی ہیں اپنی چہیتی بیٹی کی ساری نوٹ بکس۔ انہوں نے ہی دکھائیں۔"

"تو کیا چچی جان کو بھی؟" وہ جیسے پریشان سے کچھ بول نا سکی۔

"جی ان کو بھی۔" وہ بے حد شریر ہو رہا تھا۔ اور اسے اپنی ان گمشدہ نوٹ بکس کا سراغ مل گیا جنہیں وہ کتنا ڈھونڈتی رہی تھی۔ اس ڈر سے کہ کوئی اس کا نام نا دیکھ لے سہام علوی کے ساتھ۔ وہ انہیں تلف کردینا چاہتی تھی مگر وہ پہلے ہی ناہید کے ہاتھ لگ گئی تھیں۔ ناہید سب جانتی ہیں اس خیال سے ہی وہ شرمندہ ہوگئی۔

"یہ سب جان کر ہی تو مما میرے پیچھے پڑی تھیں کہ میں ان کی مہارانی سے شادی کرلوں۔" وہ چڑانے لگا۔

"آپ اپنی پسند سے ہی کریں شادی۔" اس نے جھٹکے سے کلائی چھڑالی۔

"یہ تم اتنی شدت پسند تو کبھی نہیں رہیں۔ اتنا غصہ کیوں کرنے لگی ہو بات بات پہ..... پوری چوڑیاں تو پہنانے دو۔ پکوڑے، سموسے کھا کے موٹی ہوگئی ہو، چوڑیاں بھی پوری نہیں آرہیں۔" وہ دوبارہ ہاتھ تھام کر چوڑیاں پہنانے لگا۔

"کوئی موٹی نہیں ہوئی، چوڑیاں چھوٹی ہیں۔" وہ برا مان گئی۔

"اچھا!" وہ بے حد محظوظ ہوا۔

"لو جی اب تو اپنے نام کی چوڑیاں بھی پہنادیں۔ اب تو شادی کروگی نا مجھ سے۔"

"نہیں میں سفیان سے ہی شادی کروں گی۔ آپ سب نے مل کر مجھے بے وقوف بنایا۔" ہاتھ چھڑا کر چوڑیاں آگے پیچھے کرتی منہ بسور گئی۔ سہام علوی کے چہرے پہ اک دم سے اداسی چھاگئی۔

"اوکے، جیسی تمہاری خوشی، مما نے پہلے ہی کہا ہے وہ تمہارے ساتھ کبھی زبردستی نہیں کریں گی۔ میں مما کو کہہ دیتا ہوں، رفعت آنٹی کو فون کرکے رشتے کی بات کرلیں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"بہتر" وہ اطمینان سے چوڑیوں پہ نظریں جمائے بولی۔ سہام علوی نے بغور اسے دیکھا اور پلٹ کر اس کے کمرے سے نکلنے لگا۔

"سہام!" اس کی پکار بے ساختہ تھی۔ وہ پلٹا لیکن کچھ بولا نہیں۔

"میری دوسری کلائی سونی ہیں، چاند نظر آنے کے بعد چوڑیاں پہنانے لے چلیں گے اپنے نام کی، تب ہاں کروں گی۔" شرمیلی مسکان کے ساتھ فرمائش کررہی تھی۔

"اور جو نا پہناؤں پھر....." اس کے لبوں پہ جاندار مسکراہٹ پھیل گئی۔ جان گیا تھا بدلہ لے رہی ہے۔

"پھر ڈیل کینسل۔" اس نے صاف ہری جھنڈی دکھادی۔

☆ ☆ ☆

"چاند نظر آگیا چلو چلو جلدی اٹھو۔" نیوز چینل پہ اناؤسمنٹ ہوتے ہی وہ اسے اٹھنے کو بولنے لگا۔

"کہاں کی تیاری ہے؟" ناہید کو حیرانی ہوئی۔

"آپ کی چہیتی نے شرط رکھی ہے۔ چوڑیاں پہن کر شادی کے لیے ہاں کرے گی۔" اس کے منہ پھٹ انداز پہ وہ رج کے شرمندہ ہوئی ناہید نے آسودگی سے اس کی کلائی میں سجی چوڑیوں کو دیکھا۔ اور مسکرادیں۔

"ہاں تو..... حکم کی تعمیل ہو۔" حماد صاحب نے بھی عندیہ دے دیا تو وہ مارے شرمندگی کے سر تک نا اٹھا سکی۔ سہام علوی سے اس بے باکی کی امید نا تھی کہ وہ سب کے سامنے بھانڈا پھوڑ دے گا۔

"اب شرماتے رہنے کا پلان ہے یا اٹھوگی بھی؟" وہ سر پہ سوار تھا۔

"جاؤ بھئی جاؤ، ہماری آنکھیں اور کان بند ہیں۔" ناہید نے چٹکلا چھوڑا تو وہ بلش کرگئی۔

"بہت شکریہ میری جان! تم مان گئیں۔" ناہید نے بے ساختہ اسے ساتھ لپٹا لیا۔

"آپ اور چچا جان کی محبت میں، میں سہام علوی پہ سات خون معاف کرسکتی ہوں چچی جان۔ پھر یہ تو اس کی چھوٹی سی بے وقوفی تھی۔ اس فیملی سے الگ میری کوئی دنیا نہیں ہے لیکن آپ سب نے مجھے الو بنایا۔" وہ محبت کا اظہار کرتے کرتے نروٹھی ہوگئی۔

"یہ سب اس بدمعاش کا پلان تھا۔" ناہید نے خود کو صاف بچایا۔ اور اسے ساتھ بھینچ گئیں۔

"آئیں بابا ہم دونوں بھی گلے مل کر محبت جتالیں۔" سہام علوی سے زیادہ دیر چپ رہنا ممکن نہیں تھا۔

"آؤ پتر، سو بسم اللہ!" حماد صاحب نے بانہیں وا کردی تھیں۔ سب کے لبوں پہ ہنسی مچل گئی۔

☆ ☆

راشدہ رفعت
قصہ کاکروچ کا
KHALID MUNEER

محبت کی شروعات ایک لال بیگ مارنے سے ہوئی تھی۔ بڑی خالہ کی منجھلی بیٹی کی شادی تھی۔ مایوں کی تقریب کے بعد چھوٹے بہن بھائی امی کے ساتھ گھر واپس چلے گئے صنوبر کو خالہ زاد بہنوں نے رات وہیں روک لیا۔ رات گئے تک لڑکیوں کی محفل جمی تھی۔ خالہ کے چند سسرالی رشتہ دار بھی شادی میں شرکت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ لڑکیوں کی باتوں کا اسٹاک ختم ہوا تو انہیں بھوک لگنے لگی۔ رات کے اس پہر ہم جولیوں کی پیٹ پوجا کا انتظام کرنے کی ذمہ داری صنوبر نے اٹھائی۔ اسے باورچی خانے میں گھسے چند سیکنڈ ہی ہوئے تھے کہ ایک انتہائی خوف ناک شکل والے بڑے سے لال بیگ سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔

ہلکی سی چیخ اس کے لبوں سے برآمد ہوئی۔ خاور جو خالہ کی نند کا بیٹا تھا اتفاق سے چائے کی طلب اسے بھی کچن میں لے آئی تھی۔ صنوبر کی چیخ پر اس کے کچن کی طرف بڑھتے قدم رکے۔ اگلے ہی پل اس نے حیران ہو کر اندر جھانکا۔ چمپئی رنگت والی وہ من موہنی سی دوشیزہ آنکھوں میں بے پناہ ہراس لیے فرش پر کسی نادیدہ مخلوق کو تک رہی تھی۔

"کیا ہوا خیریت؟" خاور پوچھے بنا نہ رہ پایا۔

"وہ ادھر اس کونے میں گھس گیا ہے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی تھی۔

"کون کوئی چوہا وغیرہ۔" خاور یہ ہی اندازہ لگا پایا۔

"نہیں کاکروچ ہے۔ وہ جو باسی روٹی کے ٹکڑوں والا ڈبا ہے نا اس کے پیچھے جا کر چھپ گیا ہے۔ اتنا بڑا کاکروچ میں نے زندگی میں پہلی بار دیکھا ہے۔" عام حالات میں صنوبر اجنبیوں سے یوں بے تکلف نہیں ہوتی تھی لیکن حالت خوف میں یہ دو فقرے اس کے منہ سے نکل گئے۔ خاور نے ڈبے کو تھوڑا سا کھسکایا۔ لال بیگ اس کے پیچھے سے پھر نمودار ہوا۔ خاور نے اسے سلیپر سے کچل دیا۔ صنوبر جو ابھی تک فق چہرے کے ساتھ ساری کاروائی دیکھ رہی تھی اب اس کی جان میں جان آئی۔

"بہت شکریہ آپ کا۔ میں اس کی موجودگی میں کچن میں کام نہیں کر سکتی تھی۔" اس نے سادہ سے انداز میں خاور کا شکریہ ادا کیا۔ وہ فقط مسکرا کر رہ گیا۔ طلب کے باوجود چائے بنانے کا ارادہ ترک کر دیا اور واپس کمرے کی طرف پلٹ گیا۔

پہلے نیند نہ آنے کی وجہ یہ تھی کہ اسے اپنے کمرے اور اپنے بیڈ کے سوا کہیں سکون نہ ملتا تھا۔ اب ماں کے ساتھ ماموں زاد بہن کی شادی میں شرکت کے لیے آ تو گیا تھا لیکن پہلی ہی رات بہت بے چینی محسوس کر رہا تھا۔ اس بے چینی کا خاتمہ کرنے کی غرض سے ہی کچن میں گیا تھا سوچا تھا اگر چائے کا سامان آسانی سے دستیاب ہو گیا تو ایک کپ اسٹرانگ سی چائے بنا کر پی لے گا لیکن وہاں وہ من موہنی صورت والی لڑکی مل گئی۔ جانے کیوں باقی رات سوتے' جاگتے وہ ہی چہرہ اس کے تصور میں رہا۔ اگلے روز اس کے علم میں آ گیا کہ وہ عابدہ ممانی کی سگی بھانجی ہے اور اس کا گھر بھی اسی شہر میں ہے۔

شادی کے تمام فنکشنز میں وہ آگے آگے تھی اور خاور کوشش کے باوجود اس پر سے نگاہیں نہ ہٹا پاتا تھا۔ صنوبر کو بھی جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ یہ خوبرو سا شخص سب لڑکیوں کو چھوڑ کر صرف اسی کو تکنے میں مشغول رہتا ہے۔ وہ نظر باز تھا نہ چھچھورا' نہ ہی دوسرے لڑکوں کے برعکس لڑکیوں سے بے تکلف ہونے کی کوشش کرتا تھا۔ صنوبر جو شروع میں یوں تکے جانے پر قدرے خائف ہوئی تھی اب وہ کیفیت ختم ہو گئی بلکہ جب دونوں کی نگاہیں ملتیں تو صنوبر کے لبوں پر بھی جھینپی ہوئی مسکراہٹ پھیل جاتی۔

نرگس آپی کی شادی کے فنکشن ختم ہوئے۔ خاور ماں کے ساتھ واپس اپنے شہر لوٹ گیا۔ صنوبر بھی خالہ کے گھر سے واپس اپنے گھر لوٹ آئی۔ خاور کی پرشوق نگاہیں اسے بھلائے نہ بھولتیں۔ کوئی تعلق تھا نہ رابطہ لیکن دل الگ ہی لے پر دھڑکنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈیڑھ مہینے بعد کی بات تھی عابدہ خالہ اور سبحان خالو

امی ' ابا کے پاس آئے۔ سبحان خالو کی بہن یعنی خاور کی ماں صنوبر کا رشتہ لانا چاہ رہی تھیں اور خالہ ' خالو اسی معاملے میں امی ' ابو کا عندیہ لینے آئے تھے اگر امی ' ابا راضی ہوتے تب ہی خاور کی والدہ باقاعدہ رشتہ لے کر آتیں۔

عابدہ خالہ نے شوہر کے سامنے تو کھل کر بات نہ کی لیکن اکیلے میں امی کے سامنے اس رشتے پر اپنے تحفظات کا کھل کر اظہار کیا۔

''خاور بلاشبہ بہت اچھا لڑکا ہے سائرہ لیکن اس کی ماں نے ساری عمر میری زندگی کیسے اجیرن کیے رکھی یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔ بیٹیاں بھی ماں کا پرتو ہیں جو بھی لڑکی بہو بن کر اس گھر میں جائے گی یہ ماں بیٹیاں اس کی زندگی اجیرن کر دیں گی۔ خاور کی خوبیاں ایک طرف اور اس کی ماں بہنوں کی تیزی طراری دوسری طرف۔ تصویر کے دونوں رخ تمہیں دکھا دیے۔ فیصلہ تو ظاہر ہے تم نے اور توفیق نے ہی کرنا ہے۔''

عابدہ خالہ نے امی کو تذبذب میں مبتلا کر دیا۔ خاور کی خوبیوں پر نظر ڈالتیں تو انکار کرنے کو جی نہ مانتا۔ وہ شریف النفس ' خوبرو ' پڑھا لکھا اور برسرروزگار نوجوان تھا اس کی ماں کا مزاج ذہن میں لاتیں تو اقرار کرنے کی ہمت نہ پڑتی۔ ماں کا تذبذب صنوبر کی گھبراہٹ میں اضافہ کر رہا تھا اس کا بس چلتا تو ماں کے منہ سے فوراً'' اقرار کروا لیتی۔ بہت سوچنے کے بعد امی ' ابا نے خالہ ' خالو کو مثبت عندیہ دے ہی دیا انہیں صنوبر کے بعد تین بیٹیاں اور بیاہنی تھیں۔

خاور کی ماں کے مزاج کا اندازہ تھا لیکن اگر بیٹی کا رشتہ انجان جگہ پر جوڑتے تھے گارنٹی تو وہاں کی بھی نہ ہوتی یہاں کم از کم خاور کے بارے میں تو اطمینان تھا۔

گرین سگنل ملنے کے بعد خاور کی ماں رشتہ ڈالنے آ گئیں بلکہ ان لوگوں کے اقرار کا علم تو ہو ہی چکا تھا سو انہوں نے ڈائریکٹ شادی کی تاریخ مانگی۔

صنوبر کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ بانکا سجیلا شخص کیسے اچانک دل کا مکین بنا تھا اور اب یوں جھٹ پٹ جیون ساتھی بننے جا رہا تھا' اسے اپنی خوش قسمتی پر یقین ہی نہ آتا تھا۔ تین ماہ کے اندر وہ پیا دیس سدھار گئی تھی۔ سہاگ رات خاور نے جب اسے اپنی محبت کی داستان سنانی شروع کی تو آغاز اسی رات سے ہوا جب ایک لال بیگ کے خوف سے وہ عابدہ خالہ کے کچن میں سہم کر دیوار سے لگی ہوئی تھی۔

''اصل میں تو وہ ہی کاکروچ ہمارے ملن کا سبب بنا صنوبر تم خوف زدہ نگاہوں سے اس لال بیگ کو تک رہی تھیں اور اس روپ میں تم سیدھا میرے دل میں اتر گئیں۔'' صنوبر کی کلائی میں کنگن پہناتے ہوئے خاور نے پیار بھری سرگوشی کی۔ صنوبر کے چہرے پر گلال بکھر گیا۔

☆ ☆ ☆

خاور کے سنگ زندگی کی شروعات بے حد حسین تھی۔ وہ بہت محبت کرنے والا شوہر تھا لیکن آہستہ آہستہ صنوبر کو اندازہ ہوا کہ سسرال میں خوش گوار زندگی گزارنے کے لیے ' صرف شوہر کی بند کمرے والی محبت کافی نہیں ہوتی۔ بیوی ' شوہر کی عزت ہوتی ہے لیکن یہ عزت اس کے گھر والوں کے ہاتھوں مسلسل بے عزتی برداشت کرے تو شوہر کی محبت پر سے بھی بیوی کا ایمان اٹھ جاتا ہے۔

خاور کی ماں بہنیں نہ صرف تیز طرار تھیں بلکہ انتہائی جھگڑالو بدزبان اور بدمزاج بھی تھیں۔ شادی کے دس دن بعد ہی انہوں نے صنوبر کو اس کی ''اوقات'' پر رکھ کر اپنی اوقات بتا دی تھی انہیں بہو کی نہیں بلکہ اپنے گھر کے لیے ایک ملازمہ کی ضرورت تھی۔ اتنی بدزبانی تو شاید کوئی ملازمہ بھی برداشت نہ کرے اسے کام کے لیے گھروں کی کمی تھوڑی ہوتی ہے۔ جبکہ ماں باپ کا گھر چھوڑنے کے بعد شوہر کے گھر میں آباد رہنا بیاہتا عورت کی مجبوری ہوتی ہے۔ صنوبر بھی مجبور تھی۔

گھر میں تین کنواری بہنیں بیٹھی تھیں وہ سسرال والوں کا ظلم و ستم لب سیئے برداشت کیے جا رہی تھی۔ زیادہ دکھ اسے ساس ' نندوں کے رویے سے زیادہ شوہر

کی بزدلی پر ہوتا۔ وہ بند کمرے میں اس سے تسلی کے دو بول تو بول لیتا لیکن کبھی ماں بہنوں کو ان کے رویے پر ٹوکنے کی ہمت نہ کرتا پہلے پہل صنوبر شوہر کے سامنے دل کے دکھڑے رو لیتی تھی لیکن جب اسے جواب میں فقط تسلی کے دو بول ہی سننے کو ملے تو اس نے یہ دکھڑے رونا چھوڑ دیے اور دکھڑے رونے سے حاصل بھی کیا تھا اس کا شوہر اس پر ہونے والی زیادتیوں سے لاعلم تو نہ تھا سب کچھ جانتے بوجھتے بھی جب وہ اپنے لب سیئے رکھتا تو صنوبر کو اس کے سامنے لب کھول کر کیا ملتا۔ وہ شوہر تو تھا مگر اس کی ڈھال نہ بن سکا۔

عابدہ خالہ کی وہ باتیں جو انہوں نے رشتہ طے ہونے سے پہلے امی کو سمجھائی تھیں اب صنوبر کو شدت سے یاد آتیں اس وقت اس نے خالہ کی باتوں کو کوئی اہمیت ہی نہ دی تھی اور اللہ سے دعا کرتی تھی کہ ماں بھی ان باتوں سے خائف ہو کر رشتے سے انکار نہ کر دیں۔ اب اپنی اس وقت کی جذباتیت یاد آتی تو آنکھوں میں آنسو بھر آتے۔

زندگی ہر گزرتے دن کے ساتھ مشکل ہوتی جا رہی تھی۔ سارا دن کولہو کے بیل کی طرح لگنے کے باوجود ساس نندوں کے مزاج نہ ملتے۔ ہر وقت کے طعنے تشنے اس کا جگر چھلنی کیے رکھتے چمپئی رنگت والی صنوبر اب پہچان میں نہ آتی تھی۔ کمزور وجود' آنکھوں کے گرد حلقے' بے رونق جلد' ابتر حلیہ اور جنہوں نے مل کر اسے اس حال میں پہنچایا تھا وہ ہی اس کے حلیے کا سب سے زیادہ مذاق اڑاتے۔

٭ ٭ ٭

وہ بھی ایسا ہی دن تھا۔ صنوبر صبح سے کاموں میں جتی ہوئی تھی گھر کی صفائی کے بعد واشنگ مشین لگائی۔ کپڑوں کا ڈھیر دھو کر فارغ بھی نہ ہوئی تھی کہ دونوں شادی شدہ نندیں آن پہنچیں۔ اب ان کے لیے پر تکلف کھانے کا انتظام کرنا تھا۔ وہ کچن میں مصروف تھی کہ چھوٹی نند پانی پینے کچن میں آئی۔ آتے کے ساتھ ہی اس نے زوردار چیخ ماری تھی۔ خاور بھی وہیں سے گزر رہا تھا بہن کی چیخ پر کچن میں داخل ہوا۔

"کیا ہوا کیوں چیخیں۔" اس نے استفسار کیا۔ صنوبر نے بھی پیاز کاٹتے کاٹتے گردن اٹھا کر نند کو دیکھا۔

"وہ ادھر اس کونے میں بڑا سا لال بیگ بیٹھا ہے۔" نند نے بھائی کو آگاہ کیا۔

"ایک تو تم لڑکیاں بھی نا' کہاں ہے بتاؤ۔" خاور مزید آگے آیا' جانتا تھا یہ ڈیوٹی اسی کو انجام دینی ہے اسی لمحے صنوبر کی نگاہ بھی لال بیگ پر پڑ گئی تھی اس نے خاور کے آگے بڑھنے سے پہلے ہی پاؤں میں سے چپل اتاری اور لال بیگ کا نشانہ لیا۔ نشانہ ذرا سا چوکا لال بیگ چکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ چھوٹی نند نے ایک اور چیخ ماری صنوبر نے اس بار چپل ہاتھ میں پکڑ کر لال بیگ کا کچومر ہی نکل ڈالا۔

"بس کرو بھابھی مر تو گیا ہے۔" وہ کچومر نکلنے کے باوجود لال بیگ پر چپل برسائے جا رہی تھی جب نند نے اسے ٹوکا صنوبر ہاتھ دھو کر پھر پیاز کاٹنے بیٹھ گئی۔ خاور جانے کیوں اب تک وہاں کھڑا تھا۔

"ویسے بڑی بہادر ہو تم لال بیگ سے ڈر نہیں لگتا تمہیں؟" نند نے حیرت سے استفسار کیا۔

"ڈر کیسا' مجھے تو نفرت ہے لال بیگ سے۔ جی چاہتا ہے کرہ ارض سے اس کی نسل مٹا دوں۔" تاثرات سے عاری لہجے میں اس نے جواب دیا تھا۔ نند تمسخرانہ ہنسی ہنس کر چلی گئی۔ خاور چند لمحوں تک بے حس و حرکت کھڑا رہا۔

صنوبر پیاز کاٹتی رہی۔ اس نے گردن اٹھا کر شوہر کی سمت دیکھا تک نہیں۔ وہ چپ چاپ واپس پلٹ گیا۔

٭ ٭ ٭

کھانے کے بعد اس کی بیاہی بہنوں کے بچے اس سے فرمائش کرنے لگے کہ وہ انہیں گھمانے پھرانے پارک میں لے جائے۔

"آج تو میں نے صنوبر کو اس کے گھر والوں سے ملانے جانا ہے یہ سیر سپاٹے کا پروگرام بعد پر اٹھا رکھو۔" خاور کا جواب اتنا غیر متوقع تھا کہ ماں بہنوں

کے منہ کھلے سو کھلے دستر خوان پر سے برتن سمیٹتی صنوبر کے ہاتھ بھی ساکت ہو گئے تھے۔ چند لمحوں بعد خاور کی ماں نے حیرانی پر قابو پاتے ہوئے گرجنا برسنا شروع کر دیا تھا۔ خاور کو تو جورو کا غلام اور زن مرید کا ٹائٹل ہی ملا تھا مغلظات کا اصل رخ صنوبر کی طرف تھا۔

"بس کرو اماں، بہو ہے تمہاری گھر میں ہر وقت کی چخ چخ میں برداشت نہیں کر سکتا۔ تم لوگوں کے ان رویوں کی وجہ سے میں بیوی کو لے کر الگ ہو گیا نا تو پھر بیٹھے ہاتھ ملتے رہنا۔ اکلوتے کماؤ بیٹے کا بھی لحاظ نہیں تم لوگوں کو۔ میرے سامنے میری بیوی کو ذلیل کیے جاتے ہو، بہت عرصے سے برداشت کر رہا تھا میں لیکن اب اور نہیں۔" خاور کا لہجہ دوٹوک تھا اس بار سب کو صحیح معنوں میں سانپ سونگھا تھا اماں کی سٹی گم ہو گئی وہ ٹکر ٹکر بیٹے کی شکل دیکھنے لگیں۔

"اٹھو صنوبر دستر خوان شازی، نازی سمیٹ لیں گی میکے کا چکر لگانا ہے تو فٹافٹ تیار ہو جاؤ اور تیار ہونے میں گھنٹہ مت لگا دینا۔ اتنا فالتو وقت نہیں ہے میرے پاس۔" بیوی سے بات کرتے ہوئے بھی لہجہ کھردرا ہی تھا لیکن صنوبر کو لہجے کے کھردرے پن سے کوئی سروکار ہی نہ تھا۔

وہ بے یقینی سے شوہر کو تک رہی تھی۔

"فارسی بول رہا ہوں کیا۔ جاؤ کمرے میں۔ تیار ہو جاؤ فوراً"۔" خاور اس بار ڈپٹ کر بولا۔ صنوبر برتن یونہی چھوڑ چھاڑ کر جلدی سے سر ہلاتی کمرے میں گھس گئی۔

فٹافٹ کپڑے استری کر کے بدلے ہلکا سا میک اپ کر کے بال بنائے، آنکھیں مسلسل برس رہی تھیں خاور کمرے میں آیا تو وہ الماری سے عبایا نکال کر پہن رہی تھی آنکھوں کا فرش اب بھی گیلا ہی تھا خاور کو دیکھ کر آنسو مزید تیزی سے بہہ نکلے۔ وہ مسکراتے ہوئے اس کے قریب آیا۔ اس کے شانوں کے گرد بازو پھیلا کر اسے قریب کیا۔ وہ شوہر کے شانے سے سر ٹکا کر مزید زور و شور سے رونے لگی۔

"آئندہ اس گھر میں تمہیں تمہارا جائز مقام ملے گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے لیکن ایک وعدہ تمہیں بھی مجھ سے کرنا پڑے گا۔" خاور کے کہنے پر صنوبر نے گردن اوپر کر کے ناسمجھی سے اسے تکا۔ شاید وہ یہ وعدہ لینا چاہ رہا تھا کہ بدلے میں صنوبر بھی ساس نندوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھے اور شوہر کی شہ پا کر ان کے ساتھ غلط رویہ اختیار نہیں کرے گی۔ صنوبر کو یہ وعدہ کرنے میں کوئی تامل نہ تھا ویسے بھی شوہر کا ساتھ پا کر اس کے دل سے ساس، نندوں کے خلاف ساری کدورتیں مٹ چکی تھیں۔

"میں وعدہ کرتی ہوں خاور میں بھی کبھی آپ کو شکایت کا موقع نہ دوں گی اماں کی پہلے سے بڑھ کر خدمت کروں گی گھر کے کام بھی......"

"ہائیں یہ گھر کے کام اور اماں بیچ میں کہاں سے آ گئیں۔" خاور نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

"پھر کیسا وعدہ؟" صنوبر کی آنکھوں میں بھی استعجاب در آیا۔

"وعدہ کرو کہ آئندہ جب بھی لال بیگ کو دیکھو گی تو اسے مارنے کے بجائے صرف چیخ ہی مارو گی تمہیں لال بیگ سے ڈرنا ہے۔ کبھی اس سے نفرت نہیں کرنی اور اس کا کچومر تو بالکل نہیں نکالنا۔" وہ انوکھا وعدہ لے رہا تھا۔ صنوبر روتے روتے ہنسی اور پھر دوبارہ روتے ہوئے خاور سے لپٹ گئی۔ خاور کے لبوں پر طمانیت بھری مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔ اس نے بیوی کو بانہوں میں سمیٹ لیا تھا۔

☆ ☆

سرورق کی شخصیت

ماڈل .... رانیا خان

میک اپ .... روز بیوٹی پارلر

فوٹو گرافی .... موسیٰ رضا

منشامحسن علی

یہ سب چیزیں انہیں قریب لے آئی تھیں اور وہ دوستی کے رشتے میں بندھ گئے تھے۔ اب اکثر ایک ساتھ نظر آنے لگے تھے۔ کینٹین میں چائے کے سپ لیتے ہوئے وہ مسکرا کر گزرے وقت کو یاد کرتے تھے۔

''ایک بات تو تمہیں ماننا ہی ہوگی بیلا۔''

''کون سی بات؟'' وہ ٹشو پیپر سے کپ کی گیلی سطح صاف کرتی اچنبھے سے اسے دیکھتی تھی۔

''یہی کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو غلط سمجھا اور اس سب میں ہم دونوں برابر کے قصوروار رہے۔''

''ہاں' منعم... ایسا ہی تھا ہمارے ایشوز' اختلاف' سب پانی کا بلبلا تھے۔ ہم نے واقعی ایک دوسرے کو غلط سمجھا۔ یہ بات غلط ہے کہ جب کہہ دیے جانے والے الفاظ کو یاد رکھا جاتا ہے۔ بہت کچھ بھولنے کے لیے ہی ہوتا ہے۔''

''اور کسی کو جاننے کے لیے ایک لمحہ کافی نہیں ہوتا۔''

''یقیناً'' نہیں ہوتا اور انسان کو جاننے کے لیے تو بالکل بھی نہیں۔ انسانوں کی سمجھ کئی صدیوں بعد آتی ہے۔''

''تمہیں یاد ہے' جب تم نے غصے میں آکر میرا شیفو پین توڑ دیا تھا۔''

''مجھے یہ بھی یاد ہے کہ جب میں نے کلپ بورڈ تمہارے سر میں دے مارا تھا۔ اور سر عارف نے ہمیں وارننگ دی تھی۔''

''ہاہا... تم گاؤں کی جنگلی بلی ہو۔ میں تمہارے ہاتھوں کافی ذلیل ہو چکا ہوں۔''

''پتا ہے منعم... مجھے تمہاری وہ بات آج تک نہیں بھولی۔''

''کون سی بات؟'' وہ حیران ہوا تھا۔

''جب تم نے منٹو ہال میں مجھے کہا تھا کہ میں نے تم سے تمہاری جیت کا' تمہارے فخر کا لمحہ تم سے چھین لیا۔''

''لیو اٹ بیلا... کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ ہمارے وجود کا عکس دوسرے ہمیں دکھاتے ہیں۔ ہمارا آئینہ ہوتے ہیں۔ تم بھی میرا آئینہ ہو گئیں۔'' وہ کھوئے کھوئے لہجے میں کینٹین کی ونڈو سے نظر آتے فائن آرٹس والوں کے ایزل دیکھ رہا تھا۔

''کیا میں یہ سمجھوں کہ تم ڈائیلاگز بول رہے ہو؟'' سپ لیتے ہوئے اس نے دلچسپ نظروں سے منعم کو دیکھا تھا۔

''جی نہیں... اٹس ریئل...'' وہ برا مان گیا تھا۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

''بل کون پے کرے گا؟''

''تم پے کردو' میں والٹ گھر بھول آیا ہوں۔'' وہ جینز میں ہاتھ ڈالے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دراز قامت سادہ شاندار لڑکا تھا۔

''کسی دن خود کو ہی نہ بھول آنا۔'' وہ ہنستی ہوئی بیگ سے پیسے نکال رہی تھی۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔

''خود کو تو بھول ہی گیا ہوں۔''

''تم نے کچھ کہا؟'' وہ استفسار کر رہی تھی۔

''نہیں... میں نے کچھ نہیں کہا۔'' وہ صاف مکر گیا

ناولٹ
پانچویں قسط

تھا۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا۔ وہ دونوں ایک ساتھ باتیں کرتے باہر آنے لگے تھے۔ سیڑھیوں پر روشی کھڑی تھی۔

"بیلا میں نے مکمل کرلیا۔"

"اوہ رئیلی... روشی... مجھے یقین نہیں آرہا۔" بیلا نے اس کے ہاتھ سے کاغذ لے کر دیکھے۔ عنوان پر نظر پڑی تو اسے گھورا۔

"یہ کیا ہے؟"

"افسانہ ہے... چار بونے اور کالا جن۔" روشی نے فخر سے مطلع کیا تھا۔

"میں ایسا خوف ناک افسانہ ہرگز نہیں لگاؤں گی۔ خدا کا خوف کرو روشی... یہ یونی ورسٹی کا ادبی میگزین ہے ماہنامہ "ڈر" ڈائجسٹ نہیں۔"

"تم نے میری سچی کہانی بھی ریجیکٹ کردی تھی۔" روشی نے منہ بسور کر اسے یاد دلایا تھا۔

"وہ تم نے اصل ناموں کے ساتھ ہی یونی کے لڑکے' لڑکیوں کے فلرٹس پر مشتمل دیباچہ لکھا تھا۔ جسے پڑھ کر میگزین ہی ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا تھا۔"

"روشی... تم پوئٹری ٹرائی کرو۔ میں پوئٹری سیکشن میں جگہ دوں گا۔" منعم نے روشی کے سامنے تجویز رکھی تھی۔

"ہائے سچی... میں ضرور ٹرائی کروں گی۔" روشی خوشی سے بے حال ہوئی تھی۔ بیلا نے منعم کا رجسٹر اسے تھماتے ہوئے کہا تھا۔

"ڈیر ایڈیٹر... ٹوٹ بٹوٹ جیسا شاہکار سلیکٹ کرنے کے لیے ریڈی رہنا۔"

☆ ☆ ☆

چھاجوں چھاج بارش برس رہی ہے۔ یونی ورسٹی کی ساری مخلوق سیڑھیوں پر بیٹھی بھیگ رہی ہے۔ عمارت کے وسط میں لگا نیشنل فلیگ بھیگا کھڑا ہے۔ گیندے کے پھول سر جھکائے کھڑے ہیں۔ بھاپ اڑاتی کشمیری چائے اور سموسوں کی خوشبو گھوم رہی ہے۔ وہ دونوں آمنے سامنے الگ الگ پلروں کے ساتھ لگے کھڑے ہیں۔ بیلا ہتھیلی پر بارش کی بوندیں جمع کررہی ہے۔

"تمہیں بارش کیسی لگتی ہے؟" بیلا نے گہری سانس لے کر آنکھیں بند کیں اور سوال کیا تھا۔

"اچھی لگتی ہے۔ بارش کسے بری لگ سکتی ہے؟" وہ رسٹ واچ کے چمکتے ہوئے ڈائل کو دیکھ رہا تھا۔

"پتا ہے مجھے بارش بہت پسند ہے۔ جب بھی ہمارے گاؤں میں بارش ہوتی ہے' دھول بیٹھ جاتی ہے۔ درخت' پرندے' پھول سب دھل سا جاتا ہے۔ میں اور جیدی ابا کے سر ہو جاتے ہیں کہ ہمیں پینگ (جھولا) باندھ کردیں۔ پھر ہم پینگ پر اونچے اونچے آسمانوں سے باتیں کرتے جھونٹے لیتے ہیں۔ اماں سے سوجی کے حلوے کی فرمائش کرتے ہیں۔ کنک کے کھیتوں پر برستی بارش مجھے کبھی نہیں بھولتی۔ چنبیلی کے گجرے بناتے ہیں۔ گلاب کے کنگن بھی بنائے جاتے ہیں۔ کھیتوں کے نالوں پر کونجوں' بگلوں اور چڑیوں کے جھنڈ بیٹھے نظر آتے ہیں۔ قوس' قزح کے رنگ تو ہم سارے ملک فیروزی حویلی کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھتے ہیں۔ رنگ تو قریب سے ہی اچھے لگتے ہیں۔" منعم علی نے اس کی بند آنکھوں کی گھنی پلکوں پر قوس قزح کے رنگ ایک ایک کرکے اترتے دیکھے۔

"جس دن بارش ہوتی ہے مراں سیانی گھڑے پر چاندی کا چھلا بجاتے ہوئے "ساون آیا تے پردیسی دیس نوں آیا" گاتی ہیں اور ہم سب ان کی آواز کے سحر میں جکڑ جاتے ہیں۔" منعم علی نے چاروں قطبین سے سحر کے ہالے اڑتے دیکھے۔ "اگر بارش رات کو ہو تو چاند کی چاندنی کے ساتھ صحن میں گرتی ہے۔ اس روشنی میں داستانیں بھی پڑھی جاسکتی ہیں۔ میں اور جیدی آدھی رات تک برآمدے میں کھڑے بارش ہوتی دیکھتے رہتے ہیں۔ تم نے کبھی رات کو برستی ہوئی بارش دیکھی ہے؟" آنکھیں کھلیں۔ سامنے جیسے کوئی بت کھڑا نظر آیا۔ جامد... ساکت۔

"مجھے نہیں معلوم' مگر بیلا... میں نے راتوں کو آسمان کو روتے دیکھا ہے۔ تم نے کبھی آسمان کو روتے دیکھا ہے؟"

"نہیں۔۔۔ میں نے نہیں دیکھا۔" وہ نفی میں سرہلا رہی تھی۔

"میں نے دیکھا ہے۔ بار بار دیکھا ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک دیکھا ہے۔ اور رات کی بارش مجھے کبھی اچھی نہیں لگی۔ مجھے خوف آتا ہے۔" منعم علی نے وقت کو پیچھے بہت پیچھے جاتے دیکھا تھا۔ کھڑکیوں کے پار آسمان رو رہا تھا۔ بادلوں کی گرج خوف ناک تھی۔ وہ فون کان سے لگائے کھڑا تھا۔

"ممی۔۔۔ مجھے بہت۔۔۔ بہت ڈر لگ رہا ہے۔ میں مر جاؤں گا۔" وہ تھر تھر کانپ رہا تھا۔

"تمہارا باپ کہاں ہے؟" ممی نے پہلا سوال یہی کیا تھا۔

"وہ یہاں نہیں ہیں۔ میکسیکو گئے ہیں۔"

"وہ کبھی نہیں بدلے گا۔ اس کے لیے روپیہ 'پیسہ' دولت ہی اہمیت رکھتی ہے۔ رشتے اس کے لیے میٹر نہیں کرتے۔"

"پلیز ممی۔۔۔ کم ہیئر (یہاں آجاؤ۔۔۔ میں مر جاؤں گا۔" رات تاریک ہوتی گئی۔ بادل گرجتے رہے۔

"منعم میری جان۔۔۔ بیڈ پر کمبل میں لیٹ جاؤ۔ میں تمہیں لوری سناتی ہوں۔ یو ول فیل بیٹر۔" (تم اچھا محسوس کرو گے)
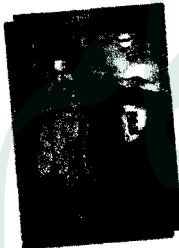
• With some sweets with much care

Oh my son oh my dreamer
Open the door I am here

Oh My son, close your eyes

وقت حال ہوا۔۔۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔

"منعم۔۔۔ ماضی بھولنے کے لیے ہی تو ہوتا ہے۔ بھول جاؤ۔۔۔ سب بھول جاؤ۔"

"کیا سب بھولنا اتنا آسان ہوتا ہے؟" اس نے سوالیہ نظر اٹھائی تھی۔

"مشکل تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔" وہ وہیں کھڑے باتیں کررہے تھے۔ اچانک فائن آرٹس والوں کا ریلا آیا اور سب کو قائد اعظم بلاک سے کھینچ کر لیاقت علی ہال کے آگے بنے تھڑے پر لے گیا۔ رنگ اچھالے گئے۔ بارش میں رنگ کھلے۔ رنگ گلال ہو گئے۔ بارش ہلکی ہو گئی تھی۔ لوکاٹ کے پیڑوں کے چوڑے پتوں پر پانی گر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

ایڈمن بلاک کے سامنے والی روش کے گرد لیموں کے چھوٹے چھوٹے پودے تھے جن پر چھوٹے کھٹاس بھرے لیموں لگتے تھے جنہیں لڑکے اور لڑکیاں توڑ کر چورن ڈال کر مزے سے کھاتے تھے۔ اسی روش سے

ذرا پرے سنگی بینچ پر درمیان میں کتابیں رکھے دونوں الگ الگ سرے پر بیٹھے تھے۔ باقی گروپ کھٹے لیموؤں سے لطف اٹھا رہا تھا۔ بیلا کھردری گھاس میں چلتے مکوڑے دیکھ رہی تھی۔ لوکاٹ کے واحد پیڑ پر کوے بیٹھے تھے۔ آسمان پر ہلکے ہلکے بادل سے تھے۔ سارے ڈپارٹمنٹس والے گروپوں میں بیٹھے تھے۔ رنگ برنگی تتلیاں پھولوں کے رس چوس رہی تھیں۔ منعم نے بادلوں کی چوٹیوں کو دیکھا تھا۔

"تمہاری زندگی میں سب سے زیادہ کیا امپارٹنٹ ہے؟" سوال واقعی اہم تھا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"میرے پیرنٹس' میرے خواب' میرا گاؤں' سب کچھ اہم ہی تو ہے۔۔۔ تمہاری زندگی میں۔۔۔؟" بیلا نے وہی سوال اس سے کیا تھا۔

"میری زندگی میں کچھ بھی اہم نہیں۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ صاف گو تھا' مگر اتنا ہو گا وہ نہیں جانتی تھی۔

"تمہارے پیرنٹس۔۔۔" بیلا نے اب کے بہت غور سے اسے دیکھا تھا۔

"انہیں میری پروا نہیں ہے۔" وہ جوتے کی نوک سے زمین کرید رہا تھا۔

"تم ہمیشہ نیگٹیو مت سوچا کرو۔۔۔ تمہارے پیرنٹس ہیں وہ۔ تم ان کے بارے میں ایسے کیسے کہہ سکتے ہو۔" وہ غصہ ہو رہی تھی۔

"انہیں میری پروا نہیں تو میں کیوں پروا کروں ان کی۔ انہوں نے اپنا کوئی بھی فرض نہیں نبھایا۔" وہ بھڑکا تھا۔

"ویل اٹ۔۔۔ میرے سامنے یہ باتیں مت دہراؤ تم۔۔۔ میں جانتی ہوں۔ مگر تم جسٹ ایک بات یاد رکھو بس۔۔۔ ان سے ان کے فرائض کی پوچھ گچھ ہو گی اور تم سے تمہارے فرائض کی۔۔۔ تم سزا کا اختیار نہیں رکھتے۔" بیلا نے اردو ڈراما کی کتاب اٹھا کر گود میں رکھ لی تھی۔

"میں نے اتنے سال تنہائی کاٹی ہے۔ سسک سسک کر زندگی گزاری ہے۔ تم خود کو میری جگہ رکھو تو پتا چلے گا تمہیں۔"

"ہونہہ۔۔۔ اپنے بودے بہانے اور لنگڑے دلائل اپنے پاس رکھو سمجھے۔"

"تمہیں میرے ساتھ کیا گیا ان کا سلوک نظر نہیں آتا؟ میرا گزرا ماضی نہیں دکھائی دیتا؟ کیوں؟" اس نے ٹھوکر سے پتھر اڑایا تھا۔ "تم جیسے لوگوں کو بس نصیحتیں کرنا آتی ہیں اور کچھ نہیں۔ خود پر گزرے تو پتا چلے۔" بیلا کو حیرت ہوئی تھی وہ ایسا کیسے بول سکتا تھا۔ وہ کتابیں اٹھا کر سینے سے لگاتی اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"پتا ہے تمہارے ساتھ کیا مسئلہ ہے؟" وہ چپ چاپ کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ کشادہ پیشانی پر ان گنت بل پڑے پڑے ہوئے ہوئے تھے۔ سیاہ بال بکھرے ہوئے تھے۔

"تم جیسے لوگ شکر کرنا نہیں جانتے۔ بالکل بھی نہیں' تمہیں بس وہ دکھائی دیتا ہے جو تمہارے پاس نہیں ہوتا۔ تم وہ دیکھتے ہی نہیں جو تمہارے پاس ہوتا ہے۔ منعم علی۔۔۔ یہ سب جو باتیں ہیں نا سب بھرے پیٹ کی باتیں ہیں۔ سوسائٹی میں وہ بھی ہیں جنہیں کچرے دان میں پھینکا جاتا ہے ان کے پاس رہنے کا گھر تک نہیں ہوتا۔ نام تک بھی نہیں ہوتا۔ تمہارے پاس تو پناہ گاہ' کھانا' شناخت سب ہے۔ میں یہ نہیں کہتی کہ تم بالکل غلط ہو۔ مگر تمہارا ماضی تمہارے حال کو برباد کر دے گا۔ زندگی کی ساری چوائسز تمہارے اپنے اختیار میں تھیں۔ تم نے جو بھی کمپنی اختیار کی۔ سوشل سرکل۔۔۔ جہاں تمہاری غلطی ہے' تمہیں وہ ماننا ہو گی' سب کچھ پیرنٹس پر نہیں ڈالا جاتا۔ کبھی کبھی ہم خود ہی اپنے گرد غلط فہمی کی دیواریں کھڑی کر دیتے ہیں اور پھر خود ہی اس حبس میں گھٹ گھٹ کر مر جاتے ہیں۔ اگر مرنے کا شوق ہے تو ویل۔۔۔! رہو اپنے ماضی میں۔۔۔ ورنہ تمہارا حال تمہارے سامنے ہے اور یاد رکھنا حال فیوچر کا عکس دکھاتا ہے۔ بیسٹ آف لک۔۔۔"

کتابیں سینے لگائے بیلا تمکنت اور وقار کے ساتھ چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا

تھا۔ اور منعم علی اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ تب ہی منعم علی نے اسد کو اپنی طرف آتے دیکھا تھا۔ اسد کے چہرے پر تناؤ اور وہ کافی غصے میں لگ رہا تھا۔ منعم بنچ سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"مجھے حرا کی پکچرز چاہئیں۔ جو میں نے تم سے کیمرہ ادھار لیا تھا۔ سب پکس اسی میں تھیں۔"

"میں نے ساری تصویریں ڈیلیٹ کر دیں۔" منعم نے اطمینان سے کہہ کر ہاتھ جینز پاکٹ میں ڈالے تھے۔

"ہاؤ کین یو ڈو دس.... تم ایسا نہیں کر سکتے۔" وہ خونخوار لہجے میں بولا تھا۔ سارے پلٹ کر انہی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

"میں ایسا کر چکا ہوں۔" وہ اب بھی سکون سے کھڑا تھا۔ اسد نے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ہر حال میں وہ تصویریں چاہئیں۔"

"تاکہ تم اس معصوم لڑکی کے کردار پر کیچڑ اچھال کر اسے بلیک میل کر سکو۔" منعم نے تاسف سے سر ہلایا تھا۔

"تو تم تصویریں نہیں دے رہے؟" وہ آر یا پار لہجے میں غرایا تھا۔

"میں نے سارا ڈیٹا ضائع کر دیا ہے.... اوکے۔" منعم جانے کو مڑا تھا۔ اسد نے اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا تھا۔

"میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔" منعم کا ہاتھ اٹھا تھا اور اسد کے چہرے پر نشان چھوڑ گیا تھا۔

"گو ٹو ہیل.... آئندہ میرے راستے میں مت آنا۔" اسد گال پر ہاتھ رکھے غصے سے چلایا تھا۔

"یاد رکھنا.... منعم علی.... اب میں تمہارے ساتھ کرتا کیا ہوں۔" لمبے لمبے ڈگ بھرتا وہ چلا گیا تھا۔ سارے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ منعم علی چلتا جا رہا تھا۔ رکا.... تھما اور ٹھٹک گیا تھا۔ وہ سامنے کھڑی تھی۔

"انسان کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو، وہ پہچانا اپنی صحبت سے ہی جاتا ہے۔ شاید یہ بات آج اچھی طرح تمہیں سمجھ میں آ گئی ہو گی۔" وہ چند ثانیے کھڑا بیلا کو گھورتا رہا۔ پھر آگے چل دیا تھا۔ وہ پیچھے سے زور سے چلائی تھی۔ "مجھے اتنا ایٹی ٹیوڈ دکھانے کی ضرورت نہیں.... سمجھے۔" وہ بھی تن فن کرتی لیموں کی پھانکیں نگلتی صدف وغیرہ کی طرف آ گئی تھی۔ ایڈمن بلاک کے اوپر تنا آسمان پھٹے ہوئے بادلوں کے ساتھ کھڑا تھا۔ لوکاٹ کے زرد پھل کو مکھی چونچوں سے کرید رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

وہ یونی ورسٹی جانے کے لیے تیار ہو رہی تھی جب بیگ میں رکھا موبائل بجا تھا۔ روشی سینڈل صاف کر رہی تھی۔ جبکہ ریحانہ اور صدف نیچے ہال میں ان دونوں کا انتظار کر رہی تھیں۔ بیلا نے بالوں میں کیچر لگاتے ہوئے کال ریسیو کی تھی۔ وہ منعم علی کی آواز تھی۔

"تم نے کہا تھا ناکہ ماضی بھولنے کے لیے ہوتا ہے۔ سچ کہا تھا آج میں سب بھول چکا ہوں۔ تم انہیں کہو ایک بار آنکھ کھول کر مجھے دیکھ لیں۔" الہادی کمپلیکس کی سیڑھیوں پر وہ خوبرو شخص روتا ہوا کہہ رہا تھا۔ بیلا کو عجیب سا احساس ہوا تھا۔

"کیا ہوا منعم...."

"بہت کچھ ہو گیا بیلا.... بہت کچھ۔" سیڑھیوں پر کھڑے روتے ہوئے ہر کسی نے اسے دیکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔

"تم کہاں ہو اس وقت...." پریشانی سے بیلا کے ہاتھوں سے کیچر چھوٹ گیا تھا۔ روشی نے سر اٹھا کر اشارے سے پوچھا تھا۔

"ہسپتال میں ہوں.... ڈیڈ کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ مجھے بہت خوف محسوس ہو رہا ہے۔ کہتے ہیں ناکہ انسان کو جس چیز کی قدر نہ ہو پھر جب وہ چیز چھن جائے، تب خبر ہوتی ہے۔" وہ بازو سے آنسو پونچھ رہا تھا۔ اسے اردگرد سے جیسے خوف سا محسوس ہو رہا تھا۔

"اوہ.... سو سیڈ.... ڈونٹ وری.... سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اب انکل کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ متفکر

سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"آئی سی یو میں ہیں۔ ڈاکٹرز دیکھ رہے ہیں۔" وہ الہادی کمپلیکس کے اندرونی حصے کی طرف جا رہا تھا۔ گلاس ونڈوز پر صبح کی چمکتی ہوئی دھوپ اتر رہی تھی۔ بہت سے پریشان حال لوگ ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ ہر چہرہ پریشان تھا۔ اسے اس پل پیروں سے جان نکلتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وہ انہیں بازوؤں میں اٹھائے گھر کی سیڑھیاں اتر رہا تھا۔ علی صاحب کا ہاتھ دل پر تھا اور وہ بڑبڑا رہے تھے۔

"آئی ایم سوری... میرے بچے تمہارا باپ بہت برا ہے۔" آنکھوں کے آنسو قطار ہو گئے۔

"میں آپ کو کچھ نہیں ہونے دوں گا۔" وہ انہیں کار میں ڈالے رش ڈرائیونگ رہا تھا۔ علی صاحب نے آنکھیں بند ہونے سے پہلے اس کی آواز سنی تھی۔

"وہ آنکھیں بند مت کیجئے گا۔ پلیز ڈیڈی۔" انہوں نے غنودگی میں جانے سے خود کو روکا تھا۔ پلکوں پر بوجھ گرا... گرتا رہا... ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ سیاہ رات جیسا... تاریک...

☆ ☆ ☆

آنکھیں کھلیں... در و دیوار روشن نظر آئے تھے۔ انہیں اپنے سر پر جھکا کوئی وجود نظر آیا تھا۔

"واٹ آر یو فیلنگ ناؤ؟" (اب کیسا محسوس کر رہے ہیں) انہوں نے ہولے سے سر ہلایا تھا۔ تب ہی "وہ" اندر داخل ہوا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھتے رہے... نظر جھک ہی نہ سکی... اور وہ نظر اٹھا ہی نہ سکا تھا۔ وہ ہولے ہولے چلتا ان تک آیا تھا۔ ہولے سے جھک کر ان کی پیشانی چوم لی۔ شیشوں سے اترتی دھوپ رازدار ہو گئی۔ دیواریں پارکھ...

"اتنی بڑی سزا دینے چلے تھے آپ... ایک بار تو میری طرف دیکھا ہوتا، پھر خبر ہوتی... اولاد کی جان سولی پر اٹک جاتی ہے۔ مجھے لگا تھا میرے جسم سے جان نکل رہی ہے۔" آنسو ٹپ ٹپ گر رہے ہیں۔ وہ ان کے آنسو صاف کر رہا ہے۔

"ہمارا ریلیشن کبھی اتنا اچھا نہیں رہا... اور یہ بات ہم دونوں جانتے ہیں... مگر اب اس ریلیشن کی ذمہ داری ہم پر ہے... میں ایک اچھا بیٹا بننے کی کوشش ضرور کروں گا۔" وہ ہنسا تھا۔ دروازہ دھیرے سے کھلا تھا۔ کلاس فیلوز کی قطاریں لگی ہوئی تھیں اور سب کے ہاتھوں میں رنگ برنگے سے پھولوں کے بوکے تھے... ڈاکٹرز نے ہجوم اکٹھا ہونے سے منع کیا تھا۔ سب ایک ایک کر کے جانے لگے تھے۔ آخر میں وہ آئی تھی۔

"مے آئی کم ان؟" منعم کو وہ کسی کلاس کی چھوٹی بچی کی طرح لگ رہی تھی جو شریر آنکھوں کے ساتھ دروازہ ناک کر کے اندر آنے کی اجازت طلب کرتی ہے۔

"نو..." منعم کو شرارت سوجھی تھی۔ وہ بھناتی ہوئی اندر آ گئی تھی۔

"آئی ول کل یو..." فروٹس والا شاپر ٹیبل پر رکھا اور علی صاحب کی طرف جھک کر پوچھنے لگی تھی۔

"اب کیسا محسوس کر رہے ہیں آپ؟" کالی سیاہ دراز پلکوں والی آنکھیں سوال ہو گئیں۔

"بہتر محسوس کر رہا ہوں بیٹا۔" وہ ہولے سے مسکرائے تھے۔ وہ قریبی کرسی پر بیٹھ کر سیب کاٹنے لگی تھی۔ منعم کو وہ پہلی سی لگی تھی۔ ہر بار اک نیا روپ نیا انداز...

"مجھے مسکراتے ہوئے لوگ بہت اچھے لگتے ہیں۔"

"وہ کیوں...؟"

"مسکراہٹ زندگی کا پتا دیتی ہے اور زندہ لوگ مسکراتے ہوئے ہی تو اچھے لگتے ہیں۔" وہ مسکراتی ہوئی زندگی سے بھرپور لڑکی علی صاحب کو جانے کیوں اچھی لگی تھی۔

"اور وہ مجھے ماتھے پر شکن ڈالے' ایٹی ٹیوٹ دکھائے لوگ کبھی اچھے نہیں لگے۔" بطور خاص منعم کو دیکھا گیا تھا۔ وہ اٹھ کر نکل گیا تھا۔ وہ کرسی قریب

کر کے انہیں سیب کھلانے لگی تھی۔
"بہت خوش قسمت ہیں وہ والدین جنہیں تم جیسی بیٹی ملی ہے۔"
"اور میں خود کو خوش قسمت سمجھتی ہوں کہ ان جیسے والدین مجھے ملے۔" وہ ابا کو تصور میں یاد کر رہی تھی۔ وہ مسکرائے تھے اور وہ مبہوت سی انہیں دیکھنے لگی تھی۔ اس کی حیرت علی صاحب کو بھی محسوس ہوئی تھی۔ تب ہی وہ کوک تھامے اندر آیا تھا۔ بوتل اس کی طرف بڑھائی۔ وہ بے نیازی سے علی صاحب کو سیب کھلاتی رہی اور خود بھی کھاتی رہی۔
"تم نے بتایا نہیں کہ تمہارے پاپا کے گالوں میں ڈمپل پڑتے ہیں۔" سخت نظروں سے دیکھا۔ منعم نے کوک کی طرف اشارہ کیا۔
"تمہارے لیے لایا ہوں۔" بیلا نے بے پروائی سے سر نفی میں ہلا دیا۔
"شکریہ... میں کوک نہیں پیتی۔" وہ تن فن کرتا دوبارہ باہر نکل گیا۔ واپس آیا تو ہاتھ میں شیزان تھی۔ جس کے لیے وہ شیزان لایا تھا۔ "وہ" غائب تھی۔
"وہ چلی گئی' اس کا کوئی ٹیسٹ تھا شاید... مگر تمہارے لیے ایک چٹ چھوڑ گئی ہے۔" منعم نے چٹ اٹھائی سامنے لکھا ہوا تھا۔
"تم نے کل مجھ سے غصے سے بات کی اور ایٹی ٹیوڈ دکھایا... مجھے بالکل پسند نہیں آیا۔" منعم نے موبائل پر ٹائپ کیا تھا۔
"ایٹی ٹیوڈ..." سوال ہوا...
"یس..." جواب ملا تھا۔
"اپنے دماغ کا علاج کرواؤ لڑکی..."
"تمہیں خود کو سائیکاٹرسٹ کی ضرورت ہے سمجھے۔"
"تم مجھ سے لڑنا چاہتی ہو؟؟"
"جی نہیں... مگر تمہیں اتنا بتا رہی ہوں کل سے تمہارا وہ لفنگا دوست اسد مجھ سے ملنے کی کوشش کر رہا ہے۔ میں تمہاری وجہ سے یہ سب برداشت نہیں کر سکتی۔ اوکے..." بیلا نے موبائل بند کر دیا تھا۔ وہ

واقعی پریشان تھی۔ اسد کی ریپوٹیشن ٹھیک نہیں تھی۔ وہ اس سے ملنے کی خواہش کر رہا تھا۔ کچھ کہنا چاہتا تھا۔ اسد نے گیلری میں گھومتے ہوئے منعم کی کال ریسیو کی تھی۔
"آئی وارن یو... بیلا سے دور رہو۔"
"اوہ... ہو... مرچیں لگ رہی ہیں۔" اسد نے لطف لیا تھا۔ گیم کھیلنے کا مزا تو اب آ رہا تھا۔
"آئی سیڈ... آئندہ میں تمہیں بیلا کے آس پاس بھی نہ دیکھوں۔" منعم کا چہرہ غصے سے لال ہو گیا تھا۔
"میں تو بس بیلا کو اتنا بتاؤں گا کہ دی اینڈ ہو جائے گا۔" اسد نے قہقہہ لگایا تھا۔ منعم غرایا تھا۔
"اسد ہاشمی... تم اتنے گھٹیا ہو گے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"
"ہاہا... گھٹیا تو میں تمہاری سوچ سے بھی زیادہ ہوں... اگر میرے گھٹیا پن سے بچنا ہے تو وہ پکچرز مجھے دو... میں خاموش ہو جاؤں گا... شش... خاموش..." یہ کہہ کر اسد نے کال کاٹ دی تھی۔ منعم کا دماغ چکرا کر رہ گیا تھا۔ وہ بیلا کو کسی مصیبت میں نہیں ڈال سکتا تھا۔ اس نے تو اس پر اعتبار بھی دقت سے کیا تھا۔ وہ دونوں اچھے دوست تھے۔ دوستی کا وہ مان' وہ کیسے ٹوٹنے دے سکتا تھا۔ اسے کچھ کرنا تھا۔ مگر اس کے کچھ کرنے سے پہلے ہی "سب" ہو گیا۔ بعد میں تو صرف تماشا ہوا... آگ بھڑکی... راکھ اڑی... اور سب ختم... تو کیا اتنی جلدی سب کچھ ختم ہو جاتا ہے۔
"یقین' اعتبار اور مان کے پرندوں کے پر کاٹ کر مجبور کر دیا گیا... قید... جبر مسلسل..."

✡ ✡ ✡

"اوہ مائی گاڈ... یہ کس بدتمیز کی بدتمیزی ہے؟؟" روشی دانت کچکچاتے چنبیلی کو بلانے گئی تھی۔ بیلا اور صدف کھڑکی پر چڑھی بیٹھی تھیں۔ سارے کمرے میں لال بیگ خراماں خراماں مزے سے "چہل قدمی" کرتے نظر آ رہے تھے اور ریحانہ ہیئر برش تھامے ان کے پیچھے تھی۔ اور ساتھ ساتھ روشی کو گالیاں دے

رہی تھی۔

"کمینی۔۔۔ دوسروں کی سالگرہوں پر لال بیگ گفٹ کرتی ہے' آج خود صیاد اپنے دام میں آگیا۔۔۔ ہائے۔۔۔ یہ تو اتنے سارے ہیں۔" ہیئر برش تھامے تھر تھر کانپتی وہ چیخیں مار رہی تھی۔ صدف نے اس نازک موقع پر اپنی فلاسفی پیش کی تھی۔

"آج یہ بات ثابت ہوئی کہ خوب صورت گفٹ باکس میں ہر بار پائی جانے والی چیز خوب صورت نہیں ہوتی۔" موٹی ثمرین نے ہاسٹل کی پختہ روش پر ٹہلتے ہوئے نظر اٹھائی۔ ٹھٹک گئی۔ اسے اوپری منزل پر کھڑکی میں بیٹھی بیلا اور صدف نظر آئی تھی۔ کیمرہ آن کیا اور فیس بک پر تصویر اپ لوڈ ہونے کے ساتھ ساتھ اسٹیٹس لکھا گیا۔

"بہت زیادہ مشکل اور پیچیدہ تعلیمی نصاب سے دلبرداشتہ ہو کر دو طالبات کی دن دیہاڑے خودکشی کی کوشش۔۔۔"

ثمرین وہ شخصیت ہے جس کی پوسٹس پر صرف "واحد" اس کا اپنا ہی لائیک ہوتا ہے۔ آج تو یقیناً" لائیکس کی بھرمار ہونے والی تھی۔ کمنٹ کا نوٹی فیکیشن آیا۔ ثمرین نے جلدی سے اوپن کیا تھا۔ بیلا کا کمنٹ تھا۔

"اگر جان پیاری ہے واقعی تو چھپ جاؤ کہیں۔"

اور واقعی ثمرین کہیں چھپ گئی ہے۔

"پیلوں پکیاں نی وے۔۔۔ پیلوں کی پکیانی۔"

پراندہ لہراتی جھاڑو تھامے ننگے پاؤں چنبیلی گنگناتی اندر آئی تھی۔

"جی کیا صاف کروانا ہے؟" بیلا اور صدف کو حیرت سے دیکھا گیا۔ ریحانہ پر نظر ڈالی تو وہ تھر تھر کانپتی نظر آئی تھی۔

"تم لوگوں کو ک ک کیا؟" لفظ منہ میں رہ گئے۔ جسم پر کچھ چلتا ہوا محسوس ہوا تھا۔ دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ "عجیب عجیب" محسوس ہو رہا تھا۔ نظر پڑی اور بھونچال آگیا۔۔۔ لال بیگ چنبیلی کو ایفل ٹاور سمجھ کر چڑھے آرہے تھے۔ اگلے ہی پل چنبیلی روتی پیٹتی، چیختی چلاتی سرپٹ گیلری میں بھاگی جا رہی تھی۔ بے چاری کا جھاڑو وہیں رہ گیا تھا۔ عفت نے چیختی چلاتی سیڑھیاں اترتی چنبیلی کو حیرت سے دیکھا تھا۔ پانی پتی روشی کو اچھو لگا تھا۔ عفت نے زور سے کاؤنٹر پر ڈنڈا مارا اور پوچھا۔

"کیا ہوا ہے بے نتھے بیل کی طرح بھاگ رہی ہو۔"

"وہ۔۔۔ وہ۔۔۔ وہاں۔۔۔" چنبیلی کے منہ سے بے ربط جملے نکلے تھے۔

"قیامت آگئی کیا؟" عفت نے بدمزا ہو کر دیکھا تھا۔ ناول میں اتنا رومانٹک سین مس ہو رہا تھا اور ادھر چنبیلی کا سیاپا شروع۔۔۔

"وہاں وہ ہیں۔" چنبیلی دری پر ڈھیر ہوئی پڑی تھی۔ آنکھیں باہر کو ابل رہی تھیں۔

"کون ہیں۔۔۔ کڈنیپرز؟" عفی نے دلچسپی سے آگے بڑھ کر پوچھا تھا۔ ناول میں بھی تو ہیرو کڈنیپر تھا۔

"لال بیگ۔۔۔" چنبیلی موت کے فرشتے کی پھڑپھڑاہٹ کی آواز سن رہی ہے۔ اس کی آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔ ابھی کلمہ شہادت کی آوازیں بلند ہوں گی اور واقعی کلمہ شہادت کی آوازیں بلند ہوئیں اور بلند۔۔۔ ہیلتھ اینڈ فزیکل کی سونیا مزے لے لے کر چمٹے کی نوک سے لال بیگ اٹھا اٹھا کر ڈسٹ بن میں ڈال رہی ہے۔ عفت سیڑھیاں چڑھ کر اوپر آئی تھیں۔

"یہ کیا ہو رہا ہے؟" ہاہا ہو کار مچی تھی۔

"میم آپریشن ہو رہا ہے۔ آئیں آپ بھی حصہ لیں۔" دعوت دی گئی۔ نغمانہ نے آگے بڑھ کر سونیا سے دریافت کیا۔

"بہن۔۔۔ کیا تم چوہے مار آپریشن میں بھی حصہ لیتی ہو۔" ہاسٹل کے چوہے ہمارے کئی کپڑے کتر گئے ہیں۔"

یہ سارے ہوسٹل کا اجتماعی مسئلہ ہے۔۔۔ بے چاریاں۔۔۔

"چوہے۔۔۔ آخ۔۔۔" سونیا باہر نکل گئی۔ روشی ڈسٹ بن اٹھائے باہر نکل گئی۔ واپسی آئی تو نئی بحث

چھڑی ہوئی تھی۔

"روشی کے ساتھ ایسا کون کر سکتا ہے؟" ریحانہ کا انداز پر سوچ تھا۔ بیلا نے ان تینوں کو باری باری دیکھا تھا۔

"جو شخص لال بیگ ہنگامے میں اطمینان سے رہا۔"

"عفت میم؟" صدف نے زور سے کہا تھا۔ بیلا قل قل کرتی ہنسی تھی۔

"لیں... الٹے پیروں والی سات چڑیلوں کو سلامی دینے لال بیگ بھیجے گئے ہیں۔"

"بے چاری روشی کی برتھ ڈے اسپوئل ہو گئی۔" افسوس... صد بار بیلا نے الماری کھولتے ہوئے کہا تھا۔

"روشی ادلے کا بدلہ محاورہ اب تو یقیناً" تمہیں اچھے سے سمجھ میں آگیا ہو گا۔"

چنبیلی سکتے میں ہے۔ آج وہ کوئی کام نہیں کرے گی۔ اتنا بھیانک پرانک... احتجاج تو بنتا ہے نا...؟

✡ ✡ ✡

گرین ٹاؤن میں سدا بہار پودوں کی بہار تھی۔ پھول ہی پھول تھے۔ رنگ ہی رنگ... مرکز میں ایک اسٹون مجسمہ ایستادہ تھا... کھجور کے پتوں کی چھالی سے بنی جھونپڑیاں تھیں جو کہ بہت خوب صورت تھیں... وہ دونوں کچھ دیر ٹہلتے رہے تھے اور اب جھونپڑی تلے بیٹھے تھے... منعم نے بڑا آرڈر کیا تھا... وہ گلابی فراک پہنے گلابی سی لڑکی سنجیدگی اور تمکنت سے ادھر ادھر دیکھنے کے ساتھ ساتھ کوک کے سپ بھی لے رہی تھی۔

"تمہیں کیسا لگ رہا ہے یہ سب، میرا شہر...؟" یہ منعم کا پہلا سوال تھا جس پر وہ پہلی بار مسکرائی تھی... یوں لگا گلاب دھیرے سے ٹہنیوں سے ٹوٹ کر گرے ہوں...

"تمہارا شہر مجھے برا کیسے لگ سکتا ہے... تم اسے مروت مت سمجھنا۔" وہ واقعی سچ کہہ رہی تھی۔

"اچھے دوست تم جیسے ہی ہوتے ہیں فیریا۔" گلابی لڑکی کو جانے کیوں لفظ "دوست" سے اذیت ہوئی تھی۔

"میں اچھی دوست کبھی نہیں رہی... اس بار تم مروت سے کام مت لو۔" وہ صاف صاف کہہ رہی تھی... "مروت نبھانے کا فن مجھے نہیں آتا..." ہوا سے اس کی پیشانی کے بال اڑنے لگے تھے... وہ دیکھتی رہی۔ "مروت بعض اوقات خسارے ہی دیتی ہے۔" فیریا نے پہلی بار کسی مرد کی گھنی پلکیں دیکھی تھیں...

"اور محبت...؟" یہ منعم کا دوسرا سوال تھا۔ جس نے فیریا کی پہلی مسکراہٹ چھین لی تھی... وہ پہلی بار "محبت" پر بات کر رہا تھا...

"مجھے خبر ہوتی تو میں کبھی پاکستان نہ آتی۔" وہ صرف سوچ ہی سکی تھی... کوک کی بوتل پرے رکھ کر نظر اٹھائی ٹھٹک کر رہ گئی... منعم کے چہرے پر مسکراہٹ تھی... اتنی روشن اور اتنی چمک دار کہ

سانحہ ارتحال

معروف مصنفہ شبانہ شوکت کے شوہر راجہ شوکت علی جنجوعہ طویل علالت کے بعد قضائے الٰہی سے وفات پا گئے۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

دکھ کی اس گھڑی میں ہم بہن شبانہ شوکت کے ساتھ اور ان کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلامقام سے نوازے اور لواحقین کو صبر جمیل دے۔ آمین

بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

اسے خوف آیا تھا۔۔۔ لمحہ کے ہزارویں حصے میں اسے علم ہو گیا تھا کہ "وہ" مسکراہٹ اس کے لیے نہیں تھی۔۔۔ گلابی لڑکی نے خود کو بے بس ہوتا محسوس کیا تھا۔

"تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے۔۔۔؟" یہ پہلا سوال تھا جو فیریا نے کیا تھا۔۔۔ کاش۔۔۔ وہ اس کے لہجے کی کپکپاہٹ پر غور کرتا۔۔۔

"آئی ڈونٹ نو فیری۔۔۔ یہ محبت، عشق، دیوانگی کیا ہوتا ہے؟ کیسے ہوتا ہے اور کیونکر ہوتا ہے۔۔۔ میرے پاس ان ورڈز کی تعریف نہیں ہے۔۔۔ مگر اب جانے کیوں مجھے لگ رہا ہے یہ سب جذبے ہوتے ہیں جو ہمارے جسم کو دھیرے دھیرے آکٹوپس کی طرح جکڑ لیتے ہیں۔۔۔ پھر آپ اپنے بس میں نہیں رہتے۔۔۔" وہ بول رہا تھا۔۔۔ اور وہ سن رہی تھی۔۔۔ "سن" ہو رہی تھی۔

"میں نے اسے پہلی بار کلاس میں دیکھا تھا اور وہ بہت عام سی تھی۔۔۔ اتنی عام سی کہ دوسری نظر بھی نہ ڈالی جائے۔۔۔ سانولی، کمزور خاص کشش نہیں تھی اس میں۔۔۔ کسی گاؤں سے آئی تھی۔۔۔ وہ پہلی کلاس میں اپنا انٹروڈکشن کروا رہی تھی۔۔۔ مجھے اس کا لہجہ بڑا چیلنجنگ اور گھمنڈی سا لگا تھا۔۔۔ مجھے وہ بالکل بھی پسند نہیں آئی تھی۔۔۔ مگر چند دنوں میں ہی وہ سارے پروفیسرز کی فیورٹ اسٹوڈنٹ بن چکی تھی۔۔۔ میں نے اپنی ماں اور اپنے باپ کے پیار کو ہمیشہ دوسرے لوگوں سے حاصل کیا تھا۔۔۔ پروفیسرز اس کی ذہانت، قابلیت اور گریس کے شیدائی تھے اور مجھے نفرت تھی۔۔۔ رفتہ رفتہ میرا دل اس سے متنفر ہو تا گیا۔۔۔ دل کی کڑواہٹ کب زبان سے باہر نکلنے لگی مجھے علم نہ ہوا۔۔۔ میں نے اس سے لڑنے کے مواقع ڈھونڈے اور ہر لڑائی ہارتا گیا۔۔۔ ہر بار وہ جیتتی رہی اس نے ایک دن مجھے کہا کہ وہ یہاں مجھے ہرانے آئی ہے۔۔۔ میرا دل چاہا میں اس کا منہ توڑ دوں۔۔۔ اور پھر اتفاق سے ہم نے یونیورسٹی کے پلے میں ایک ساتھ رول کیا۔۔۔ پہلی بار۔۔۔ ہاں، پہلی بار میں نے اسے غور سے دیکھا تھا اور مجھے اپنے پہلے سارے اندازے غلط ہوتے نظر آئے تھے وہ تو واقعی ایسی تھی کہ اسے "دوسری" بار۔۔۔ دیکھا جاتا۔۔۔ اس کی آنکھیں بڑی کشش رکھتی تھیں۔۔۔ سمندر تھیں ڈوبنے کو دل کرتا تھا۔۔۔ تب میں نے سوچا تھا کہ وہ اتنی بری بھی نہیں تھی جتنا میں نے اسے سمجھا تھا۔۔۔ پھر پہلے سمسٹر کا رزلٹ آیا تھا اور میں ساکت رہ گیا وہ مجھے وہاں بھی ہرا چکی تھی تو کیا وہ واقعی مجھ سے جیتنے آئی تھی۔۔۔ یہ سب اچھا نہیں ہو رہا تھا۔۔۔ منٹو ہال کی دیواروں نے میری ہار پر قہقہے بلند کیے اور میں ساکت سا کھڑا رہ گیا۔ لوگ جمع تھے۔۔۔ مجھے لوگوں سے خوف آیا تھا۔۔۔ اس ہار سے خوف آیا تھا۔۔۔ میں اس کے قریب کامیابی کی مبارک دینے گیا اور الفاظ پرائے ہو گئے مجھے یہ تک بھی یاد نہ رہا کہ میں نے اسے کیا کہا اور اس نے کیا جواب دیا۔۔۔ میرے اردگرد کھڑے لوگوں نے، میرے دوستوں نے میرا مذاق اڑایا۔۔۔ اور مجھے اس سے شدت کی نفرت ہونے لگی۔۔۔ فیریا تم سن رہی ہو ناں۔۔۔؟"

پوری بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس سے پوچھ رہا تھا فیریا نے سدا بہار پودوں کی بہار رخصت ہوتے دیکھی۔۔۔ مٹی کا پردہ چاک ہوا۔۔۔ وہ دھم سے گری۔۔۔ صلیب گڑ گئی۔۔۔ تختی سجی۔۔۔ "فیریا بنت۔۔۔!" وہ مردہ ہے اور وقت زندہ کھڑا دیکھ رہا ہے۔۔۔ وقت ہر تماشے کا تماش بین ہوتا ہے۔۔۔ افس۔۔۔!!

"تمہیں ہی تو سن رہی ہوں۔" آواز مردہ سازسی تھی۔۔۔ جذبات بت تھے۔۔۔ اور فضا ساکت۔۔۔!!!
منعم علی بات پوری کرنے والا تھا۔۔۔ اور فیریا کو اس پوری بات سے خوف آ رہا تھا۔۔۔!!!

"میرے دوستوں نے مجھے فورس کیا کہ میں اس لڑکی کو پچھاڑوں شکست دوں۔۔۔ میں لیڈی کلر تھا۔۔۔ مجھے بار بار دیکھا جاتا تھا، میرے بارے میں بات ہوتی تھی۔۔۔ میں ہاٹ ٹاپک تھا۔۔۔ میں ڈوریکس کے ہیروں جیسا حسین تھا۔۔۔ فلرٹ کے لیے بھی وہ لڑکی مجھے

اپنے معیار کی نہیں لگی۔ جانے ہم برائیوں کے بھی کیوں معیار بناتے رہتے ہیں..... میں اس کے قریب ہوا..... وہ مجھ سے اتنا ہی دور ہوئی تھی..... میری زندگی میں یہ پہلی بار ہو رہا تھا..... مجھے شدید حیرت ہوئی تھی..... جتنا میں متوجہ ہوتا تھا وہ اگنور کرتی تھی..... ہم مقناطیس کے مخالف پول نہیں تھے جو کشش سے قریب چلے آتے..... میری کمپنی بری تھی اور اسی بری کمپنی کی وجہ سے مجھے بھی یونیورسٹی میں برا سمجھا جاتا تھا..... وہ بھی مجھے برا سمجھتی تھی۔ اتفاقاً" بھی اگر سامنا ہو جاتا تھا تو وہ نفرت سے مجھے دیکھتی تھی اور اس کی نفرت مجھے اس کے اور قریب کرنے لگی..... میں نے جیسا سوچا تھا وہ ویسی ہرگز بھی نہیں تھی..... وہ عام لڑکیوں جیسی نہیں تھی..... اس میں عجیب سا وقار اور تمکنت تھی..... پھر میں نے اسے دیکھا اور بار بار دیکھا..... کبھی کیفے میں اپنی تین شریر سہیلیوں کے ساتھ، کبھی سویٹ ہوم کے لیے چندہ اکٹھا کرتے۔

وہ مدر ٹریسا نہیں تھی مگر ویسی ضرور تھی مجھے اس کا گریز سمجھ نہ آتا تھا..... میں اسے ایزرو کرتا رہا اور وہ برابر اگنور کرتی گئی..... پھر اچانک میں نے اسے اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا..... شاید میرا وہم تھا یا واقعی یقین کہ مجھے لگنے لگا وہ مجھے ترحم سے دیکھتی ہے..... پھر ایک دن اس نے مجھے بتایا کہ اس نے میرے پاپا کی باتیں سنیں..... اور وہ مجھ سے ان کی فیور کر رہی تھی..... اس نے مجھے سمجھایا کسی اچھے دوست کی طرح..... وہ بیسٹ ڈیبیٹر تھی..... اس کے پاس دلائل کا انبار تھا..... اور پھر پہلی بار میں نے اپنے دل میں اپنے پیرنٹس کے لیے جگہ پیدا ہوتے دیکھی..... وہ لڑکی مجھے اپنی زندگی کا اسٹارٹنگ پوائنٹ لگی، جو سب بدل دیتا ہے..... میں بھی بدلتا گیا..... یا یہ کہنا ٹھیک ہو گا کہ وہ مجھے بدلتی گئی..... میں بدلنے سے خود کو نہ روک پایا..... ہم اچھے دوست بن گئے..... جیسے میں اور تم ہیں..... "

منعم علی نے مسکرا کر کہا تھا..... فیریا نے ہاتھوں کی لکیروں کو دیکھا اور بار بار دیکھا..... سب گڈمڈ ہو رہا تھا..... وہ پلکیں جھپکانے لگی..... زور زور سے کھارا پانی بہنے کو تھا..... کھجور کی چھال والی جھونپڑی کے سرے سے ایک چڑیا جھانک رہی تھی..... فیریا نے اس پل اپنے آپ کو دنیا کا بے بس ترین انسان ہوتا پایا..... نظم

You Provided me with love
that no one could give me
You gave me a shoulder
to cry on...iii

وہ خوبرو شخص پگھلتی ہوئی سنہری دھوپ میں سنہرا مجسمہ لگتا تھا..... گرین ٹاؤن کی دیوار پر رکھے گملوں میں گیندے کے پھول مسکرا رہے تھے وہ اب شاید "محبت" کا اسم پڑھنے والا تھا..... فیریا کو ماریانا یاد آئی تھی۔ "تم یاد رکھنا..... خالی ہاتھ مت آنا..... سمجھیں۔" اب وہ ماریانا کا سامنا کیسے کرے گی..... وہ خالی ہاتھ آئی تھی اور خالی ہاتھ ہی جانے والی تھی.....؟؟؟

منعم نے گلابوں پر بیٹھی تتلیوں کو دیکھ کر کہنا شروع کیا تھا۔

"اب ہم دوست ہیں..... ساتھ ساتھ ہوتے ہیں..... اب بھی ہر سمسٹر میں جیت اسی کی ہوتی ہے مگر اب مجھے اس سے حسد نہیں ہوتا..... رشک آتا ہے..... اس کی جیت اور اپنی ہار مجھے خوشی دیتی ہے..... کیا تم نے کبھی مات کھائے ہوئے کو ہنستے دیکھا ہے؟۔ خوش ہوتے دیکھا ہے.....؟ اب مجھے دیکھ سکتی ہو..... ہاں تو میں کہہ رہا تھا جانے کیوں اس دوستی کے ساتھ ساتھ پسندیدگی بھی ہے، جو صرف میری طرف سے ہے..... کینٹین میں اکثر بیٹھے باتیں کرتے ہیں اور بہت بار وہ خود بل پے کرتی ہے..... قائداعظم بلاک کے پلروں کے ساتھ ٹیک لگائے ہم فیض احمد فیض کی شاعری پر، عبداللہ حسین کے ناولوں پر، اشفاق احمد کے افسانوں پر بحث کرتے ہیں اور وہ بحث میں جیت جاتا ہوں مگر اب مجھے لگنے لگا ہے وہ جان بوجھ کر مجھ سے ہار جاتی ہے..... ہمارا فائنل ایئر ہے اور لاسٹ دو سمسٹر باقی ہیں..... مجھے جانے کیوں لگ رہا ہے..... میری پسندیدگی بڑھنے

لگی ہے۔ کہیں یہ محبت تو نہیں ۔۔۔ یہ بہت پیاری فیلنگز ہیں فیریا۔۔۔ آئی کانٹ ایکسپلین ۔۔۔ تم سمجھ سکتی ہو۔۔۔" یونانی دیوتاؤں سا وہ شخص بار بار مسکرا رہا تھا۔۔۔ اور فضا میں ایک سوال چکرا رہا تھا۔ "کہیں یہ محبت تو نہیں ۔۔۔؟"

سوال بازگشت ہوا۔۔۔ اور جواب صرف اس گلابی لڑکی کی سماعتوں میں گونجا تھا "محبت ہی تو ہے۔"

"فیریا۔ تمہیں کبھی محبت ہوئی ہے ۔۔۔؟" وہ اب اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔۔۔ نین کٹوروں میں پانی بھر گیا۔۔۔!!! فیریا کا سارا وجود "محبت" ہو گیا۔۔۔ سارے بھکر کو خبر ہو گئی۔۔۔ صرف وہ انجان بنا بیٹھا تھا۔۔۔ افس ۔۔۔!!!

"محبت ۔۔۔ نہیں مجھے کبھی نہیں ہوئی۔" سسکیاں وجود کے اندر دب گئیں ۔۔۔ گلابی لڑکی نے اپنے ہاتھوں محبت کا گلا گھونٹ ڈالا تھا۔ یہ محبت ہی تو تھی ۔۔۔ محبت ہی ہوتی ہے جو دریا' گھاٹیاں' جزیرے پار کرواتی ہے ۔۔۔ اسے پہلی بار ڈیرک باف کا درد میں ڈوبا لہجہ یاد آیا تھا۔۔۔

"فیریا۔۔۔ ایک بار میری آنکھوں میں دیکھو۔۔۔ تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آتا؟ محبت نظر نہیں آتی ۔۔۔؟" اسے اپنا جواب یاد آیا تھا۔

"ڈیرک ۔۔۔ تم میری آنکھوں میں دیکھو۔۔۔ تمہیں منعم نظر نہیں آتا۔" ڈیرک نے ٹیولپ کا بکے دور اچھال دیا تھا۔۔۔ خوب صورت پھول پتی پتی ہو کر بکھر گئے۔۔۔ روڈ پر آتے جاتے قدم خوش رنگ پھولوں کو روندتے گئے۔۔۔ پھول اور خوشبو ایک ساتھ وہیں مر گئے۔۔۔ وہ زور سے چلایا تھا اور پورے پیرس نے سنا تھا۔

"نہیں ۔۔۔ نظر آتا۔" آج پہلی بار اسے ڈیرک کی بات کا یقین آیا تھا۔۔۔ "وہ" آنکھوں میں تھا ہی نہیں ۔۔۔ وہ تو صرف سامنے تھا۔۔۔ کیسے نظر آیا۔۔۔؟ منعم نے موروں کے جوڑے کو بھدی آواز میں کرلاتے سنا تھا۔

"ہاہا۔۔۔ واقعی۔۔۔ شاید چند سال پہلے جب میں چھٹیوں پر پیرس آیا تھا تو تم نے مذاق کیا تھا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔۔۔ اف ۔۔۔ وہ ہماری ٹین ایج تھی۔۔۔ میں نے بھی مذاق میں کوئی جواب دیا تھا۔۔۔ مجھے یاد نہیں آرہا۔۔۔ تم بھی تو مذاق میں کہہ رہی تھیں۔" منعم علی کو تو وہ سب یاد بھی نہ تھا۔۔۔!!!

موروں کی سسکیاں بلند ہوئیں ۔۔۔ اور بلند ۔۔۔ تو کیا وہ صرف ایک "مذاق" کے سہارے اتنا طویل سفر طے کر آئی ہے ۔۔۔؟ ۔۔۔ تو وہ سب مذاق تھا۔

فیریا کا دل چاہا وہ چلا چلا کر کہے۔ "وہ مذاق نہیں تھا۔۔۔ آہ ۔۔۔ نہیں تھا وہ مذاق۔"

ضبط ٹوٹا۔۔۔ گلابی لڑکی اور صبر نہ کر سکی ۔۔۔ مزید صبر کرتی تو وہیں مر جاتی ۔۔۔ ہوائیں بوجھل ہوئیں ۔۔۔ کرلاتا ہوا موروں کا جوڑا پتھروں کی روش پر ڈھے گیا۔۔۔ فیریا کے آنسو چھلک پڑے ۔۔۔

"کیا ہو فیریا ۔۔۔؟" وہ بے چین سا قریب آیا تھا۔

"کچھ نہیں ۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں ۔۔۔ آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا۔" سسکی طاق ہی تھی۔۔۔ جفت کا درجہ پار نہ کر سکی تھی۔ ضبط ٹوٹے تو سو بار ٹوٹ جائے ۔۔۔ مگر "بھرم" نہ ٹوٹے ۔۔۔ کبھی نہیں ۔۔۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی ہے اور وہ فکرمند سا ٹشو پیپر سے اس کی آنکھیں صاف کر رہا ہے ۔۔۔ وہ قریب کھڑے ہیں مگر صدیاں حائل ہیں ۔۔۔ وہ گرین ٹاؤن کی پتھریلی روش پر چلتے جا رہے ہیں ۔۔۔ فیریا ہاتھوں کی پشت سے آنسو صاف کرتی ہوئی جا رہی ہے ۔۔۔!!! وہ "اچھا" دوست تھا بس اسے "محبت" نہ تھی

عشق تیرا جے پانڑی منگے
تے میں نیناں توں گھیڑاں ہووو۔۔۔

✡ ✡ ✡

Because of you my world is now whole...iii

Because of you love lives in my soul...iii

"تمہیں کیوں میری بات کا یقین نہیں آتا..... میری محبت کی گواہی پورا پیرس دے گا..... میری آنکھوں میں دیکھو..... تمہیں محبت نظر نہیں آتی.....؟" وہ پچھلے ایک ہفتے سے مسلسل یہی سوال لے کر آرہا تھا۔ ماریانا ایپرن کی ڈوریاں ٹھیک کر رہی تھی..... فیریا اسفنج پانی میں بھگو کر کھڑکیاں صاف کر رہی تھی اور ڈیرک بے چینی کے عالم میں کیفے کے کارپٹ پر ٹہل رہا تھا..... آنے سے پہلے وہ ہمیشہ کی طرح جیکسن باف سے بحث کر کے آیا تھا..... آپ کو میری محبت کے لیے کم از کم طاق راتوں کا طویل چلہ کاٹنا ہوگا۔" وہ ان کے گھٹنے سے لگا اصرار کر رہا تھا..... وہ دہل گئے۔

"اوہ مائی گاڈ..... میرا دل کام کرنا چھوڑ دے گا..... ایسے چلے تو قبرستان میں کیے جاتے ہیں۔"

"آپ میری لیے اتنا نہیں کر سکتے۔" وہ بھنا کر کھڑا ہوا تھا۔

"تم سیدھا سیدھا گردن پر نائف کیوں نہیں رکھتے۔" گلاسز اور اخبار ٹیبل پر پٹخ دیے۔

"آپ ہی بتائیں میں کیا کروں..... میں فیریا کے بغیر مرجاؤں گا..... سچ کہہ رہا ہوں۔"

"ماضی میں ساتھ جیا مرا جاتا تھا..... آج کل ایسا نہیں ہوتا..... کوئی کسی کے لیے نہیں مرتا....."

"مگر میں مرجاؤں گا۔" وہ واقعی مرنے پر تلا ہوا تھا..... جیکسن باف کو جی بھر کے غصہ آیا تھا۔

"تمہاری آخری رسومات دھوم دھام سے ادا ہوں گی میں تمہیں پیشگی یقین دلا رہا ہوں۔"

"آپ ایسا کیسے کر سکتے ہیں.....؟" اسے شاک لگا تھا۔

"تم پھر تم ایسا کیسے کر سکتے ہو..... بوڑھے باپ پر ترس کھاؤ پلیز....." ان کی بھاری آواز ہوگئی تھی..... بھوری فروالی بہت پیاری بلی دوڑتی ہوئی آئی اور ان کے گود میں بیٹھ گئی..... وہ اس کی نرم فر پر ہاتھ پھیرتے رہے۔ بلی نے پٹ سے آنکھیں کھول کر ڈیرک کو دیکھا اور مزے سے آنکھیں موندلی تھیں۔

"پیاری بلی..... تمہاری نفاست کی قسم..... آئی ریئلی لویو....." جیکسن باف نے بھی آنکھیں موندلیں وہ ہکا بکا کھڑا دیکھتا رہا پھر اچانک..... بلی کو ان کی گود سے اٹھا کر فرش پر پٹخ دیا..... بلی بے چاری روتی چلاتی بھاگ گئی۔

"تم آج چھٹی بار اس معصوم جانور کو تشدد کا شکار بنا چکے ہو....." جیکسن باف نے افسوس سے سرہلایا تھا۔

"آپ کو اس کی پرواہے میری نہیں....."

"سوتن کی طرح لڑنا بند کرو..... مجھے ریسٹ کرنا ہے۔" آنکھیں بند..... خراٹے شروع اور اطمینان قابل دید..... وہ دھاڑ سے دروازہ بند کرتا کیفے آگیا تھا..... اور اب یہاں بھی سلگ رہا تھا۔

سانحہ ارتحال

ہماری مصنفہ غزالہ جلیل راؤ کی والدہ قضائے الٰہی سے وفات پاگئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ہم غزالہ جلیل راؤ کے غم میں برابر کے شریک اور دعاگو ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلا مقام سے نوازے اور ان کے اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

بہنوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

"ایسا کیا ہے منعم میں جو مجھ میں نہیں ہے۔۔۔؟" وہ سر پکڑے بیٹھا تھا۔۔۔ ماریانا کو ہمدردی ہوئی تھی۔

"چاکلیٹ کا پیالہ لاؤں تمہارے لیے۔۔۔" ڈیرک نے سر اٹھایا تھا۔

"تم میرا ایک کام کرو۔" ۔۔۔ "ہاں۔۔۔ بولو۔" ۔۔۔

"مجھے تھوڑا سا زہر لا دو۔" ماریانا نے جھرجھری لی تھی۔

"تمہارا کیفے بند کرواؤ گے کیا۔" فیریا اس کی طرف آئی تھی۔

"پلیز اسٹاپ اٹ۔۔۔ جو تم چاہتے ہو ویسا نہیں ہو سکتا۔۔۔" "کیوں نہیں ہو سکتا۔"

"میرے دل میں تمہاری کوئی جگہ نہیں۔۔۔"

"مگر میرے دل میں تمہاری ہی جگہ ہے۔"

"میں صرف منعم سے محبت کرتی ہوں میری بات سمجھنے کی کوشش کرو۔" وہ اسے اپنی بات نہیں سمجھا پا رہی تھی۔

"اور منعم۔۔۔؟؟" وہ ڈیرک باف کے اس سوال نے موت کا سا سناٹا پیدا کر دیا تھا۔۔۔ وہ "چپ" ہو گئی تھی۔ اس بات کا یقین تو اسے بھی نہیں تھا۔۔۔ وہ ڈیرک کو کیا جواب دیتی۔۔۔ ڈیرک اٹھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔۔۔ ماریانا بے نیازی سے کپ دھوتی ڈش واش کی طرف متوجہ تھی۔۔۔ وہ ایسے موقعوں پر ایسا ہی کرتی تھی۔۔۔ اسے تاریک ہوتے چہرے دیکھنا اذیت دیتا تھا۔ جیکسن باف کو بھی اس نے فیریا کی منعم سے محبت کا بتایا تھا تو وہ اداس ہو گئے تھے۔

"میں ڈیرک کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھتا۔۔۔ دیکھے تو مر جاؤں گا۔۔۔ میں اس کی محبت ختم ہونے سے پہلے ختم ہو جاؤں گا۔" ونڈ چائم بجتے رہے۔۔۔ سہ پہر دبے پاؤں کھسک گئی اور شام ننگے پاؤں چلی آئی تھی۔۔۔ کینڈل اسٹینڈ میں موم پگھل پگھل کر جم رہی تھی۔۔۔!!!

وہ فیریا کی آنکھوں میں دیکھتا کہہ رہا تھا۔ "میں تمہیں پیمائش کر کے اپنی محبت کی مقدار نہیں بتا سکتا۔۔۔ میں واقعی تم سے محبت کرتا ہوں۔۔۔ اور مجھے یقین ہے مجھ سے زیادہ محبت تمہیں کوئی کر ہی نہیں سکتا۔۔۔ جلد تمہیں علم ہو جائے گا۔۔۔ مجھے انتظار رہے گا اس وقت کا جب تمہیں میری محبت کا یقین آ جائے گا۔۔۔" وہ یہ کہہ کر کیفے سے باہر نکل گیا تھا۔۔۔

وہ ساکت کھڑی رہی تب ہی نظر گلاس ٹیبل پر بجتے فون پر پڑی تھی۔۔۔ اس نے اٹھا کر کان سے لگایا تھا۔۔۔ دوسری طرف جیکسن باف تھے۔

"تمہاری محبت کے لیے تو جان بھی دے سکتا ہوں مگر تم مجھے ایموشنل بلیک میل مت کیا کرو۔ شام چمکتے تارے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئے ہیں۔۔۔ بارش ہونے کے ففٹی پرسنٹ امکان ہیں۔۔۔ تمہاری غیر موجودگی مجھے خوف میں مبتلا کر رہی ہے لوٹ آؤ۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہاری محبت کے لیے پیرس اسٹریٹ کے قبرستان میں تیس راتوں کا چلہ کاٹنے کو تیار ہوں۔۔۔ تم آ رہے ہو ناں۔۔۔ ڈیرک تم آؤ گے ناں۔۔۔؟" آنسوؤں میں ڈوبی آواز نے فیریا کا دل روک دیا تھا۔۔۔ آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے تھے۔۔۔ اس نے موبائل آف کر دیا تھا۔۔۔ وہ بے آواز رو رہی تھی۔

"اگر مجھے منعم علی سے محبت نہ ہوتی تو تم سے ہوتی ڈیرک باف۔" ماریانا ارد گرد سے بے نیاز کانچ کے کپ کیبنٹ کے اوپر رکھے اسٹینڈ پر لٹکا رہی تھی۔۔۔ ساتھ ساتھ وہ انگلش یوئم بھی گنگنا رہی تھی۔۔۔ یہ ہمیشہ سے اس کی عادت تھی۔۔۔ ماریانا نے باہر دیکھا اور آواز لگائی۔

"فیری۔۔۔ کھڑکیوں پر پردے برابر کر دو۔" ماریانا نے سنک سے پلیٹ اٹھا کر اس میں اسٹرابری رکھنی شروع کی تھی۔۔۔ گنگناہٹ جاری تھی۔

You took my pain as if
it was yours...
you filled my heart with joy...

پیرس اسٹریٹ روڈ کی برستی بارش میں وہ چلتا جارہا تھا.... ابر کی کیپ سر پر چڑھالی تھی.... !!!

بیلا نے اپنے آپ کو سن ہوتا محسوس کیا تھا.... وہ بیلا کے ہاتھوں کو چھو چھو کر دیکھ رہی تھی.... اس کی آنکھوں کو دیکھتی تو نظر اٹھانا بھول جاتی تھی وہ جھک کر بیلا کے ہاتھوں پر بوسہ دے رہی تھی.... برستی آنکھوں کو ٹشو سے ہولے ہولے رگڑ دیا تھا....

"بیلا.... تمہیں پتا ہے کتنی خاص ہو تم.... اتنی کہ اگر میں صدیاں لگا کر بھی تم جیسی بننے کی کوشش کروں تو ناکام ٹھہروں گی.... تم بہت خاص ہو.... مجھے لگا تھا تمہیں دیکھوں گی تو مجھے پہلی نظر میں ہی تم سے حسد ہوگا.... ماریانا کو لگتا ہے کہ میں ہمیشہ غلط سوچتی ہوں اور وہ جھوٹ نہیں بولتی.... ہاں تو میں کہہ رہی تھی مجھے تم سے رتی بھر بھی حسد محسوس نہیں ہوا.... مجھے تم پر رشک آیا.... مجھے اپنی محبت کی "محبت" پر پیار آیا "وہ نم آنکھوں کے مسکرا رہی تھی.... وہ پچھلے پندرہ منٹ سے وہاں تھی اور دیوانہ وار بیلا کو تکے جارہی تھی.... وہ اسے ملنے ہوسٹل آئی تھی.... بیلا اسے کمرے میں ہی لے آئی تھی.... ریحانہ، روشی اور صدف نیچے تھیں.... وہ بہت خوب صورت تھی ہاتھ لگانے سے میلے ہوجانے کا گمان ہوتا تھا.... بیلا کا شدت سے دل چاہا تھا وہ اسے چھو کر دیکھے.... !!!

کمرے میں آنے سے پہلے اس نے اپنے جوتے دروازے کے باہر ہی چھوڑ دیے تھے.... اب وہ ننگے پاؤں کھڑکی کے پاس جاکھڑی ہوئی تھی۔ باہر روشنیاں تھیں اور ان گنت تھیں.... سارا بھکر روشن تھا.... مگر دل.... ؟.... دل کے سارے دیپک بجھے ہوئے تھے.... فقط اندھیرا تھا۔

"بیلا تم نے کبھی محبت کی ہے.... ؟" اس نے پلٹ کر پوچھا تھا.... کافی بناتی بیلا نے نفی میں سر ہلایا تھا.... اور پوچھا تھا۔

"شوگر کتنی.... ؟"

"میں دو اسپون لیتی ہوں مگر تم مت ڈالنا.... مجھے لگتا ہے اس میں تمہارے ہاتھوں کی تاثیر تو ہوگی.... مٹھاس۔" بیلا بھاپ اڑاتا کافی کا مگ وہیں لے آئی تھی.... دونوں کھڑکی میں آمنے سامنے تھیں.... کافی کے کپ سے بھاپ اٹھ رہی تھی.... ہوسٹل کے مرکز میں لگا نیم کا بوڑھا درخت پر پھیلائے کھڑا تھا۔

"یہ کس چیز کا درخت ہے.... ؟" بیلا نے دیکھا تھا۔

"نیم کا ہے.... دن کو اس پر ہوسٹل کی لڑکیاں جھولا جھولتی ہیں۔" وہ دیکھتی رہی.... مسکراتی رہی۔

"تم ہمیشہ سے ایسے ہی اچھی کافی بناتی ہو کیا.... ؟"

"روشی کہتی ہے کہ میں بری کافی بناتی ہوں۔" بیلا نے وضاحت کی تھی.... فیریا روشن شہر پر نظریں جمائے کھڑی تھی۔

"پھر تم نے مجھے فیور دی ہے۔ بہت اچھی ہے کافی.... شکریہ اس فیور کے لیے.... " بھاپ اٹھتی رہی.... وہ دونوں خاموش کھڑی رہیں.... خاموشی ان کے درمیان دیوار ہوگئی تھی.... فیریا نے وہ دیوار گرائی تھی "کیا تم ایک اچھی سامع ہو.... ؟" بیلا نے سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔

"میں تمہیں کہانی سنانا چاہتی ہوں۔" وہ اشتیاق سے کہہ رہی تھی.... بیلا نے اس کے چہرے کو شہد سے بھی زیادہ روشن ہوتا دیکھا تھا۔

"میں ضرور سنوں گی۔" بیلا نے اس کے روشن چہرے کو روشن ہوتے دیکھا تھا.... وہ اپسرا تھی.... وہ واقعی تھی۔

"وہ پہلی بار ہمارے کیفے تب آیا تھا جب میں اور

اعتذار

اس ماہ آسیہ مرزا کے ناول "من مورکھ کی بات نہ مانو" کی قسط ناگزیر وجوہات کی بنا پر شامل اشاعت نہیں ہے۔ آپ اگلے ماہ یہ قسط پڑھ سکیں گی۔ ان شاءاللہ

ماریانا کسی بات پر بحث کر رہی تھیں۔۔۔ ماریانا میری دوست ہے۔۔۔ وہ تب ہی اندر آیا تھا میں نے اسے پہلی بار دیکھا تو بار بار دیکھنے کو دل چاہا تھا۔۔۔ یہ بات میں نے ماریانا سے بھی چھپائی۔۔۔ پھر وہ روز آنے لگا اور ہم روز ملنے لگے۔۔۔ وہ بہت خوب صورت تھا۔۔۔ وہ پاکستان سے تھا۔۔۔ مجھے پاکستان سے بھی انس ہو گیا۔۔۔ ہم نے شامیں اکٹھے گزارنی شروع کر دیں۔۔۔ پیرس کی سڑکوں نے وہ منظر دیکھا ہے۔۔۔ تم ان سے پوچھ سکتی ہو وہ ہمارے ساتھ کی گواہی دیں گی۔۔۔ شامیں رنگوں کی برسات کے ساتھ اترتی تھیں۔۔۔ ہم دونوں ٹہلتے باتیں کرتے تھے۔۔۔ وہ پاکستان کے قصے سناتا تھا اور میں پیرس کی کہانیاں سناتی تھی۔۔۔ ہم دوست ہو گئے۔۔۔ دوستی کے پودوں میں کب محبت کا پھول اگا۔۔۔ محبت جو پھول سی ہوتی ہے مجھے خبر ہی نہ ہوئی۔۔۔ اور وہ صرف دوستی کے شجر سینچنے میں لگا رہا مجھے تب خبر ہوئی جب اس کی چھٹیاں ختم ہوئیں۔۔۔ وہ واپس پاکستان جا رہا تھا۔۔۔ تب۔۔۔ ہاں۔۔۔ تب میں نے اپنے جسم سے جان نکلتی ہوئی محسوس کی تھی اور تب ہی مجھے پتا چلا تھا کہ مجھے اس سے محبت ہو چکی تھی۔۔۔ پھر پتا ہے کیا ہوا۔۔۔؟" وہ رو رہی تھی۔۔۔ فیریا سسک رہی تھی۔۔۔ بیلا کا دل چاہا آگے بڑھ کر اس کے آنسو پونچھ ڈالے مگر وہ چاہ کر بھی ایسا نہ کر سکی تھی۔۔۔ اس نے خود کو بے بس پایا تھا موم سی لڑکی پگھل رہی تھی۔۔۔ بلکہ پگھل گئی تھی۔۔۔ نیم کا درخت نیم باز آنکھوں سے دیکھتا رہا۔۔۔ دیکھتا رہا۔۔۔!!!

"پھر میں نے اسے کہا کہ مجھے اس سے محبت ہے۔۔۔ وہ حیران ہوا تھا اور مجھے اس کی حیرت پر حیرت ہوئی تھی۔۔۔ تب اس نے کہا کہ وہ کسی سے محبت نہیں کرتا۔۔۔ اور اسے محبت ہونے کا امکان بھی نہیں۔۔۔ اگر مجھے اس سے محبت تھی تو مجھے اس وقت کا انتظار کرنا تھا جب یہ جذبہ اسے بھی محسوس ہوتا۔۔۔ میں نے فجر شام کی عبادتوں میں اسے یسوع مسیح سے مانگا۔۔۔ برستی بارش میں بھی میں گڑگڑاتی رہی کہ اس کا دل میری طرف پھر جائے۔۔۔ مگر دل کہاں آسانی سے پھرتے ہیں۔" وہ ہچکیاں لے رہی تھی۔۔۔ روشنیاں بجھنے لگیں۔۔۔ دھیرے دھیرے۔۔۔!!!

"پھر کیا ہوا۔۔۔؟" بیلا اچھی سامع نہیں تھی۔۔۔ اس نے سوال کر ڈالا تھا۔۔۔ فیریا نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ ہولے ہولے بول رہی تھی۔

"پھر یہ ہوا کہ مجھے لگا میری دعائیں قبول ہو گئی ہوں گی۔ اس کا دل پھر گیا ہو گا۔۔۔ مگر میری بھول تھی یہ۔۔۔ ماضی "ماضی" ہی رہا۔۔۔ ماضی کی یہ خطا میں کبھی معاف نہیں کروں گی۔۔۔ کبھی نہیں۔۔۔ میں پاکستان آ گئی مگر۔۔۔" ادھوری بات دب گئی بیلا نے اسے ننگے پاؤں کھڑکی سے ہٹتے دیکھا تھا۔۔۔ کافی خالی کپ کھڑکی پر رکھا تھا۔ نیم کا درخت بھید بھرا تھا۔۔۔ ہزاروں بھید اندر تھے۔

"اسے آپ سے محبت نہیں ہے۔۔۔؟" بیلا کا دوسرا سوال تھا۔ وہ نفی میں سر ہلاتی مڑی تھی۔

"وہ میرا اچھا دوست تھا بیلا۔۔۔ بس اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔" سسکیوں کی قطاریں بندھ گئیں۔۔۔ ننگے پیروں میں کانچ کا ٹکڑا چبھا تھا۔۔۔ پرفیوم کی بوتل کل ہی تو صدف کے ہاتھوں ٹوٹی تھی۔۔۔ کانچ بکھرے ہوئے تھے کسی نے صاف نہیں کیے تھے۔ فرش پر خون پھیل رہا تھا۔۔۔ وہ پاؤں پکڑے بیٹھی تھی بیلا کو اشارہ کر کے کہا تھا "بیلا۔ میرے پیروں سے کانچ نکال دو۔ میں چل نہیں پاؤں گی۔"

"میں۔۔۔ مگر کیسے۔۔۔؟" بیلا نے بھل بھل بہتے خون کو دیکھا تھا۔

"میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر تم یہ کانچ نکالو گی تو مجھے ذرا بھی درد نہیں ہو گا۔" فراک کے کونے خون سے سرخ ہونے لگے۔

"کانچ کا ٹکڑا بڑا ہے اور اندر تک کھبا ہوا ہے۔"

"پلیز۔۔۔ تم ہی نکال دو یہ۔ میں آنکھیں بند کرتی ہوں۔ تم نکالو گی تو ذرا بھی درد نہیں ہو گا۔" وہ آنکھیں موندے بیٹھی تھی۔۔۔ اور بیلا نے جھٹکے سے کانچ نکالا۔۔۔ اور کھڑکی کے پار اچھال دیا۔۔۔ دور کہیں کانچ گرنے کی ہلکی سی آواز گونجتی ہے۔۔۔ آنکھیں کھلیں۔۔۔ وہ ہولے سے مسکرا دی تھی۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ درد نہیں ہوگا۔" وہ سیڑھیاں اتر رہی تھیں۔۔۔ فیریا نے کلائی پر بندھی گولڈن رسٹ واچ اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھ دی تھی۔

"یہ اس نے مجھے جاتے وقت دی تھی۔۔۔ پہلی اور آخری نشانی۔۔۔ میں نے اسے بہت سنبھال کر رکھا تھا۔ مگر اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔" سیڑھیوں کا زرد بلب جل رہا تھا۔۔۔ وہ لڑکھڑائی تھی۔ بیلا نے تھام لیا۔ بلب کی زرد روشنی بیلا کے بالوں میں گم ہونے لگی تھی۔ فیریا نے اسے رک کر غور سے دیکھا تھا۔ "میں نے دنیا میں تم سے زیادہ خوب صورت لڑکی نہیں دیکھی۔" بیلا نے فیریا کو رکنے کا کہا تھا۔

"آپ دو منٹ رکیں۔۔۔ میں ابھی آئی۔" وہ چار منٹ بعد آئی تھی تو اس کے ہاتھوں میں اک خوب صورت سی شال تھی۔۔۔ بیلا نے اسے اوڑھا دی تھی۔

"شکریہ بیلا۔۔۔ میں تمہاری شکر گزار ہوں گی۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ ایسی کوئی بات نہیں۔" بیلا نے مسکراتے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔۔۔ وہ دونوں ہال میں لڑکیوں کے پاس چند منٹ رکی تھیں۔ گیٹ پر ڈرائیور آیا ہوا تھا۔۔۔ بیلا اسے چھوڑنے آئی تھی۔

"ایک بات پوچھوں۔۔۔" وہ اجازت مانگ رہی تھی۔ فیریا نے سر ہلا دیا تھا۔۔۔ اوپری منزل کی کھڑکی سے روشنی اور ریحانہ انہیں دیکھ رہی تھیں۔۔۔ "آپ نے اسے بتایا نہیں کہ آپ اس کے لیے اتنا سفر کر کے آئی ہیں۔۔۔؟" بیلا نے اسے روتے روتے ہنستے دیکھا تھا۔

"محبت کھو چکی ہوں۔۔۔ دوستی کا بھرم کھونے کا حوصلہ تو مجھ میں بھی نہیں۔" وہ ہاتھ ہلاتی چلی گئی تھی۔۔۔ بیلا دیکھتی رہی تھی۔۔۔ منعم علی ایک "اچھا" دوست تھا مگر اسے بس فیریا سے "محبت" نہیں تھی۔

کاگا سب تن کھائیو۔۔۔!!

چن چن کھائیو ماس

کھائیو نہ دو نیناں موہے

انہیں پیا ملن کی آس۔۔۔!!

"میں دنیا کے ہر انسان کے ہر سوال کا جواب تو دے سکوں مگر ماریانا کے سوالوں کا جواب میرے پاس نہیں ہوگا۔ میں اسے کیا جواب دوں گی۔" وہ اور علی صاحب لان میں ٹہل رہے تھے۔۔۔ وہ ان کے ساتھ ساتھ چل رہی تھی۔۔۔ اس کے چہرے پر اداسی چھا گئی تھی۔۔۔ اور وہ اس کا اداس چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔۔۔ وہ رکے۔۔۔ تھے۔۔۔ اسے دیکھا۔

"وہی جواب جو تم نے منعم کو دیا تھا۔"

"کون سا جواب۔۔۔؟" وہ حیران ہوئی تھی۔ کل ہی تو اس نے منعم کو بتایا تھا کہ کیسے اس نے منعم کے سیل سے علی صاحب کا نمبر لیا تھا اور پھر ان سے رابطہ کیا تھا۔۔۔ پھر تعلقات استوار ہو گئے تھے۔۔۔ وہ دونوں دوستی کے خوب صورت تعلق میں بندھ گئے تھے۔۔۔!!!

"یہی کہ تم تو صرف مجھ سے ملنے پاکستان آئی تھیں۔" وہ مسکرائے تھے اور وہ مسکرا بھی نہ سکی تھی۔۔۔ لیمپ پوسٹ کی دودھیا روشنی پھیل رہی تھی۔

"وہ میرا جھوٹ پکڑے گی۔۔۔ میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اس سے۔" وہ چلتے رہے۔۔۔ خاموشی اونگھتی رہی۔۔۔ وہ رکے۔۔۔ خاموشی رکی تھی۔

"فیریا میں بات کروں منعم سے۔۔۔ تمہارے لیے۔" وہ جھجک کر پوچھ رہے تھے۔

"میرا بھرم رہنے دیں۔ میرا سارا سفر اکارت چلا جائے گا۔"

"اتنا حوصلہ کیسے اچھی لڑکی۔۔۔" انہیں حیرت ہو رہی تھی۔

"آخر دوست کس کی ہوں۔۔۔؟" وہ مسکرائی تھی۔۔۔ انہیں اس کی مسکراہٹ سے تکلیف ہوئی تھی۔

"تمہیں ایسے نہیں مسکرانا چاہیے تھا۔" وہ خفا ہوئے۔

"آپ ہی تو مسکرانے کا کہتے ہیں۔"

"اب سے نہیں کہوں گا۔"

"اچھا کریں گے۔"

☼ ☼ ☼

"میری طرف دیکھو۔" وہ رخ موڑے موڑے ہی بول تھی۔

"کیوں....؟"

"میں دیکھنا چاہتا ہوں تم رو رہی ہوں....." وہ آج اسے روتا بھی نہیں دیکھ سکتے تھے اور مسکراتا بھی نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عجیب سی بے چینی تھی۔

"ٹشو پیپر ہے آپ کے پاس؟ وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہاں ہے.... تمہیں چاہیے۔" وہ بتا رہے تھے..... وہ اچانک مڑی تھی۔

"آپ اپنی آنکھیں پونچھ لیں.... آنسو چمک رہے ہیں میرا ضبط ٹوٹ جائے گا۔" وہ وہیں لش گرین گھاس پر بیٹھ گئی تھی۔ دودھیا روشنی کے ذرے پھٹ گئے تھے... وہ چپ بیٹھے رہے.... ہوا پام کے پتوں میں سرسراتی رہی تھی.... جب کے آئینے پر آواز کا پتھر ٹوٹا تھا۔

"تم اس سے مل کر آرہی ہو.... کیسی لگی تمہیں....؟" وہ سرگوشی تھی۔ فیریا نے بمشکل وہ سرگوشی سنی تھی۔

"میں نے اسے دیکھا... بار بار دیکھا... وہ بہت پیاری ہے۔ مجھے تو اس کی محبت سے بھی محبت ہوگئی دوست۔"

"اتنا بڑا ظرف ہوگا تمہارا.... میں نے سوچا نہیں تھا۔"

"ایک بات مانیں گے میری۔" وہ ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"سو بات منوا سکتی ہو.... ظرف میرا بھی تمہارے جتنا ہے۔"

"وہ آپ سے محبت کا سوال پوچھے گا.... انکار مت کیجئے گا.... بیلا واقعی بہت اچھی لڑکی ہے۔" آنسو کہیں اندر قطار ہوئے تھے۔

"اچھی تو تم بھی ہو فیری۔"

"اس سے زیادہ اچھی نہیں ہوں.... دوستی کے لائق ہوں محبت کے نہیں۔" گہرا سانس لیا گیا تھا۔

"تم نے پیکنگ کر لی....؟"

"جی ہاں.... جانا تو ہے ہی.... آواز دے کر روکیے گا مت۔"

"اگر میں روکنا چاہوں....؟"

"میں نہیں رکوں گی.... رکوں گی تو پتھر ہو جاؤں گی اور مجھے پتھر نہیں ہونا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی.... دونوں اندر کی طرف بڑھنے لگے تھے.... لیمپ پوسٹ کی روشنی پر پتنگے جل جل کر مر رہے تھے۔ ہوا دیکھتی رہی.... بھرم باقی تھا۔ ضبط ٹوٹا تھا....!

میں جب بھی ترک تعلق کی بات کرتا تھا
وہ روکتی تھی مجھے کل پہ ٹال رکھتی تھی
وہ میرے درد کو چنتی تھی اپنی پوروں سے
وہ میرے واسطے خود کو نڈھال رکھتی تھی
ایک ایسی دھن کہ نہیں پھر کبھی میں نے سنی
وہ منفرد سا ہنسی میں کمال رکھتی تھی
اسے ندامتیں میری کہاں گوارہ تھیں
وہ میرے واسطے آسان سوال رکھتی تھی
بچھڑ کے اس سے دنیا کی ٹھوکروں میں ہوں محسن
وہ پاس تھی تو مجھے لازوال رکھتی تھی

وہ دروازے میں کھڑا تھا "تو تم جا رہی ہو....؟" وہ دیوار سے لگ کے کھڑی ہوگئی تھی۔

"تم روکنا چاہتے ہو....؟" آس تھی تو کمال تھی اور ضبط تھا تو ریت تھا۔

"تم رک جاؤ گی؟" اس نے جواباً "سوال کر دیا۔

"نہیں میں نہیں رکوں گی۔"

"مجھے پتا ہے تم کیوں نہیں رکوں گی۔" روشنیوں میں کھڑا منعم فیریا کو اپنے سے دور بہت دور نظر آیا تھا۔

"کیوں نہیں رکوں گی؟" وہ اسے دیکھ رہی تھی اور وہ کہیں اور دیکھ رہا تھا۔

"تم مجھ سے ملنے تھوڑی آئی تھیں۔ تم تو ڈیڈ سے اپنے دوست سے ملنے آئی تھیں.... تمہاری اور ڈیڈ کی دوستی حیران کن ہے۔ مجھے جب تم نے بتایا تو مجھے بہت حیرت ہوئی فیریا۔" فیریا نے دیوار کو تھاما تھا۔

"ہاں.... میں تم سے تو نہیں ملنے آئی تھی....." وہ دھیمی آواز میں کہتی اندر داخل ہوئی تھی وہ پیچھے پیچھے

آیا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں تمہیں بیلا کیسی لگی۔۔۔؟" وہ پوچھ رہا تھا۔۔۔ فیریا نے آنکھوں کو دشت ہوتا پایا تھا اور دشت میں ریت اڑنے لگی تھی۔

"بیلا مجھے تمہارے جیسی لگی۔"

"میرے جیسی۔۔۔؟" وہ حیران ہوا تھا۔۔۔ وہ بیڈ پر رکھے کپڑے تہہ کر رہی تھی مڑ کر دیکھنے لگی تھی۔

"وہ تمہارے جیسی ہی تو ہے۔۔۔ سب سے الگ۔۔۔ حیران کن۔۔۔ خوب صورت۔۔۔ خداوند تم دونوں کی جوڑی بنائے۔" دیواریں دیکھ رہی تھیں۔۔۔ فیریا رخ موڑے رو رہی تھی۔۔۔ گونگی دیواروں نے اپنے آپ کو بے بس ہوتا پایا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں آج پھر لاہور ایئرپورٹ پر کھڑی ہوں مگر مجھے لگ رہا ہے آج ہجوم بہت زیادہ ہے۔ میں ہائیڈ اینڈ سیک نہیں کھیلوں گی۔۔۔ مجھے پتا ہے آج میں ہار جاؤں گی۔۔۔ اب ہجوم میں 'میں' تمہیں کبھی نہیں ڈھونڈ پاؤں گی۔۔۔ کبھی نہیں۔"

فیریا نے ٹیکسٹ ٹائپ کر کے منعم کو سینڈ کر دیا تھا۔۔۔ لاہور ایئرپورٹ روشن تھا۔۔۔ ہر طرح کے لوگ ادھر ادھر گھوم پھر رہے تھے۔۔۔ فیریا نے اپنے اندر کو تاریک ہوتا محسوس کیا تھا۔۔۔ فرش آئینہ تھا۔۔۔ وہ اپنا ٹوٹا بکھرا وجود دیکھ رہی تھی۔۔۔ اسے اردگرد کے لوگوں سے خوف آ رہا تھا منعم اور علی صاحب کو اس نے منع کر دیا تھا اور وہ ڈرائیور کے ساتھ ہی آئی تھی۔۔۔ وہ اکیلی بیٹھی تھی۔۔۔ موبائل بجنے لگا تھا۔۔۔ علی صاحب تھے۔۔۔ فیریا نے فون کان سے لگایا تھا۔۔۔

"میں ہمیشہ تم سے شرمندہ رہوں گا فیریا۔ میں تمہیں کچھ بھی نہ دے سکا۔۔۔ بھکر سے خالی ہاتھ جا رہی ہو۔ آئی ایم سوری۔" وہ معذرت کر رہے تھے۔۔۔ وہ بے خیالی میں آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"سوری کی ضرورت نہیں۔۔۔ بس میری دعاؤں سے اثر ختم ہو گیا تھا۔"

"میں خود کو کبھی معاف نہیں کر پاؤں گا۔ میری دوست کی اداسی مجھ سے دیکھی نہیں جا رہی۔"

"آپ مجھے کمزور کر رہے ہیں۔۔۔ میں رو دوں گی۔" اس نے پلکوں کو نم ہوتا محسوس کیا تھا۔

"میں اپنی دوست کو روتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔" انہوں نے کال کاٹ دی۔۔۔ وہ موبائل اسکرین دیکھتی رہی۔۔۔ اور آتے جاتے لوگ اسے دیکھتے رہے۔۔۔ اس نے ماریانا کا نمبر ڈائل کیا تھا۔

"ماریانا۔۔۔ میں آ رہی ہوں۔" وہ بہت مضبوط لہجے میں بول رہی تھی۔ دوسری طرف خاموشی رہی۔۔۔ گہرے سانسوں کی آواز آتی رہی۔۔۔ اچانک فیریا کو کچھ ٹوٹنے کی آواز آئی تھی۔

"کیا ٹوٹا ماریانا؟" اس نے سوال کیا تھا۔

"دل ٹوٹا۔" ماریانا کا جواب آیا تھا۔۔۔ فیریا نے شور کو سناٹے میں ڈھلتا پایا۔

"کس کا۔۔۔؟" فیریا نے خود کو دنیا کا بے بس ترین انسان پایا تھا۔۔۔ ماریانا نے گہرا ٹھنڈی برف جیسا سانس لیا تھا اور گویا ہوئی تھی۔

"فیری۔۔۔ تم نے جب چاکلیٹ کے پیالے کے ٹوٹنے کی آواز سنی۔۔۔ اسی وقت میں نے تمہارے دل کے ٹوٹنے کی آواز سنی۔" فیریا پہلی نہ رہی تھی۔۔۔ مضبوطی کے سارے خول ٹوٹے۔۔۔ تڑاخ۔۔۔ وہ رو دی تھی۔

"مجھ سے کوئی سوال تو نہیں کرو گی۔۔۔؟" وہ خوف زدہ تھی۔۔۔

"نہیں۔۔۔ میرے پاس سوال ختم ہو گئے ہیں۔"

"جواب میرے پاس بھی نہیں ہیں۔" وہ سسکی تھی۔۔۔ ماریانا نے دوسری طرف ہولے سے سرگوشی کی تھی۔

"دونوں باپ بیٹا آج کل چرچ میں تینوں پہر نظر آتے ہیں۔۔۔ روز انہیں پریئر ہال میں دیکھتی ہوں۔۔۔ کل جیکسن باف ملے تھے کہنے لگے میری دعاؤں میں بڑا اثر ہے۔۔۔ تب تک خداوند کی چوکھٹ نہیں چھوڑوں گا جب تک میرے بیٹے کی محبت نہیں مل

جاتی۔"

"ڈیرک نے کتنے کپ توڑے تھے...؟" آنسو پونچھتی پوچھ رہی تھی۔

"سات توڑے ہیں۔" ماریانا کو دلی صدمہ تھا۔

"میں آرہی ہوں اس کا منہ توڑ دوں گی۔"

"تمہاری خواہش پوری نہیں ہوسکتی... جیکسن باف نے ہرجانہ ادا کردیا تھا۔"

"سنو... تم نے اسے کہہ دیا کہ تم اس سے محبت کرتی ہو...؟" ماریانا نے سرگوشی کی تھی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا کہ وہ مجھے پہچان جاتا ہے... شاید اس بار میں غلط تھی... وہ اس بار مجھے نہیں پہچان سکا۔" پکار ہورہی تھی... وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی... موبائل آف کرکے بیگ میں ڈال لیا تھا... وہ ٹرالی گھسیٹتی ایئرپورٹ کے چمک دار فرش پر آگے بڑھ رہی تھی... رکی... تھمی... پلٹ کر حسرت سے چاروں طرف دیکھا... روشنیاں جگمگا رہی تھیں...

جہاز میں بیٹھنے کے بعد سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے آخری بار روتے ہوئے سوچا تھا۔

"اے شہر بھکر... مجھے تم سے کوئی شکوہ نہیں... شکایت نہیں... ہر کسی کو محبت ہوہی جاتی ہے مگر ہر کسی کو تو نہیں ملتی۔ مجھے بھی نہیں ملی۔ مجھے بھکر نے دوست دیے ہیں... میں خوش ہوں... مگر میں جانتی ہوں مجھے محبت کا غم کبھی نہیں بھولے گا... کبھی بھی نہیں... میں اتنی بہادر بھی نہیں رہی... میں بہادر ہوں ہی نہیں۔" آنسو بہتے رہے... ٹشو گیلے ہوتے رہے... کانچ سی فیریا ٹوٹ کر ٹکڑوں میں بٹ گئی تھی۔ فیریا کا پیرس اس کا منتظر تھا... کوئی "اور" بھی شدت سے فیریا کا منتظر تھا...

✡ ✡ ✡

صبح سے ذرا بعد کا وقت تھا، چنبیلی جھاڑو تھامے دروازے میں کھڑی تھی۔ بیلا کاغذات کا طوفان پھیلائے جانے کیا ڈھونڈ رہی تھی۔ صدف رنگ اور برش بکھرائے کوئی شاہکار تخلیق کرنے کے چکروں میں تھی، جبکہ روشی اور ریحانہ کسی فیشن میگزین پر جھکی ہوئی تھیں۔ روشی کو ہمیشہ کی طرح دور کی سوجھی تھی۔

"سوچ رہی ہوں فیشن کی دنیا میں ذرا جدت لے آؤں۔" بیلا نے پنسل ٹھوڑی پر رکھی۔

"روشی صاحبہ ذرا وضاحت فرمائیں گی؟" صدف اسپرٹ کی بوتل سونگھ کر چیک کررہی تھی۔

"یہی کہ اس عید پر اپنے لیے لان کا غرارہ بنوالوں۔"

"ایں... غرارہ... لان کا؟" بیلا کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔ "کیوں فیشن انڈسٹری کو تباہی کے دہانے پر لانا چاہتی ہو۔ بھلا کوئی لان کے بھی غرارے، شرارے بناتا ہے؟" روشی کو برا لگا تھا۔

"تم دقیانوسی لوگ... وہی تو کرنا ہے جو پہلے نہیں ہوا کبھی اسے ہی تو جدت کہتے ہیں۔ جانے تم لوگ کس زمانے کی پیداوار ہو۔" صدف نے بدبودار اسپرٹ پر ڈھکن لگاکر پرے پھینک دی۔

"روش جادوگرنی... ہم جدت نامی لفظ سے اچھی طرح واقف ہیں۔ شاید تم خود اس کی تعریف میں گڑبڑ کرگئی ہو۔ جدت کا مطلب ہے نئی اور خوش گوار تبدیلی... اور لان کے غرارے، شرارے پہننے والی تبدیلی تو ہوگی، مگر خوش گوار ہرگز نہ ہوگی۔"

روشی نے "ہونہہ" کرکے خاموشی اختیار کی تھی۔ ریحانہ نے میگزین درمیان میں پٹخا تھا۔

"ذرا ادھر تو دیکھو۔" چاروں سر جھک گئے، ذرا سے ٹکرا بھی گئے، مگر برا نہ منایا گیا تھا۔ "یہ کیا ہے؟"

"بیل باٹم کا فیشن واپس آرہا ہے۔" ریحانہ نے فخریہ بتایا، روشی کو حیرانی ہوئی۔

"ایسے کیسے ہوسکتا ہے؟"

"کچھ فیشن بھی کلاسکس کا درجہ رکھتے ہیں۔ بیل باٹم بھی کلاسیکیت ہے۔" ریحانہ نے معلومات کا خزانہ کھولا تھا۔ بیلا نے اپنے آپ کو متاثر ہوتا پایا تھا۔

"ریحانہ... تمہیں ایم اے اردو نہیں کرنا چاہیے تھا۔"

ریحانہ نے اچنبھے سے دیکھا۔ "وہ کیوں؟"

بیلا نے پنسل کی نوک میگزین پر گاڑی تھی۔
"تمہیں فیشن ڈیزائننگ میں ہونا چاہیے تھا۔"
"یہی تو ہمارے ہاں کا مسئلہ ہے' دلچسپی کسی اور چیز میں ہوتی ہے اور بھیجا کسی اور فیلڈ میں جاتا ہے۔ آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا نظر آتا ہے۔"
صدف کی نظر دروازے میں ساکت تصویر بنی کھڑی چنبیلی پر پڑی تھی۔ نظر کا دائرہ ایک' پتلیاں ساکت' جھاڑو ہاتھ میں لٹکتی ہوئی۔ سوچ تھی تو گہری تھی' خیال تھا تو گہرا تھا۔ صدف نے ہانک لگائی تھی۔
"مس چنبیلی... کیا آپ وفات پا چکی ہیں؟"
چنبیلی تو مانو اچھل ہی پڑی تھی۔ "آئے ہائے' میں کیوں مروں۔ مریں میرے دشمن۔"
صدف نے وضاحت دی تھی۔ "تم جو ایسے کھڑی تھیں۔"
"کام کر کر کے کمر تختہ ہو چکی ہے۔ دل تو چاہ رہا ہے لمبی تان کر سو جاؤں' مگر مجبوریاں ہیں۔" آخری میں ٹھنڈی آہ بھر کے کمرہ ٹھنڈا ٹھار کر دیا گیا۔ بیلا کاغذ سمیٹ رہی تھی۔
"عفت تفصیلی صفائیاں کیوں کروا رہی ہے؟"
چنبیلی جھاڑو باہر پھینک کر وہیں میٹرس پر بیٹھ گئی تھی۔
"ماہ رمضان آرہا ہے' پاک مہینہ تو تفصیلی صفائیاں شروع کردی ہیں۔"
"سارے ہاسٹل کی اکیلے صفائی کیسے کرو گی؟" ریحانہ کو حیرت ہوئی تھی۔
"میں تو اوپری منزل صاف کر کے نڈھال ہوں۔ عفی کو سو بار کہا کہ ساتھ والے ہاسٹل سے شربتی کو بلالیں' ذرا مدد کروا دے گی' مگر وہ عفی ہی کیا جو کبھی میرا بھلا چاہے۔ سو بار انکار کردیا۔" وہ چاروں چنبیلی کے غم میں برابر کی شریک تھیں۔ چنبیلی اکثر اپنے دکھ سکھ بانٹنے وہیں آتی تھی۔ وہ چاروں بھی اچھی دکھ سکھ بانٹنے والیاں تھیں۔
"مگر عفت نے انکار کیوں کیا؟" صدف نے استفسار کیا۔
"کیونکہ پچھلی بار شربتی آئی تھی تو عفت کے دو گلدان اور کانچ کا گلاس لے گئی تھی۔" وہ ہکا بکا بیٹھی رہ گئیں۔
"نام کیسا پیارا ہے شربتی اور کام دیکھو چاروں والے۔" افسوس کا مقام تھا۔
"شربتی تو پی ٹی وی پر ڈراما بھی آتا تھا۔" ڈراموں پر بات چل نکلی تھی۔ لاگ' انگار وادی' وارث' پی ٹی وی کے سنہرے دور کو یاد کیا جا رہا تھا۔ نیچے سے عفت کی آواز آئی تھی۔
"آئی ایم ہیئر (میں یہاں ہوں۔)" ادھر جیسے عفت کے کانوں میں صور اسرافیل پڑا تھا۔ وہ چلائی تھیں۔
"تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں ہے کیا؟" چنبیلی نے بالکونی سے جھانک کر ہاتھ ہلایا۔
"معزز خاتون... کیا آپ مجھ سے مخاطب ہیں؟"
عفت کا دل چاہا۔ "گچی" مروڑ کر رکھ دیں۔ ہانپتی کانپتی کاؤنٹر پر ڈھے گئیں۔
"یہ لڑکی میرا دم لے کر رہے گی۔" دم والی جھاڑو تھامے سیڑھیاں اتر رہی تھی۔ ٹھٹک گئی۔
"میرا نام مت لیں... آپ کا دم تو عزرائیل ہی نکالے گا۔" عفت ٹھنڈی ہو گئیں۔
"تم جیسے لوگوں کو کبھی ہدایت نہیں ملتی۔" وہ کمر کے گرد دوپٹا باندھ رہی تھی۔
"معلومات میں اضافے کا شکریہ..." گنگناہٹوں کے سلسلے' دراز اور دراز ہوتے گئے۔ عفت بال نوچتی رہ گئی تھیں۔ (عزرائیل تو اس کا دم نکال لے جائے فسادن۔)
شربتی... شربتی... جانے کیسی کسک جگادی شربتی تیرے نینوں نے...
شربتی... شربتی... (عفت کا دل چاہا اسے بھون ڈالیں... آخر کار وہ خود ہی دروازہ دھاڑ سے بند کرتی واک آؤٹ کر گئیں۔)

☆ ☆ ☆

"سر شکور کو میں کبھی معاف نہیں کروں گی' ساری

رات بیٹھ کر نیند کی قربانی دے کر اسائنمنٹ بنائی اور ملا کیا؟ دس میں سے صرف تین نمبر۔" تیسرا سموسہ پیٹ میں اتارتے ہوئے کوئی دسویں بار صدف نے دہائی دی تھی۔ روشی نے مزے سے کوک کا سپ لیا تھا۔ اس کے چھ نمبر تھے اور وہ ان ہی پر قانع تھی۔

"اللہ جھوٹ نہ بلوائے تمہاری اسائنمنٹ سر اگر خوردبین سے بھی دیکھتے تو نہ دیکھ پاتے۔ آدھی رات تک بقول تمہارے جاگ کر اور نیند کی قربانی دے کر جو تم نے حشرات کاغذات پر بکھیرے تھے' ان پر تین نمبر مل گئے' یہ بھی حیرت کی بات ہے۔" لگی لپٹی رکھے بغیر روشی نے عقدہ کھولا تھا۔ صدف کا منہ بن گیا تھا۔

"روشی تم میری دشمن کیوں بنتی جارہی ہو؟" تیکھے تیوروں سے گھوری ڈالی۔ اگلی پر خاک اثر نہ ہوا تھا۔

"بہن میں تو پکی اور کھری بات کرنے کی عادی ہوں۔ وہ جتنی محنت کرتا ہے' اتنا صلہ پاتا ہے اور رہی بات تمہاری تو تم سوئی ہوئی قوم ہو۔ بیلا کو دیکھ لو' کبھی جو مارکس کم آئے ہوں۔۔۔ وہ پہلے سے ہی سارا کچھ ریڈی رکھتی ہے۔" کینٹین میں بلا کا رش تھا۔ کوئی گانے گا رہا تھا' تو کوئی لطائف کی محفلیں سجائے بیٹھا تھا۔ فائن آرٹس والیاں فیشن کے ارتقا پر بحث میں مشغول تھیں۔ وہ چاروں کچھ دیر پہلے بھوک سے نڈھال کینٹین پہنچی تھیں اور اب پیٹ پوجا میں مصروف تھیں۔

"اور تمہارا اپنے بارے میں کیا خیال ہے؟" صدف نے ٹشو سے ہاتھ پونچھے تھے۔

"میرا شمار پتا ہے کن اسٹوڈنٹس میں ہوتا ہے؟" روشی کے انداز میں سنسنی اور سسپنس تھا۔ بیلا اخبار تھامے ادبی گوشہ پڑھ رہی تھی' جبکہ ریحانہ شوبز نیوز کی چٹخارے دار خبریں پڑھ رہی تھیں۔ روشی کے انداز پر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔

"کن اسٹوڈنٹس میں ہوتا ہے' ذرا ہمیں بھی تو خبر ہو۔" صدف کو جی بھر کے تاؤ آیا تھا۔ روشی نے کوک کا آخری سپ لیا تھا۔

"مجھ جیسے لوگوں کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو پیدائشی ذہین ہوتے ہیں جنہیں زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی ذہانت ان کی ایکسٹرا کوالٹی ہوتی ہے۔" بیلا اور ریحانہ بدمزا ہو کر دوبارہ اخبار کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ صدف نے ہنستے ہوئے میز بجائی تھی۔

"پچھلے ہفتے جو سر شکور کی اسائنمنٹ میں تمہیں انڈہ ملا تھا وہ کیا تھا۔"

"جیت کے لیے ہار لازم ہے۔"

"یہ اقوال زریں صرف تمہارے وقت ہی کیوں لاگو ہوتے ہیں۔ بتاؤ ذرا۔" صدف نے اسے آڑے ہاتھ لیا تھا۔ روشی نے بے نیازی سے انہیں دیکھا اور فائن آرٹس والوں کی طرف بڑھ گئی تھی۔

"روشی کا قتل میرے ہاتھوں ہوگا' لکھ لو آج یہ بات تم دونوں۔" صدف نے غصے سے دانت کچکچائے تھے۔ ریحانہ کوئی قتل کی خبر پڑھ رہی تھی' دہل گئی۔

"اور کون قتل ہوگیا؟"

"امکان ہے۔" صدف نے سلاد کا پتا منہ میں ڈالا تھا۔

"کس کا؟" بیلا نے سر اٹھایا تھا۔

"روشی جادوگرنی کا اور میرے ہاتھوں۔۔۔" بیلا نے کوفت سے اخبار پرے پھینکا تھا۔ تب ہی منعم علی وہیں چلا آیا تھا۔ نیلی جینز' سفید شرٹ' کولون سے مہکتا ہوا وجود' وہ سارے منظر پر چھا گیا۔ جانے کیوں بیلا نے خود کو انجان ظاہر کیا تھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟" وہ روشی کی چھوڑی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا تھا۔

"آج مجھ سے کوئی بات نہ کرے۔" صدف نے بے نیازی دکھائی تھی۔ منعم کو حیرت ہوئی تھی۔

"اسے کیا ہوا؟"

"بے چاری کے ستارے گردش میں ہیں۔" وہ سمجھ گیا تھا۔ ہولے سے مسکرا دیا۔ نظر اٹھا کر دیکھا وہ سامنے بیٹھی تھی۔ اردگرد سے بے خبر۔ سب سے بے نیاز۔۔۔ وہ ہزاروں میں بھی خاص سی تھی۔ ریحانہ اور صدف' روشی کی طرف اٹھ گئی تھیں۔ کینٹین کے باہر موسم دل فریب تھا' ہواؤں کے رتھ خوشبو بھرے

تھے۔ فضا میں نمی سی تھی۔ جانے کہاں کے آنسو تھے؟ کس نگر کے؟ کس دیار کے؟ کس دیس کے؟

"کیسی ہو بیلا؟" وہ اسے خواب نگر سے حقیقت میں کھینچ لایا تھا۔ وہ وقار سے مسکرادی تھی۔

"تمہیں کیسی لگ رہی ہوں؟" سوال دلچسپ تھا۔ وہ بھی محظوظ سا مسکرا دیا تھا۔

"سب سے الگ سب سے جدا۔"

وہ میز کے فارمیکا کو کھرچنے لگی ہولے ہولے۔

"افسانوی باتیں کررہے ہو۔"

"تمہیں افسانوی باتیں اچھی نہیں لگتیں؟" وہ اس کی سنہری آنکھوں پر اترے لمحے دیکھ رہی تھی کوئی شخص اتنا خوبرو کیسے ہوسکتا ہے... ؟ کیسے؟

"بری نہیں لگتیں۔" وہ ایک بار پھر مسکرائی تھی اور وہ ایک بار پھر نظر نہ اٹھا سکا تھا۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟"

"تم مسکراتے ہوئے بہت پیاری لگتی ہو۔" وہ سچ گلابی خوشبو کی طرح بکھر گیا تھا ادھر ادھر... ہر طرف... وہ خاموش بیٹھی رہ گئی تھی۔

"تمہیں اچھا نہیں لگا؟" وہ دونوں ہاتھوں کو ملائے بیٹھی تھی۔

"مجھے برا نہیں لگا منعم... دوست' دوستوں کی تعریفیں کردیا کرتے ہیں۔" اور اس بار منعم کو کچھ ہوا تھا۔

"ہاں... ہم دوست ہیں۔ تم نے سچ کہا... خیر... تم سے کچھ کہنا تھا۔" وہ بات بدل گیا تھا۔ بات بدلنا ضروری تھی۔ بیلا فاروق احمد کے کئی دروازے تھے اور وہ تو دستک دینے تک کا بھی مجاز نہ تھا۔ وہ تو اپنے دل کے بدلنے پر ورطہ حیرت میں تھا۔ محبت کا آکٹوپس جکڑ رہا تھا۔ وہ چاہ کر بھی نہیں نکل پا رہا تھا۔ جانے کیوں انجان نگر کے لوگ زندگی ہوجاتے ہیں اور ہم کچھ نہیں کرسکتے' بس دیکھتے رہتے ہیں۔ وہ بھی بس دیکھ رہا تھا۔

"وہ ڈیڈ تم سے ملنا چاہ رہے تھے۔" بیلا نے جھکا سر اٹھایا تھا۔

"ضرور... اب ان کی طبیعت کیسی ہے؟" وہ شیشے کے پار دیکھ رہا تھا۔

"اب بہتر ہے بیڈ ریسٹ پر ہیں۔" وہ اسے تفصیل بتانے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی اور جانے لگی تھی۔ رکی اور ٹھٹک گئی تھی دوپٹا کرسی کے کیل میں پھنس گیا تھا۔ وہ جھٹکے سے دوپٹا کھینچنے لگی تھی۔ وہ ہولے ہولے چلتا اس کے قریب آیا تھا۔

"رکو! دوپٹا خراب ہوجائے گا۔ میں نکالتا ہوں۔"

اور وہ اسے دیکھتی رہی تھی۔ دل تھا کہ دھڑ دھڑ دھڑکتا تھا۔ دھڑکنوں کا شور عمر خیام کی رباعی تھا اور سامنے وہ شخص بیٹھا تھا۔ وہ کب تک کہاں کہاں اسے نظرانداز کرے گی؟ کب تک؟ وہ پیچھے دیکھے بغیر آگے بڑھ گئی تھی۔ اور وہ پیچھے کھڑا بیلا فاروق کو کھڑا دیکھتا رہا تھا۔

محبت سات رنگوں کا پردہ ہے' جو ابھی گرا ہے' جو اٹھا تو رنگوں کی برسات ساتھ لائے گا۔ پہلی سی محبت... پہلے ساتھ کا اثر...

ہم نے تو خیر تجھ سے شکایت کبھی نہ کی
ایسا نہیں کہ دل نے بغاوت کبھی نہ کی
کس حال میں ہیں تیرے ستائے ہوئے غریب
تو نے یہ پوچھنے کی زحمت کبھی نہ کی
محسوس کیا کرے گا وہ اوروں کے درد کو
جس نے خود اپنے آپ سے الفت کبھی نہ کی
چاہا ہے میں نے جس کو بڑی شدتوں کے ساتھ
اس طرح سے اس نے مجھ سے محبت کبھی نہ کی
ہر داستان تیری بہت غور سے سنی
لیکن بیان اپنی حکایت کبھی نہ کی
اک خواب تھا کہ اپنی شبوں پر رہا محیط
کیا خواب تھا کسی سے وضاحت کبھی نہ کی
ایک آگ تھی کہ جلتے رہے جس میں عمر بھر
اک درد تھا کہ جس میں خیانت کبھی نہ کی

قائداعظم بلاک کی سیڑھیوں پر بیٹھی بیلا بنت فاروق احمد نے اپنے کھارے آنسو پونچھتے ہوئے سوچا تھا۔ "ہاں... محبت کا کیا ہے۔ محبت چھوڑ دوں گی مگر میں اپنے ابا کا سر کبھی نیچا نہیں ہونے دوں گی۔" اور

محبت چار قطار ہو گئی۔ مسکراتی رہی۔ قہقہے لگاتی رہی۔
م۔ح۔۔۔ب۔۔۔ت۔۔۔

✡ ✡ ✡

شمعوں جلی جلی شام ہاسٹل کے احاطے میں گھوم رہی تھی۔ انگلش والیاں واک مین کانوں سے لگائے میوزک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔ شام کے نارنجی بلب جل چکے تھے۔ کچھ شخصیات پیٹ پوجا میں مصروف تھیں۔ فائن آرٹس والیاں ایف بی پر اسٹیٹس اپلوڈ کر رہی تھیں۔ بیلا، روشی، ریحانہ اور صدف سلانٹی اسنیکس کا ڈھیر لگائے گول دائروی بنچ پر بیٹھی تھیں۔ یہ ان کا ہاٹ پوائنٹ تھا، جہاں حالات حاضرہ سے لے کر مہنگائی تک ہر چیز ڈسکس کی جاتی تھی۔ صدف نے دوپٹے سے ماتھے کا پسینہ پونچھا تھا۔

"یہ آج واقعی گرمی زیادہ ہے یا پھر مجھے محسوس ہو رہی ہے۔" روشی نے شاپر میں باقی ماندہ چورن تلاشا تھا۔

"گرمی تو ہے۔ سارے میں حبس بھرا ہے، کاش بادل آئیں اور بارش ہی برس جائے، ہر چیز دھل دھلا کر نکھری نکھری ہو جائے۔" آخر میں ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔ ریحانہ نے موبائل سے سر اٹھایا تھا۔

"تم تینوں سے ایک سوال ہے۔" صدف بدمزا ہوئی تھی۔

"میتھ کا نہ پوچھ لینا میری تو میتھ پہلے ہی کمزور ہے۔"

"اور پلیز مینڈک کا سائنسی نام نہ پوچھ لینا، کیونکہ اکثر تم ایسے ہی بے ہودہ سوال کرتی ہو۔"

"دفع ہو کامن سا سوال ہے زندگی سے ریلیٹڈ۔" بیلا اب متوجہ ہوئی تھی۔

"خیریت ہے، آج سائنس چھوڑ کر زندگی کو پکڑے بیٹھی ہو۔"

"ارے نہیں۔۔۔ سوال کچھ اور ہے، کافی دلچسپ ہے۔" وہ مسکرائی تھی۔ صدف کو جی بھر کے تاؤ آیا تھا۔

"بچوں کی طرح پہیلی پہیلی کیوں کھیل رہی ہو جلدی سے سوال منہ سے پھوٹو۔" روشی پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ بیلا منتظر نظروں سے ریحانہ کو دیکھ رہی تھی۔ صدف سوال کا پہلے سے جواب ڈھونڈنے کی کوششوں میں تھی۔

"محبت کیا ہے؟" ریحانہ نے سوال کیا اور تینوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تھا، روشی کو سوال بے تکا سا لگا تھا۔

"پہلے کر تو لوں، پھر ہی وضاحت کر سکوں گی۔"

"جی نہیں۔۔۔ محبت کی نہیں جاتی، محبت ہو جاتی ہے۔"

"گھٹیا فلمی مکالمے مت جھاڑو سوال کا جواب دو بس۔" روشی نے پرسوچ نظروں سے سب کے چہرے دیکھے۔ دیکھتی رہی۔ پھر ذرا آگے ہوئی اور مسکرائی۔

"میرے نزدیک پتا ہے محبت کیا ہے؟"

"کیا ہے؟" ریحانہ نے بے تاب ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔

"میرے نزدیک محبت موت کی دھمکی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"ایں۔۔۔ دھمکی؟ یہ کیسا جواب ہوا بھلا موت، دھمکی۔۔۔؟" ریحانہ کی حیرت ختم نہ ہوتی تھی۔ صدف کوئی افسانوی سا جواب سوچ رہی تھی۔ روشی نے اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔

"میری طرف دیکھو۔۔۔ محبت میں لڑکا لڑکی سے کہتا ہے کہ تم سے بچھڑا تو مر جاؤں گا اور لڑکی، لڑکے سے کہتی ہے کہ اگر تم نہ ملے تو میں موت کو گلے لگالوں گی۔ مگر آخر میں ہوتا کیا ہے؟ دونوں بچھڑ جاتے ہیں اور دونوں نہیں مرتے۔" روشی نے جیسے محبت کا کچا چٹھا کھول کر سامنے رکھ دیا تھا۔ (ویسے بات تو سچ ہی تھی) ریحانہ نے متاثرانہ نظروں سے روشی کو دیکھا تھا، جواب بے نیازی سے پاؤں جھلا رہی تھی۔

"روش۔۔۔ کتنی ڈیپ (گہری) ہو تم۔۔۔ میں تو تمہیں لاابالی اور لاپروا سمجھتی تھی۔" روشی نے سلانٹی پیک کا پٹاخا بجایا تھا۔

"صدقے جاؤں تم میرے بارے میں کتنا اچھا سوچتی ھیں۔ تمہیں اپنی سوچ بدلنے کی سخت ضرورت ہے۔" تنبیہہ کردی گئی تھی، خاک اثر نہ ہوا تھا۔

"صدف تمہارا کیا خیال ہے محبت کیا ہے؟" صدف نے تخیل کی اڑان کو سمیٹا تھا۔ آوارہ روشنیاں شام کی محفل میں اکٹھی ہورہی تھیں۔ بیلا جیسے اردگرد سے بے نیاز ہاتھوں کی لکیروں میں مگن تھی۔

"میری نظر میں محبت رنگوں، تتلیوں، خوشبوں، روشنیوں، خوشیوں کا مجموعہ ہے۔ محبت ہے تو زندگی ہے اور زندگی محبت ہی تو ہے۔ میں نے قدرت میں محبتوں کو ڈوبتے ابھرتے دیکھا ہے۔ محبتوں کا ذکر بھی پیارا لگتا ہے، افسانوں میں، کہانیوں میں، قصوں میں، داستانوں میں۔۔۔ میں نے محبت نہیں کی، مگر میں نے محبت کو پڑھا ضرور ہے۔ محبت بار بار پڑھی جانے والی داستان ہے۔"

"بیلا تمہاری رائے کیا ہے محبت کے بارے میں؟" ریحانہ۔۔۔ اس سے اب پوچھ رہی تھی۔ بیلا نے جانے کیوں بار بار پلکیں جھپکی تھیں۔ سوال آسان ترین تھا اور جواب مشکل ترین۔۔۔ وہ روشنیوں کے گرد پتنگوں کے لاشے اکٹھے ہوتے دیکھتی رہی۔

"میں محبت کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتی۔ بس میں نے لوگوں کو محبت کرتے دیکھا ہے۔ محبتوں کے قصے سنے ہیں۔ میں ہر بار بس محبت کے ذکر پر حیران ہوئی ہوں۔ مجھے محبت نے بہت حیران کیا ہے۔ کبھی کبھی جب میں آس پاس لوگوں کو محبت کے نام پر فریب کھاتے دیکھتی ہوں تو یہ سوچتی ہوں کہ شاید محبت انا اور خودداری کے خاتمے کا نام ہے۔ محبت آپ کو اپنا نہیں رہنے دیتی، دوسرے کا کردیتی ہے۔ یہی محبت ہے۔ میں محبت سے۔۔۔ بس اتنی واقفیت رکھتی ہوں۔" وہ محبت کا ذکر ادھورا کر کے خاموش ہوگئی تھی اور مدھ بھری شام خاموشیوں کی صدائیں سنتی رہی تھی۔ صدف نے بیلا کو غور سے دیکھا تھا اور جانے کیوں پوچھ لیا تھا۔

"بیلا تم نے کبھی محبت کی ہے؟" وہ ٹھہر گئی تھی۔ ساکت رہ گئی تھی۔ محبتوں کے سوال کا جواب تو ایک تھا جسے وہ نظر انداز کررہی تھی اور بار بار کررہی تھی۔ سنہری آنکھیں تصور میں مسکراتی تھیں۔

"نہیں صدف۔۔۔ میں نے کبھی محبت نہیں کی۔" وہ انکار کیسا تھا؟ پل صراط جیسا تھا۔ وہ محبتوں کے "منکرین" میں سے تھی۔ موضوع بدل گیا تھا۔ مگر دل ہمک ہمک کر محبت کے پہاڑے پڑھتا رہا۔ وہ گم صم سی بیٹھی رہی تھی۔

"اگلے ہفتے سے ماہ رمضان شروع ہورہا ہے، کتنی رونق ہوگی نا۔ نور کی محفلیں سجیں گی۔ کتنا مزا آئے گا نا۔" عابدہ چشماٹو وہیں چلی آئی تھی۔

"کیا ہورہا ہے گرلز؟" وہ کافی ہنس مکھ سی تھی۔

"ماہ رمضان ڈسکشن ہورہی ہے۔" "اگر آخری سمسٹر نہ ہوتا اور فائنل نہ ہوتے تو گھر بیٹھ کر روزے رکھتے۔ مگر مجبوری ہے۔"

"میں تو یہ سوچ کر لرز جاتی ہوں کہ کہیں سحر و افطار میں عفت میم نے ہمیں باسی کچھ کھلادیا تو ہم نے عید سے پہلے ہی دنیا سے کوچ کرجانا ہے۔"

"اس بار ایسا نہیں ہوگا، ظلم کے خلاف آواز اٹھائی جائے گی۔" روشی نے ہر ممکن اطمینان دلایا تھا۔

"ہاں دھرنا دیں گے۔" وہ ہنسی تھی۔

"یہ چنبیلی اور عفت میم کے درمیان طویل خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں؟" عابدہ کو یاد آیا تھا۔ واقعی دو دن پہلے "نامعلوم" وجوہات کی بنا پر چنبیلی اور عفت میں شان دار جھڑپ ہوئی تھی اور اسی وجہ سے دونوں میں بول چال بند تھی۔ روشی دونوں کو وہ والی حدیث مبارکہ سنا چکی تھی کہ "تین دن سے زائد بول چال کی بندش اللہ کو پسند نہیں۔" مگر دونوں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال چکی تھیں۔

"ویسے سچ کہوں تو ہاسٹل کی رونق ہی چنبیلی اور عفی میم کی جھڑپوں سے ہے۔" عابدہ نے پتے کی بات کی تھی۔ وہ پانچوں ہنسنے لگی تھیں۔

"بیلا وہ لڑکی کون تھی جو ہاسٹل تم سے ملنے آئی

تھی؟" عابدہ کو اچانک یاد آیا تھا۔
"وہ ایک جاننے والی تھی۔" بیلا جانے کیوں ٹال گئی تھی۔
"بہت پیاری تھی گلابی اور نفیس سی۔" اور بیلا کو اس گلابی لڑکی کے بھیگے ہوئے اداس لہجے میں گھلے لفظ یاد آئے تھے۔
"پتا ہے بیلا... وہ میرا بہت اچھا دوست تھا' بس اسے مجھ سے محبت نہیں تھی۔ دل سو ٹکڑوں میں بٹا... اذیت لادوا... وجود فنا..." بیلا نے ہتھیلی پر آنسو گرتا محسوس کیا تھا۔
"بیلا... تم ٹھیک تو ہو؟" دھند کے پار سے ریحانہ کی ہلکی ہلکی آواز ابھر رہی تھی۔
"یس... آئی ایم اوکے' آنکھوں میں کچھ چلا گیا تھا۔" (کچھ راز چھپانے کے ہوتے ہیں' ان کی رونمائی ساری زندگی نہیں کی جاتی' کبھی نہیں۔) شام کا فسوں ٹوٹ رہا تھا۔
"عید کے لیے ساوات یا عجوہ سے ڈیزائنر سوٹ خریدیں گے۔"
"ہاں... لیکن آخری دنوں میں خریدیں گے۔" صدف نے تائید کی تھی۔
"ہاں ٹھیک ہے' یہی بہتر ہوگا۔ بیلا تم اس عید پہ کیا خریدو گی؟" وہ چونکی تھی۔ شام ڈھل رہی تھی۔
"ابھی کچھ سوچا ہی نہیں۔" روشی نے دھمو کا جڑا تھا۔
"عید گزر جانے کے بعد ہی سوچتی رہنا بس تم..." عابدہ کو اپنی پریشانی یاد آئی تھی۔
"یار... سروس پر کوئی نیو ہیل کلیکشن آئی ہے کیا؟" وہ واقعی پریشان تھی۔ ریحانہ نے قہقہہ لگایا تھا۔
"ارے خواہ مخواہ کے کمپلیکسز سے باہر نکل آؤ۔ تمہارا قد اب اتنا بھی چھوٹا نہیں۔"
"وہ میرے فیانسی کو لمبا قد پسند ہے۔" وہ شرما کر بولی تھی۔ وہ ساری قہقہے لگا رہی تھیں۔ زرد پتے بیلا کے قدموں میں آن ٹھہرے تھے۔ "وہ میرا اچھا دوست بھی تھا اور اسے مجھ سے شاید محبت بھی تھی۔ مگر..." شام رات ہوگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

پیرس کے شہر پر اداسیاں قطار در قطار اتری تھیں۔ وہ تینوں کیفے میں بیٹھے کریم کافی کے تیسرے کپ سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔
"اسے ضرورت کیا تھی محبت کرنے کی؟" جیکسن باف نے تلملاتا ہوا سوال کیا تھا۔ ماریانا ایک اچھی سامع تھی' جو کہ چپ چاپ سب سن رہی تھی۔
"اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں نے محبت کو مجبور کیا کہ آؤ مجھ میں انجیکٹ ہو جاؤ۔ اٹ واز نیچرل ڈیرک" نے بے بسی سے کپ ٹیبل پر پٹخا تھا۔
"یہ میرا انتہائی قیمتی کپ ہے ڈیرک' جسے تم پانچویں بار پٹخ رہے ہو۔" ڈیرک بے طرح شرمندہ ہو گیا تھا۔
"سوری ماریانا۔" ماریانا نے معذرت قبول کرلی تھی۔
"اِٹس اوکے۔" جیکسن نے اپنی ٹوپی کے پھندنے کو نوچ ڈالا تھا۔
"میں ایک بات سوچ رہا تھا۔" دونوں نے نظریں اٹھائی تھیں۔ "محبت کو قدرتی جذبہ نہیں ہونا چاہیے' یہ انسانوں کے لیے نقصان دہ ہے۔"
"آپ سوچیں گے اور ہو جائے گا ایسا ممکن نہیں ڈیڈ۔" ڈیرک نے گردن نفی میں ہلائی تھی۔ ماریانا نے اپنا کپ اٹھایا تھا۔ وہ جینز پر لانگ شرٹ پہنے ہوئے بال گول جوڑے میں باندھے ہسپانوی لڑکیوں کی طرح لگ رہی تھی۔
"میں تو شروع سے ہی اس جذبے کے خلاف ہوں' اک ایسا جذبہ جو آپ کی عزت نفس اور ایگو کا منٹوں میں صفایا کردے۔ ایسے ستائے انسانوں کی گنتی کرتے کرتے میں تو تھک چکی ہوں۔" جیکسن نے کافی کی موٹی تہہ ڈسٹ بن میں اچھالی تھی۔
"گنتی کا ایک ہندسہ تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہے۔" وہ مسکراہٹ چھپا گئے اور وہ مسکراہٹ

بھانپ گیا۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔ مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے؟"

انداز میں شاک کی جگہ صدماتی کیفیت زیادہ تھی۔

تم مجھ پر الزام مت لگاؤ۔" اُنہیں غصہ آیا تھا۔

"آپ نے کیا' کیا ہے میرے لیے... بتائیں... جواب دیں۔" وہ سوال کر رہا تھا۔ اور اس انداز میں کر رہا تھا کہ جیکسن باف کا دل چاہا مکا مار کر اس کے اگلے دو دانت شہید کر دیں۔ جیکسن باف آہستہ آہستہ چلتے ہوئے کیفے کے شیشے کے پاس جا کھڑے ہوئے تھے۔ وہ باہر دیکھ رہے تھے۔

"کیا' کیا ہے میں نے تمہارے لیے؟ تمہاری محبت کے لیے؟ کیا نہیں کیا میں نے تمہارے لیے؟ جو کچھ باقی باپ اپنی اولاد کے لیے کرتے ہیں' بس میں نے وہ نہیں کیا تمہارے لیے... کیونکہ تم میرے دوست بھی تو ہو۔ آج کل پیرس میں بارشوں کا موسم ہے اور میں تمہاری محبت کے لیے برستی بارشوں میں چرچ کی گھنٹیاں بجا رہا ہوں۔ بائبل پڑھنے کے بعد پہلی دعا تمہاری محبت کی کرتا ہوں۔ بہت پہلے سنا تھا چرچ میں آدھی رات کو بجائی جانے والی گھنٹی محبت کی قبولیت دیتی ہے اور میں پچھلے اٹھارہ دنوں سے وہ گھنٹی بجا رہا ہوں۔ میں برستی بارش کی پروا نہیں کرتا' کیونکہ میں تمہاری محبت کی پروا کرتا ہوں۔ میں ہولی چرچ کے قبرستان چلہ کاٹنے گیا تھا' مگر واپس لوٹ آیا' تم جانتے ہو ایسی جگہوں سے مجھے خوف آتا ہے' میرا دل بند ہونے لگتا ہے۔ بس میں یہی نہیں کر سکا تمہاری محبت کے لیے۔ باقی سب تو میں نے کیا نا۔" وہ بے آواز قدموں سے بے آواز روتے کیفے کا گلاس ڈور پار کر گئے تھے۔ ماریانا اور ڈیرک ساکت بیٹھے رہے تھے۔ جیسے دو بت... دو مجسمے...

"میں ان کے لیے جان دے سکتا ہوں ماریانا۔" وہ دنیا کی سب سے پیاری مسکراہٹ مسکرایا تھا۔

"پھر ان کے سامنے یہ بات کیوں نہیں کہتے تم؟" ماریانا کو حیرت ہوئی تھی۔

"وہ مغرور ہو جائیں گے۔"

"وہ خوش بھی ہو جائیں گے۔" ماریانا کو قلق سا ہوا تھا۔ ڈیرک باف نے گل دان میں لگا نیلا پھول گول گول گھمایا تھا۔

"تمہارے سامنے جو اتنے معصوم بن کر گئے ہیں نا۔ گھر جا کر خوب لڑائی کریں گے' اپنے ہاتھوں کی بدمزا کافی پلائیں گے۔ دو چار کپ بھی ٹوٹنے کے امکان ہیں۔" وہ ہنسی تھی۔

"واقعی؟" اُسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

"جی ہاں... پل پل رنگ بدلتے ہیں مجھ سے بہت محبت کرتے ہیں' کبھی کبھی سوچتا ہوں جیکسن باف نہ ہوتے تو جانے میرا کیا ہوتا۔" وہ افسردہ ہو رہا تھا۔ ماریانا شیشوں کے پار اترتی شام کو دیکھ رہی تھی۔

"جب کوئی نہیں ہوتا' تب خدا ہوتا ہے اور تب انسانوں کی حاجت نہیں رہتی۔" ڈیرک نے نیلے پھول کی پتیوں کی نزاکت محسوس کی تھی۔

"ہاں تم نے سچ کہا۔" وہ چند ثانیے خاموش رہے تھے۔ تب ماریانا نے سر اٹھا کر اسے بغور دیکھا تھا۔

"وہ واپس آ رہی ہے۔" وقت جلد کھڑا رہا۔ نیلا پھول ڈیرک کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا تھا۔

"وہ بھی ساتھ آ رہا ہے؟" وہ سوال جانے کیوں ماریانا کو کسی چابک کی طرح لگا تھا۔

"میں فیریا کے لیے جان دے سکتی ہوں' مگر اس کی محبت کے لیے کچھ نہیں کر سکی۔ اب لگ رہا ہے' کبھی کبھی جان دینا اتنا قیمتی نہیں ہوتا۔" وہ ٹشو سے آنسو پونچھ رہی تھی۔ وہ خوبرو شخص اپنا سوال دہرا رہا تھا۔

"کیا وہ بھی ساتھ آ رہا ہے؟" وحشتیں قطار ہو گئیں۔

"جیکسن باف نے سچ کہا' محبت کے لیے آدھی رات کو بجائی جانے والی گھنٹی قبولیت کی نوید ہوتی ہے۔" وہ سسکی تھی۔ (فیریا... میں تمہارا سامنا کیسے کروں گی۔)

"میں نے اسے محبت نہ ملنے کی کوئی بددعا نہیں دی تھی ماریانا۔ میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے تو بس اپنی محبت کے لیے دعا کی تھی۔" اور محبت تو پیرس کی سڑکوں پر

پھندنے والی ٹوپی والے ماش بیتوں جیسی تھی جو صرف تماشا دیکھتی تھی۔ دیکھ رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

بستی کھوکھر میں رمضان المبارک کے مقدس مہینے کی رونقیں پھیلی ہوئی تھیں' تاروں کے دودھیا اجالے میں کھیت بہت خوب صورت نظر آتے تھے۔ بستی کھوکھر کی فاروقیہ مسجد سے وقفے وقفے سے آوازیں بلند ہو رہی تھیں۔ "اللہ دے پیارو... اٹھو... روزہ رکھو۔" آواز دور' دور تک پھیل رہی تھی'سکون کے لمحوں میں آوازیں یوں ہی گونجتی ہیں۔ فاروق احمد چارپائی پر بیٹھے تھے۔ اماں چولہے کے پاس بیٹھی پراٹھے بنا رہی تھیں۔ جیدی ان کے پاس پیڑھی رکھے بیٹھا تھا۔

"میں آپ کو پہلے بتا رہا ہوں سارے روزے رکھوں گا۔" انداز میں دھونس تھی' اماں چمٹے سے پراٹھا پلٹ رہی تھیں۔

"عبادتیں دکھاوے کے لیے نہیں کی جاتیں۔"

"رشید نے پچھلی بار پورے روزے رکھے تھے' اس بار بھی سارے رکھے گا۔" تیل کی خوشبو پھیل رہی تھی۔

"تو نے اپنی عبادت کرنی ہے یا اس رشید سے مقابلہ بازی کرنی ہے۔" اماں نے پیالیاں ساتھ ساتھ دھوتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"سارے لڑکے اتنے روزے رکھتے ہیں۔ میں کیوں نہیں رکھ سکتا؟" منہ سوجھ کر جیسے کپا ہو گیا تھا۔

"وے جیدی اللہ تجھے ہدایت دے۔ اللہ عبادتوں کی تعداد نہیں دیکھتا' وہ تو بس نیت دیکھتا ہے۔" جیدی نے ضد کر کے اب کی بار چمٹے سے پراٹھا پلٹا تھا۔

"نیت کیوں دیکھی جاتی ہے؟" اماں سوچ میں پڑ گئیں۔

"عبادت کی روح نیت ہوتی ہے' دکھاوے کی عبادت ریاضت رب کو پسند نہیں۔" وہ سر ہلا گیا۔ فاروق احمد نے ہانک لگائی تھی۔

"ارے بیس منٹ ہو گئے۔ ابھی تک سحری تیار نہیں ہوئی؟ بیلا دھی ہوتی تو جھٹ پٹ سب بنا لیتی۔" اماں کو چڑانا مقصود تھا اور وہ چڑ بھی گئیں۔

"تو لے آتے نا بیلا کو؟" فاروق قہقہہ لگا گئے تھے۔

"لینے جاتا تو تم سے ہرگز نہ پوچھتا' بس اس کے اصل پیپر نزدیک ہیں' تو پڑھائی کا حرج ہو گا۔" اماں نے پراٹھے اور دہی کی کٹوری ان کے سامنے رکھی تھی' وہ ہمیشہ سے پراٹھے اور دہی سے سحری کرتے آ رہے تھے۔ جیدی قریبی کھاٹ پر بیٹھا چائے سڑک سڑک پی رہا تھا۔

"ابا... جب بیلی سولہ جماعتیں پاس کر لے گی تو وڈی استانی بنے گی؟" کافی سوچ کر سوال کیا گیا تھا۔

"ہاں... ہاں... ضرور..."

"بیلی تو ظالم بن جائے گی' ڈنڈے مارے گی' مرغا بنائے گی۔" بہت فکر مند سا لہجہ تھا۔ سینہ چوڑا ہو گیا تھا۔ طاق پہ رکھا فون بجنے لگا تھا۔ اماں نے اٹھا کر ابا کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"ابا پہلا روزہ مبارک..." فاروق احمد نے بیلا کی چہکتی آواز سن کر دل میں ٹھنڈ اترتی دیکھی تھی۔

"خیر مبارک... کیسی ہو بیٹا؟" وہ مسکرائی تھی۔

"اچھی ہوں ابا... آپ سب کیسے ہیں؟" وہ پوچھ رہی تھی۔

"ہم سب ٹھیک ہیں۔" بیلا کمرے کی کھڑکی میں جا کھڑی ہوئی تھی۔

"آپ سب کو بہت یاد کر رہی ہوں۔" اداس منظر تھے' اداسیاں نیم کے پیڑ پر چڑھی بیٹھی تھیں' دیکھے گئی تھی وہ۔

"ہم سب بھی تمہیں بہت یاد کر رہے تھے۔ فاروقیہ مسجد سے سحری کی دعوت دی جا رہی ہے۔" اور وہ فون کے پار ڈوبتی ابھرتی آواز سن رہی تھی۔ وہ جیسے بستی کھوکھر میں پہنچ گئی تھی۔

عرشاں تو اترا نور تے چانن ہو گیا
اللہ سونہڑے دا پاک رمضان آ گیا

بستی کھوکھر کے نعت خواں افضل صاحب کی آواز

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

گونج رہی تھی، وہ مسحور سی کھڑی سنتی رہی تھی۔
سحر تب ٹوٹا جب جیدی کی آواز ابھری تھی۔
"بیلی... جب تو سولہ جماعتیں پڑھ لے گی تو کیا وڈی استانی بن جائے گی؟" وہ مسکرائی تھی۔
"تمہیں کس نے کہا؟"
"اے لو... ساری بستی والے یہی کہتے ہیں۔" وہ ڈوبتی ابھرتی روشنیاں دیکھ رہی تھی۔
"سچ کہتے ہیں جیدی۔ اگر میں نے اپنی بستی کے بچوں کو تعلیم نہ دی تو میرے اپنے پڑھنے کا میری بستی کو، یہاں کے لوگوں کو بھلا کیا فائدہ ہوگا۔" دوسری طرف سے سرگوشی ابھری تھی۔
"اچھا مجھے بھی پھر اپنی جماعت میں داخل کرنا۔" وہ اصرار کررہا تھا۔
"ہاں... ہاں ٹھیک ہے۔"
"لو... اماں سے بات کرو۔" نور کی چادر دھرتی پر پھیلی ہوئی تھی۔ اماں پائنتی کی طرف بیٹھی تھیں۔
"کیسی ہو بیلا، میری دھی؟ کوئی پریشانی تو نہیں؟" وہ ماں تھیں، فکرمند تھیں۔ بیلا نے انہیں تسلی دی تھی۔
"بے فکر رہیں اماں... میں بالکل ٹھیک ہوں کوئی پریشانی نہیں۔"
چلو، شکر اللہ کا۔ عید پر کتنی چھٹیاں ملیں گی؟ اماں پوچھ رہی تھیں۔
"اماں... زیادہ نہیں ہیں بس پانچ ہیں۔ فائنل ایر کے پیپر ہونے والے ہیں تو پڑھائی کا حرج ہوسکتا ہے۔" بیلا نے وضاحت کی تھی۔
"اچھا... اچھا... دل سے پڑھنا میری دھی اور ہاں ادھر کی فکر مت کرنا۔"
"جی اماں، آپ بھی اپنا خیال رکھیے گا۔" وہ تاکید کررہی تھی۔
"ہاں... بے فکری رہ... تیری سہیلیاں کیسی ہیں؟" بیلا مسکرائی تھی۔
"سب ٹھیک ہیں، آپ کو سلام کہہ رہی تھیں۔"
"وعلیکم السلام... یہاں نہیں آئیں گی؟" اماں نے ان کی بستی کھو کھر آمد کا پوچھا تھا۔
"اماں پیپرز کے بعد ضرور آئیں گی۔ انہیں گھر سے بھی اجازت مل گئی ہے۔" بیلا نے انہیں مطلع کیا تھا۔ وہ خوش ہوگئی تھیں۔
"جی آیاں نوں۔ لازمی لے کر آنا۔" آدھا گھنٹہ مزید بات کرکے بیلا نے فون بند کردیا تھا۔ شہر بھر جاگ رہا تھا۔ حلوہ پوری اور چنوں کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ الائچی والی چائے کی اشتہا انگیز خوشبو لاجواب تھی۔ روشی نے دروازے سے جھانکا تھا۔
"بیلا... سحری نہیں کروگی کیا۔ دس منٹ باقی ہیں۔"
"آرہی ہوں بس گھر بات کررہی تھی۔"
"اوکے جلدی آؤ۔"
وہ دونوں تین تین سیڑھیاں اکٹھی پھلانگتی ہال کی طرف بڑھ گئی تھیں جہاں سحری کا اہتمام کیا گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ہاسٹل کی کھڑکیوں پر اندھیرا دستک دیتا تھا۔ ملگجی روشنی راہ داریوں میں گھومتی پھرتی تھی۔ چنبیلی کے سرہانے رکھا بابا آدم کے زمانے کا ہاسٹل کا الارم بجتا تھا۔ اک پل تو بے چاری دہل ہی جاتی تھی کہیں، کہیں "صور اسرافیل" تو نہیں؟ بے چاری کانپ جاتی تھی، کوئی سات منٹ بعد حواس اپنی جگہ پر آتے تھے۔ انگڑائی لیتی وہ بے دار ہوتی تھی اور اگلے پل ہاسٹل کی راہ داریاں ڈھول کی آواز سے گونج رہی ہوتی تھیں۔ ساتھ ساتھ چنبیلی کی پاٹ دار آواز بھی گونجتی تھی۔
"اللہ کے پیارو... اٹھو... روزہ رکھو۔"
چنبیلی نے خاص طور پر ڈھول منگوایا تھا جو وہ سحری کے وقت ہاسٹل کی راہ داریوں میں بجاتی تھی، تاکہ سوئی ہوئی مخلوق جاگ اٹھے۔ دروازے ٹھاہ کی آوازوں کے ساتھ کھلتے تھے۔ ماسک زدہ چہرے، بکھرے بال، راہ داری کے زرد بلبوں کی ہانپتی کانپتی روشنی کسی خوف ناک فلم کا سیٹ محسوس ہوتا تھا۔ بھانت بھانت کی آوازیں ابھرتی تھیں۔

"چنبیلی... خدا کا نام لو ابھی تو اتنا وقت پڑا ہے۔" چنبیلی نفی میں سرہلاتی تھی۔

"بہنو... وقت ہی تو نہیں ہے۔" چنبیلی عفی میم کے کمرے کے سامنے جان بوجھ کر ڈھول زیادہ دیر تک اور زور' زور سے بجاتی تھی۔ عفت دھاڑتی ہوئی باہر آتی تھیں۔

"چنبیلی... میں تمہاری گردن موڑ دوں گی۔" چنبیلی مسکانے لگتی تھی۔

"بڑے شوق سے... بڑے پیار سے... بہت مان سے۔" عفت کے گھونسلا بالوں میں ننھے منے ایٹم بم پھٹنے لگتے تھے۔

"تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گی۔" چنبیلی ڈھول بجاتی آگے بڑھتی پلٹتی۔

"آپ کا کوئی روزہ مس نہیں ہونے دوں گی ڈیئر لیڈی" عفت پاؤں پٹختی میس کا جائزہ لینے چلی جاتی تھیں۔ انگلش والیاں نظمیں گنگناتی اٹھتی تھیں... فائن آرٹس والیوں کے تو جوڑوں میں بھی برش پھنسے ہوتے تھے... سوشل ورک کی مخلوق گھوڑے بیچ کر سوتی تھی بے چاری چنبیلی ڈھول بجاتی تھک جاتی تھی مگر ان کی نیند ہی نہ ٹوٹتی تھی۔ آخر کار یہ ذمہ داری روشی نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھالی تھی۔ (روش جادوگرنی سے بڑھ کر کوئی بڑا ڈھول بجانے والا نہیں۔) چنبیلی کو بیلا ہمیشہ جاگی ہوئی ملتی تھی اور اس کا اپنے کمرے کے دروازے پر استقبال کرتی تھی۔

"بیلا... تم اتنی صبح کیسے جاگ جاتی ہو؟" وہ حیران ہوتی تھی۔

"ہم گاؤں والوں کو عادت ہوتی ہے۔" چنبیلی غنودگی کے عالم میں ادھر ادھر ڈول رہی ہوتی تھی۔ ایک بار تو بے چاری فرش پر گر بھی پڑی' کافی زخمی ہوئی تھی۔ تب ڈھول بجانے کا فریضہ روشی نے سرانجام دیا اور سارا ہاسٹل پہلے سے جاگا ہوا ہی ملتا تھا۔ (روشی کی ڈھولک... ہائے نہیں۔) رجو آنٹی میس انچارج کے ساتھ ساتھ کک بھی تھیں اور نہایت بری کک تھیں۔ سحری کے وقت خوب احتجاج ہوتا تھا۔

"یہ چاول ہیں یا کھچڑی..." انگلش والیاں دہائی دیتی تھیں۔

"یہ چپاتی کے نام پر ہمارے ساتھ ہی مذاق کیوں ہو رہا ہے؟" اردو والیاں خاصی نفاست پسند تھیں۔

"یہ چائے کی پیالیاں یقیناً" پچھلے ہفتے ہی دھوئی گئی تھیں" "کپ توڑے گئے۔ خوب غصہ کیا گیا۔ رجو آنٹی کانوں سے ذرا بہری تھیں' ہنس ہنس کر تعریف سمجھ کر وصولتی رہیں۔ چنبیلی نے عفت میم کی عدالت لگائی تھی۔

"شرم و مروت دنیا سے رخصت ہوتی نظر آتی ہے۔ بے چاری لڑکیاں روزے سے ہوتی ہیں اور جو کھانا پک رہا ہے نری بیماری ہے۔ روزہ داروں کی آہوں سے بچیں۔" عفت نے اطمینان سے سر اٹھایا تھا۔

"تمہارا انداز اچھا لگا۔" چنبیلی کو جی بھر کے تاؤ آیا تھا۔ وہ ذرا آگے ہوئی۔ عفی کاؤنٹر والی کرسی پر ایک عدسے والی عینک لگائے "عذاب قبر" پڑھ رہی تھیں۔ (ماہ رمضان کا خیال آگیا ہوگا شاید...) مگر یہ کیا؟ "عذاب قبر" کا ٹائٹل دور جا پڑا تھا اور اندرونی صفحات پر بشریٰ رحمان کا "لگن" نظر آ رہا تھا۔ چنبیلی ساکت رہ گئی۔ عفت کھسیانی ہنسی ہنس دی تھیں۔

"آپ کا دکھاوا آپ کو کہیں کا نہیں رہنے دے گا۔ عذاب قبر کے ٹائٹل کے پیچھے رومانوی ناول پڑھا جا رہا ہے۔ واہ بھئی... واہ... کچھ تو خوف خدا کریں۔" عفت مزے سے اٹھیں۔ "عذاب قبر" کا ٹائٹل "لگن" پر جوڑ کر اطمینان سے مصروف مطالعہ ہو گئیں۔ چنبیلی نے جلتے بھنتے ہوئے کچن کی راہ لی اور رجو آنٹی کو رات میں جیسے سورج دکھا دیا تھا۔

"ارے بہن... اللہ کی مار ہو۔ کیوں پرائی لڑکیوں کو فاقوں سے مارتی ہو؟ خود جانے کتنے بچوں کی ماں ہو۔" رجو آنٹی پراندہ لہراتی حلیم کے دیگچے میں ڈوئی چلا رہی تھیں۔ دکھ سے چور چور ہو گئیں۔

"تین منگنیاں تڑوانے کے بعد جو تھا رشتہ نہیں آیا۔" چنبیلی کو تاؤ آگیا تھا۔

"ایسے کرتوت ہوں تو رشتے نہیں آتے۔ شہنائیاں نہیں بجتیں۔" رمضان المبارک کا دوسرا عشرہ آگیا مگر رجو آنٹی کی سرگرمیاں ویسی کی ویسی ہی رہیں۔ ہر سحرو افطار پر روزہ داروں نے جلے دل سے رجو آنٹی کی شان میں قصیدے پڑھے۔

اگلے دن عجیب واقعہ ہوا۔ رجو آنٹی نے بے دھیانی میں گیس کھولا۔ گیس کے شعلے بھڑکے اور وہیں رجو آنٹی کی آنکھوں کی پتلیاں شہید ہوگئیں۔ جل گئیں... چنبیلی عفت کے کاؤنٹر پر آئی اور فرمان جھاڑ دیا۔

"جو دوسروں سے عبرت حاصل نہیں کرتے وہ لوگ خود نشان عبرت ہو جاتے ہیں۔" چنبیلی کی جذباتی تقریر نے عفی میم کو پانی پانی کر دیا تھا۔ میس انچارج کی تبدیلی ہوئی اور صدیقہ آنٹی آئیں، تب کہیں ہاسٹل میں رمضان کی رونقیں نظر آئیں۔ وہ بہت شفیق اور نفیس خاتون تھیں۔

✡ ✡ ✡

روزے سے نڈھال عوام جوہر بلاک کے پیپل تلے جمع ہوتی تھی۔ گپیں لگائی جاتی تھیں۔ ایم۔ اے اسلامیات والیاں بہت پیارے سبق آموز واقعات سنائی تھیں۔ دو دن پہلے آندھی آئی تھی۔ پیپل کے پیڑ گر پڑے تھے۔ پرندوں کے گھونسلوں میں انڈے جو بکھر گئے تھے۔ بیلا اور صدف وہ انڈے احتیاط سے جمع کر رہی تھیں۔

"تنکے تنکے سے جوڑے گئے گھونسلوں کو آندھیاں ایک پل میں بکھیر دیتی ہیں۔ آندھیاں کتنی ظالم ہوتی ہیں نا بیلا؟" صدف دوپٹے سے وہ سبزی مائل انڈہ صاف کر رہی تھی۔

"ہاں... بہت زیادہ... ہمارے گاؤں میں آندھیاں آتی ہیں۔ کھجور کے درختوں پر چھوٹی چھوٹی رنگ برنگی چڑیوں کے گھونسلے اڑ جاتے ہیں۔ انڈے ٹوٹ جاتے ہیں۔ چڑیاں روتی کرلاتی، کھجور کے گرد دیوانہ وار رقص کرتی ہیں۔"

صدف اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ "پرندے بھی روتے ہیں۔" وہ پرندوں کے دکھ پر اپنی نم آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

"ہر جان دار روتا ہے، پرندے بھی روتے ہیں۔" وہ دونوں انڈے دو گھونسلوں میں جمع کیے قریبی اونچے پیپل کو دیکھ رہی تھیں، جہاں چڑیاں دیوانہ وار گھوم رہی تھیں۔

"بیلا... یہ گھونسلے اوپر کیسے باندھیں گے؟" وہ دونوں تشویش سے دیکھ رہی تھیں۔ پیپل کا تنا خاصا موٹا اور چوڑا تھا اور وہ دونوں کامنی سے لڑکیاں تھیں۔

بیلا نے ادھر ادھر دیکھا تھا، نظر دور کھڑے منعم پر پڑی تھی۔ وہ اس کی طرف آگئی تھی۔ جینز کے اوپر اراماتی کی شرٹ، رولیکس کی گھڑی اور کنگ روز کی خوشبو سے مہکے شخص نے حیرت سے اپنے سامنے کھڑی بیلا کو دیکھا تھا۔ "کیا مطلب؟"

بیلا نے اپنا سوال دہرایا تھا۔ "کیا تم درخت پر چڑھ سکتے ہو؟"

"یہ کیسا سوال ہے؟" سوال واقعی عجیب تھا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ آگے آگے چل رہی تھی اور وہ اس کے پیچھے پیچھے تھا۔

"کیا تم مجھے اغوا کرنا چاہتی ہو؟" وہ شریر ہوا تھا، بیلا رکی، پلٹ کر اسے دیکھا۔

"میں ایسا کیوں کروں گی؟" وہ بھی تھم گیا تھا، دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے۔ صدف ہاتھ ہلا کر جلدی آنے کے اشارے کر رہی تھی۔

"آخر اتنا ہینڈسم ہوں... لڑکیاں پیار کرتی ہیں۔ جان دیتی ہیں، مرتی ہیں۔" بیلا نے بڑی مشکل سے اپنا آپ سنبھالا تھا۔ روش پر زرد پتے اڑنے لگے تھے۔ سویٹ پی کی بیل کی اوٹ سے محبت جھانک رہی تھی۔ بیلا بنت فاروق سنبھل گئی۔ "منہ دھو رکھو اپنا۔"

میں تمہارے لیے نہیں مر سکتی، جان بھی اتنی ارزاں نہیں میری۔" وہ چل پڑی۔ وہ رکا رہا تھا۔

"اور پیار...؟" پیچھے سے صدا آئی تھی۔ وہ ساکت

رہ گئی تھی۔ صنم جانے کیوں بت کر دیتے ہیں؟ اسے جیسے خود کو سنبھالنے میں صدیاں لگی تھیں۔

"میں تم سے پیار کروں گی۔ ہونہہ.... جی نہیں.... اب تم اتنے خاص بھی نہیں۔" جو بھی تھا اور جیسا بھی تھا' لان کے پرنٹڈ جوڑے میں وہ عام سی لڑکی جانے کیوں منعم علی کو دنیا کی سب سے خاص لڑکی لگی تھی۔

"ہاں.... میں اتنا خاص کہاں ہوں۔" وہ دونوں گرے پتے روندتے پیپل تک آئے تھے۔ چڑیوں کا جھرمٹ پیپل کے گرد اڑتا ہوا اب بھی کرلا رہا تھا۔ بیلا نے دونوں گھونسلے منعم کو تھما دیے تھے۔

"یہ پیپل کی ٹہنیوں کے ساتھ مضبوطی سے باندھ دو۔" یونی ورسٹی کے سب سے خوب صورت لڑکے نے کف موڑے' جوتے اتارے اور پیپل پر چڑھنے لگا تھا۔ تین بار گرا' مگر چوتھی بار پیپل چڑھنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ بیلا کو اس وقت وہ بہت اچھا لگا تھا۔ بہت پیارا اور سب سے خاص.... بیلا نے اسے گھونسلے پکڑائے تھے جو منعم نے احتیاط سے مضبوط ٹہنیوں کے ساتھ باندھ دیے تھے۔

"کیا تم پچھلے جنم میں چھلاوے رہے تھے؟" منعم نے جل کر جواب دیا تھا۔

"چھلاوے تین بار نہیں گرتے۔" وہ منہ پر ہاتھ رکھے ہنسی تھی۔ اور وہ ٹہنی پر ہاتھ رکھے دیکھتا رہا تھا۔

"اب نیچے اترو۔" وہ اسے نیچے اترنے کو کہہ رہی تھی۔

"اگر نہ اتروں تو....؟" وہ شرارت پر آمادہ ہوا تھا۔

"چلو صدف.... یہ یہیں الووں کے ساتھ مذاکرات کرتا رہے۔" وہ صدف کو لے کر چل پڑی تھی۔ دو قدم چلی تھی کہ دھپ کی آواز سنی تھی۔

"ہائے مر گیا۔" وہ نیچے گرا ہوا تھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف آئی تھی۔

"تم ٹھیک تو ہو نا؟" وہ فکر مندی سے اس کے چھیلے ہوئے ہاتھ دیکھ رہی تھی۔

"اب ٹھیک ہوں۔" بیلا نے چونک کر اسے دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"جلدی آؤ اردو ڈرامے کی کلاس ہے۔" صدف آگے بڑھ چکی تھی۔ وہ ہاتھ جھاڑتا اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔

"تم نے مجھے ہی گھونسلے پیڑ پر رکھنے کو کیوں کہا؟ اتنے لڑکے تھے' کسی کو کہہ دیتیں۔" وہ مسکرائی تھی۔

"کوئی میری بات نہ مانتا' سب انکار کر دیتے۔" وہ پیروں تلے آتے پتوں کی چرچراہٹ سن رہا تھا۔

"اور میں؟" لہجے میں کچھ تھا.... جو بیلا نے محسوس کر لیا تھا۔ وہ قائداعظم بلاک کی راہ داری میں کھڑے تھے۔ پیلی دھوپ میں گیندے کے پھول مہک رہے تھے۔

"کیونکہ میں جانتی ہوں' منعم علی مجھے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔" عام سی لڑکی نے بہت خاص سی بات کر کے مقابل کو پتھر کر دیا تھا۔

"اس قدر یقین کی وجہ پوچھ سکتا ہوں؟" یقین قائداعظم بلاک کے ستونوں کے پیچھے لک چھپ کھیلنے لگا تھا۔ پیلی دوپہر میں سنہری گیندے سی لڑکی نے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"کیونکہ ہم اچھے دوست ہیں۔" سنہری شخص راہ داری میں کھڑا سوچ رہا تھا۔

"ہم اچھے دوست تھے' مگر بیلا فاروق کو مجھ سے محبت نہیں تھی۔" اور محبت کونے کھدروں سے نکل آئی تھی۔ میں محبت ہوں اور بیلا فاروق کے دل کے چوتھے خانے میں ہوں۔

☆ ☆ ☆

بھکر کے مشہور "بانو بازار" میں وہ چاروں عید کی شاپنگ کرنے آئی تھیں۔ روشی چوری چھپ کے عفت کا شٹل کاک پہن آئی تھی اور انہیں بھرے بازار میں شرمندہ کروا رہی تھی' ہر کوئی مضحکہ خیز نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ مکہ کلاتھ ہاؤس' انبالہ پھول کلاتھ ہاؤس' عجوہ تک کھنگال ڈالی تھیں۔ بانو بازار ایک طویل بازار تھا جو کہ کنگ گیٹ سے شروع ہوتا تھا۔ وہ سامان سے لدی پھندی بمشکل چل رہی تھیں۔

شٹل کاک پہنے روشی کو دیکھ کر نئے سرے سے غصہ چڑھتا تھا۔

"خبردار جو آئندہ ہم تمہیں بازار لے کر آئیں۔" شٹل کاک کی ٹوپی ٹھیک کرتی روشی نے لطف لیا تھا۔

"اچھا وہ کیوں؟" ایسی معصومیت پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

"بھرے بازار میں شرمندہ کروادیا۔"

"شٹل کاک پہننے کی چیز ہے تو شرمندگی کیونکر؟"

"اس دن تو بڑی جدت پسند بی بی بنی ہوئی تھیں۔ آج کل شٹل کاک کون پہنتا ہے؟" وہ غصے سے سرخ ہو رہی تھیں۔

"اور اس دکان والے کی ہنسی دیکھی تھی۔" صدف کو وہ ہنسی نہیں بھول رہی تھی۔

"خرم گارمنٹس والے لڑکے کی طنزیہ ہنسی ملاحظہ کی تھی نا۔" ریحانہ نے دانت کچکچائے تھے۔ بیلا چوڑی ہاؤس کے سامنے رکی تھی۔

"اب لڑنا بند کرو اور عمر فاروق روڈ کی طرف چلو۔" وہ ٹھٹکی تھیں۔

"وہاں کیوں جانا ہے؟" بیلا نے گھور کر دیکھا تھا۔

"شاہین لائبریری جانا ہے۔" شاہین لائبریری بھکر کی مشہور لائبریری تھی جو عمر فاروق روڈ پر مختار پینٹرز کے ساتھ واقع تھی۔ لائبریرین جمیل ذکی پولیس مین تھے، جو کہ جاب کے علاوہ لائبریری بھی چلاتے تھے۔ نہایت شفیق اور نفیس انسان تھے۔ وہ چاروں لائبریری میں اکٹھی داخل ہوئی تھیں۔

"السلام علیکم انکل ذکی۔" کورس میں سلام کیا گیا تھا۔ وہ رجسٹر پر جھکے ہوئے تھے۔ سر اٹھایا اور شفقت سے مسکرائے تھے۔

"وعلیکم السلام۔" وہ چاروں اپنے اپنے سیکشنز کی طرف بڑھ گئی تھیں۔ بیلا اردو ادب کی طرف بڑھ گئی تھی۔ روشی ہارر ناولز کی دل دادہ تھی اور وہی ناولز الٹ پلٹ کر رہی تھی۔ ریحانہ کو ہسٹری سے زیادہ شغف تھا اور وہ زیادہ تر تبسم حجازی کو ہی پڑھتی تھی۔ صدف ان تینوں سے بے نیاز بینچ پر بیٹھی تھی اور اخبار جہاں کے تازہ شمارہ دیکھ رہی تھی۔ لائبریری ایک طویل ہال کمرے جتنی تھی، جس میں انواع واقسام کی کتابیں بھری ہوئی تھیں۔ کتابیں ایشو کروا کر وہ ہاسٹل پہنچی تھیں تو ٹھٹک گئیں۔

پورا ہال جوشیلی آوازوں اور قہقہوں سے گونج رہا تھا۔ ہال میں ہاسٹل کی ساری مخلوق پاکستان اور انڈیا کا فائنل میچ دیکھ رہی تھی۔ ہال میں کارپٹ بچھا تھا جہاں لڑکیاں ڈھیر ہوئی پڑی تھیں۔ عفت مرکز میں بیٹھی تھیں اور موٹے منکوں والی تسبیح کے دانے تیز تیز گھما رہی تھیں۔ ساتھ ساتھ ارشادات بھی جاری تھے۔

"میں پیش گوئی کرتی ہوں کہ آج پاکستان ہی جیتے گا۔" چنبیلی تکیے کے کور زبدل رہی تھی۔ "عفی میم... یقیناً" "پچھلے میچ میں بھی آپ کا یہی اندازہ تھا۔"

عفی کھسیانی ہنسی ہنس دی تھی۔ "ایک تو تم میری باتیں پکڑ لیا کرو۔ چپ کر کے اپنا کام کرو۔" انگلش والیاں مرنے والی ہو گئیں۔

"واؤ... فخر زمان... لویو..." فخر زمان چوکے چھکے لگا رہا تھا۔ تالیوں سے ہال گونجنے لگا تھا۔ دعائیں، سجدے رنگ لانے لگے تھے۔

"حفیظ کب آئے گا؟" چنبیلی کا فیورٹ حفیظ تھا۔

"آجائے گا، ذرا صبر کرو۔" ریحانہ سامان اوپر کمرے میں لے گئی تھی۔ وہ تینوں وہیں بیٹھ گئیں۔ حسن علی کی پرفارمنس پر انگلیاں دانتوں میں داب لی گئیں۔

"ارے یہ حسن علی کتنا سادہ ہے۔" چشماٹو عابدہ جانے حسن علی کی پرفارمنس دیکھ رہی تھی یا خود اسے... نغمانہ نے سب کو متوجہ کیا تھا۔

"یہ سرفراز کا بیٹا کتنا پیارا ہے۔" وہ ہنسی تھیں۔

"ہاں... واقعی..." اس دن ہاسٹل میں حب الوطنی کے رنگ بکھر گئے تھے۔ وہ قومی ترانے گنگنا رہی تھیں۔ روڈ، گلیاں، گھر، دریچے ہر طرف پرجوش آوازیں تھیں۔ "پاکستان جیتے گا۔" میڈیا الگ شور مچا رہا تھا۔ "یہ ہے جیت کی لگن" عفت نے سسپنس پھیلایا تھا۔

"مسنولڑیو۔" لڑکیاں ذرا بھی متوجہ نہ ہوئی تھیں۔ چنبیلی کی کھی کھی پر اسے گھور کر دیکھا تھا۔ عفی میم نے اعلان کردیا تھا۔

"آج اگر پاکستان جیت گیا تو بریانی کی دیگ منگواؤں گی۔" چنبیلی ٹھٹکی۔۔۔ آنکھیں چندھی کر کے دیکھا تھا۔

"ہارٹ اٹیک نہیں ہوجائے گا آپ کو۔" عفت نے اسے دھمو کا جڑا تھا۔

"منحوس ماری۔ رمضان کے مقدس مہینے میں مجھ سے کچھ سن نہ لینا۔" چنبیلی نے تکیے پرے رکھے تھے۔

"آپ جو حاتم طائی کی قبر کو لات مارنے چلی ہیں حیرت تو ہوگی ہی۔" سڑکیں ویران تھیں، ہر کوئی پاک انڈیا میچ دیکھ رہا تھا۔ دوپہر ڈھل رہی تھی۔ پاکستان نے تین سو تینتالیس کا ٹارگٹ دیا تھا۔ ہاسٹل کی عوام خیالات کا اظہار کرنے لگی۔

"اٹ واز امیزنگ۔۔۔ بہت زبردست رہا۔ یقیناً پاکستان جیت جائے گا۔" اور پھر پاکستان جیت گیا۔ ویران سڑکیں رنگوں، قہقہوں اور رقص سے سج گئیں۔ چھوٹے بڑے بوڑھے سب خوش تھے۔ پوری قوم کو اکٹھی خوشی ملی تھی۔ وطن کی خوشی سانجھی ہی تو ہوتی ہے۔ سانجھ کے قصے۔۔۔ سانجھ خوشی۔۔۔ ہال کمرہ آوازوں سے گونج رہا تھا۔ "پاکستان زندہ باد" تھوڑی دیر میں بریانی اڑائی جارہی تھی۔ چنبیلی مزے لے لے کر کھا رہی تھی۔ جب عفت چنبیلی کے پاس سے گزری تھیں۔

"دیکھ رہی ہوں یہ تمہاری تیسری پلیٹ ہے۔" چنبیلی کو اچھو لگ گیا تھا۔ تلملا کر دیکھا تھا۔

"دوسروں کے نوالے گننے والا کبھی پسندیدہ نہیں ہوتا۔" عفی تسبیح کے دانے گھماتی آگے بڑھ گئیں۔

"خیر۔۔۔ پسند تو تم مجھے بھی نہیں ہو۔" بیلا اور روشی ہنس ہنس کر پاگل ہوگئیں۔ بریانی کے بعد صدیقہ آنٹی نے کوک پلوا دی تھی۔ آج کا دن یادگار رہا تھا۔ ہاسٹل کے درودیوار میں ایک شام بیت گئی۔ شہر بھر پر رات اتر آئی تھی۔ اور ادھر پیرس ایئرپورٹ پر جیسے رات میں بھی دن کا سا سماں تھا۔ روشنیاں اتنی تھیں کہ وہ بار بار پلکیں جھپک رہی تھی۔ وہ ویٹنگ بینچ پر اکیلی تنہا بیٹھی۔ آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے تھے۔

فیریا نے اپنے آپ کو بلک بلک کر روتا محسوس کیا تھا۔

"میں نے محبت ہار دی۔" اردگرد لگے شیشوں میں عکس ٹھہر گیا تھا۔ "کیا محبت کسی کو بھی نہیں ملتی یا پھر مجھے نہیں ملی؟" وہ سر اٹھا کر چمکتے ستونوں کو دیکھ رہی تھی۔ "یہ محبت نہیں ہونی چاہیے' یہ تو ساری زندگی کی خوشیاں کھا جاتی ہے۔"

اسے کوئی لینے نہیں آیا تھا۔ تب ہی نظر اٹھی تھی۔ جیکسن باف سامنے کھڑے تھے ہاتھوں میں ٹیولپ لیے تھے۔ وہ فیریا کے پاس ہی بیٹھ گئے تھے۔ "جب میں نے محبت کی بازی ہاری تھی تو میں بالکل نہیں رویا تھا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں' میں بالکل نہیں رویا تھا۔ رونے والوں کو محبت اور رلاتی ہے۔" وہ ٹشو سے آنکھیں پونچھ رہی تھی۔

"ماریانا اور ڈیرک نہیں آئے۔" وہ پوچھ رہی تھی۔ جیکسن کھوکھلی ہنسی ہنسے تھے۔

"ماریانا تمہیں اکیلا نہیں دیکھ سکتی تھی۔" وہ سرہلا رہی تھی۔

"اور ڈیرک۔۔۔؟" جیکسن کو لگا تھا وہ ڈیرک کا نہیں پوچھے گی۔

"ڈیرک تمہیں روتا ہوا نہیں دیکھ سکتا۔" وہ جیسے حیران ہوئی تھی۔ "اتنی محبت کرتا ہے؟" وہ سوال نہیں خود کلامی تھی۔

"تم اب بالکل مت رونا۔" وہ نصیحت تھی یا جانے کیا تھا۔ وہ دونوں اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

"میں محبت کا صدیوں بیٹھ کر ماتم کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔" وہ اتنی مضبوط تھی نہیں' جتنی کہ بننے کی کوشش کررہی تھی۔

"واقعی ایسا ہونا چاہیے۔ وہ دونوں تمہارے لیے خاص کافی بنارہے ہیں۔" وہ راز کی بات بتارہے تھے۔

"آپ نے ان کا سرپرائز آؤٹ کردیا۔"

"کوئی بات نہیں۔" تب ہی موبائل بجا تھا۔ وہ

چونکی تھی۔ موبائل کان سے لگالیا تھا۔ دوسری طرف خاموش رہی' پھر آواز بھری تھی۔

"مجھے معاف کردو گی؟ تمہارا دوست مجبور تھا۔"

پیرس میں اداسیاں پگھل رہی تھیں۔

"دوست کا کوئی قصور نہیں تھا۔"

"دوست کے بیٹے کا تو تھا۔" ٹھنڈی آہ بھری گئی تھی۔

"اس کا دل تھا زبردستی تھوڑی تھی۔" وہ مسکرانے کی کوشش کررہی تھی۔

"میرا دل ہوتا تو اک پل میں دے دیتا۔ تمہیں بھکر سے خالی ہاتھ نہ جانا پڑتا۔" وہ مسکرادی تھی۔

"شکریہ دوست۔۔۔" جیکسن نے غور سے دیکھا تھا۔

"تمہیں کوئی لینے نہیں آیا؟" وہ آنسو پی رہی تھی۔

"ماریانا مجھے اکیلا نہیں دیکھ سکتی اور ڈیرک مجھے روتا نہیں دیکھ سکتا۔" ادھر وہ سن ہوئے بیٹھے تھے۔

"تم روئی ہو دوست؟" نیرا اور جیکسن روشنیاں پیچھے چھوڑے جارہے تھے

"محبت پر چار آنسو بہانے کا تو حق رکھتی ہوں۔" وہ ٹشو باکس کی طرف ہاتھ بڑھا گئے۔

"پریشان نہیں ہونا۔ اگر تم روئیں تو بھکر بھیگ جائے گا۔" وہ بریسلیٹ گھمارہی تھی' مڑکر جلتی بجھتی روشنیوں کو دیکھتی ہے۔

"اور اگر آپ میری محبت پر روئے تو سارا پیرس بھیگ جائے گا۔" وہ اور جیکسن ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔

"میں بھکر کو نہیں بھیگنے دوں گی۔" ادھر وہ آنسو پونچھ رہے تھے۔

"بے فکر نہ رہو۔ میں پیرس کو نہیں بھیگنے دوں گا۔"

بھیگا تو بھکر بھی تھا اور رویا تو پیرس بھی۔۔۔ محبت کی کہانی اختتام پذیر ہوئی تھی۔ مگر نہیں محبت کا نیا قصہ شروع ہونے کو تھا۔ جہاں محبت کی داستان ختم ہوتی ہے وہیں سے اک نئی محبت شروع ہوتی ہے۔

کوئی زنجیر ہو
آہن کی' چاندی کی' روایت کی
محبت توڑ سکتی ہے
یہ وہ ڈھال ہے' جس پر
زمانے کی کبھی تلوار کا لوہا نہیں چلتا
یہ وہ شہر ہے' جس میں
کسی آمر' کسی سلطان کا سکہ نہیں چلتا
اگر چشم تماشا میں ذرا سی بھی ملاوٹ ہو
یہ آئینہ نہیں چلتا
یہ وہ آگ ہے' جس میں۔۔۔
بدن شعلوں میں جلتے ہیں تو روحیں مسکراتی ہیں
یہ وہ سیلاب ہے' جس کو۔۔۔
دلوں کی بستیاں آواز دے کر خود بلاتی ہیں
یہ جب چاہے کسی بھی خواب کو تعبیر مل جائے
جو منظر بجھ چکے ہیں ان کو بھی تنویر مل جائے
دعا جو بے ٹھکانا تھی اسے تاثیر مل جائے
یہ چکنا چور آئینے کی کرچیاں جوڑ سکتی ہے
جدھر چاہے یہ باگیں موسموں کی موڑ سکتی ہے
کوئی زنجیر ہو اس کو محبت توڑ سکتی ہے

(اگلے ماہ ان شاء اللہ آخری قسط)

☼ ☼

کچن اور آپ

اس ماہ "صفیہ ناز" کو کچن اور آپ میں انعام کا حق دار قرار دیا گیا ہے' ادارے کی طرف سے صفیہ ناز کو تین ماہ کے لیے "ماہنامہ کرن" مفت دیا جارہا ہے۔

ثمینہ مشتاق

تجھ سے ناراض نہیں زندگی

کراچی کے بے ہنگم ٹریفک کو غور سے دیکھتی وہ اپنی مطلوبہ بس کے انتظار میں جھلسا دینے والی دھوپ میں کھڑی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی ہر شخص کو جلدی ہے 'ہر شخص دوڑ رہا ہے۔ کسی کو کسی کی پروا نہیں ہے' ہر شخص اس عجب دوڑ کا حصہ ہے۔ اپنی مطلوبہ بس کے آتے ہی وہ بھی اس دوڑ کا حصہ بن گئی۔ بس مسافروں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ اس بھیڑ کو چیر کر اپنے لیے جگہ بنانا واحد چارہ تھا۔ ورنہ آفس سے مزید دیر ہو جاتی۔ بس کی کھڑکی سے گزرتے منظر اسے اس بات کا احساس دلا رہے تھے کہ ہر آنے والا لمحہ ماضی ہوتا جا رہا ہے۔ وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ وقت کم ہے اور مقابلہ سخت۔ کبھی کبھی وہ سوچتی تھی کیوں کہا گیا ہے کہ انسان کو مرنے کے بعد ایسا لگے گا دنیا میں بڑا ہی کم وقت گزارا ایک دن یا اس سے بھی کم' وہ مسکرا دی۔ سچ ہے دوڑتے دوڑتے ہی زندگی ختم ہو جائے گی۔ اپنی منزل پر اتر کر تھوڑی سانس بحال کی اور آفس میں داخل ہو گئی۔ فرح ایک اوسط درجے کی نیوز ایجنسی میں کام کرتی تھی۔ بہت سی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ اشتہارات کی بکنگ کی اہم ذمہ داری بھی اس پر عائد تھی۔ تنخواہ تو اتنی خاص نہ تھی مگر زندگی کی گاڑی بمشکل چل رہی تھی۔

ایک اوسط گھرانے کی معمولی شکل و صورت والی لڑکی کے جتنے مسائل ہو سکتے تھے وہ سارے اس کے ساتھ بھی تھے اور اس عمر میں دیکھے جانے والے حسین خواب اس کے لیے محض ٹائم پاس ہی تھے۔ ابا کے انتقال کو زیادہ عرصہ تو نہ ہوا تھا' مگر کچھ ہی دنوں میں گھر کے حالات سے مجبور ہو کر اسے چادر اور چار دیواری کو خیرباد کہنا پڑا۔ تین بہنوں کا واحد سہارا بھائی کسی سیاسی تنظیم کو پیارا ہو چکا تھا۔ ماں اس کے غم میں دن رات گھلتی رہتی تھی۔ فرح بہنوں میں سب سے بڑی تھی مگر اتنی بھی نہیں۔ گریجویشن کی ڈگری کے بعد خواب مزید دیکھے تھے' مگر کسی تعلیمی ادارے کی شکل دیکھنا نصیب نہ ہوا تھا اور اب تو ان خوابوں کو بھی چار سال سے زنگ لگ رہا تھا۔ دونوں چھوٹی بہنیں البتہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ گھر ٹیوشن پڑھا کر بڑی بہن کا ہاتھ بٹا رہی تھیں۔

آفس میں داخل ہوتے ہی اسے دو افراد کو اپنا منتظر پا کر احساس ہوا وہ آج پھر لیٹ ہو گئی ہے۔ ویک اینڈ سے پہلے اشتہارات کا زور کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ یہاں بھی وہی دوڑ فرنٹ پیج (Page) 'پہلی رو (Row First) ہر شخص سے پہلے ہماری باری کا اشتہار چھاپ دو۔ کبھی کبھی تو اسے لگتا ہر اشتہار کی طرح وہ خود بھی اشتہار بنی ہوئی ہے۔ دونوں افراد کو جیسے ہی فارغ کر کے بیٹھی امتیاز صاحب کی بیل نے اسے چونکا دیا۔ امتیاز صاحب اس نیوز ایجنسی کے مالک تھے دل کے مریض تھے' مگر دل اب بھی ضرورت سے زیادہ کام کر رہا تھا۔

"مے آئی کم ان سر۔" فرح نے A.C روم کا دروازہ ذرا سا کھول کر کہا۔

"جی ضرور تشریف لائیں۔" امتیاز صاحب نے

موٹی موٹی آنکھوں سے اسے گھورا۔ فرح نپے تلے قدموں سے کمرے میں داخل ہوگئی۔

"جی سر آپ نے بلوایا۔"

"مس فرح ہمارے آفس میں کتنا اسٹاف ہے۔" امتیاز صاحب نے مسکرا کر پوچھا۔

"سر سات افراد۔" فرح نے جھجک کر جواب دیا۔

"ہم۔۔۔ اور ان سات افراد میں سے ایک فرد آپ بھی ہیں جن پر ایک اہم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔" امتیاز صاحب کی مسکراہٹ بدستور برقرار تھی۔

"جی سر۔۔۔" فرح نے نظریں جھکا کر جواب دیا۔

"دیکھیں مس فرح اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ اس اہم ذمہ داری کو احسن طریقے سے نہیں نبھا سکتیں تو کسی معقول آدمی کے لیے جگہ خالی کردیں۔" فرح اس AC روم میں اپنے چہرے پر نمودار ہونے والے پسینے کے قطروں کو محسوس کرسکتی تھی۔ اس نے نظریں اٹھائیں تو امتیاز صاحب کی مسکراہٹ نے رہے سہے اوسان کو خطا کردیے۔ زبان کو تالے لگ گئے۔

امتیاز صاحب میز پر مزید آگے جھکے اور بولے۔

"فرح مجھے بتاؤ کیا مسائل ہیں تمہارے' روز اتنی لیٹ کیوں ہو جاتی ہو تم مجھے کبھی بتاتی بھی تو نہیں ہو مجھ پر بھروسا کرو' ہو سکتا ہے میں تمہارے مسائل حل کر سکوں۔" امتیاز صاحب کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی اور فرح کا دل بند ہونے لگا۔ وہ گھبرا کر کرسی سے اٹھ گئی۔

"سر ایسی کوئی بات نہیں ہے' میں کل سے وقت پر آنے کی پوری کوشش کروں گی۔ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔" فرح کا وہاں کھڑے رہنا محال ہو گیا تھا۔ لگتا تھا مزید کھڑی رہی تو غش کھا کر گر جائے گی۔

"ہم... ٹھیک ہے' بہتر یہ ہے کہ مجھے ایکشن لینے پر مجبور نہ کریں۔ یو مے گو ناؤ (اب تم جا سکتی ہو)..." امتیاز صاحب کی مسکراہٹ غائب اور آواز کرخت ہو چکی تھی۔ فرح فوراً" کمرے سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

دن اسی طرح گزر گیا نو سے پانچ کی نوکری میں گھر آتے آتے سات بج جاتے تھے یہ روز کا معمول تھا۔ گہرے ہوتے شام کے سائے اب تاریک ہونے لگے تھے۔ شام کو واپسی پر گھر میں چند خواتین کی آواز نے فرح کے قدم دروازے پر ہی روک دیے کوئی کہہ رہا تھا۔ "بہن بڑا برا زمانہ ہے آج کل کا' آج کل تو اچھائی اور برائی کا کوئی معیار ہی نہیں رہا ہے اور آج کل کی لڑکیاں توبہ' ماں باپ کو تو کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں۔ پیسے کی خاطر عزتیں تک نیلام کر آتی ہیں اور اس کو فیشن سمجھتی ہیں اور ان کو کچھ بولو تو ہم پچھلے زمانے کے جاہل گردانے جاتے ہیں' مگر بہن شرافت تو ہر زمانے میں شرافت ہے وقت دیکھو ذرا تمہاری لڑکی ابھی تک گھر نہیں آئی۔ ابھی سے یہ حال ہے کل کو نہ جانے کوئی گل ہی نہ کھلا آئے سر پکڑ کر رو گی۔"

فرح ان عورتوں کو نظر انداز کرتی ہوئی اپنے کمرے میں آ گئی۔ دونوں عورتوں کی آوازیں ابھی بھی کمرے میں آ رہی تھیں۔

"سلیقہ تو دیکھو ذرا' نہ سلام نہ دعا بہن آپ نے ساری عمر لڑکی کی کمائی پر گزارا کرنا ہے کیا؟ کبھی نہ کبھی تو شادی بیاہ کا سوچیں گی' کون کرے گا ایسی لڑکی سے شادی نخرے تو دیکھو' ادائیں تو دیکھو۔" فرح کی امی مجرم بنی بیٹھی رہیں۔

"بہن عزت دار لڑکیاں اتنی اتنی دیر گھر سے غائب نہیں رہتیں' بہتر ہے اپنی لڑکی کو قابو میں کرو ورنہ دو بیٹیاں آگے اور ہیں باقی آپ خود سمجھ دار ہیں۔" دونوں عورتوں کے جانے کے بعد امی فرح کے پاس آئیں۔

"ٹائم دیکھا ہے۔" امی کے طنز بھرے لہجے کو سن کر فرح نے نظر اٹھا کر دیکھا تو نو بج رہے تھے۔

"جی... نو بجے ہیں۔" فرح نے تھکے ہوئے لہجے میں کہا۔ امی کی کرخت آواز آئی۔

"یہ شریفوں کے آنے کا وقت ہے؟" فرح سے رہا نہ گیا۔

"نہیں امی یہ لفنگوں کے واپس آنے کا وقت ہے جو دن بھر عیاشی کر کے گھروں میں گھستے ہیں کس نے کہا کہ میں شریف ہوں! کیا ثبوت ہے آپ کے پاس میری شرافت کا... ! میرے پاس بھی کوئی ثبوت نہیں ہے... امی میں سارا دن حلال کمانے کی کوشش میں مصروف ہوں۔" فرح کا لہجہ رندھ گیا اور حلال کماتے کماتے عزت داؤ پر لگ گئی ہے۔ کتنی اجنبی ہو گئی تھیں امی' کون بول رہا تھا ان کے لہجے میں' سارے دن کی تھکن سے چور جسم کو ان باتوں سے غرض نہیں تھی۔

"آخر تم چاہتی کیا ہو... ؟ چار پیسے کما کر لاتی ہو تو کیا ہمیں یہ دن دکھاؤ گی... ؟ اپنا نہیں تو اپنی بہنوں کا ہی کچھ خیال کرو اتنی رات کیوں ہونے لگی ہے آخر تمہیں؟" فرح بے حسی سے بیٹھی رہی۔ "آخر جواب کیوں نہیں دیتی ہو تم۔" فرح نے بے بسی سے اپنی ماں کی جانب دیکھا اور مسکرا دی۔

"امی آپ میری سگی ماں ہیں' جنم دیا ہے آپ نے مجھے... آپ مجھ سے ایسے سوالات کریں گی تو میں آپ کو کیا جواب دوں گی۔ میرے پاس تو خود آپ سے کرنے

کے لیے ہزاروں سوال ہیں۔ اگر میں وہ سوال لے کر بیٹھی تو آپ جواب کہاں سے لائیں گی۔ فقط اتنا بتادیں کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟" فرح کی امی نے حیرت سے دیکھا۔

"اعتبار...؟ فرح بات صرف اعتبار کرنے یا نہ کرنے کی نہیں ہے' میرے پاس تمہارے پاک دامن ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ہے' دنیا دل نہیں دیکھتی ظاہری وضع قطع سے اندر کا حال کا اندازہ لگالیتی ہے ہم بہر حال ایک لڑکی ہو اور مجھے تمہاری شادی کی فکر ہے کل کو تم نے دوسرے گھر جانا ہے۔ ہمارے پاس اور کچھ نہیں فقط عزت بچی ہے بے شک تم باہر جاکر لڑکوں جیسا کمالاتی ہو مگر تم لڑکا بن تو نہیں جاتیں۔ تم لڑکا ہوتیں' ساری رات گھر سے باہر گزارتیں مجھ نیند آجاتی' مگر تم کو ذرا دیر ہوجاتی ہے میری نیندیں اڑجاتی ہیں۔ مجھے بتاؤ فرح میں کیا کروں؟" فرح نے تحمل سے جواب دیا۔

"تو اگر میں نوکری چھوڑدوں تو کیا آپ کی پریشانی حل ہوجائے گی! تب بھی یہ زمانہ خاموش نہیں ہوگا جب گھر میں فاقوں کی نوبت تھی تب آپ کے پڑوسی کہاں تھے؟ جیسے تیسے اب زندگی کی گاڑی چل رہی ہے تو یہ ایک نیا مسئلہ لے کر آپ کے سامنے آئے ہیں۔ زمانے کو تو کسی بھی حال میں قرار نہیں آئے گا یہ تو مرتے دم تک آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا معاشرہ ہمیشہ آپ کے لیے سوالیہ نشان بنا رہے گا۔ ہمیشہ کوئی نیا مسئلہ' ہمیشہ ایک نیا محاذ' مسئلہ تو کبھی حل نہیں ہوگا امی یا تو عزت کمالیں یا پیسا۔" فرح امی کو لاجواب کرکے کمرے سے چلی گئی اور پھر وہی درد چاروں طرف پھیلنے لگا۔ دماغ میں پھر دھماکے ہونے لگے کیا کوئی عورت' عزت' شرافت سے آگے بڑھنے کی نہیں سوچ سکتی کیا ہوں میں؟ ایک کمزور عورت جو کسی طرح زندگی کی گاڑی کو گھسیٹنے کی تگ ودو میں لگی ہوں اور یہ معاشرہ طرح طرح کی زنجیریں میرے پیروں میں ڈالے ہوئے ہے۔ اس کے باوجود میں اگر ہمت نہیں ہار رہی تو واقعی میں انسان نہیں ہوں انسان کے رتبے سے بھی بڑھی ہوئی کوئی مخلوق ہوں۔

آفس کا وہی معمول تھا اور امتیاز صاحب کی بڑھتی ہوئی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے معنی روز بروز مزید واضح ہوتے جارہے تھے فرح نے سوچا کتنا مجبور ہے انسان وہ سوچنے پر جو دوسرے چاہتے ہیں۔ ہم دوسروں سے کتنا ڈرے ہوئے ہیں کہ لوگ کیا سوچیں گے' لوگ کیا کہیں گے' لوگ معاشرہ' زمانہ بس کتنی زندگیاں اس سوچ نے تباہ کردی ہیں۔ کوئی انسان آزاد نہیں ہے سب ایک دوسرے کے غلام ہیں دوسروں کی سوچ کے غلام...

☆ ☆ ☆

صبح وہ پھر امی کی صلواتیں اور بس میں دھکے کھانے کے بعد آفس پہنچی تو امتیاز صاحب کی مسکراہٹ نے اس کا استقبال کیا۔ "مس فرح! امتیاز صاحب جھکے "آپ کو دیکھ کر دل باغ باغ ہوجاتا ہے چار چاند لگ جاتے ہیں اس غریب خانے کو" امتیاز صاحب کی مسکراہٹ مزید معنی خیز ہوگئی۔ مگر آج کچھ نیا ہوا۔ آج امتیاز صاحب کی مسکراہٹ کو جواب مسکراہٹ سے ملا' امتیاز صاحب کی آنکھیں چمک گئیں اور ان آنکھوں کی غلاظت پورے وجود پر چھاگئی اور پورے ماحول کو آلودہ کردیا۔ لیکن شام کو آج فرح خلاف معمول 5 بجے گھر کے دروازے پر موجود تھی۔

"ارے آج اتنی جلدی آگئیں تم؟" فرح کی امی نے حیرت سے پوچھا۔

فرح نے کمرے میں جاتے ہوئے جواب دیا۔

"جی امی میں اپنے سر سے بات کی ہے وہ مجھے جلدی آنے دیں گے اب آپ بے فکر رہیں۔" یہ کہہ کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کردیا۔ کچھ دنوں میں فرح کی تنخواہ میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوگیا' امی کو اس بات سے کوئی غرض نہیں تھی کہ فرح کو شرافت کا میڈل ملا یا نہیں مگر فرح ایک شریف لڑکی ہے اس بات کے لیے یہ ثبوت کافی تھا کہ وہ وقت پر گھر آجاتی تھی اور محلے کی عورتوں کے منہ بند ہوگئے تھے اور فرح کے لیے شرافت کے معنی اب بدل گئے تھے۔ امتیاز صاحب کی مسکراہٹ کے بدلے اسے شرافت کا سرٹیفکیٹ مل گیا تھا۔ ☆ ☆

اجنبی

مریم مرتضیٰ

یسریٰ اور اسامہ سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔ دونوں ہاتھ پکڑے نہایت محبت کے ساتھ ٹہلتے ہوئے چل رہے تھے۔ دونوں کی دو ماہ پہلے شادی ہوئی تھی۔ انہوں نے پسند کی شادی کی تھی۔ زندگی میں جو چاہو مل جائے تو خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں ہوتا۔ ایسا بہت کم ہوتا ہے' مگر جن کی زندگی میں ہوتا ہے وہ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں۔ یسریٰ اور اسامہ بھی خود کو خوش نصیب تصور کررہے تھے۔ انہیں یوں محسوس ہورہا تھا جیسے انہیں دنیا کی ہر خوشی مل گئی ہو' انہیں جہاں قدموں تلے محسوس ہورہا تھا۔

محبت اور پیار کے دو ساتھی جو اب شریک حیات کے روپ میں تھے' سڑک کنارے یوں ٹہل رہے تھے کہ انہیں کسی دوسرے کی خبر نہ تھی۔ اچانک دوڑتے دوڑتے ایک اجنبی شخص آیا اور ان کے ساتھ ٹہل ٹہل کر چلنے لگا۔ ان دونوں کو اکتاہٹ ہوئی' مگر تحمل مزاجی سے کام لے گئے۔

''بہن صاحبہ آپ زیادہ پیار کرتی ہیں ان سے یا یہ آپ سے....'' اس نے پوچھا۔

''دونوں کرتے ہیں۔'' یسریٰ نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

''نہیں دونوں کا پیار برابر ہو نہیں سکتا کمی بیشی تو ہوگی نا۔'' اس اجنبی نے کہا۔

''نہیں ایسا نہیں ہے۔'' اسامہ کو چڑچڑاہٹ ہورہی تھی۔

''ایسا ممکن ہی نہیں کہ دونوں برابر پیار کرتے ہوں۔'' وہ اجنبی سنجیدگی اور پورے وثوق ــــ کے ساتھ بات کررہا تھا۔

''آپ ہمارا راستہ چھوڑیے ایسا ہی ہے ہم ایک سا پیار کرتے ہیں۔'' اسامہ رک گیا۔

''ہو ہی نہیں سکتا۔'' اجنبی بھی رکا اور یسریٰ نے بھی ٹھہرنا چاہا۔

''کیوں نہیں ہوسکتا؟'' اسامہ اس سے لڑنے کے لیے تیار ہوگیا تھا۔

''ارے اسامہ ایسی بات ہے تو آزما لیتے ہیں نا۔''؟

یسریٰ کی بات سن کر وہ اجنبی مسکرایا اور اسامہ نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

''پیار میں آزمائش نہیں ہوتی۔'' اسامہ نے کہا۔

''مگر حرج تو کوئی نہیں اگر ان بھائی صاحب کو ہم ثابت کردیں۔'' یسریٰ کو یقین تھا کہ اس کی محبت سچی اور پکی ہے۔

''نہیں' میں ایسا نہیں کروں گا محبت میں پیمائش نہیں کی جاتی۔'' اسامہ نے رخ موڑ لیا تھا یسریٰ کو اس کا رویہ اچھا نہ لگا تھا۔

''میری خاطر اس اجنبی کا مان رکھ لو اسامہ....'' وہ اس کے آگے آکر بولی۔

''کیوں تمہاری پھوپھو کا بیٹا ہے یہ' کیا رشتہ ہے تمہارا اس سے....'' اسامہ غصے میں چلانے لگا جب کہ وہ اجنبی کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''تم مجھ پر الزام لگا رہے ہو۔'' یسریٰ نے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔

''الزام! مجھے تو یقین ہے تب ہی تو اتنی سائڈ لے رہی ہو اس کی اور یہ بھی تو اسی لیے شاید ساتھ ہولیا تھا۔ ضرور تمہاری کوئی سازش ہے۔'' اسامہ نے کہا۔

''تم شوہر کہلانے کے قابل ہی نہیں ہو' تم شوہر کے نام پر دھبا ہو۔ زندگی میں مجھ سے سب سے بڑی غلطی یہی ہوئی کہ تم سے شادی کی۔'' یسریٰ رونے لگی تھی۔

''غلطی تو میں نے کی جو تم جیسی بے وفا سے دل لگا بیٹھا۔''

"مجھے بے وفائی کا الزام مت دو۔"

"کیوں نہ دوں نفرت سی ہو گئی ہے مجھے تم سے....."

اسامہ کی بات سے یسریٰ پر قیامت گری۔

"تم نفرت کرتے ہو تو میں کون سا تم سے محبت کرتی ہوں۔ ارے جا تو اس قابل نہیں کہ میں تجھ سے محبت کروں۔ مجھے تو خوب پتا چل رہا ہے تمہیں کوئی مل گئی ہے اور اسی لیے نظریں پھیر رہے ہو۔" یسریٰ نے اپنے ہاتھ سے آنسو کو پونچھا تھا۔

"مل مجھے گئی یا تمہیں.....؟" اسامہ اشتعال میں بولا۔

"تمہیں....."

"تو تم نے کون سا محبت کے گڑھے کھود دیے ہیں۔ اگر تمہاری محبت سچی ہوتی تو تم اس اجنبی کا ساتھ نہ دیتیں۔"

"میں ابھی تمہارے سامنے اپنے آپ کو ثابت کروں گی اور پھر تمہیں مڑ کر بھی نہ دیکھوں گی۔ سنیے بھائی صاحب....." اس نے جو دیکھا تو حیران رہ گئی وہاں تو کوئی شخص نہ تھا۔

"کہاں گیا وہ؟" اسامہ نے بھی مڑ کر دائیں بائیں دیکھا مگر اسے ویسا کوئی شخص نظر نہ آیا تھا۔

"ایسا کیسا ہو سکتا ہے؟" وہ سر تھام کر سڑک کنارے کھڑا ہو گیا تھا۔

"مجھے سمجھ نہیں آتی وہ گیا کہاں؟ ایسے کیسے غائب ہو سکتا ہے؟" دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ دونوں فاصلے پر کھڑے حیران پریشان حیرت میں ڈوبے ہوئے تھے۔

"مجھے معلوم ہے وہ کون تھا؟" قدرے توقف کے بعد یسریٰ سڑک پر نظریں جمائے بولی تھی۔

"کون؟" اسامہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"وہ..... وہ تھا..... جو اپنی ایک چنگاری سے سب کچھ جلا دینا چاہتا تھا' ہماری محبت کو وہاں دفنا دینا چاہتا تھا جہاں کوئی فاتحہ خوانی کرنے کے لیے بھی نہ پہنچ سکے۔ وہ 'وہ تباہی تھی جو ہمیں برباد کر دینا چاہتی تھی' لیکن ہمیں خدا نے بچا لیا۔" یسریٰ کی آنکھوں میں نمی تھی۔

"آؤ وعدہ کریں یسریٰ! ہم کبھی ایسے اجنبی کی باتوں میں نہ آئیں گے چاہے کچھ بھی کہے' ہم اپنی محبت کا کبھی موازنہ نہیں کریں گے' ہم جیسے ہیں ویسے ہی رہیں گے۔" یسریٰ کا ہاتھ اسامہ کے ہاتھوں میں آیا اور وعدہ کر ڈالا۔

"مجھے معاف کر دو میری جان میں نے اجنبی کی باتوں میں آکر تمہارا دل دکھایا۔" اسامہ نے یسریٰ کے آنسو پونچھے تھے۔

"اٹس اوکے..... لیکن اب سے نو انٹری فار آدر ان ناؤن پرسن (کوئی اجنبی ہماری زندگی میں نہیں آئے گا)۔" یسریٰ نے مسکرا کر کہا تو اسامہ نے مثبت میں گردن ہلا کر اسے سینے سے لگایا۔ محبت پھر تیز و تند ہو گئی۔ اس کی لہریں سامنے دکان پر پڑیں اور وہاں سے وہی شخص چیختا ہوا باہر نکلا تھا اسے آگ لگی ہوئی تھی۔ سڑک پر پہنچتے ہی وہ جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ یسریٰ اور اسامہ نے اسے سرسری دیکھا اور چل پڑے۔

✡ ✡

شعلہ عمیر

القرآن

اپنے رب کے نام پاک بولو جو سب سے بلند ہے جس نے بنا کر ٹھیک کیا اور جس نے اندازہ پر رکھ کر راہ دی اور جس نے چارا نکالا پھر اسے خشک سیاہ کر دیا۔ اب ہم تمہیں پڑھائیں گے کہ تم نہ بھولو گے۔ مگر جو اللہ چاہے۔ بے شک وہ جانتا ہے ہر کھلے اور چھپے کو اور ہم تمہارے لیے آسانی کا سامان کر دیں گے۔ تو تم نصیحت فرماؤ۔ اگر نصیحت کام دے۔ عنقریب نصیحت مانے گا جو ڈرتا ہے۔ اور اس سے وہ بڑا بد بخت دور رہے گا۔ جو سب سے بڑی آگ میں جائے گا۔ پھر نہ اس میں مرے اور نہ جیے۔ بے شک مراد کو پہنچا جو ستھرا ہوا۔ اور اپنے رب کا نام لے کر نماز پڑھی۔ بلکہ تم جیتی دنیا کو ترجیح دیتے ہو اور آخرت بہتر اور باقی رہنے والی، بے شک یہ اگلے صحیفوں میں ہے۔ ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں (سورۃ الاعلیٰ)

شش عید کے روزے

حضرت ابو ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا۔

"جس نے رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد شوال کے چھ (نفلی) روزے رکھے تو یہ پورے زمانے کے روزے رکھنے کی مانند ہے۔" (مسلم)

فوائد و مسائل: "ایک نیکی کا اجر (کم از کم) دس گناہ ہے" کے مطابق ایک مہینے (رمضان) کے روز دس مہینوں کے برابر ہیں اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھ لیے جائیں جنہیں شش عیدی روزے کہا جاتا ہے، تو یہ دو مہینوں کے برابر ہو گئے، یوں گویا پورے سال کے روزوں کے اجر کا مستحق ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس نے پورے سال کے روزے رکھے۔ اور جس کا یہ مستقل معمول ہو جائے تو وہ ایسے ہے جیسے اس نے پوری زندگی روزوں کے ساتھ گزاری، وہ عنداللہ ہمیشہ روزہ رکھنے والا شمار ہو گا۔

اس اعتبار سے یہ شش عیدی روزے بڑی اہمیت رکھتے ہیں گو ان کی حیثیت نفلی روزوں ہی کی ہے۔ یہ چھ روزے متواتر رکھ لیے جائیں یا ناغہ کر کے دونوں طرح جائز ہیں۔ تاہم شوال کے مہینے میں رکھنے ضروری ہیں۔ اسی طرح جن کے رمضان کے فرض روزے بیماری یا سفر وغیرہ یا کسی اور شرعی عذر کی وجہ سے رہ گئے ہوں۔ ان کے لیے ضروری ہے کہ پہلے وہ فرضی روزوں کی قضا دیں، شوال کے چھ نفلی روزے اس کے بعد رکھیں۔

موتیوں کی مالا

☆ کامیاب لوگ اپنے ہونٹوں پہ دو چیزیں رکھتے ہیں۔ مسکراہٹ اور خاموشی۔ مسکراہٹ مسئلے حل کرنے کے لیے اور خاموشی مسئلوں سے دور رہنے کے لیے۔

☆ رشتوں کی مٹھاس لینے کے لیے، لہجوں میں سے نمک کو کم کرنا پڑے گا کیونکہ دونوں مناسب تناسب سے ہوں گے تو زندگی کا ذائقہ بہت خوش گوار ہو جائے گا۔

☆ دکھ جس دریا میں بہتا ہو اس سے پل بنا کر گزر جانا چاہیے۔

☆ ہر انسان کے اندر دو بھیڑیے ہوتے ہیں ایک اچھائی کا دوسرا بھلائی کا۔ غالب وہ ہی رہتا ہے جسے ہم کھلاتے پلاتے ہیں۔

☆ اجتماعی زندگی کا سب سے کم اہم لفظ "میں" اور

سب سے زیادہ اہم لفظ "آپ" ہے۔

اقراءعمیر' عمارہ نثار۔۔۔ ڈونگہ بونگہ

"آنسو"

ایک آنسو سفر پر نکلا جنگلوں اور پہاڑوں کو عبور کرتا ہوا موسم برسات میں ایک بہتی ہوئی ندی کے کنارے پہنچا تو ندی نالوں نے قہقہے لگائے۔

ندی نے قہقہہ لگاتے ہوئے طنز کیا "ایک بوند کی کیا حقیقت ہے! دنیا ناپنے نکلا ہے کہیں کھو نہ جانا۔"

آنسو سے چپ نہ رہا گیا وہ بھی ہنس کر بولا "اری دیوانی! کھو جانے کے لیے میں نہیں تو پیدا ہوئی ہے۔ میں تو آنکھ کا تارا ہوں جو خوشی اور غم میں ہر ایک کا ساتھ دیتا ہوں۔"

حافظہ رملہ مشتاق۔۔۔ حاصل پور

اللہ نظر کیوں نہیں آتا

ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ "تمہارا اللہ نظر کیوں نہیں آتا؟"

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا "تم سورج کو غور سے دیکھو"

اس نے کہا کہ "میں اس کو نہیں دیکھ سکتا۔"

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ "تم سورج کو دیکھ نہیں سکتے تو سورج بنانے والے کو کیسے دیکھ سکو گے؟"

نشا نورین۔۔۔ رکھ بھروکی ڈھک

"بابا بلھے شاہ"

جس یار دے یار ہزاراں ہون
اس یار نوں یار نہ سمجھی
جیڑا احد تو ودے پیار کرے
اس پیار نوں پیار نہ سمجھی
ہوے یار تے دیوے ہار تینوں
اس ہار نو ہار نہ سمجھی
"بلھے شاہ"
بھاویں سے یار جناوی غریب ہووے
اودی سنگت نوں بیکار نہ سمجھی

فضہ نور۔۔۔ روہڑی

ہمارے انجینئرز

ایک انجینئرنگ کالج کے تمام اساتذہ کو ایک ٹور پر لے جانے کے لیے ایک ہوائی جہاز میں بٹھایا گیا! جب تمام اساتذہ بیٹھ گئے تو پائلٹ نے بڑی ہی خوشی سے اعلان کیا۔

"آپ تمام معزز اساتذہ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ جس پلین میں آپ بیٹھے ہیں اسے آپ ہی کے کالج کے ذہین شاگردوں نے بنایا ہے۔۔۔!" بس پھر کیا تھا اتنا سنتے ہی تمام اساتذہ اس خوف سے نیچے اتر گئے کہ کہیں پرواز بھرتے ہی جہاز حادثے کا شکار نہ ہو جائے۔۔۔ لیکن پرنسپل صاحب بیٹھے رہے یہ دیکھ کر پائلٹ ان کے پاس گیا اور ان سے پوچھا۔

"سر! تمام ٹیچر اپنے شاگردوں کے نام سنتے ہی ڈر کر اتر گئے لیکن آپ کیوں نہیں اترے؟ کیا آپ کو ڈر نہیں لگتا۔۔۔؟"

پرنسپل نے دل کو چھو جانے والا جواب دیا۔ "مجھے اپنے کالج کے اساتذہ سے بھی زیادہ اپنے طالب علم پر اعتماد ہے۔ دیکھ لینا۔۔۔ یہ طیارہ اسٹارٹ ہی نہیں ہوگا۔۔۔"

سیدہ لوبا سجاد۔۔۔ کہروڑ پکا

باتوں سے خوشبو آئے

☆ وقت کی روانی میں غموں کی شدت کم پڑنے لگتی ہے۔

☆ اپنے ظاہر اور باطن کو ہم آہنگ کر لو' دنیا سے بے نیاز ہو جاؤ گے۔

☆ خوشیوں کو صرف کامیابیوں سے مشروط مت کرو کامیابیاں مقدر کا کھیل ہیں جبکہ خوشیاں خود کشید کرنی پڑتی ہیں۔

☆ خوشحالی کا دارومدار ماں پر ہے ماں اگر شاندار ہو تو بدنما ماضی اپنا اثر کھونے لگتا ہے۔ جبکہ ماں اگر اچھا ہو

تو خوشگوار ماضی کے رنگ بھی زندگی پر مدھم پڑنے لگتے ہیں۔

☆ اللہ پر توکل رکھنے والے دل میں مایوسیاں اور خدشات رکھ کر دعائیں نہیں مانگا کرتے۔

طاہرہ ملک... جلال پور پیروالا

عوام

جوزف اسٹالن ایک دفعہ اپنے ساتھ پارلیمنٹ میں ایک مرغا لے کر آیا اور سب کے سامنے اس کا ایک ایک پر نوچنے لگا' مرغا درد سے بلبلاتا رہا مگر ایک ایک کر کے اسٹالن نے اس کے سارے پر نوچ دیے پھر مرغے کو فرش پر پھینک دیا اور پھر جیب سے کچھ دانے نکال کر مرغے کی طرف پھینک دیے اور چلنے لگا تو مرغا دانہ منہ میں ڈالتا ہوا برابر اس کے پیچھے چلتا رہا آخر کار وہ مرغا اسٹالن کے پیروں میں آکھڑا ہوا۔ اسٹالن نے اپنے کامریڈ کی طرف دیکھا اور اس کے بعد ایک تاریخی فقرہ بولا۔

"جمہوری سرمایہ دارانہ ریاستوں کی عوام اس مرغے کی طرح ہوتی ہے ان کے حکمران عوام کا پہلے سب کچھ لوٹ کر انہیں اپاہج کر دیتے ہیں اور بعد میں معمولی سی خوراک دے کر خود ان کا مسیحا بن جاتے ہیں۔"

حورین زینب... کہروڑپکا

ٹوٹا برتن

انسان جس سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے اللہ اس کو اسی کے ہاتھوں توڑتا ہے' انسان کو اس ٹوٹے ہوئے برتن کی طرح ہونا چاہیے جس میں لوگوں کی محبت آئے اور باہر نکل جائے۔

(حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمتہ اللہ علیہ)

صائمہ مشتاق... بھاگٹانوالہ

پوسٹ مارٹم

دنیا کی مشہور درس گاہ سولین انسٹی ٹیوٹ کا جیمز اسمتھ سن کئی لحاظ سے ایک غیر معمولی انسان تھا۔ وہ سلجھے ہوئے مذاق کا عادی تھا۔ اس کی بیماری ایک ایسی بیماری تھی جو ڈاکٹروں کی سمجھ سے بالاتر تھی جب اس نے محسوس کیا کہ موت کا وقت قریب آگیا ہے تو اس نے ڈاکٹر کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔

"میں اس لیے مر رہا ہوں کہ تم میری موت کے بعد میرا پوسٹ مارٹم کرو تاکہ تمہیں میری بیماری کے متعلق صحیح علم ہو سکے۔"

عابش جنجوعہ... تونسہ شریف

ولیتلطف

سورہ کہف کی انیسویں آیت کا ایک لفظ ہے "ولیتلطف" یہ تھوڑا بڑا کر کے لکھا ہوا ہوتا ہے کیونکہ یہاں قرآن پاک کا درمیان آجاتا ہے۔ کہتے ہیں یہ لفظ پورے قرآن کا خلاصہ ہے اور اس کا ترجمہ ہے۔

"اور نرمی سے بات کرنا"

جب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس بھیجا تو بھی یہی کہا کہ تم اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ مان جائے۔ کون مان جائے؟ وہ انسان جس سے زیادہ متکبر اور گھمنڈ والا شخص دنیا میں اور کوئی آیا نہیں۔

زندگی کتنی بدل جائے اگر ہم اس بات کو مان جائیں کہ نرمی سے بات کرنے کا مطلب بے وقوفی اور کمزوری نہیں بلکہ عاجزی اور اعلا ظرفی ہے۔

محبت

بادل بارش
خوشی سکون سے
زندگی اچھی گزرتی ہے
مگر جانم
محبت بنا تو سب بے کار ہے

فوزیہ ثمر بٹ' گجرات

☆ ☆

بشریٰ محمود

رابعہ عمران چوہدری، کی ڈائری میں تحریر

امجد اسلام امجد کی نظم

فرض کرو، ہم تارے ہوتے
اک دوجے کو دور دور سے دیکھ دیکھ کر جلتے بجھتے
اور پھر اک دن
شاخ فلک سے گرتے اور تاریک خلاؤں میں کھو جاتے
دریا کے دو دھارے ہوتے
اپنی اپنی موج میں بہتے
اور سمندر تک اس اندھی، وحشی اور منہ زور مسافت
کے جادو میں تنہا بہتے
فرض کرو، ہم بھور سمے کے پنچھی ہوتے
اڑتے اڑتے اک دوجے کو چھوتے... اور پھر
کھلے گگن کی گہری اور بے حرف آنکھوں میں کھو جاتے
ابر بہار کے جھونکے ہوتے
موسم کے ایک بے نقشے سے خواب میں ملتے
ملتے اور جدا ہو جاتے
خشک زمینوں کے ہاتھوں پر سبز لکیریں کندہ کرتے
اور ان دیکھے سپنے ہوتے
اپنے اپنے آنسو دے کر چین سے سوتے
فرض کرو ہم جو کچھ اب ہیں وہ نہ ہوتے...!

عائشہ جنجوعہ، کی ڈائری میں تحریر

ظفر اقبال کی غزل

بھیجتے ہیں جواب کیا دیکھو
ایک آواز تو لگا دیکھو

دل ہی جب آخری رکاوٹ ہے
تو ہر دیوار بھی گرا دیکھو

جا رہا ہے کدھر ہنر اپنا
کس طرف کی ہے یہ ہوا دیکھو

اس سے پہلے کہ ڈور کٹ جائے
ان فضاؤں میں سراسر دیکھو

دیکھنے والے دیکھ بھال گئے
اب بھی ہے بچا کھچا دیکھو

پھٹ پڑے گی کیفیتی دل کی
جس قدر بھی اسے چھپا دیکھو

آنکھ بھر کر نہ دیکھنا اس کو
تھوڑا تھوڑا ذرا ذرا دیکھو

یہ بھی کیسا دیکھنا ہوا آخر
ایک ہی چیز بار ہا دیکھو

اے ظفر قسمت آزمائی سہی
آپ بھی اس گلی میں جا دیکھو

فائزہ بھٹی، کی ڈائری میں تحریر

فیض احمد فیض کی نظم

درد اتنا تھا کہ اس رات دل وحشی نے
ہر رگ جاں سے الجھنا چاہا
ہر بن مو سے ٹپکنا چاہا
اور کہیں دور ترے صحن میں گویا
پتا پتا مرے افسردہ لہو میں ڈھل کر
حسن مہتاب سے آزردہ نظر آنے لگا
میرے ویرانۂ تن میں گویا
سارے دکھتے ہوئے ریشوں کی طنابیں کھل کر
سلسلہ وار پتا دینے لگیں
رخصت قافلۂ شوق کی تیاری کا
اور جب یاد کی بجھتی ہوئی شمعوں میں نظر آیا کہیں
اک پل آخری لمحہ تیری دلداری کا
درد اتنا تھا کہ اس سے بھی گزرنا چاہا
ہم نے چاہا بھی، مگر دل نہ ٹھہرنا چاہا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر، کی ڈائری میں تحریر

افسر ماہ پوری کی غزل

ہم اپنی زندگی کی داستاں تحریر کرتے ہیں
ہوا سے ریت پر اپنا مکاں تحریر کرتے ہیں

جب اس بازار پر آفات سے ان کا اجارہ ہے
انہی کے نام پر ہر سود و زیاں تحریر کرتے ہیں

جو دل پر نقش ہوتا تھا اسے لکھتے ہیں کاغذ پر
کہاں تحریر کرنا تھا، کہاں تحریر کرتے ہیں

نظر آتا نہیں صحرا میں ان کے زلف کا سایا
مگر ہم تو اسے بھی سائباں تحریر کرتے ہیں

ہمیں بار زمیں لکھا ہے تم نے طنز سے لیکن
تمہیں ہم پھر بھی حسن آسماں تحریر کرتے ہیں

ٹپک پڑتا ہے رہ رہ کر قلم کی آنکھ سے آنسو
قفس میں بیٹھ کے جب آشیاں تحریر کرتے ہیں

یہی تو اختیار و جبر میں تفریق ہے افسر
جو فرماتے ہیں وہ ہم بے زباں تحریر کرتے ہیں

رباب راجپوت، کی ڈائری میں تحریر

پروین شاکر کی نظم

خوشبو میں بسا ہوا یہ لہجہ
دستک مرے دل پہ دے رہا ہے
اور ڈھونڈ رہا ہے میرے اندر
اک شاخ بہار رنگ جس پر
اقرار کے پھول کھل رہے ہوں
میں کیسے کہوں یہ در کشادہ
اس پر تو وہ قفل پڑ چکا ہے
جس کے لیے سارے اسم بیکار
یہ میرے ستارے کی طرح ہے
تاریک، اداس، غیر آباد
اے میرے خدا، میرے بدن میں
ہمت نہیں اب شکستگی کی
شیشے کی طرح ہے اس کا دل بھی
اک ٹھیس سے ٹوٹنے کا ڈر ہے
مالک ہے تو آب و باد و گل سے
قادر ہے ہماری قسمتوں پر
اتنی سی دعا ہے میری تجھ سے
یا اس کے ارادے کو دل دے
یا میرے ستارے کو بدل دے

شگفتہ سلیمان

رباب سرفراز ---- پتوکی

میں تجھ سے کیسے کہوں یار مہرباں میرے
کہ تو علاج نہیں میری ہر اداسی کا

ام کمال ---- فیصل آباد

دُنیا مجھ سے میرا پتا پوچھتی رہی
میرا وجود گم تھا کسی اور ذات میں
تیرا وصال گویا کہ زمانوں کی سلطنت
لمحوں پہ تھی گرفت کہ صدیاں تھیں بات میں

فضہ توصیف ---- روہڑی

تیرے معاملے میں خود مرا دل
مرے مدِ مقابل ڈٹ گیا ہے

حنا کرن ---- پتوکی

گزر گئے ہیں جو خوشبوئے رائیگاں کی طرح
وہ چند روز میری زندگی کا حاصل تھے
اب اُن سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ناصر
وہ ہم نوا جو مرے رتجگوں میں شامل تھا

عذرا ناصر، اقصیٰ ناصر ---- کورنگی کراچی

آجا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آجا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے بس اک تیری کمی ہے

گیلانی سسٹرز ---- کہروڑ پکا

بنا کر دوست میرے چارہ گر کو
میرے زخموں کو گہرا کر دیا ہے
محبت کی گواہی دے کے تم نے
مجھے سب میں اکیلا کر دیا ہے

انیلا ادریس ---- کراچی

منزل کی تمنا ہے تو کر جہدِ مسلسل
میراث میں تو چاند ستارے نہیں ملتے

ارم طاہر ---- ٹنڈو آدم

رسوائیوں کا ڈر ہے وگرنہ خواہش ہے
کہ تم میرے ہو سبھی جگہ یہ خبر ٹھہرے
تیرا وجود ہے کتنا عزیز کہ میں
رہوں کہیں بھی نظر تیری منتظر ٹھہرے

صباحت مغل ---- خیرپور

حیا سمجھوں، ادا سمجھوں کہ اظہارِ وفا سمجھوں
تمہاری مسکراہٹ مجھ سے پہچانی نہیں جاتی

اریبہ شمشاد ---- آزاد کشمیر

منزل کی بات چھوڑو کس نے پائیں منزلیں
اک سفر اچھا لگا اک ہم سفر اچھا لگا

ثمرہ، اقرا ---- کراچی

حیران ہوں سارے شہر کا کردار دیکھ کر
سب جھک گئے ہیں شاہ کا دربار دیکھ کر
رنگ اُڑ گیا ہے رات کے چہرے کا یوں ندیم
سہما ہوا ہوں صبح کے آثار دیکھ کر

سدرہ عاصم ---- فیصل آباد

جو پڑھ سکے تو دیدۂ باطن سے پڑھو اسے
چہرے کی سلوٹوں میں ہے قصہ شباب کا

مدیحہ فہیم ---- کراچی

اک عجب بزمِ تحیر ہے یہ بزمِ ہستی
کوئی چہرہ نہیں اور آئینہ خانے کتنے
بس یہی سوچ کے موجیں بھی لہو روتی ہیں
ہائے اس دشت میں پیاسے ہیں زمانے کتنے

عابدہ نثار ---- کراچی

پرکھنا مت، پرکھنے سے کوئی اپنا نہیں رہتا
کسی بھی آئینے میں دیر تک چہرہ نہیں رہتا
بڑے لوگوں سے ملنے میں ہمیشہ فاصلہ رکھنا
جہاں دریا سمندر سے ملا، دریا نہیں رہتا

صدف عمران ——— کراچی

سانس لینا بھی سزا لگتا ہے
اب تو مرنا بھی روا لگتا ہے
اتنا مانوس ہوں سناٹے سے
کوئی بولے تو برا لگتا ہے

لائبہ، ایمن ——— مظفر آباد

ہم نے دشمن کو بھی احساس محبت بخشا
میرے اپنے مجھے نفرت کی سزا دیتے ہیں

مدیحہ فہمید ——— کراچی

زخم جو کھولنے آئی ہے تو عجلت کیسی
چھو مرے بدن کو اے باد صبا آہستہ
جانتی کہ بچھڑنا تری مجبوری ہے
پر مری جان ملے مجھ کو سزا آہستہ

آسیہ جاوید ——— علی پور چٹھہ

جس کی آنکھیں مجھے اندر سے بھی پڑھ سکتی ہوں
کوئی چہرہ تو مرے شہر میں ایسا لا دے

ندا، قصر یوسف ——— فیصل آباد

سجانے رکھتے ہیں چہرے پہ جو ہنسی کی کرن
بجانے روح میں کتنے شگاف رکھتے ہیں

حنا کرن ——— پتوکی

نغمے کی طرح میرے لبوں پر بکھر گیا
خاموش سا وہ شخص کہ پیکر حیا کا تھا

سائرہ راؤ ——— دنیا پور

تھک گیا میں کرتے کرتے یاد تجھ کو
اب تجھے میں یاد آنا چاہتا ہوں

عنظی غلام نبی ——— گوجرہ

سزا کے طور پر ہم کو ملا قفس جالب
بہت تھا شوق ہمیں آشیاں بنانے کا

مہوش اظہر ——— خضدار

فکر معاش، شاعری، اس پر تمہاری یاد
اک تو سزا سی زندگی اس پر تمہاری یاد

نادیہ اختیار ——— کراچی

عشق میں دل کا تماشا نہیں دیکھا جاتا
ہم سے ٹوٹا ہوا شیشہ نہیں دیکھا جاتا
تم نے غصے کی خوشی آ میں لٹادوں تجھ پر
تیرا اترا ہوا چہرہ نہیں دیکھا جاتا

آمنہ محمد نوید ——— پھپھوکی ملیاں

دل میں ہے طلب اور، دعا اور طرح کی
ہے خاک نشینی کی سزا اور طرح کی
جب راکھ سے اٹھے گا کبھی عشق کا شعلہ
پھر پائے گی یہ خاک شفا اور طرح کی

سدرہ سلیم ——— شریف آباد

سزا یہ دی ہے کہ آنکھوں سے چھین لی نیندیں
قصور یہ تھا کہ جینے کے خواب دیکھے تھے

ثمرہ عاقب ——— گرین پارک سٹی

ہنس ہنس کے زندگی کی دعا دے گیا مجھے
وہ شخص بھی عجیب سزا دے گیا مجھے
سوکھے ہوئے شجر کی برہنہ سی شاخ پر
دو پنچھیوں کا رقص سزا دے گیا مجھے

صائمہ جبیں ——— کے ڈی اے سوسائٹی

میرا نصیب ہوئیں تلخیاں زمانے کی
کسی نے خوب سزا دی ہے مسکرانے کی
مرے خلاف مجھے 'طارق' کا حوصلہ ہو عطا
ضرورت آن پڑی کشتیاں جلانے کی

صبا سلیم آرائیں ——— سلور ٹاؤن

عدل و انصاف پہ موقوف نہیں ہے محشر
زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

گڑیا شاہ ——— کھرڑ ٹھکا

بس اک ذرا سی بات تھی لیکن تمام عمر
وہ مجھ کو جاگنے کی سزا دے کے سو گیا

کچھ موتی چنے ہیں

ادارہ

جھل پن

"بیان محبت کو دل میں ہی رہنے دے اگر یہ دل میں رہے تو عقیدت بنی رہتی ہے اگر دماغ کو چڑھ جائے تو جھل پن"

(حاصل کشت خون۔۔۔ مصباح علی)
شائزہ سلطان۔۔۔ لاہور

ایمان

زمانہ اسلام میں آنے کے بعد جاہلیت کے سب گناہ معاف کردیے جاتے ہیں۔ لیکن ایک دفعہ پھر غلط راستے کی طرف جانے کی صورت میں وہ پچھلے گناہ زندہ ہو جاتے ہیں اور انسان کو اس پرانے زمانہ جاہلیت کا بھی حساب دینا پڑتا ہے!
تو گناہ اس لیے ہمیں دکھائے جاتے ہیں تاکہ ہم ڈرتے رہیں اور برائی کی طرف دوبارہ نہ جائیں؟ تاکہ ہم خوف اور امید کے درمیان اللہ تعالیٰ کو پکارتے رہیں اسی کو کہتے ہیں ایمان۔۔۔

(نمرہ احمد۔۔۔ جنت کے پتے)
فضہ نور، روہڑی

خوشی کا بنڈل

اللہ تعالیٰ شاکی ہے کہ اتنی نعمتوں کے باوجود آدم کی لولاد ناشکری ہے اور انسان ازل اور ابد تک پھیلے ہوئے خدا کے سامنے خوف زدہ کھڑا بلبلا کر کہتا ہے یا باری تعالیٰ! تیرے جہاں میں آرزوئیں اتنی دیر سے پوری کیوں ہوتی ہیں؟ زندگی کے بازار میں ہر خوشی اسمگل ہو کر کیوں آتی ہے۔ اس کا بھاؤ اس قدر تیز کیوں ہوتا ہے کہ ہر خریدار خریدنے سے قاصر نظر آتا ہے۔ ہر خوشی کی قیمت اتنے ڈھیر سارے آنسوؤں سے کیوں ادا کرنا پڑتی ہے آقائے دو جہاں ایسے کیوں ہوتا ہے کہ جب بالآخر خوشی کا بنڈل ہاتھ آتا ہے تو اس بنڈل کو دیکھ کر انسان محسوس کرتا ہے کہ دکاندار نے اسے ٹھگ لیا ہے۔ جو التجا کی عرض تجھے جاتی ہے اس پر ارجنٹ لکھا ہوتا ہے اور جو مہر تیرے فرشتے لگاتے ہیں اس کے چاروں طرف صبر کا دائرہ نظر آتا ہے ایسا کیوں ہوتا ہے باری تعالیٰ؟؟

(بانو قدسیہ۔۔۔ امربیل)
سدرہ بتول۔۔۔ ملتان

جہنم کی آگ

پہاڑ کی کھوہ میں ایک فقیر رہتا تھا جو دن رات عبادت میں مصروف رہتا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بالکا بھی تھا۔ فقیر حقہ پینے کا شوقین تھا' اس لیے اس نے اپنے بالکے کو حکم دے رکھا تھا ہر وقت آگ کا انتظام رہے۔ ایک روز آدھی رات کے وقت فقیر نے بالکے کو حکم دیا کہ چلم بھر دے۔ بالکے نے دیکھا کہ بارش کی وجہ سے آگ بجھ چکی تھی۔ اتفاق سے ماچس بھی ختم ہو چکی تھی۔ بالکا گھبرا گیا کہ اب کیا کرے۔
اس نے فقیر سے کہا "عالی جاہ آگ تو بجھ چکی ہے' ماچس ہے نہیں کہ سلگالوں فرمائیے اب کیا کروں۔"
فقیر جلال میں بولا "ہم تو چلم پییں گے' چاہے آگ جہنم سے لاؤ۔"
بالکا چل پڑا۔ چلتے چلتے جہنم جا پہنچا۔ دیکھا کہ صدر دروازے پر ایک چوکیدار بیٹھا اونگھ رہا ہے۔
بالکے نے اسے جھنجوڑا پوچھا "کیا یہ جہنم کا دروازہ ہے؟"

چوکیدار بولا "ہاں، یہ جہنم کا دروازہ ہے۔"
بالکے نے کہا "لیکن یہاں آگ تو دکھائی نہیں دیتی۔"
چوکیدار نے کہا "ہر جہنمی اپنی آگ اپنے ساتھ لاتا ہے۔"

(تلاش ۔۔۔ ممتاز مفتی)
سیدہ نسبت زہرہ ۔۔۔ کہوڑ پکا

خواہش

بعض دفعہ ساری زندگی گزارنے کے بعد بھی ہم یہ جان نہیں پاتے کہ ہمیں زندگی میں آخر کس چیز کی ضرورت تھی اور بعض دفعہ زندگی کے آخری لمحات میں ہمیں احساس ہوتا ہے کہ جس چیز کو ہم نے زندگی کا حاصل بنا رکھا تھا اس کے بغیر زندگی زیادہ اچھی گزر سکتی تھی۔

(امربیل ۔۔۔ عمیرہ احمد)
صائمہ مشتاق ۔۔۔ بھاگٹانوالہ

غزل بھی کوئی چیز ہے

ہمارے ایک شاعر دوست جو زمانہ طالب علمی میں کسی جماعت سے وابستہ تھے 'ایک بار کسی خاتون کے ساتھ سینما ہال میں دیکھے گئے۔ چنانچہ رپورٹ ہونے پر ان کی ہائی کمان کے سامنے پیش ہوئی۔
"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ گزشتہ روز آپ ایک خاتون کے ساتھ فلم دیکھتے ہوئے پائے گئے؟"
ہمارے دوست نے جواب میں صفائی پیش کی اور کہا "جناب ہماری ایک عزیزہ دوسرے شہر سے آئیں۔ وہ فلم دیکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ گھر والوں کی ہدایت پر انہیں فلم دکھانے لے گیا۔"
یہ سن کر کہا گیا۔ "وہ تو ٹھیک ہے مگر جماعت کا نظم بھی کوئی چیز ہے۔"
اس پر ہمارے دوست نے کہا "نظم اپنی جگہ مگر غزل بھی کوئی چیز ہے۔"

(عطاالحق قاسمی ۔۔۔ جرم ظریفی)
اقراء افضل جٹ ۔۔۔ منچن آباد

بنیاد

کبھی نماز میں دل لگتا ہے، کبھی نہیں لگتا۔ کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے کبھی انتشار کبھی وسوسوں کا ہجوم ہوتا ہے۔ کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔ نماز کے وقت یکسوئی شاذو نادر ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس سے دل میں یہ کھٹک رہتی ہے کہ "ایسی ناقص نماز کا کیا فائدہ جو صرف اٹھک بیٹھک پر مشتمل ہو۔" رفتہ رفتہ ایک بات سمجھ میں آئی کہ عمارت کی تعمیر کے لیے ابتدا میں تو صرف بنیاد مضبوط کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے 'اس کے خوش نما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اس میں روڑے پتھر وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر عالیشان محل اور بنگلے تعمیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ناقص عمل کی مثال بھی کامل عمل کی بنیاد کے مترادف ہے بنیاد کی خوب صورتی اور بد صورتی پر نظر نہ کی جائے۔ جو کچھ جس طرح بھی ہو کرتا رہ۔ جیسے نماز گویا ناقص ہی ہو مگر حدود میں وہ ہو جاتی ہے۔ اسی پر عمل کرنے سے نماز کامل کا دروازہ بھی اپنے پر کھولنا شروع ہو جاتا ہے۔

(شہاب نامہ ۔۔۔ قدرت اللہ شہاب)
مہوش ظہور مغل ۔۔۔ نامعلوم

عورت اور مرد

سنا ہے عورت زندگی میں صرف ایک بار محبت کرتی ہے اس کا مطلب غالباً" یہ ہے کہ عورت ایک ہی مرد سے زندگی میں ایک دفعہ سے زیادہ محبت نہیں کرتی اسے ہمارا سوئے زن ہی سمجھیے۔ ورنہ ہم تو مردوں کے بارے میں بھی کوئی بات وثوق سے نہیں کہہ سکتے۔ اس لیے کہ جو دن دل کو بے مہار چھوڑنے کے لیے تھے اس زمانے میں قریبی اور دور کے بزرگوں نے دعاؤں اور پندو نصائح سے ہماری جنسی ناکہ بندی کر رکھی تھی۔ تاہم ہمارا خیال ہے کہ مرد بھی عشق و عاشقی صرف ایک بار ہی کرتا ہے دوسری مرتبہ عیاشی اور اس کے بعد نری بدمعاشی۔

(زرگزشت ۔۔۔ مشتاق احمد یوسفی)
اقرا ممتاز ۔۔۔ سرگودھا

روبینہ شریف

قابل رشک

ایک دکان دار نے اپنے ملازم سے کہا۔
"محنت اور ہوشیاری سے کام کرو گے تو ضرور ترقی کرو گے۔ مجھ کو دیکھیں' میں اس دکان پر ملازم آیا تھا۔ آج مالک بنا بیٹھا ہوں۔"
نیا ملازم آہ بھر کر بولا۔
"مگر جناب! آپ کے سابق مالک جیسے بھولے بھالے لوگ آج کل کہاں ملتے ہیں۔"
عظمیٰ شفیق..... جڑانوالہ

کالنگ کارڈ

ایک شخص کالنگ کارڈ لینے شاپ پر گیا بہت دیر تک کارڈز کا مطالعہ کرنے کے بعد اس نے 250 والا کارڈ منتخب کیا اور کہا۔
"جناب یہ والا کارڈ کتنے کا ہے۔"
عمارہ نثار..... ڈونگہ بونگہ

اس سادگی پہ

گاؤں کا غریب مزارع رحیم بخش' چوہدری جہانگیر سے اس کی بیٹی کا رشتہ لینے پہنچا۔ چوہدری جہانگیر نے غصے میں آگ بگولا ہوتے اپنے نوکروں کو رحیم بخش کی خوب خاطر تواضع کا حکم دیا۔ جب چوہدری جہانگیر کے نوکر اسے مارتے مارتے تھک کر بے حال ہوگئے تو رحیم بخش کپڑے جھاڑ کر ایک کونے میں جا کھڑا ہوا اور چوہدری جہانگیر صاحب سے پوری سنجیدگی سے پوچھا۔
"چوہدری جہانگیر صاحب پھر میں اسے آپ کا انکار سمجھوں۔"
فوزیہ ثمریٹ..... گجرات

وجہ تسمیہ

دو دوست آپس میں گفتگو کر رہے تھے' ایک کہنے لگا۔
"یار! آج کل تمہارے ہاتھوں سے بڑی اچھی خوشبو آرہی ہے جبکہ پہلے تو بدبو آتی تھی۔ کیا وجہ ہے اس خوشبو کی؟"
دوسرا دوست "یار وجہ کیا ہونی ہے۔ بس بیگم پہلے صابن سے برتن دھلواتی تھیں۔ آج کل لیکویڈ سے دھلوا رہی ہیں۔"
رابعہ عمران چوہدری..... رحیم یار خان

اندازہ

ایک کنجوس شخص کا رومال گم ہوگیا۔ اس نے رومال کی قیمت پوری کرنے کے لیے چار پانچ دن شیونہ کی۔ اس کے چھوٹے بیٹے کو اس بات کا علم ہوگیا۔ ایک دن دونوں باپ بیٹا بازار جارہے تھے کہ بیٹے کی نظر ایک سکھ پر پڑی۔
سکھ کی بڑی داڑھی دیکھ کر بیٹے نے باپ سے پوچھا۔
"ابو کیا اس شخص کا قالین گم ہوگیا ہے؟"
حافظ رملہ مشتاق..... حاصل پور

ڈراپ سین

ایک فرانسیسی ہوا باز اپنا جہاز رن وے پر اتارتے ہوئے بہت خوش تھا۔ نیچے عملے نے بھی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ایک ایئرمین اس کی وردی اور ہیلمٹ اتارنے میں اس کی مدد کرنے لگا۔
ہوا باز نے بڑے فخر سے کہا۔ "آج میں نے

جرمنوں کا بہت بڑا نقصان کیا ہے' دو جہاز گرائے' ایک آبدوز تباہ کی اور ایک بحری جہاز اڑا دیا۔"
"لیکن سر جی! آپ غلطی سے جرمنوں کے ہوائی اڈے پر ہی لینڈ کر گئے ہیں۔"

حنا کرن..... پتوکی

ناراضی

ایک فرماں بردار بیٹے نے سردیوں میں ایک گرم کوٹ پانچ ہزار روپے میں خریدا اور اسے اپنے والد صاحب کو بھیجنے کا ارادہ کیا۔ لیکن یہ سوچ کر کہ زیادہ مہنگا خریدنے پر والد ناراض نہ ہو جائیں۔ اس نے کوٹ پر 500 کا لیبل لگا دیا اور والد صاحب کو بھیج دیا۔ چند روز بعد والد کا خط ملا جس پر لکھا تھا۔
"کوٹ بہت گرم اور اچھا تھا۔ میں نے ساڑھے آٹھ سو روپے میں بیچ دیا تم ایسے ہی پانچ کوٹ اور بھیج دو اچھا منافع کا کام ہے۔"

ثمروٹ..... گجرات

ہوش میں

ایک عادی شرابی شوہر گھر میں داخل ہوا اور اپنی بیوی سے بولا۔
"چڑیل کہیں کی۔"
بیوی حیرت سے بولی۔ "آج آپ نے یہ کیا کہہ دیا؟ جب آپ انگریزی شراب پی کر آتے ہیں تو مجھے سبز پری کہہ کر بلاتے ہیں اور جب دیسی شراب پی کر آتے ہیں تو مجھے رانی کہتے ہیں۔ پھر آج یہ کیا ہوا؟"
شوہر بولا "میں آج پی کر نہیں آیا ہوں۔"

صبا خان..... بھاول پور

دعا

ایک بار ایک شخص نامور مزاح نگار حسین شیرازی صاحب کے پاس آیا اور زارو قطار روتے ہوئے ان کے پاؤں میں گر پڑا اور گڑگڑاتے ہوئے کہا۔
"میری شراب چھڑوا دیں۔"
شیرازی صاحب نے شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔
"فکر نہ کرو' میں دعا کروں گا۔"
اس شخص نے اسی طرح روتے ہوئے التجا کی
"صرف دعا نہیں کرنی' آپ نے کسٹم والوں سے بھی بات کرنی ہے۔"

فرحین فاطمہ..... کراچی

بے ساختہ

ایک شادی شدہ جوڑا فٹ بال کا بے حد شوقین تھا۔
ایک رات میاں بیوی مختلف موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کر رہے تھے۔ اچانک بیوی نے موضوع بدلتے ہوئے بڑے پیار سے پوچھا۔
"جان اگر میں مر گئی اور آپ کو دوسری شادی کرنی پڑی تو کیا آپ دونوں اسی گھر میں رہیں گے؟"
"میرا خیال ہے کہ ہاں' کیونکہ میں اسے دوسرا گھر فراہم نہیں کر سکتا۔" شوہر نے سچائی سے جواب دیا۔
"ہماری نئی ماڈل کی قیمتی کار کا کیا ہو گا' کیا آپ دونوں اسے استعمال کریں گے؟"
"کیوں نہیں بھئی! گاڑی استعمال کے لیے ہی ہوتی ہے۔" شوہر نے دلیل پیش کرتے ہوئے کہا۔
"میری فٹ بال کی ویڈیو کیسٹوں کا کیا ہو گا۔ آپ انہیں دیکھنے دیں گے؟" بیوی نے رقابت کا لبادہ اوڑھتے ہوئے کہا۔
"نہیں' نہیں....!" شوہر کے منہ سے بے ساختہ نکل گیا "وہ تو کرکٹ میچوں کی شوقین ہے۔"

نورین ظفر..... بھاولپور

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

شاہدہ..... لاہور

س۔ اگر خوش قسمتی کا دیوتا آپ کا در کھٹکھٹاتا رہے اور آپ مقفل کمرے میں گہری نیند کی وادیوں میں گم رہیں تو بے داری کے بعد جب صورت حال کا پتا چلے تو آپ کیا کریں گے؟

ج۔ سمجھوں گا میری قسمت میں نہ تھا' ایسا کچھ۔

شاہدہ نورین..... رحیم یار خان

س۔ ذوالقرنین بھیا؟ یہ تو بتائیں کہ عورت اگر سکون چاہے تو میکے چلی جاتی ہے' لیکن اگر مرد سکون چاہے تو کہاں جا سکتا ہے؟

ج۔ ہمیشہ کے لیے ملک سے باہر۔

فرزانہ سلیم..... میاں چنوں

س۔ بے یقین راستوں پر چلنے کا فائدہ؟

ج۔ یہ بزنس نہیں ہے کہ فائدہ اور نقصان دیکھا جائے۔

ام البنین سبحانی..... کراچی

س۔ انسان ہمت کب ہار بیٹھتا ہے؟

ج۔ جب مستقل نہلے پہ دہلا میں سوالوں کے جواب دینے پڑیں۔

ساجدہ نورین..... راجن پور

س۔

تیری سانسوں کی تھکن' تیری نگاہوں کا سکوت

در حقیقت کوئی رنگین شرارت ہی نہ ہو

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں

وہ تبسم' وہ تکلم تری عادت ہی نہ ہو

ج۔ بالکل صحیح سمجھیں آپ' میری یہ عادت ہی ہے۔ (تبسم اور تکلم)

ریحانہ صابو کر..... ٹھٹھہ

س۔ بھیا کیا صرف حوصلے سے انسان آگے بڑھ سکتا ہے؟

ج۔ ہمارا یقین ہے اس پر۔

ممتاز یار محمد..... لاہور

س۔ نین جی! جن پر اعتماد ہوتا ہے' وہی لوگ دھوکہ دے جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ج۔ اپنے ساتھ تو ابھی تک ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

✲ ✲

مدیرہ کرن

مریم انیس۔۔۔۔چوک اعظم

اس وقت عید کی تیاری خاصی زوروں پر ہے ہمارا جوائنٹ فیملی سسٹم ہے چار فیملیاں ایک ہی گھر میں لیکن یہ اللہ کا خاص کرم ہے کبھی آپس میں لڑائی جھگڑا نہیں ہوا نوک 'جھونک ہر جگہ ہوتی ہے مگر لمحاتی پھر ویسے ہی۔ اس اتفاق کا ایک یہ بھی فائدہ ہے ہم سب ایک ایک رسالہ منگوا لیتے ہیں اور آپس میں ادل بدل کر تمام کی کہانیوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں کرن چونکہ بڑی جیٹھانی منگواتی ہیں تو جناب جیسے ہی مجھے پڑھنے کے لیے ملا تو رسالہ کھول کر حسب عادت لسٹ دیکھی اور صفحہ صفحہ پڑھنا شروع کیا ایک وقت تھا۔ تب خواتین اور شعاع خریدتے وقت کرن کو ثانوی حیثیت پر رکھا جاتا تھا پیسے بچ گئے تو لے لیا ورنہ نظر بچا کر گزر گئے۔ کرن نے اپنے معیار کو بہت تیزی سے بدلا ہے 'عید اسپیشل میں کئی رائٹرز میری فیورٹ تھیں سب کو پڑھنا تھا مگر باری باری 'جس کہانی کا شدت سے انتظار تھا تو وہی کھولی یعنی "مہجور نشیمن" افف مصباح علی آپ تو کہانی کے ذریعے دلوں پر حکومت کرنے لگی ہیں اٹھتے بیٹھتے پکاتے کھاتے ہر وقت آپ کے کرداروں نے جکڑ رکھا ہے۔ کم از کم ایسا ناول کرن میں میں نے کبھی نہیں پڑھا اگلی قسط کا بے طرح سے انتظار یقین مانیں یہ پڑھنے کے بعد کچھ بھی اچھا نہیں لگا۔ پھر اگلے دن بمر سحر ساجد کا "کیسر" پڑھا ارے واہ واہ واہ 'کیسری رنگ واقعی کسری ہوتا ہے میری نانی کہتی تھیں جسے کیسری رنگ چڑھا پھر وہ سب ہارا بہت ہی خوب ہمارے اردگرد کی کہانی جسے خوب صورتی اور روانی سے سحر نے لفظوں میں پرو کر پیش کی 'عباس کا کردار محبت سے بھرا تھا کیسر تو گونڈی ہی محبت کی تھی۔ یہ دونوں کہانیاں رسالے کی جان تھیں باقی دونوں مکمل ناول معمول کی طرح اچھے تھے۔ افسانے سب ہی اچھے تھے اور خاص سبق آموز بھی مستقل سلسلوں میں عید سروے میں آسیہ آپی کے الفاظ دل میں جگہ بنا گئے "مسکراتی کرنیں" میں ہماری بہت ہی پیاری اقرا امتیاز بازی لے گئیں۔

ج : پیاری مریم! بہت خوشی ہوئی کہ آپ سب لوگ مل کر رہتے ہیں۔ کرن کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ آئندہ بھی تبصرہ کرتی رہیے گا۔

امیمہ۔۔۔۔استقلال آباد

بہت انتظار کے بعد بالآخر "مہجور نشیمن" نے اپنی چھب دکھائی اور پڑھ کر دل چاہا کہ کاش اگلا ماہ انگلی گھما کر آجائے۔ اوف مصباح دماغ جکڑ دیا۔

امتل عزیز کا ناول "سنگم" بہت ہی خوب صورت لکھنوی اور دہلوی زبان اور انداز میں لکھی گئی کہانی دل میں بھی گھر کر گئی۔ خاص کر تمکنت بیگم کے منہ پھلاتے انداز نما شکوے خاص طور پر جب شہروز منٹو کو اپنے جدی پشتی گھر میں لے آیا پھر اماں کے بول واہ بھئی خوب لکھا امتل عزیز نے۔

افسانے ابھی پڑھے نہیں رمضان میں وقت ہی نہیں ملتا۔ جن کہانیوں کا انتظار تھا وہ پڑھ لیں۔ عید کے متعلق مشورے بھلے لگے خاص طور پر "عید کا دسترخوان" خطوط کے جواب کا سلسلہ جب سے آپ نے شروع کیا ہے۔ اب خط لکھ کر بھیجنے کا لطف آنے لگا ہے۔

ج : پیاری بہن امیمہ! آپ نے اپنی طبیعت کی خرابی کے باوجود خط لکھا بہت خوش ہوئی کوئی بات نہیں آپ ہر ماہ جتنا خط لکھ سکیں لکھ دیا کریں۔

گڑیا۔۔۔۔میانوالی

جون کا شمارہ 12 تاریخ کو مل گیا تھا۔ ٹائٹل بہت پیارا لگا۔ پہلے حمد و نعت پڑھی۔ پھر انٹرویو کی جانب بڑھے۔

عمران اشرف کے انٹرویو کی میری بھی فرمائش تھی۔ آپ نے بن کہے پوری کردی۔ شکریہ پھر قسط وار ناول میں آسیہ کے "من مورکھ" کو پڑھا یہ کیا ہوا۔ عباد گیلانی کے چلے جانے سے حوریہ کا کیا ہو گا۔ پلیز جو بھی ہو لیکن حوریہ کو علی شاہ سے جدامت کرنا اور بابر کو عقل سے کام لینا چاہیے "راپنزل" اس مرتبہ پڑھا نہیں ہے۔ مکمل ناول میں "نمک پارے" بہت اچھا تھا۔ مریم کو دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے تھا کیا تھا جو دادی کو بھی دبئی ساتھ لے جاتی۔ رمضان کی وجہ سے مکمل رسالہ نہیں پڑھا۔ بس تانک جھانک کی ہے۔ افسانوں میں حمیرا نوشین کا "گنگناتی آئی عید" زبردست تھا واقعی غلطی مائرہ کی تھی اسے سوچنا چاہیے تھا کہ وہ بھی کسی کی نند ہے لیکن شکر ہے کہ اسے وقت سے پہلے عقل آگئی تھی۔ "کچن اور آپ" میں میں بھی شرکت کرنا چاہتی ہوں لیکن کس طرح صرف جوابات لکھ کر آپ کی طرف روانہ کردوں۔

ج : پیاری گڑیا! اس دفعہ تو آپ رمضان کی وجہ سے پورا کرن نہیں پڑھ سکیں مگر ہمیں امید ہے کہ آئندہ آپ پورا تبصرہ کریں گی۔ اور "کچن اور آپ میں" آپ ضرور شریک ہو سکتی ہیں جوابات کے ساتھ سوالات بھی تحریر کریں۔

یاسمین کنول.....پسرور

جون کا کرن اپنے خصوصی عید سرورق کے ساتھ نظر افروز ہوا۔ مہندی لگے ہاتھ دلکش ڈریسنگ ہنستے مسکراتے چہرے لیے دونوں ماڈل اچھی لگ رہی تھیں۔ پھر عید آئی ہے 'عید آئی بڑے زمانے میں' 'گنگناتی آئی عید' 'تحفہ عید ہو تم'۔ عید نمبر کے حوالے سے خصوصی کاوشیں پسند آئیں کرن کا عید نمبر زبردست رہا ہے۔

مستقل سلسلے اپنی مثال آپ ہیں سلسلے وار ناول اچھے جا رہے ہیں۔ اداریہ زبردست رہا سب قارئین کے دل کی آواز بیان کر کے عید مبارک کہی گئی ہے جی خیر مبارک آپ سب کو بھی ہماری طرف سے عید سعید کی خوشیاں مبارک ہو 'کرن کی کافی عرصے سے روایت رہی ہے کہ "کرن کا دستر خوان" مفت ملتا ہے اس بار عید کے حوالے سے خصوصی لگتا ہے۔

ج : پیاری یاسمین! لگتا ہے آپ نے بہت جلدی جلدی میں خط لکھا ہے۔ ہمیں اچھا لگتا اگر باقاعدہ کہانیوں پر تبصرہ کرتیں۔ بہر حال کرن کا عید نمبر کی پسندیدگی کا شکریہ۔

عشاء اعظم.....چوک اعظم

کرن کے سرورق پر کھلے رنگوں سے مزین ماڈلز گرمی کی عید کا پتا دیتی اچھی لگیں۔ عید کی کہانیوں سے سجا کرن بہت ہی اچھا لگا۔ "نمک پارے" پائے ام طیفور اچھا تھا۔ خاص کردادی کیا جاتا اگر دادی کو بھی دبئی کی سیر کروادی جاتی۔ امتل شہزاد کا بھی ہلکا پھلکا ناول اچھا تھا باہر سے آنے والی لڑکی کو ہمارے ہاں شرف قبولیت بہت مشکل سے ملتا ہے اور پھر خاص دہلوی طرز کے خاندان میں تو بہت ہی مشکل۔ "مہجور نشیمن" نے کرن میں پھیل کر چار اطراف کرنیں پھیلا دیں۔ آخر میں مصباح علی نے خوب حیرت زدہ کردیا اتنے برجستہ جملے کہ تعریف الفاظ کم پڑ گئے۔ پھر کہانی میں چلتے چلتے یک دم از میر اور مریم کی ڈیتھ نہیں بھئی نہیں مصباح ہم یہ صدمہ سہہ نہیں پائیں گے۔ افسانوں میں "گنگناتی آئی عید" بہت فٹ لگا۔ اور سبق آموز بھی بھئی اگر نند آہی جاتی ہے تو ایسا سلوک نہیں کرنا چاہیے آخر کبھی یہ اس کا بھی گھر تھا۔ نفیسہ سعید کا بھی بہت اچھا لگا ہم بلا تحقیق کے غلط فہمیاں پالتے ہیں۔ کرن کتاب سے اس بار ہم صحیح طور پر مستفید ہوں گے۔

ج : پیاری عشاء! آپ نے پہلی دفعہ کرن میں خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا بہت اچھا لگا آئندہ بھی اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا۔

ارم بشیر.....اسلام آباد

سب سے پہلے تو سب لوگوں کو عید کی خوشیاں مبارک ہوں اور پاکستان انڈیا سے ٹرافی جیت گیا اس کی تو بہت ہی زیادہ مبارک ہو۔ سب کو۔ اس ماہ کا کرن اے ٹو زیڈ بہت اچھا تھا۔ ماڈلز کے جوڑے اور مہندی بہت اچھی تھی "پھر عید آئی ہے" میں محسن عباس حیدر کے بارے میں یہ جان کر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ شادی شدہ ہیں اور ہیں ان کا بیٹا بھی ہے۔ ناولز میں پہلے ظاہر ہے "من مورکھ" کی بات ہو گی بھئی مجھے تو سمجھ نہیں آرہی یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا اور یہ کیا فضا اب کیا پھر بابر سے رابطہ کرے گی ویل دیکھتے ہیں اب آسیہ جی کیا کرتی ہیں "رائی کا پہاڑ" نفیسہ

سعید نے بہت اچھا میسج دیا ویل ڈن "نمک پارے" بھی دلچسپ لگا باقی سارے سلسلے بھی بہت اچھے تھے لیکن اس بار جو کہانی بہت زیادہ پسند آئی وہ تھی نادیہ احمد کی "عید آئی بڑے زمانے میں" بھئی واہ واہ مزا آگیا ویل ڈن نادیہ۔

ج : پیاری ارم! آپ نے بس چار کہانیوں پر تبصرہ۔ باقی کہانیوں پر بھی کرتیں تو ہمیں آپ کی رائے سے آگاہی ہوتی۔ آپ کی کہانی قابل اشاعت ہونے کی صورت میں شائع کردی جائے گی۔

صبا خان..... بہاولپور

کرن کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ سچ مچ ایک بہترین رسالہ ہے اس کے بعد تبصرہ شروع کرتی ہوں۔ ٹائٹل گرلز بہت ہی فریش فریش لگ رہی ہیں۔ "پھر عید آئی" میں احوال پڑھ کر مزا آیا۔ اداکارہ ماہم عامر کے بارے میں جان کر اچھا لگا۔ باقی سلسلے بھی بہترین اور عید کی مناسبت سے لگے اس کے بعد فہرست پر نگاہ ڈالی سارے نام ہی معتبر لگے تو دل خوش ہوگیا۔ پہلے سلسلہ وار ناول کی باری آئی۔ تنزیلہ ریاض کے ناول "راپنزل" کی قسط پڑھنی شروع کی تو تشنگی جاتی رہی۔ آسیہ مرزا کا "من مورکھ کی بات" بس ٹھیک جارہا ہے۔ اس کے بعد مکمل ناول کی جانب دوڑ لگائی سب سے اچھی تحریر امتل شہزاد کی لگی "سنگم" بہت ہی اچھے انداز میں لکھا گیا توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ ام طیفور کا "نمک پارے" بھی مزے کا تھا' روزے میں یہ کیا غضب کیا۔۔۔۔ ہاہاہاہا۔ مصباح علی سید کا "مہجور نشیمن" کی قسط نہیں پڑھ سکی تو تبصرے سے معذرت' ناولٹ پڑھ لیے تو ان میں سب سے بہترین صدف آصف کا "دم قدم" لگا۔ ہلکے پھلکے انداز میں لکھی گئی بہترین تحریر مزا دے گئی۔ منشا محسن علی کا "میلا" بھی اچھا جارہا ہے۔ گڈ افسانوں میں چاروں رائٹرز نے کمال کر دیا اس لیے میری طرف سے ان سب کو مبارک باد پیش کردیں۔ آپ سب کو بھی عید مبارک۔

ج : پیاری صبا! بہت خوشی ہوئی کہ آپ کو جون کا "کرن" پسند آیا۔ چاروں رائٹرز کو آپ کی مبارک باد پہنچائی جارہی ہے۔

سائرہ راؤ..... دنیاپور

سب سے پہلے کرن کے پورے اسٹاف کو عید کی مبارک باد۔ ماڈلز کو دیکھ کر تازہ دم ہو گئے' ان کے لباس پھولوں کی تازگی بخش رہے تھے۔ حمد و نعت سے فیض اٹھانے کے بعد' ماہم عامر سے ملاقات کی' سروے اچھا لگا "مقابل ہے آئینہ" کا انداز بھی من کو بھا گیا۔ سلسلہ وار ناول میں تنزیلہ ریاض اپنے مخصوص انداز میں "راپنزل" کی قسط لائیں اور چھا گئیں۔ آسیہ مرزا معذرت کے ساتھ "من مورکھ کی بات" کچھ طوالت کا شکار ہے۔ مکمل ناول میں مصباح علی سید کا "مہجور نشیمن" اچھا لگا۔ اس بار ام طیفور کے "نمک پارے" بڑا مزا دے گئے۔ امتل شہزاد کا "سنگم" بھی بڑا سہانا لگا۔ ناولٹ میں صدف آصف کا "دم قدم" پڑھ کر منہ سے بے ساختہ واہ واہ نکلی۔ رائٹر نے ایک سادہ سی بات کو جتنے اچھے انداز میں ہم تک پہنچائی سچ میں پڑھ کر مزا آگیا۔ سحر ساجد کا "کیسر" بھی لاجواب لگا۔ لکھنے کا انداز مزا دے گیا۔ افسانے سب ہی اچھے لگے۔ مگر **فصیحہ آصف خان** کا "تحفہ عید ہو تم" بیسٹ تھا۔ باقی سلسلے بھی اچھے لگے۔ خاص طور پر "کرن کا دستر خوان" عید میں مددگار ثابت ہوا۔

ج : پیاری سائرہ! بہت خوشی ہوئی آپ اس دفعہ بھی آپ نے کرن پر تبصرہ کیا۔ ہمیں افسوس ہے کہ آپ کو "من مورکھ کی بات نہ مانو" طوالت کا شکار لگ رہی ہے جبکہ پیاری بہن اگر رائٹر تمام پہلوؤں کو لے کر نہیں چلیں گی تو آپ کو بھی ناول میں مزا نہیں آئے گا۔

اقراء ممتاز..... سرگودھا

میری طرف سے سب کو عید الفطر کی بہت مبارک ہو۔ اس دفعہ ٹائٹل' گرلز کا بہت پسند آیا۔ ٹائٹل گرلز کی مسکراہٹ کے ساتھ اندر داخل ہوئے "پھر عید آئی" میں سب کو سنتے میری بھی سنیے میں عمران اشرف تک پہنچے "مقابل ہے آئینہ" میں اپنے جوابات پڑھتے ہوئے مکمل ناول "مہجور نشیمن" مصباح علی سید تک پہنچے۔ اس تحریر کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہے۔ اس دفعہ اس تحریر نے آنسو بہانے پر مجبور کردیا۔ میرز کا اور راز میر کی خفگی تو دور ہوئی۔ یہی جدائی نے پھر ڈیرہ ڈال دیے۔ مصباح علی آپ کی یہ تحریر بہت زبردست ہے دوسری تحریروں سے ہٹ کر۔ روائیبہ تو ہے ہی معصوم بلی سی۔ فلوریہ نے اپنی بہن مریم کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔ مکمل ناول "سنگم" امت العزیز

شہزاد کی تحریر بھی شاندار رہی۔ تمکنت بیگم کا تو اللہ ہی حافظ ہے۔ اس طرح کے لوگ ہر چیز پر اپنا رعب کیوں جمائے رہتے ہیں۔ سید وجاہت حسین کے ساتھ ہمدردی ہوئی۔

ناولٹ "کیسر" اپنے نام کی طرح کیسر تھا۔ افسوس ہوا صغریٰ اچھی ماں ثابت نہ ہو سکی۔ اپنے ہی بیٹے کی خوشیوں کو کھا گئی۔ عباس اور کیسر کا مل جانا ہی باعث خوشی ثابت ہوا۔

ناولٹ "عید آئی بڑے زمانے میں" نادیہ احمد کی تحریر نے مسکرانے پر مجبور کر دیا۔ روزینہ تو بڑی پنجابی فلموں کی طرح ہیروئن نکلی۔ صد شکر ہے عبدالشکور کی والدہ نے سنجری پر ہاتھ ہولا رکھا۔ اینڈ پر دونوں شعر کیا خوب صورت تھے۔

ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو گئے باقی رسالہ زیر مطالعہ ہے کیوں کہ اس رمضان مابدولت اعتکاف بیٹھنے کا شرف حاصل کرنے لگے ہیں۔ اس لیے دو دن یہ ہی کہانی پڑھ سکی ہوں۔ "نام میرے نام" میں ارم بشیر اور طاہرہ ملک کی واپسی اچھی لگی۔ ایک سال ہو گیا مجھے کرن میں لکھتے ہوئے۔ شکر ہے ہر دفعہ میرا خط شائع ہو کر آجاتا ہے۔ کرن ہی واحد رسالہ ہے۔ جس نے مجھے برداشت کیا ہوا ہے۔

ج : پیاری اقراء! یہ کیا بات کہی آپ نے کہ کرن نے برداشت کیا ہوا ہے۔ ہمیں تو خوشی ہوتی ہے کہ آپ ہر ماہ اپنی رائے کا اظہار کرتی ہیں۔ آپ بہنوں کی آراء سے ہی تو کرن خوب سے خوب تر ہو گا۔

عاصمہ ابراہیم..... تلمبہ

بہت دنوں بعد حاضر ہو رہی ہوں۔ پہلے پڑھائی کی مصروفیت پھر امتحان کی مصروفیت تھی۔ اب الحمدللہ میں بالکل فارغ ہوں تو جی تمام کرن اسٹاف 'رائٹرز' قارئین کو میری طرف سے عید مبارک ہو۔

کرن خلاف معمول 12 کو ملا۔

کرن اس بار بھی اچھا تھا مگر اس بار جو کہانی سب سے زیادہ اچھی لگی وہ ہے "کیسر" کتنی من موجی ٹائپ کی لڑکی تھی "کیسر" اور عباس کا کردار بہت اچھا لگا۔ ثابت قدم اور سچا محبت کرنے والا۔

آسیہ مرزا کے ناول میں جب سے حازم فوت ہوا ہے کچھ خاص مزا نہیں آتا البتہ اس بات پر خوشی ہوئی فضا کو نصیر کی محبت کا یقین آگیا۔

مکمل ناول "مہجور نشیمن" ابھی تک تو اچھی ہے مجھے لگتا ہے حنبل ذکا کی شادی روائیبہ سے ہو گی یا پھر جندب سے ویسے بھی حنبل تو روائیبہ سے بہت بڑا ہے۔

صدف آصف کا ناولٹ "دم قدم" بھی اچھا تھا۔ شازب اچھا شوہر ثابت ہوا تھا احسانیہ کے معاملہ میں اور شکر ہے وانیہ کو جلدی ہی ہدایت آگئی تھی۔

"بیلا" بہت زبردست کہانی ہے۔ بیلا کا کردار بہت مضبوط ہے فاروق احمد کے صبر پر بہت حیرت ہوئی اور مشا جی بیلا کو منعم علی سے ضرور ملوانا۔

"سنگم" کہانی بھی ٹھیک تھی اور باقی افسانے وغیرہ بھی اچھے تھے۔ اس بار "کرن کا دستر خوان" بہت پسند آیا۔

ج : پیاری عاصمہ! یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ آپ پہلے پڑھائی پر توجہ دیتی ہیں اور بعد میں کسی اور طرف ہماری دعا ہے کہ اللہ آپ کو امتحان میں بہت اچھے نمبروں سے کامیاب کریں۔ آمین۔

آمنہ حسین آرائیں..... شہداد پور

سب سے پہلے ادارے' قارئین اور تمام رائٹرز کو دلی عید مبارک جون کی حبس اور گرمی کے ساتھ ٹائٹل پسند نہیں آیا۔ مصباح علی سید کا "مہجور نشیمن" پہلی قسط پڑھ کر بور ہوئی ناموں کے مشکل ہونے کی وجہ سے مگر دوسری اور تیسری قسط پڑھ کر دل خوش ہو گیا۔ مصباح ہمیشہ کی طرح یہ ناول بھی زبردست لے کر جا رہی ہیں۔ اگلی قسط کا بے صبری سے انتظار ہے۔ ام طیفور "نمک پارے" واہ واہ کمال کا لکھا۔ میں نے اپنے منگیتر کو کہا پڑھنے کو' انہیں بھی بہت پسند آیا۔ ناولٹ میں سحر ساجد کا "کیسر" اچھا تھا۔ صدف آصف "دم قدم" ہمیشہ کی طرح ہلکا پھلکا مگر لاجواب لکھا۔ "بیلا" بس سو سو ہے۔ افسانے میں نفیسہ سعید کا بہترین تھا اور کرن کی مسکراہٹ تھا نادیہ احمد کا "عید آئی بڑے زمانے میں" نادیہ احمد آپ تو مزاح بھی زبردست لکھتی ہیں۔ نادیہ احمد آئیں اور چھا گئیں۔ ایم بی بی ایس کی پڑھائی میں آپ لوگوں کے رسالے ہی ہمیں بہت لطف دیتے ہیں۔ جس کے لیے میں ادارے کی بہت شکر گزار بھی ہوں۔

ج : آمنہ! آپ کو منگیتر کی جاب' بہت' بہت مبارک ہو۔ کرن کی کہانیوں کو پسند کرنے کا بے حد شکریہ۔

فوزیہ ثمر بٹ، ہانیہ عمران، آمنہ رئیس۔۔۔ گجرات

شاہ خاور سارا دن تابڑ توڑ گرمی برسانے کے بعد تھوڑے خوشگوار موڈ میں آچکے ہیں۔ جون کا کرن شام کو خوب صورت ماڈلز کے ساتھ ساتھ درشن کرتا ہوا ملا۔

حسب معمول سب سے پہلے "نامے میرے نام" میں دیکھا۔ بس پھر کیا دیکھنا غضب ڈھا گیا یعنی کہ ماہ دولت کی انٹری نہیں تھی۔

"حمد باری تعالیٰ، نعت رسول مقبول ﷺ" ہمیشہ کی طرح دل کا سرور رہے۔ "عید آئی ہے" سروے کے جوابات اچھے تھے۔

شہناز نقوی کا مزاج اور باتیں منفرد لگیں اور اچھی بھی۔

"میری بھی سنیے" میں عمران اشرف چھائے رہے۔ "مقابل ہے آئینہ" اچھا ہو گیا۔ مستقل سلسلے اچھے تھے۔

شاعری میں بھی مجھے اداسی نظر آئی یا پھر شاید ہمارے من کے اندر یہ اداسی تھی۔ "کچھ موتی چنے ہیں" باکمال تھے سارے موتی بلکہ ہیرے۔

"راپنزل" کچھ جلدی میں نہیں سمیٹ لیا رائٹر نے۔ کیا لاسٹ قسط میں ہی سارا کچھ بیان کریں گی۔

"من مورکھ" مجھے لگتا ہے یہ بھی آخر منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

ام طیفور کا "نمک پارے" بے مثال رہا۔ پائین اخلاق کا کردار دلچسپ رہا۔ دادی کی موت کا افسوس ہوا کیا تھا جو دادی بھی دبئی دیکھ لیتیں۔

ناولٹ میں بیلا تو ہے ہی بیسٹ مگر "کیسر" لاجواب تحریر رہی۔ "کیسر" جیسا گیٹ اپ اس معاشرے میں ذرا مشکل سے لوگوں کو ہضم ہو تا ہے۔ پھر بھی مزے کا تھا۔

"دم قدم" بھی اچھی تحریر تھی افسانہ کی اچھی فطرت دانیہ کی بری فطرت پر چھائی رہی سچ ہے برائی کے بدلے برائی نہیں اچھائی ہی اچھی لگتی ہے۔ افسانے "حمید آئی بڑے زمانے میں" مزاحیہ تحریر تھی اور اچھی بھی لگی۔

"رائی کا پہاڑ" حقیقت یہی ہے لوگ ہوتے ہیں جو بگڑی بات کو سنوارنے کے بجائے بگاڑنے میں لگے رہتے ہیں۔

"کچن اور آپ" کے جو سوال ہیں کیا وہ کرن کتاب میں آیا کریں گے ہر ماہ۔ "مقابل ہے آئینہ" میرے جوابات قابل اشاعت نہیں تھے کیا۔ سب کو میری طرف سے ڈھیروں عید مبارک ہو۔ اللہ پاک یہ عید خوشی کے ساتھ منانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ج : فوزیہ جی! آپ سے معذرت کہ صفحات کی کمی کی وجہ سے آپ کا خط شائع نہ ہو سکا "کچن اور آپ" کا سلسلہ کرن کا دسترخوان کے لیے ہیں اسی میں جوابات شائع ہوں گے۔ ہم معذرت کرتے ہیں کہ "مقابل ہے آئینہ" میں آپ نے "کچن اور آپ" کے سوالات مکس کر دیے ہیں۔ آپ ہمیں دوبارہ "مقابل ہے آئینہ کے جوابات ارسال کیجیے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ وہ "نامے میرے نام" میں پیغام دینے کے بجائے "کرن کا دسترخوان" میں ایک نیا سلسلہ "آپ کا پیغام اپنوں کے نام" کے ذریعے اپنا پیغام دے سکتی ہیں۔

انوش ابصار۔۔۔ اسلام آباد

کرن ہاتھ میں آتے ہی سب سے پہلے "نامے میرے نام" کی جانب دوڑ لگائی تھی۔ دیکھ کر خوشی سے چیخ نکلی اپنے لکھے کو ہی کئی بار پڑھا، واقعی کرن نے دل میں گھر کر لیا ہے بس ایک شکوہ ہے یہ آتا بہت دیر سے ہے۔

سب سے پہلے آسیہ مرزا "من مورکھ کی بات نہ مانو" بابر کے بدلنے پر دل سے خوشی ہوئی۔ مکمل ناول تینوں ہی زبردست تھے "مہجور نشیمن" کی تو کیا ہی بات ہے، خواتین میں فرحت اشتیاق نے "جو بچے ہیں سنگ" لکھ کر اسپین کی سیر کروائی، شعاع میں نمرہ جی نے "جنت کے پتے" لکھ کر ترکی سے روشناس کروایا اور اب کرن بھی پیچھے نہیں رہا مصباح سید علی کا "مہجور نشیمن" ہمیں اٹھا کر آسٹریلیا لے گیا۔

گھر بیٹھے مفت ملکوں کی سیر کا آپ نے خوب بندوبست کر رکھا ہے۔

ناولٹ بھی سارے پسند آئے خاص طور پر صدف آصف کا "دم قدم" باقی ناولٹ پہ بازی لے گیا۔ افسانے اس بار موسوم تھے۔

ج : پیاری انوش! آپ ہر ماہ خط لکھ سکتی ہیں اور ہر ماہ آپ کا تبصرہ شامل اشاعت ہو سکتا ہے۔ کرن کی پسندیدگی کا شکریہ۔

☆ ☆